روزمرہ پیش آنے والے واقعات و حالات
سے متعلق ۳۶۰ احادیث کا مجموعہ

حدیث الیوم

گھروں، دکانوں اور مجلسوں میں حصولِ برکت اور
عمل کرنے کی نیت سے روزانہ ایک حدیث کی تعلیم کریں،
ان شاء اللہ ہماری زندگی میں مثبت تبدیلی آئے گی۔

تالیف
ابو عبد الاوّل محمد حامد ناصری
استاذ حدیث دار العلوم (الایمان) کنشاسا جمہوریہ کونگو افریقہ

مكتبة الاتّحاد
ديوبند (الهند)

روزمرہ پیش آنے والے واقعات و حالات
سے متعلق ۳۶۰ احادیث کا مجموعہ

گھروں، دکانوں اور مجلسوں میں حصولِ برکت اور
عمل کرنے کی نیت سے روزانہ ایک حدیث کی تعلیم
کریں، ان شاء اللہ ہماری زندگی میں مثبت تبدیلی آئے گی۔

—— تالیف ——

ابو عبد الاوّل محمد حامد ناصری
استاذ حدیث دار العلوم (الایمان) کنشاسا جمہوریہ کونگو افریقہ

مکتبۃ الاتّحاد
دیوبند (الھند)

فہرست عناوین

پیش لفظ

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم، أمّا بعد:

آج سے کوئی تین سال قبل حضرت مولانا یونس صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کا "آج کا سبق" جو یومیہ ہوتا ہے، سن کر مجھے یہ داعیہ ہوا کہ میں بھی یومیہ کچھ دینی باتیں عوام تک پہنچاؤں؛ چناں چہ رفیق محترم مفتی محتشم الحق پورنوی — سابق معین مدرس: دار العلوم، دیوبند — اور مولانا ابراہیم دھنیاوی صاحبان — مدرسین دار العلوم الایمان، کنشاسا، کونگو، افریقہ — سے مشورہ کے بعد طے پایا کہ آج کی حدیث کے عنوان سے واٹس ایپ پر ایک گروپ بنایا جائے اور یومیہ ایک حدیث نشر کی جائے۔ مشورہ کے مطابق یہ کام شروع ہوا اور کافی مقبول بھی ہوا۔ پھر یہ خیال آیا کہ جو کام صوتی پیغام کے ذریعہ کیا جارہا ہے، اگر ایک جگہ کتابی صورت میں جمع ہو جائے؛ تو نفع دو بالا ہو جائے گا۔ احباب سے کافی مشورہ کے بعد، یہ طے پایا کہ کتابی شکل میں بھی کام ہونا چاہیے۔

چناں چہ اس مقصد کے پیش نظر کتاب کی ترتیب شروع کی کہ ہر شخص اپنے گھر میں یہ اہتمام کرے کہ تھوڑا وقت نکال کر حدیث پر عمل کرنے کی نیت سے روزانہ ایک حدیث کی تعلیم کرے۔ لیکن میرے ساتھ پریشانی یہ ہے کہ تعلیمی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ مدرسہ کے دیگر مشاغل بھی کافی تھے اور ہیں، بایں وجہ دونوں کام ایک ساتھ مشکل تھا؛ اس لیے یہ فیصلہ کیا کہ فی الحال نشریات ترک کر کے جمع وترتیب کا کام کر لیا جائے۔ جب یہ اعلان عام ہوا؛ تو لوگوں کے پیغامات آنے شروع ہوئے کہ ایسا نہ کریں اس سلسلہ کو جاری رہنے دیں، اس سے بہت فائدہ ہو رہا ہے۔ لوگوں کے تاثرات اس پروگرام کے سلسلہ میں بہت امید افزا ہیں، خاص کر محمد معاذ بھائی، (ممبئی سینٹرل) نے تو بہت اصرار کیا اور کئی بار فون کیا؛ لیکن جب میں نے ان کو تفصیل سے ساری باتیں بتائیں؛ تو بہت خوش ہوئے اور پھر بار بار پوچھتے رہے کہ کام کہاں تک پہنچا۔ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ پاک ان کو بصارت اور بصیرت دونوں سے نوازے۔ آمین!

ابھی کام کا آغاز ہی کیا تھا کہ چند ماہ بعد ایک دوسرا اہم کام خیالِ ذہن ودماغ میں بستا چلا گیا، وہ یہ کہ

دارالعلوم الایمان کی مسجد میں موقع بموقع میں نے جو خطبات دیے تھے کچھ اضافے کے ساتھ اس کا مجموعہ پہلے تیار ہو جانا چاہیے، چناں چہ اس کام میں مشغول ہو گیا اور — الحمد للہ — خطباتِ جمعہ کا عربی مجموعہ: "صوت المنبر" کے نام سے منظر عام پر آگیا جس کی طباعت مکتبہ نعیمیہ، دیوبند نے کی ہے، پھر مابعد چند احباب نے مشورہ دیا کہ "ألفية الحديث" اور "مشكاة الآثار" پر بھی اگر کام ہو جائے تو بہت مناسب رہے گا؛ اللہ کے فضل و کرم سے ان دونوں کتابوں کی تصحیح و تعلیق کا کام مکمل ہو چکا ہے اور اب اس پر نظر ثانی کا کام چل رہا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ یہ کام بھی تکمیل تک پہنچ جائے۔

اور آج قبیل عصر — الحمد للہ — اِس مجموعہ کی ترتیب سے بھی فارغ ہوا۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ پاک اس کوشش کو شرف قبولیت سے نوازے۔ میں اس موقع پر مولانا خورشید عالم داود قاسمی، صدر شعبۂ اسلامیات، مون ریز ٹرسٹ اسکول، زامبیا افریقہ، اور مولانا سراج اکرم قاسمی، نائب ناظم مدرسۃ الہدایہ، کونگو، افریقہ کا شکر گزار ہوں کہ ان دونوں حضرات نے از اول تا آخر پوری کتاب دیکھ اور پڑھ کر جہاں ضرورت تھی، وہاں اصلاح کر کے مفید مشوروں سے نوازا۔ اللہ پاک ان حضرات کو جزائے خیر دے! آمین!

میں نے اس کتاب میں حدیث کی عربی عبارت، اس کا سلیس ترجمہ، فائدہ کے عنوان سے مختصر مفہوم اور اخیر میں راوی کے مختصر حالات ذکر کیے ہیں۔ اس کتاب میں جو بھی باتیں پیش کی گئی ہیں، ان کے حوالے جات کا مکمل اہتمام کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ — ان شاء اللہ — یہ کتاب ہماری زندگی میں مثبت تبدیلی لائے گی۔ کتاب پڑھتے وقت مؤلف اور ان کے اہل خانہ کو بھی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ علما حضرات سے گزارش ہے کہ اگر کوئی غلطی نظر آئے؛ تو مؤلف کو فوراً مطلع کریں؛ تاکہ اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ کتاب کی تصحیح بھی ہو جائے۔

ابو عبد الاول محمد حامد ناصری قاسمی

ناصر گنج نستہ، کنکا، دربھنگہ (بہار) ہند

استاذ حدیث: دار العلوم الایمان، کنشاسا، کونگو، افریقہ

تبریک و تحسین

حضرت مولانا فضیل احمد ناصری قاسمی

نائب ناظم تعلیمات جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی؛ اما بعد

اطاعت خداوندی اور اتباع سنت ہی کا نام کامل اسلام ہے اور ہمیں اسلام کامل پر چلنے کی ہی تلقین کی گئی ہے۔ اقوام عالم پر غلبے کا دار و مدار بھی اسی اسلام کامل پر ہے۔ نبی کریم علیہ السلام اسی کی تبلیغ کرتے رہے، صحابہ وتابعین نے اسی کی اشاعت وابلاغ کو اپنا مشن بنایا؛ ان کے بعد سارے ہی ذمہ دار علما اسی دعوت کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ آج بھی یہ کوششیں اسی نہج پر جاری ہیں۔

قرآن وحدیث سرچشمۂ ہدایت ہیں، ان پر عمل درآمد سے ایمان جلا پاتا اور فکر مستقیم ہوتی ہے۔ انسان مقصد زندگی پاتا اور منزل کی جانب مستعدی سے رواں دواں ہوتا ہے۔ جو شخص ان دونوں سے قریب تر رہے گا اس کا ایمان واسلام اسی قدر قابل رشک رہے گا۔

احادیث قرآن ہی کی تفسیر ہیں، پیغمبر ﷺ نے اپنی امت کی رہ نمائی کے لیے جو اعمال اشغال پیش فرمائے ہیں ان پر چل کر ہی ہم دنیوی اور اخروی سعادتیں حاصل کر سکتے ہیں۔

محترم جناب مولانا محمد حامد ناصری صاحب زید مجدہم ہمارے خانوادے کے ایک علمی فرزند ہیں، اس وقت دار العلوم الایمان کنشاسا جمہوریہ کونگو سینٹرل افریقہ میں بخاری شریف پڑھاتے ہیں، بڑی اچھی اور قابل رشک استعداد کے مالک ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ لایعنیات اور فضولیات سے انہیں کد ہے پڑھانا لکھانا اور لکھنا پڑھنا ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے، قبل ازیں الفیۃ الحدیث اور مشکاۃ الآثار --دونوں حدیث کی درس نظامی کی کتابیں ہیں-- ان کی تخریج وتحشیہ کے ساتھ منظر عام پر آچکی ہیں، مزید جمعہ کے خطبہ کا ایک وقیع مجموعہ بھی علما کے ہاتھوں پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔ اسلام کی سربلندی

اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے سر گرم رہتے ہیں۔

ایک ایسے وقت میں جب کہ سوشل میڈیا تضیع اوقات کا ایک خوبصورت فریب بن کر رہ گیا ہے، مولانا ناصری نے اسی سے ضرب کلیم کا کام لیا۔ روز ایک حدیث مع تشریح صوتی پیغام کی صورت میں پیش کرتے رہے اُنھیں حدیثوں کا مجموعہ یہ کتاب "حدیث الیوم" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ خاکسار نے بھی اس سے استفادہ کیا ہے۔ کتاب اچھی اور مقصد میں کامیاب ہے۔ اس کا مطالعہ ان شاء اللہ ایمان میں حرارت اور قلب میں سوز پیدا کرے گا اور با معنی زندگی گزارنے میں بڑی مدد دے گا۔

احقر مولانا ناصری صاحب کے لیے تہ دل سے دعا گو ہے کہ ان کا علمی و قلمی سفر یونہی گرم و تر رہے اور ان کی تخلیقات و نگارشات امت کی قبلہ نمائی کرتی رہیں۔

(مولانا) فضیل احمد ناصری

خادم حدیث و نائب ناظم تعلیمات جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

۱۴۴۲/۴/۲۶

تقــریظ

حضرت مولانا مفتی محمــد نسیم صاحب بارہ بنکوی

نائب ناظم تعلیمات دارالعــلوم دیو بند

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خاتم النبيين وسيد الأنبياء والمرسيلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين.

دار العــلوم دیوبند کے نوجوان فاضل مولانا محمد حامد ناصری قاسمی استاذ حدیث دار العلوم الایمان، کنشاسا کونگو، افریقہ نے پہلے "آج کی حدیــث" کے عنوان سے واٹس ایپ پر روزانہ ایک حدیث شریف اور اس کا عام فہم ترجمہ مختصر تشریح کے ساتھ صوتی پیغــام کے ذریعہ نشر کیا، جس کو سننے والوں نے بہت پسند کیا، اور اس سے لوگوں کو بہت فائدہ ہوا، پھر اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کتابی شکل میں جمع کر دیا ہے۔ اس کتاب کا نام حدیــث الیوم رکھا ہے۔ اس میں تین سو ساٹھ احادیث مبارکہ کو عام فہم ترجمہ اور مختصر تشریح کے ساتھ عمدہ طریقے پر تحریر کیا ہے۔ اور تمام باتوں کو کتابوں کے حوالے سے مزین کیا ہے۔ کتــاب دیکھ کر خوشی ہوئی۔ در حقیقت یہ کتاب قیمتی مضامین کا حسین گل دستہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور کتاب کو قبولیت سے سرفراز فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)۔

(مولانا مفتی) محمد نسیم بارہ بنکوی

استاذ دار العلوم دیوبند، ضلع سہارنپور یوپی انڈیا

بروز جمعہ ۲۵/ربیع الثانی ۱۴۴۲ ہجری

۱۱/دسمبر ۲۰۲۰ عیسوی

تاثرات: مولانا خورشید عالم داود صاحب قاسمی

اللہ کے نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا، فَحَفِظَهُ حَتَّى يُبَلِّغَهُ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيهٍ: "اللہ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی، اس کو یاد کیا؛ یہاں تک کہ اس کو (دوسروں تک) پہنچایا؛ کیوں کہ کچھ مسائل کی بات یاد کرنے والے اس کو اس شخص تک پہنچاتے ہیں، جو اس سے زیادہ سمجھدار ہوتا ہے اور بعض مسائل کی بات یاد کرنے والے فقیہ نہیں ہوتے ہیں"۔ لوگوں تک پہنچانے کی مختلف صورتیں ہیں، مثلا: تدریسی خدمات کے ذریعے حدیث کو آنے والی نسل میں منتقل کرنا، وعظ و نصیحت کے ذریعے حدیث کو لوگوں تک پہنچانا، تصنیف و تالیف کے ذریعے حدیث کو عوام و خواص تک پہنچانا وغیرہ وغیرہ۔

زمانہ ماضی سے اب تک بہت سے اہل علم حضرات نے رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کی مختلف طریقے سے خدمات انجام دی ہے؛ تاکہ امت ان سے استفادہ کرے اور وہ آنے والی نسلوں میں منتقل ہوتی رہیں۔ گرامی قدر حضرت مولانا محمد حامد ناصری صاحب قاسمی — حفظہ اللہ ورعاہ — نے بھی مختلف طریقے سے حدیث شریف کی چند کتابوں پر اپنی خدمات پیش کی ہیں۔ یہ کتاب: "حدیث الیوم" بھی ایک بڑی خدمت ہے۔ اس کتاب میں مولانا موصوف نے (۳۶۰) احادیث شریفہ جمع کی ہیں۔ ہر حدیث اردو ترجمہ مختصر تشریح سے مزین ہے۔ پھر آخر کتاب میں مذکور احادیث کو نبی اکرم ﷺ سے نقل کرنے والے صحابہ کے احوال بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ کتاب میں جو بھی مضامین پیش کیے گئے ہیں، وہ سب باحوالہ ہیں، الحمد للہ۔

میں نے اس کتاب پر تقریبا دو تین مہینے میں نظر ثانی کی اور اس کے مقصد کو بھی سمجھا، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر دن اس کتاب سے ایک حدیث پڑھی جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ میں نے جہاں جیسا مناسب سمجھا، وہاں ان کو مشورہ دیا کہ آپ ایسا کرلیں! بہر حال، مولانا کی نیت بہت اچھی ہے۔ اللہ تعالی ان کی اس سعی کو قبول فرمائے، اس خدمت کو ان کے لیے اور ان کے ساتھ ساتھ اس حقیر کے لیے بھی ذخیرۂ آخرت بنائے! آمین!

خورشید عالم داؤد قاسمی

مون ریز ٹرسٹ اسکول، زامبیا، افریقہ

بتاریخ: ۹/ محرم الحرام ۱۴۴۲ = ۲۹/ اگست ۲۰۲۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محرّم الحرام

(۱) اللہ کے نام سے اچھے کام کی شروعات!

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ – رَضِيَ اللهُ عَنْهُ – قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ – صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ –: «كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لا يُبْدَأُ فِيهِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، أَقْطَعُ»(۱).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ہر اہم کام جو بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ سے شروع نہ ہو وہ ناقص ہے۔

فائدہ: یہ حدیث شریف مختلف الفاظ کے ساتھ حدیث کی متعدد کتابوں میں موجود ہے، کسی میں الحمدللہ (اللہ کی حمد وثنا) سے شروع کرنے کا ذکر ہے اور کسی میں بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ سے شروع کرنے کا ذکر ہے؛ تو کسی میں مطلق ذکر اللہ کا لفظ آیا ہے(۲)۔ بسم اللہ اور الحمدللہ، یعنی اللہ کے نام سے اور اس کی تعریف سے کام کا آغاز کرنا نبی کریم ﷺ کا معمول رہا ہے، اور حدیث میں جتنے بھی الفاظ آئے ہیں سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کام کی شروعات اللہ کے نام سے نہ ہو؛ تو اس کام میں برکت نہیں ہوتی؛ اس لیے ہر اچھا کام اللہ کے ذکر سے شروع کرنا چاہیے(۳)۔

اللہ کے نام سے کام کی شروعات سنن انبیاء میں سے ہے، چناں چہ سورہ نمل کی آیت (۳۰) میں - حضرت سلیمان علیہ السّلام کا خط جو انہوں نے ملکہ سبا کو لکھا تھا، کا ذکر ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ حضرت مفتی شفیع عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن نے انسانی زندگی کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا جس پر ہدایات نہ دی ہوں۔ خط وکتابت اور مراسلت کے ذریعہ باہمی گفت

(۱) جمع الجوامع للسيوطي، ۱۵۷٦۱. جلد ۵، ص: ۳۷۳۔
(۲) المجموع شرح المهذب: ۷۳/۱.
(۳) مرقاة المفاتيح، ۲۸۵/٦.

وشنید بھی انسان کی اہم ضروریات میں داخل ہے۔ اس سورت- کی چند آیات- میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا مکتوب بنام ملکہ سبا پورا کا پورا نقل فرمایا گیا ہے۔ (جس میں خط کی شروعات ان کے نام سے ہے، پھر مضمون کے شروع میں اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہے) [1] اس لیے ہر بامقصد اور عمدہ کام کی ابتدا بسم اللہ سے کرنی چاہیے۔ اللہ پاک تمام مسلمانوں کو اس حدیث شریف کا عامل بنائے آمین۔

(۲) عمل کا مدار نیت پر ہے

عَنْ عُمَرَ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ، وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى؛ فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا، أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ»[2].

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ اور ہر انسان کے لیے وہی چیز ہے، جو اس کی نیت میں ہے۔ پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو، اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے۔ اور جس کی ہجرت حصول دنیا یا کسی عورت کی طرف ہو، جس سے وہ نکاح کرے؛ تو اس کی ہجرت اس کی نیت کے مطابق ہوگی۔

فائدہ: یہ حدیث شریف بہت اہم ہے۔ امام شافعیؒ نے اس حدیث کو نصف علم کہا ہے؛ کیوں کہ نیت میں اخلاص ہونا قلبی عبادت ہے، اس کے بعد اس نیت پر عمل کرنا ظاہری عبادت ہے، اس اعتبار سے نیت نصف عبادت ہوئی۔ امام شافعیؒ کی دوسری روایت میں ربع علم کہا گیا ہے[3]۔ مطلب یہ ہوا کہ کوئی بھی دینی کام: قول ہو یا فعل، فرض ہو یا نفل، قلیل ہو یا کثیر، نیت کے بغیر درست نہیں ہوتے۔ دوسری بات یہ کہ نیت اس وقت مقبول ہوتی ہے، جب نیت میں اخلاص ہو۔
حدیث پاک کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہوا کہ نیت صحیح نہ ہونے پر، ہجرت جیسا اہم عمل بھی اللہ کے

---

(۱) (معارف القرآن)۔
(۲) البخاري: ٥٤، الإيمان، الأعمال بالنية والحسبة.
(۳) مرقاة المفاتيح: ۱/۹۸۔

یہاں مقبول نہیں؛اس لیے دین ودنیا کا کوئی بھی کام کرنا ہو؛ تو پہلے نیت درست کرنی چاہیے۔ کپڑا پہنتے وقت، کھانا کھاتے وقت، سونے سے پہلے، فرائض ونوافل سے قبل، غرض یہ کہ ہر کام سے پہلے رضائے الٰہی کی نیت کرلی جائے تو اللہ پاک خوش ہو کر اس عمل کو فورًا قبول فرمالیتا ہے۔ ہم سب آج یہ نیت کرلیں کہ اس کتاب میں جو اچھی اچھی باتیں ہیں، ان پر عمل کرنے کی نیت سے ہم اس کتاب کو پڑھیں گے اور سنیں گے، ان شاء اللہ۔

(۳) نفلی روزوں میں افضل ترین روزہ

عن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: «أفضلُ الصِّيامِ بَعْدَ رَمَضانَ شهرُ اللهِ المُحَرَّمِ، وأفضلُ الصلواتِ بعدَ الفَريضةِ؛ صلاةُ اللَّيلِ»[1].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: رمضان کے بعد افضل ترین روزہ؛ اللہ کے مہینہ محرم کا روزہ ہے، اور فرض نماز کے بعد افضل ترین نماز تہجد کی نماز ہے۔

فائدہ: محرم الحرام کا مہینہ بہت بابرکت وباعظمت ہے۔ اس ماہ کی بہت ساری فضیلتیں ہیں، جن میں دو کا ذکر حدیث پاک میں ہے: ان میں سے ایک یہ کہ نبی ﷺ نے اس ماہ کی نسبت اللہ پاک کی طرف کی ہے کہ محرم اللہ کا مہینہ ہے، دوسری فضیلت یہ کہ اس ماہ کا روزہ تمام نفلی روزوں سے افضل ہے، یعنی رمضان کے علاوہ جو گیارہ مہینے ہیں ان میں اگر کوئی نفلی روزہ رکھتا ہے تو محرم الحرام کے پورے مہینہ میں جب بھی روزہ رکھے، ان روزوں کا ثواب بہت بڑھا ہوا ہے[2]۔

حدیث شریف کا دوسرا ٹکڑا ہے کہ فرض نمازوں کے بعد افضل ترین نماز تہجد ہے؛ اس لیے کہ اس میں مشقت زیادہ اور ریاء ونمائش سے پاک ہے۔ حدیث شریف کا مقتضی یہ ہے کہ تہجد سنن مؤکدہ سے بھی افضل ہو اور یہی رائے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی ہے؛ لیکن دیگر علماء فرماتے ہیں کہ سنن

(۱) مسلم: ۱۱۶۳، الصیام، باب فضل صوم المحرم.　　(۲) مرقاۃ المفاتیح: ۴/۴۶۸.

مؤکدہ فرائض کے تابع ہیں؛ اس لیے سنن مؤکدہ کا شمار فرائض کے ساتھ ہوگا، تو اب حدیث پاک کا مطلب ہوا کہ فرائض اور سنن مؤکدہ کے بعد افضل ترین نماز تہجد ہے[۱]۔

(۴) موت کے وقت کلمہ طیبہ کی تلقین

عن أبي سعيدٍ الخُدريِّ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - يقول: قال رسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « لَقِّنوا مَوْتاكُم لاإله إلا اللهُ »[۲].

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اپنے مردوں کو لاالہ الااللہ کی تلقین کیا کرو"۔

فائدہ: حدیث پاک میں "مَوْتاکُم" سے ایسا مریض مراد ہے جس کی موت کا وقت قریب ہے۔ اس کے بارے حکم ہے کہ اس کے سامنے کلمہ کا ورد کرو، کلمہ پڑھو، اس کو پڑھوانا نہیں ہے صرف پڑھنا ہے، تاکہ وہ بھی سن کر پڑھے[۳]۔ ایک روایت ہے کہ جب مریض یا میت کے پاس جاؤ تو اچھی بات ہی بولو، کیوں کہ جو تم بولتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں[۴]۔ معلوم ہوا کہ مریض کے پاس جاکر لایعنی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے اور تسلی و تشفی اور دعائیہ کلمات کہنے چاہییں۔

بعض جگہوں پر اس وقت حد درجہ جہالت کا اظہار کیا جاتا ہے کہ مریض کو زبردستی کلمہ پڑھوایا جاتا ہے۔ یہ درست نہیں ہے۔ اس میں خطرہ ہے کہ مریض مرض کی شدت یا بدحواسی کی وجہ سے اس کو ناپسند کرے، یا اس کے منہ سے کوئی نازیبا جملہ نکل جائے، اسی لیے علماء نے کثرت سے تلقین کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ کلمہ کی تلقین کا طریقہ یہ ہے کہ ایک بار پڑھ کر خاموش ہو جائے اور اس وقت تک دوسری بار نہ پڑھے جب تک مریض بیچ میں کوئی بات نہ کرے، اگر کوئی بات کرتا ہے

---

(۱) شرح النووي: ۸/۴۸، فتح الملهم، ۶/۲۵۸.
(۲) مسلم: ۹۱۶، الجنائز، تلقين الموتى: لا إله إلا الله.
(۳) مرقاة المفاتيح: ۴/۷۴.
(۴) صحيح مسلم: ۹۱۹، الجنائز، ما يقال عند المريض.

تو اسے سن لے اور پھر دوبارہ کلمہ کی تلقین کرے تاکہ اس کا ذہن پھر اللہ کی طرف ہو جائے(۱)۔

(۵) مؤمن بار بار دھوکہ نہیں کھاتا

عن أبي هريرةؓ عنِ النبيِّ ﷺ أنَّهُ قال: لا يُلدَغُ المُؤمنُ مِن جُحْرٍ واحدٍ مرَّتَيْنِ(۲)۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مؤمن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔

فائدہ: حدیث پاک میں ایمان والوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ ایک ہی معاملہ میں دوبار ایک ہی جگہ سے دھوکہ کھانا مؤمن کی شان کے خلاف ہے، ہر معاملہ میں ہر وقت حکمت و دانائی پیش نظر رہنی چاہیے۔ اگر حکمت سے کام لیا جائے؛ تو دھوکہ نہیں ہوگا۔ اس سلسلہ میں حافظ ابن حجرؒ نے علماء کے کئی اقوال لکھے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مؤمن کی یہ شان نہیں ہے کہ جس جگہ سے ایک بار مصیبت میں پھنس چکا ہو دوسری بار ادھر ہی رخ کرے۔ خطابیؒ نے اس کے معنی یہ بتائے ہیں کہ مؤمن کو چاہیے کہ وہ اس طور پر احتیاط کرے کہ غفلت کی وجہ سے دوسری بار دھوکہ نہ کھائے، خواہ دینی معاملہ ہو یا دنیوی۔ ابن بطالؒ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے حدیث میں امت کو تعلیم دی ہے، ان کو ادب سکھایا ہے اور متنبہ کیا ہے کہ سوئے عاقبت سے کیسے بچا جائے، واللہ اعلم(۳)۔

(۶) ہدیہ دے کر واپس لینے کا حکم

عنِ ابنِ عباسٍ - رَضِيَ اللهُ عَنهُما - قال: قال النبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَيسَ لَنا مَثَلُ السَّوءِ الَّذي يعودُ في هِبتِهِ، كالكلبِ يرجِعُ في قَيئِهِ»(۴)۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ہم مسلمانوں کو بری مثال اختیار نہیں کرنی چاہیے، اس شخص کی طرح جو اپنا ہدیہ کیا ہوا مال واپس لے لے،

---

(۱) شرح مسلم للنووي: ۶/۲۱۰۔
(۲) البخاري: ۶۱۳۳، الأدب، باب لا يلدغ المؤمن.
(۳) فتح الباري: ۱۰/۶۱۸-۶۱۹۔
(۴) البخاري: ۲۶۲۲، الهبة، لا يحل ... هبته وصدقته.

وہ اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے خود چاٹتا ہے۔

فائدہ: حدیث پاک میں ہدیہ اور صدقہ دے کر واپس لینے کی قباحت بیان کی گئی ہے۔ کوئی چیز ہدیہ کرنے کے بعد واپس لینا کتے کی قے کی مانند ہے، کہ وہ قے کر کے خود چاٹتا ہے، اس لیے ہدیہ یا صدقہ واپس لینے والا کتا کی خصلت والا ہوا۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کا مقتضا تو یہ ہے کہ ہدیہ کی واپسی حرام ہو؛ لیکن چوں کہ کتے کی قے کتے کے لیے حرام نہیں؛ اس لیے ہدیہ واپس لینا بھی حرام نہیں، البتہ ایسا کرنا بری عادت ہے۔ حدیث کا منشا یہ ہے کہ ایسے کام سے بچا جائے جو کام کتے کے کام کے مشابہ ہو[1]۔

(۷) مسلمانوں کے حقوق

عن أبي هُرَيرةَ قال: سمِعتُ رسولَ اللهِ ﷺ يقولُ: حقُّ المُسلمِ علَى المسلِمِ خمسٌ: رَدُّ السّلامِ، وَعِيادةُ المَرِيضِ، وَاتِّباعُ الجنَائزِ، وَإجابةُ الدَّعْوَةِ، وتَشْمِيتُ العاطِسِ[2].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے: "مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں: (۱) سلام کا جواب دینا۔ (۲) بیمار کی عیادت کرنا۔ (۳) جنازہ کے ساتھ چلنا۔ (۴) دعوت قبول کرنا۔ (۵) چھینکنے والے کا جواب دینا"۔

فائدہ: مسلمانوں کے درمیان باہمی الفت و محبت اور تعلق کو استحکام دینے کے لیے جن باتوں کی تعلیم خاص طور پر دی گئی ہے، ان میں سے پانچ باتوں کا ذکر حدیث شریف میں ہے۔ یہ پانچوں باتیں بہت اہم ہیں بلکہ بعض واجب کفایہ کے درجے میں ہیں۔

پہلا حق: سلام کا جواب دینا۔ یہ واجب کفایہ ہے۔ جتنے لوگوں نے سلام سنا ہے ان میں سے کم از کم ایک کا جواب دینا ضروری ہے، ورنہ سب گناہ گار ہوں گے۔ سلام کرنا سنت ہے، لیکن ایسی سنت جو واجب یعنی جواب دینے سے افضل ہے اور اس کا ثواب زیادہ ہے۔

---

(۱) فتح الباری: ۲۷۸/۵.

(۲) البخاري: ۱۲٤۰، الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز.

دوسرا حق: بیمار کی عیادت کرنا، یعنی مریض کی خبر خیریت معلوم کرنا، تسلی تشفی دینے کے لیے اس کے پاس جانا، سنت ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی۔

تیسرا حق: جنازہ کے ساتھ چلنا ۔ یعنی نمازِ جنازہ پڑھنا، کاندھا دینا اور تدفین میں شریک ہونا۔

چوتھا حق: دعوت قبول کرنا۔ یعنی کوئی مسلمان اگر جائز امور میں مدد اور نصرت کے لیے بلائے؛ تو اس کی مدد کرنا، اگر کوئی کھانے کی دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرنا؛ لیکن یہ یاد رہے کہ صرف ایسی دعوت میں شریک ہونے کی اجازت ہے جس میں کسی قسم کا گناہ نہ ہو۔

پانچواں حق: چھینکنے والا جب الحمد للہ کہے؛ تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا۔ امام بغوی فرماتے ہیں کہ یہ پانچوں باتیں حقوق اسلامی میں سے ہیں اور تمام مسلمان ان حقوق میں برابر ہیں[۱]۔

چھینک اللہ کی طرف سے ایک نعمت ہے؛ اس لیے چھینک کی بھی قدر کرنی چاہیے۔ مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے چھینکنے کے کچھ آداب بیان کیے ہیں: چھینکنے والے کو چاہیے کہ چھینک کو نہ روکے اس سے نقصان ہوتا ہے۔ البتہ چھینک کی آواز کو پست کرے، اور الحمد للہ بلند آواز سے کہے۔ چھینکتے وقت اپنے چہرے کو ڈھانک لے، تاکہ منہ اور ناک سے نکلنے والی چیز سے دوسروں کو تکلیف نہ ہو۔ اگر بار بار چھینک آئے تو تین بار تک جواب دے، اس کے بعد جواب دینا ضروری نہیں ہے[۲]۔

(۸) عاشوراء کا روزہ

عنِ ابنِ عباسٍ ﷺ قال: قَدِمَ النبيُّ ﷺ المَدِينةَ، والْيهودُ تَصُومُ عاشُوراءَ، فقالوا هَذا يَومٌ ظَهَرَ فيهِ موسَى علَى فِرْعَونَ. فقال النبيُّ ﷺ: أنتُم أَحَقُّ بِموسَى مِنهُم، فَصُوموا[۳].

ترجمہ: حضرت ابن عباس ﷺ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو یہود عاشورا کا روزہ رکھتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ اس دن موسی علیہ السلام فرعون پر غالب ہوئے تھے، تو آپ

(۱) مرقاة المفاتيح: ۴/۴.
(۲) تكملة فتح الملهم: ۲۱۱/۱۰.
(۳) البخاري: ۴۶۸۰ كتاب التفسير، سورة يونس.

صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: "تم ان سے زیادہ موسیٰ کے حق دار ہو؛ لہٰذا تم روزہ رکھو۔

فائدہ: ماہ محرم کے روزے کے سلسلہ میں ایک حدیث پہلے نمبر 3 پر گزر چکی ہے۔ اُس میں پورے مہینہ کی فضیلت کا ذکر تھا، اس حدیث شریف میں عاشورا کے روزے کا ذکر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس روزے کا بہت اہتمام فرمایا کرتے تھے؛ چنانچہ حضرت ابن عباس کی ہی ایک روایت ہے کہ میں نے یوم عاشورا اور رمضان کے روزے کے علاوہ کسی اور دنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اہتمام سے روزے رکھتے نہیں دیکھا [۱]۔ عاشورا کے روزے کی اہمیت کفار قریش کے یہاں بھی تھی [۲]۔

عاشورا کے روزے کی برکت سے گزشتہ ایک سال کے صغیرہ گناہ معاف کردیے جاتے ہیں [۳]۔ صحابہ کرام کا معمول تھا کہ اپنے بچوں کو عاشورا کا روزہ رکھواتے تھے اور جب ان کو بھوک پریشان کرتا؛ تو کھلونوں سے ان کا دل بہلاتے تھے [۴]۔

نوویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث پاک میں بچوں کو طاعات وعبادات کی عادت ڈالنے کی مشق کرانے کی طرف رہنمائی کی گئی ہے؛ اس لیے کہ بچے عبادات کے مکلف نہیں [۵]۔

(۹) محرم الحرام کی بدعت

عنِ ابنِ عباسٍ ﷺ قال: أمرَ رسولُ اللهِ ﷺ بِصَومِ عاشوراءَ يومَ عاشرٍ [۶].

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دسویں تاریخ کو عاشورا کا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

فائدہ: گذشتہ حدیث سے معلوم ہوگیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی عاشورا کا روزہ رکھتے تھے اور صحابہ کرام کو بھی حکم دیا کہ عاشورا کا روزہ رکھیں۔ اس حدیث میں ہے کہ دس محرم الحرام کو روزہ

---

(۱) (بخاری شریف، ۲۰۰۶)۔

(۲) صحیح مسلم: ۱۱۲۵، کتاب الصیام.

(۳) صحیح مسلم: ۱۱۶۲، کتاب الصیام.

(٤) صحيح مسلم: ١١٣٦.

(٥) شرح مسلم للنووي: ١٣/٨.

(٦) الترمذي: ٧٥٥، الصوم، عاشوراء: أيّ يوم هو؟

رکھنا چاہیے؛ لیکن دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عاشورا کا روزہ دو دن ہے۔ وفات سے ایک سال قبل، آپ ﷺ نے محرم میں فرمایا تھا کہ "اگر میں آئندہ سال حیات سے رہا تو نویں تاریخ کا روزہ بھی ضرور رکھونگا"[1]۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ عاشورا کا روزہ دو دن رکھنا چاہیے۔ یہی مستحب ہے۔ اگر کوئی ایک دن رکھتا ہے تو یہود کی مشابہت کی وجہ سے مکروہ ہے[2]۔ معلوم ہوا کہ ماہ محرم کی فضیلت کا تقاضہ یہ ہے کہ عاشورہ کا روزہ رکھا جائے؛ لیکن کچھ لوگ اس مہینہ میں ایسی بدعت میں مبتلا ہیں جس کے حرام ہونے پر امت متفق ہے۔ اس مہینہ کے شروع ہوتے ہی عاشورا کے روزے کی فکر تو کسی کو نہیں ہوتی؛ لیکن اس دن خرافات کرنے کی تیاری شروع ہو جاتی ہے اور اس خرافات کا نام تعزیہ داری ہے۔ امت کے علماء متفق ہیں کہ تعزیہ داری حرام ہے۔ ذیل میں ہم علماء کے اقوال ذکر کر رہے ہیں۔

مفتی سید عبد الرحیم لاجپوریؒ فرماتے ہیں: تعزیہ داری اور تعزیہ سازی اعتقادی اور اصل خرابیوں سے پاک نہیں ہے۔ تعزیہ کو سجدہ کیا جاتا ہے، اس کا طواف کیا جاتا ہے، نذر و نیاز چڑھائے جاتے ہیں، اس کے پاس مرادیں مانگی جاتی ہیں، اس پر عرضیاں چسپاں کی جاتی ہیں، اس لیے اس کا بنانا گھر میں لٹکانا ناجائز ہے، اور اگر کعبۃ اللہ وغیرہ کی تصاویر اور نقشوں کے ساتھ بھی حرکات مذکورہ کی جائیں گی؛ تو وہ بھی ناجائز ٹھہرے گا[3]۔ اعلی حضرت احمد رضا خان بریلویؒ فرماتے ہیں کہ تعزیہ بنانا بدعت، ناجائز ہے، تعزیت پر منت ماننا باطل اور ناجائز ہے[4]۔ اور تعزیہ کا جلوس دیکھنے کے سلسلہ میں رقم طراز ہیں کہ چونکہ تعزیہ بنانا ناجائز ہے؛ لہذا ناجائز امر کا تماشا دیکھنا بھی ناجائز ہے[5]۔

---

(۱) صحیح مسلم: ۱۱۳٤ باب: أي يوم ... عاشوراء.
(۲) مرقاۃ المفاتیح: ٤/٤٦٩.
(۳) فتاوی رحیمیہ: ۲/۷۲، دار الاشاعت کراچی۔
(٤) فتاوی رضویہ: ۲۴/۵۰۱، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(٥) ملفوظات شریف۔

(۱۰) اولاد کے درمیان انصاف کا حکم

عنِ النُّعمانِ بنِ بَشيرٍ ﷺ أنَّ أباهُ أتى به إلى رَسولِ اللهِ ﷺ فقالَ: إنِّي نَحَلْتُ إبني هٰذا غلامًا، فقالَ: «أكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَ مِثلَهُ»؟ قالَ: لا، قالَ: «فَارْجِعْهُ»[1].

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضي الله عنهما سے منقول ہے، کہ ان کے والد ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر گئے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام ہدیہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا تو نے اپنے تمام بیٹوں کو اسی طرح دیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "تو واپس لے لو"۔

فائدہ: علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث فضل احسان اور انصاف کے قبیل سے ہے۔ یعنی اس حدیث کا حکم وجوبی نہیں ہے[2]۔ بخاری شریف کی دوسری روایت میں ہے، «فاتَّقُوا اللهَ بَينَ أوْلادِكُم »[3] اولاد کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرو۔ مسلم شریف میں یہ حدیث مختلف طرق سے نو بار ذکر کی گئی ہے، امام مسلمؒ نے باب باندھا ہے، بابُ كراهةِ تفضيلِ بعضِ الأولادِ في الهبةِ، اس سے معلوم ہوا کہ ایک کو ہدیہ و تحفہ دینا اور دوسرے کو نظر انداز کر دینا مکروہ ہے۔ مسلم شریف کی روایت ہے کہ جب انہوں نے کہا: کہ میں نے سب کو نہیں دیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «فلا تُشهِدْني إذَنْ، فإنِّي لا أشهَدُ عَلَى جَوْرٍ». [4] یعنی مجھ کو گواہ مت بناؤ، میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔ ان احادیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ والدین کے لیے مناسب ہے کہ ہبہ و ہدیہ میں اولاد کے درمیان مساوات اور برابری کا طریقہ اختیار کرے، بلکہ امام احمدؒ کے نزدیک تو یہ حکم واجب ہے[5]۔ اور اگر علم و عمل کی وجہ سے، یا والدین کی خدمت کی وجہ سے بعض بچوں کو بعض پر فوقیت دیا ہے تو جائز ہے اور اگر دوسرے بچوں کو

---

(١) البخاري: ٢٥٨٦، الهبة وفضلها، الهبة للولد.
(٢) عمدة القاري: ٢١٦/١٣.
(٣) صحيح البخاري: ٢٥٨٧.
(٤) مسلم: ١٦٢٣، الهبات، كراهة تفضيل ... الهبة.
(٥) تكملة فتح الملهم: ٦٢/٨.

تکلیف دینا مقصود ہے؛ تو ایسا کرنا حرام ہے۔ ان سب کا خلاصہ یہ ہوا کہ "إنَّمَا هُوَ مُسْتَحَبٌّ له وخلافه مكروهٌ، وهُوَ قَوْلُ أبِي حَنِيفَةَ ومالك والشافعي"[1]. یعنی جمہور علماء کے نزدیک سارے بچوں کو برابر دینا مستحب ہے اور کمی و بیشی کرنا مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔

ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ والدین کو چاہیے کہ عدل و مساوات اختیار کریں، تاکہ سارے بچے خوش رہیں۔ بھائی بہنوں کے درمیان آپسی محبت باقی رہے؛ لیکن اگر کسی وجہ سے والدین نے کسی کو زیادہ کسی کو کم دیا، یا کسی کو کسی وجہ سے دیا کسی کو نہ دیا؛ تو اولاد کو والدین سے مطالبہ اور جبر کرنے کا حق نہیں۔

(۱۱) سود لینے دینے کا حکم

عَنْ جابِرٍ – رَضِيَ اللهُ عَنْهُ – قال: لَعَنَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبا، ومُوكِلَهُ، وكاتِبَهُ، وشاهِدَيْهِ، وقال: « هُمْ سَواءٌ[2]».

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے، سود دینے والے، سود کے معاملات لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ: "وہ سب برابر ہیں"۔

فائدہ: ربا، عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی زیادتی کے آتے ہیں، جسے ہم اردو میں سود کہتے ہیں۔ سود ایسی زیادتی کو کہا جاتا ہے جو کسی مالی معاوضہ کے بغیر حاصل ہوتا ہے۔ اللہ پاک نے ایسی زیادتی کو حرام قرار دیا ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ترجمہ: جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت میں اٹھیں گے تو اس شخص کی طرح اٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا ہو۔ یہ اس لیے ہوگا کہ انہوں نے کہا تھا کہ: "بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہوتی ہے"۔ حالاں کہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ لہذا جس شخص کے پاس اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت آگئی اور وہ — سودی

(۱) تکملة فتح الملهم: ۸/۶۴.

(۲) مسلم: ۱۵۹۸، المساقاة، لعن آكل الربا وموكله.

معاملات سے —باز آگیا تو ماضی میں جو کچھ ہوا وہ اسی کا ہے۔ اور اس —کی باطنی کیفیت— کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اور جس شخص نے لوٹ کر پھر وہی کام کیا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے [1]۔ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سودی لین دین کرنے والے کا معاملہ لکھنے اور اس پر گواہ بننے کی حرمت پر صریح ہے اور باطل کی مدد کی حرمت کی دلیل ہے [2]۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ سود کے تہتر درجے ہیں ان میں سے سب سے چھوٹا گناہ اپنے ماں سے نکاح (زنا) کرنے کے برابر ہے۔« الربا ثلاثة وسبعون بابا أيسرها مثل أن ينكح الرجل أمه »[3]. دوسری روایت میں ہے کہ سود کا ایک درہم چھتیس بار زنا کرنے سے زیادہ شدید ہے « درهم ربا يأكله الرجل وهو يعلم أشد من ست وثلاثين زنية»[4].

(۱۲) کسی کی ہلاکت کے لیے بد دعا کا حکم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ – رَضِيَ اللهُ عَنْهُ – أَنَّ رسولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: «إذا قال الرَّجُلُ هلَكَ الناسُ، فهُوَ أهلَكُهُمْ». [5]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب کوئی شخص کہے کہ لوگ ہلاک ہوگئے، تو وہ خود ہلاک ہوا"۔

فائدہ: حدیث شریف میں بد دعا دینے اور بد دعا کے الفاظ زبان سے نکالنے پر وعید آئی ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ غلو کرنے والے جو لوگ اللہ کی رحمت سے لوگوں کو متنفر اور ناامید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگ ہلاک ہوگئے؛ تو اس کے کہنے کا اعتبار نہیں؛ کیوں کہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت بہت وسیع اور عام ہے۔ اور اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اپنے آپ کو دوسروں پر فوقیت دے کر، دوسروں کی حقارت اور عیب جوئی اس طرح کے جملے کہہ کر کرتا ہے؛ تو وہی ہلاک

---

(۱) آسان ترجمہ قرآن: البقرۃ: ۲۷۵۔
(۲) شرح مسلم للنووي: ۲۳/۱۱.
(۳) المستدرك للحاكم: ۲۲۵۹.
(٤) مسند أحمد: ۲۱۹۵۷.
(٥) مسلم: ۲٦۲۳، البر والصلة، النهي ... الناس.

ہونے والا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ حدیث شریف میں ان اہل بدعت کا ذکر ہے جو اہل سنت والجماعت ۔جماعت حقہ ۔کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ لوگ گناہوں کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی رحمت سے ناامید کرتے ہیں، تو وہ ایسا کر کے خود ہی گناہوں کا کام کر رہا ہے[1]۔

نوویؒ فرماتے ہیں کہ علماء کا اتفاق ہے کہ یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو تحقیراً ایسا کہے اور دوسروں پر خود کو ترجیح دے۔ یہ سوچے کہ میں ٹھیک ہوں اور لوگ ہلاک و برباد ہو گئے اور اگر کوئی شخص حسرت و افسوس میں ایسا کہتا ہے؛ تو وہ اس حدیث کا مصداق نہیں[2]۔

(۱۳) دو آدمیوں کے سرگوشی کرنے کا حکم

عن عبدِ اللهِ ﷺ أنَّ رسولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال:« إذَا كانوا ثَلاثَةٌ فَلا يَتَناجَى اِثْنَانِ دونَ الثالِثِ »[3].

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "جب تین آدمی ہوں تو تیسرے کو چھوڑ کر، دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں"۔

فائدہ: حدیث شریف میں گفتگو کا ایک ادب بیان کیا گیا ہے۔اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے انسان گنہ گار ہوتا ہے؛ کیونکہ اس کی وجہ سے دوسرے بھائی کو تکلیف ہوتی ہے۔ حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تین آدمی ایک جگہ ہوں تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں سرگوشی (کانا پھوسی) نہ کریں، ورنہ تیسرا شخص ان دونوں کی طرف سے شک میں مبتلا ہو جائے گا کہ ہو سکتا ہے یہ دونوں میرے خلاف سازش کا کوئی منصوبہ بنا رہے ہوں اور پھر یہ شخص مغموم ہو جائے۔ اگرچہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے؛ لیکن چونکہ یہ عمل ایک مسلمان کے لیے بدگمانی کا سبب ہے اس لیے نبی کریم ﷺ نے اس نامناسب عمل سے روکا ہے۔ لیکن یہ ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ سرگوشی جائز امور میں ہو،

---

(۱) مرقاة المفاتيح: ۵۸/۹.
(۲) المنهاج شرح مسلم: ۱۶۲/۱۶.
(۳) البخاري: ۶۲۸۸، الاستئذان، لا يتناجى ... الثالث.

اور اگر سرگوشی، یا کانا پھوسی حرام کام کے لیے ہے؛ تو اس صورت میں سرگوشی کرنا مطلق حرام ہے خواہ ایک ہوں یا پچاس۔

اللہ پاک کا ارشاد ہے، ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے سرگوشی کرو تو ایسی سرگوشی نہ کرو جو گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی پر مشتمل ہو، ہاں ایسی سرگوشی کرو جو نیک کاموں اور تقوی پر مشتمل ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب کو جمع کر کے لے جایا جائے گا، ایسی سرگوشی تو شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، تاکہ وہ ایمان والوں کو غم میں مبتلا کرے، اور وہ اللہ کے حکم کے بغیر ان کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا(۱)۔

اور اگر مجلس میں تین سے زائد آدمی ہیں تو دو یا اس سے زائد کو چھوڑ کر سرگوشی کرنے میں مضائقہ نہیں، تین آدمی کی صورت میں سرگوشی کی ممانعت کی علت جو اوپر میں نے ذکر کی ہے وہ صراحتًا دوسری روایت میں موجود ہے۔ وہ روایت یہ ہے: «مِنْ أَجْلِ أَنْ يَحْزُنَهُ». یعنی یہ ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس کا ساتھی غمگین ہوگا، اسی وجہ سے طیبیؒ نے اس کی تفسیر کی ہے کہ آپس میں سرگوشی اور کانا پھوسی نہ کرو کہ تمہارے ساتھی کو غم اور تکلیف پہنچے(۲)۔

(۱۴) ترک تعلق کا حکم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - قال: قَالَ رسولُ اللهِ ﷺ: «لا يَحِلُّ لِمُسلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخاهُ فَوقَ ثلاثٍ، فَمَنْ هَجَرَ فَوقَ ثلاثٍ فماتَ دخلَ النَّارَ»(۳).

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ تعلق توڑے رکھے؛ لہذا جو شخص تین دن سے زیادہ تعلق توڑے رکھے گا اور اس کی موت ہو جائے گی؛ تو وہ جہنم میں جائے گا"۔

---

(۱) آسان ترجمہ قرآن، سورہ مجادلہ: ۹-۱۰۔
(۲) مرقاة المفاتيح: ۹/۱۷۸۔
(۳) أبوداود: ٤٩١٤، الادب، فمن يهجر اخاه المسلم.

فائدہ: حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی سے لڑائی یا ناچاقی ہو جائے؛ تو تین دن سے زیادہ بات چیت بند نہ کرے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تین دن سے کم بات چیت بند کرنے کی اجازت دی جارہی ہے کہ تین تک بولنا نہیں چاہیے؛ بل کہ مطلب یہ ہے کہ اگر ایسی نوبت آئی کہ بات چیت بند کیے بغیر کوئی چارہ نہیں؛ تو اس صورت میں ترک تعلق کر سکتا ہے۔ مگر صرف تین دنوں تک تاکہ دونوں فریق اپنی حالت سدھار لیں۔ ہاں اگر تعلقات رکھنے میں دینی نقصان ہے؛ تو پھر تین سے زیادہ بھی ترک تعلق کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا تھا کہ ان تین اصحاب سے پچاس دنوں تک قطع تعلق کرلیں جنہوں نے غزوۂ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی، اسی طرح حضرت عائشہ نے عبداللہ بن زبیر سے ایک مدت تک مقاطعہ کر رکھا تھا؛ لیکن شرط یہ ہے کہ یہ مقاطعہ اور ترک تعلق دنیاوی مفاد یا خواہشات کی بنا پر نہ ہو؛ بل کہ خالص دین کی خاطر اور اصلاح کی غرض سے ہو۔ اسی طرح اہل بدعات اور گمراہ لوگوں سے بھی ان کی بدعت اور گمراہی کی وجہ سے ترک تعلق جائز ہے۔

اور اگر مقاطعہ و ترک تعلق ہو گیا تو پھر ان دونوں میں حسن معاشرت کے اعتبار سے سب سے اچھا اور افضل وہ شخص ہے جو اس مقاطعہ کو سلام میں پہل کر کے ختم کرے۔

اس حدیث سے تین باتوں کا علم ہوا۔ ایک یہ کہ بغیر شرعی و دینی ضرورتوں کے تین دن سے زیادہ قطع تعلق حرام ہے، دوسری بات یہ کہ یہ مقاطعہ صرف سلام کے ذریعہ بھی ختم کیا جاسکتا ہے خواہ دوسری گفتگو نہ ہو اور تیسری بات یہ کہ سلام سے قبل بات کرنا مناسب نہیں ہے[1]۔

(۱۵) اسباب زنا سے بچنے کا حکم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «كُتِبَ عَلَى ابْنِ آدَمَ نَصِيبُهُ مِنَ الزِّنَا، مُدْرِكٌ لَا

(۱) مرقاة المفاتيح: ۹/۲۳۰.

تَعَالَىٰ، فَالْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ، وَالْأُذُنَانِ زِنَاهُمَا الِاسْتِمَاعُ، وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ، وَالْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ، وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطَا، وَالْقَلْبُ يَهْوَىٰ وَيَتَمَنَّىٰ، وَيُصَدِّقُ ذَٰلِكَ الْفَرْجُ وَيُكَذِّبُهُ»[1]۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "انسان کی تقدیر میں زنا سے اس کا حصہ لکھا گیا ہے، جس کو وہ چاہے نہ چاہے کرے گا، چناں چہ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، کانوں کا زنا سننا ہے، زبان کا زنا بات کرنا ہے، ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے، پاؤں کا زنا چلنا ہے، دل کا زنا خواہش اور تمنا کرنا ہے، اور شرم گاہ (عمل زنا کے ذریعہ) ان باتوں کی تصدیق کرتی ہے یا (زنا نہ کر کے) تکذیب کرتی ہے"۔

فائدہ: حدیث شریف میں زنا واسباب زنا کا ذکر کر کے اس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ حدیث قرآن کریم کی ایک آیت کی تفسیر ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "زنا کرنا تو بڑی سخت چیز ہے، اس کے پاس بھی مت جاؤ، گویا "لَا تَقْرَبُوا" میں مبادی زنا سے بچنے کی ہدایت کر دی گئی؛ مثلاً اجنبی عورت کی طرف بدون عذر شرعی نظر کرنا، یا بوس و کنار وغیرہ"[2]۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اسباب زنا کا ذکر فرمایا کہ انسان کے اعضاء: آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پیر اور دل سب کے سب اسباب زنا میں سے ہیں، بس اللہ پاک نے اس کے قریب جانے سے بھی منع کر دیا۔ نوویؒ فرماتے ہیں کہ زنا کی دو قسمیں ہیں ایک زنا حقیقی دوسرا زنا مجازی۔ مجازی زنا یہ ہے کہ غیر محرم کی طرف دیکھے، اس کو ہاتھ سے چھوے یا اس سے زنا کی بات کرے یا زنا کا خیال دل میں لائے وغیرہ، یہ سب مجازی زنا ہیں۔ علامہ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ ان کو زنا اس لیے کہا گیا کہ یہ مقدمات زنا ہیں یہ اعمال زنا کا سبب بنتے ہیں؛ اسی لیے حدیث شریف کے آخر میں کہا گیا کہ شرم گاہ ان باتوں کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب کرتی ہے، یعنی زنا کا صدور ہو جاتا ہے یا نہیں ہوتا، اگرچہ وہ زنا کے قریب ہو جائے[3]۔ معلوم یہ ہوا کہ اگر زنا سے بچنا ہے؛ تو اپنے اعضاء کو اسباب زنا سے بچانا ہو گا۔

---

(۱) صحیح مسلم: ۲۶۵۷، القدر، قدر علی ابن آدم.
(۲) تفسیر عثمانی، سورۃ الاسراء: ۳۲۔
(۳) تکملۃ فتح الملہم: ۳۸۲/۱۱.

(۱۶) مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی

عَنْ جَرِيرِ بنِ عبدِ اللهِ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - قال: بايَعْتُ رسولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلاةِ، وإيتاءِ الزكاةِ، والنُّصحِ لِكُلِّ مسلِمٍ[1].

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز پڑھنے، زکاۃ دینے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی بیعت کی ہے۔

فائدہ: یہ حدیث شریف بہت ہی اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں اجمالی طور پر امت کو زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے۔ حدیث پاک میں تین چیزوں کا ذکر ہے۔ ایک: نماز، دوسرے: زکاۃ اور تیسری چیز مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ حدیث پاک میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ذکر ہے، دنیاوی زندگی میں انھیں دونوں حقوق کی ادا کرنے کا حکم ہے؛ اس لیے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ نماز اور زکاۃ سے اللہ پاک کے حقوق کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ حضرت جریر بن عبد اللہ نے حقوق اللہ کے ادا کرنے کی بیعت کی تھی۔ تیسری چیز: مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی ہے؛ اس جملہ سے حقوق العباد کے ادا کرنے کی اہمیت معلوم ہوئی۔ یعنی مسلمان خواہ کوئی بھی ہو، فاسق ہو، جاہل ہو اس کے ساتھ خیر خواہی کرنا، ان کی دنیا و آخرت کی اصلاح کی طرف خیر خواہانہ رہنمائی کرنا، ان سے تکلیفوں کو دور کرنا اور ان کو علم دین سکھانا وغیرہ[2]۔

(۱۷) کھانے میں عیب لگانا

عنْ أبي هريرة ﷺ قال: ما عابَ النبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طعامًا قَطُّ، إنِ اشْتَهَاهُ أَكَلَهُ وإلا تَرَكَهُ[3].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی کھانے کو کبھی

---

(۱) البخاري: ۵۷، الإيمان، قول النبي ... الدين النصيحة.
(۲) عمدة القاري: ۱/۴۹۸.
(۳) البخاري: ۳۵۶۳، المناقب، صفة النبي.

بھی عیب نہیں لگایا، اگر خواہش ہوئی کھالیا ورنہ چھوڑ دیا۔

فائدہ: حدیث شریف کا تعلق کھانے کے آداب سے ہے: اس میں نبی کریم ﷺ کا ایک عمل بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ کھانے کو کبھی برا نہیں کہتے تھے، عیب نہیں لگاتے تھے۔ اس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ کھانے میں نقص اور کمی نکالنا پسندیدہ نہیں ہے۔ نووی فرماتے ہیں کہ کھانے میں عیب نکالنے کا مطلب وہی ہے جو معروف و مشہور ہے، مثلاً نمک کی کمی یا زیادتی کا اظہار کرنا، اسی طرح سالن پتلا یا گاڑھا ہونے پر نقص نکالنا وغیرہ[1]۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو ہمیشہ مسجد نبوی میں رہتے تھے، سفر و حضر میں ساتھ رہتے تھے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کو اگر کھانے کی خواہش ہوتی تھی تو کھالیتے تھے اور اگر خواہش نہیں ہوتی یا کوئی چیز پسند نہیں آتی تھی تو چھوڑ دیتے تھے۔ لیکن اس میں علت بتا کر عیب نہیں لگاتے تھے۔ اس کے علاوہ کھانے کے اور بھی آداب ہیں، تفصیلاً آئندہ حدیث نمبر (۱۷۹) میں آئیں گے، ان شاء اللہ تعالی۔

(۱۸) قبرستان میں داخل ہونے کی دعا

عنِ ابنِ عباسٍ رضي الله عنه قال: مرَّ رسولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِقُبورِ المدينةِ، فأَقْبَلَ علَيهِمْ بِوَجهِهِ، فقال: «السّلامُ عليكم يا أَهلَ القُبورِ، يغفِرُ اللهُ لنا ولكم، أنتم سَلَفُنا وَنَحْنُ بِالأَثَرِ»[2].

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ کی قبروں کے پاس سے گزرے، تو چہرہ مبارک کے ساتھ ان قبروں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "السّلام علیکم.... اے قبر والو! تم پر سلامتی ہو، اللہ ہماری اور تمہاری مغفرت کرے، تم ہم سے پہلے چلے گئے، ہم بھی تمہارے پیچھے آرہے ہیں"۔

فائدہ: حدیث پاک میں قبرستان میں داخل ہونے کا ایک ادب ذکر کیا گیا ہے: وہ ادب یہ ہے کہ داخل ہوتے وقت قبرستان میں آرام فرما مسلمانوں کو سلام کرنا اور ان کے لیے استغفار کرنا، نبی

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۹۲/۸۔

(۲) الترمذي: ۱۰۵۳، الجنائز، يقول الرجل إذا دخل المقابر.

کریم ﷺ نے قبرستان میں داخل ہو کر ان کو سلام کیا اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کی۔

قبرستان میں داخل ہونے کی دوسری دعا ان الفاظ سے مروی ہے، «السَّلامُ عليكم أهْلَ الدِّيارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وإنَّا إنْ شَاءَ اللهُ لَلاحِقُونَ، أَسْأَلُ اللهَ لَنا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ»[1]. یا اس کے علاوہ جو بھی دعا یاد ہو پڑھ لے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ آپ ﷺ قبروں کی طرف متوجہ ہوئے اور سلام کیا۔ علما نے لکھا ہے کہ صاحب قبر کو سلام کرتے وقت اور فاتحہ پڑھتے وقت صاحب قبر کی طرف متوجہ ہونا مستحب ہے، اور بعض علما نے فرمایا کہ قبر کی زیارت زندگی کی زیارت کے مانند ہے، جس طرح زندگی میں ملاقات کے وقت مواجہہ اور آمنا سامنا ہوتا ہے اسی طرح مرنے کے بعد بھی اس کی طرف متوجہ ہو، اور قبر کی طرف متوجہ ہو کر سورۃ الفاتحہ، تین بار سورۃ الاخلاص پڑھے پھر اس کے لیے دعا کرے اور اس وقت قبر کو ہاتھ نہ لگائے اور نہ بوسہ دے کیوں کہ یہ نصاریٰ کی عادت ہے[2]۔

(۱۹) نبی کریم ﷺ پر صدقہ حرام تھا

عنْ أنسٍ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - قال: مرَّ النبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرَةٍ في الطَّرِيقِ، قال: « لَوْ لا أَنِّي أخافُ أنْ تكونَ مِنَ الصَّدَقَةِ لأَكَلْتُها»[3].

ترجمہ: حضرت انسؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ راستے میں پڑی ہوئی ایک کھجور کے پاس سے گزرے تو فرمایا: اگر مجھے خوف نہیں ہوتا کہ یہ صدقہ کا ہے؛ تو میں اسے کھالیتا۔

فائدہ: حدیث شریف سے تین باتوں کا علم ہوا، پہلی اور بنیادی بات یہ کہ زکاۃ کا استعمال آپ ﷺ کے لیے حرام تھا؛ چناں چہ علما نے صراحت کی ہے کہ صدقہ کی دونوں قسمیں، یعنی صدقہ واجبہ اور صدقہ نافلہ آپ ﷺ کے لیے حرام تھا؛ جب کہ بنو ہاشم سادات کے لیے صرف صدقہ واجبہ

(۱) صحيح مسلم: ۹۷۵/كتاب الجنائز.
(۲) مرقاة المفاتيح: ۲۱۹/٤.
(۳) البخاري: ۲٤۳۱، في اللقطة، إذا وجد تمرةً في الطريق.

حرام ہے، صدقہ نافلہ حرام نہیں ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ چھوٹی اور بے قیمت چیز راستہ میں پڑی ملے اور یہ گمان ہو کہ اس کا مالک اس کی تلاش میں نہیں ہو گا؛ تو اس کا استعمال کرنا جائز ہے؛ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "میں اٹھا کر کھالیتا" لیکن صدقہ کا شبہ تھا اس لیے نہیں کھایا۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ نیک اور متقی شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ مشتبہ چیزوں سے بچے، کہ آپ ﷺ نے اس کھجور کو مشتبہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا[1]۔

(۲۰) قرآن کی تلاوت میں حسن صوت کی اہمیت

عنْ أَبِي هريرة – رَضِيَ اللهُ عَنْهُ – عنِ النبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: «ما أَذِنَ اللهُ لِشَيْءٍ ما أَذِنَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَتَغَنَّى بِالْقُرآنِ».[2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں: کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالی نے کوئی چیز اتنی توجہ سے نہیں سنی جتنی توجہ سے نبی کریم ﷺ کو بہترین آواز میں قرآن کریم پڑھتے ہوئے سنا"۔

فائدہ: قرآن کریم اللہ پاک کی نازل کردہ آخری کتاب ہے، جس کے بارے میں قرآن نے خود چیلنج کیا ہے، کہ اس جیسی کوئی کتاب تو دور کی بات، اس کی ایک آیت کی مثال کوئی فرد بشر پیش نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم کے ساتھ عقیدت، محبت اور وابستگی ہر مسلمان کے دینی فرائض میں سے ہے۔ یہ کتابِ ہدایت ہے، اور اس سے وہی انسان استفادہ کر سکتا ہے، جو اس کو اس کے حقوق کی ادئیگی کے ساتھ پڑھے گا، اور اس پر عمل کرے گا۔ یہاں پر قرآن کریم کا صرف ایک حق یعنی قرآن کی تلاوت کا ذکر کیا جارہا ہے۔ قرآن کریم کو خوش الحانی کے ساتھ، ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا مسنون اور باعث ثواب ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کہ قرآن کریم کی تلاوت میں کس طرح کی آواز پسندیدہ ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ جس تلاوت سے اللہ کا خوف پیدا ہو۔ خوش آوازی سے پڑھنے کا یہ مطلب ہر گز نہیں

(۱) مرقاة المفاتيح: ۴/۲۲۸۔

(۲) البخاري: ۵۰۲۴، فضائل القرآن، من لم يتغن بالقرآن.

ہے کہ گانا گانے کی طرح تلاوت کی جائے۔ اگر حدِ قراءت سے تجاوز کر جائے مثلاً کوئی حرف کم یا زیادہ ہو گیا؛ تو ایسی صورت میں حسن صوت حرام ہے۔ یعنی ایسی اچھی آواز سے کیا فائدہ جس سے حرفوں میں کمی بیشی ہو جاتی ہو۔ (۱)

(۲۱) حیا خیر کا سبب ہے

عن عِمرانَ ابنِ حُصَينٍ قال: قالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الحَياءُ لا يَأتِي إلَّا بِخَيرٍ»(۲).

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "حیاء سے خیر ہی حاصل ہوتی ہے"۔

فائدہ: حیا ایک فطری ملکہ ہے جو قبیح چیزوں سے اجتناب اور کنارہ کشی کرنے پر نفس کو آمادہ کرتی ہے۔ حیا انسان کے اندر ایسی صفت ہے جو تمام صفات خیر کی اصل ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض روایتوں میں حیا کو ایمان کا ایک عظیم الشان شعبہ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایمان کی شاخیں ستر سے زیادہ ہیں اور حیا بھی ایمان کا ایک اہم شعبہ ہے (۳)۔ حیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف خاص تھا؛ چنانچہ بخاری میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پردے میں رہنے والی کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ حیادار تھے (۴)۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حیا انسان کو برائیوں سے روکتی ہے، نیکیوں اور بھلائیوں پر آمادہ کرتی ہے جیسا کہ ایمان مؤمن کو گناہوں سے روکتا ہے اور طاعت پر ابھارتا ہے؛ اس لیے حیا بھی ایمان کی ہی طرح ہے (۵)۔ حیا تو ایسی چیز ہے کہ سابقہ انبیاء کی شریعتوں میں بھی اس کو مستحسن قرار دیا گیا ہے اور اس امت میں بھی باقی ہے، اس کا کوئی حصہ بھی منسوخ نہیں ہوا ہے (۶)۔

(۱) فتح الباري: ۷۶۸/۸.
(۲) البخاري: ۶۱۱۷ کتاب الأدب، باب الحياء.
(۳) مسلم: ۳۵، الإيمان، بيان عدد شعب الإيمان.
(۴) البخاري: ۳۵۶۲، المناقب باب صفة النبي.
(۵) عمدة القاري: ۲۵۲/۲۲.
(۶) عمدة القاري: ۲۵٤/۲۲.

(۲۲) اللہ پاک نرمی کو پسند کرتا ہے

عن عائِشةَ – رَضِيَ اللهُ عَنها – قالَتْ: قَالَ رسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يا عائشةُ! إنَّ اللهَ رفيقٌ يُحِبُّ الرِّفقَ في الأمرِ كُلِّهِ»(۱).

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! اللہ پاک مہربان ہے، تمام معاملات میں مہربانی اور نرمی کو پسند کرتا ہے۔

فائدہ: مذکورہ حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ کچھ یہودی آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور انہوں نے سلام کرنے کے بجائے آپ ﷺ کو موت کی دعاء دی۔ یعنی السام علیکم کہا۔ السام کے معنی موت کے ہیں؛ یعنی تم کو موت آجائے، تم مر جاؤ، ہلاک ہو جاؤ (نعوذ باللہ)۔ تو حضرت عائشہؓ نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ بلکہ تم ہلاک و برباد ہو جاؤ اور تم پر لعنت ہو، تب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ عائشہ اللہ پاک مہربان ہے، رفیق ہے، رفق اور نرمی کو پسند کرتا ہے۔ پھر حضرت عائشہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ کیا آپ نے سنا نہیں جو انہوں نے کہا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے بھی تو کہہ دیا "وعلیک" اور تم پر بھی(۲)۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے، آسانی اور نرمی چاہتا ہے سختی نہیں۔ اللہ پاک یہ چاہتا ہے کہ بندے ایک دوسرے کے ساتھ نرمی اور آسانی کا معاملہ کریں۔ اللہ کے چاہنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ پاک نرمی اور آسانی کا معاملہ کرنے والے سے راضی ہوتا ہے(۳)۔

(۲۳) ٹخنے سے نیچے لباس کا حکم

عن أبي هريرة – رَضِيَ اللهُ عَنْهُ – عنِ النبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: «ما أسفلَ مِنَ الكعبَيْنِ مِنَ الإزارِ ففي النارِ»(٤).

---

(۱) البخاري: ۶۹۲۷، استتابة المرتدين، إذا ... وغيره.

(۲) صحيح البخاري: ۶۰۲٤، الأدب، باب الرفق.

(۳) مرقاة المفاتيح ۹/۲۰۶.

(٤) البخاري: ۵۷۸۷، اللباس، ما أسفل من ... في النار.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تہہ بند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے لٹکا ہو وہ جہنم میں ہوگا۔

فائدہ: حدیث پاک میں ٹخنہ سے نیچے کپڑا لٹکانے پر وعید آئی ہے کہ اگر لنگی، پائجامہ یا جبہ سے ٹخنہ چھپا ہوا ہے، خواہ قصداً ہو یا بغیر قصد کے اور تکبر کی وجہ سے چھپایا ہو یا بغیر تکبر کے، ٹخنہ کا جو حصہ کپڑے سے چھپا رہے گا وہ جہنم میں جائے گا۔ بعض روایتوں میں "خیلاء، اور بطر" کا لفظ آیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر تکبر اور فخر میں کوئی یہ حرکت کرتا ہے؛ تو اس کے لیے یہ وعید ہے؛ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث عام ہے، اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ مطلق ٹخنہ ڈھانکنا، مکروہ تنزیہی ہے۔ اگر کوئی مجبوری ہو، مثلاً ٹخنہ پہ زخم وغیرہ ہے اور لنگی یا پائجامہ سے اس کو ڈھک لیا ہے یا اور کوئی مجبوری ہے تو عارضی طور پر جائز ہے۔ ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ جس کا کپڑا نماز کی حالت میں ٹخنے سے نیچے رہتا ہے، اس کی نماز قبول نہیں ہوتی[1]۔

اور کپڑے سے مراد بھی عام ہے، عمامہ کرتا بھی اس میں داخل ہے، اس کی صراحت دوسری حدیث میں آئی ہے۔ یہ حکم صرف مردوں کے لیے ہے عورتوں کے لیے نہیں۔ ایک روایت میں لنگی، پائجامہ کے آخری حد کا ذکر ہے کہ مؤمن کی لنگی پنڈلی سے اوپر گوشت تک ہو یا آدھی پنڈلی تک یا آخری صورت ٹخنہ تک اگر اس کے نیچے ہے تو وہ حصہ جہنم میں ہوگا۔[2] یہ بھی واضح رہے کہ لباس سے مراد وہ لباس ہے جو اوپر سے نیچے آتا ہے مثلاً عمامہ کرتا پاجامہ وغیرہ؛ لیکن جو لباس نیچے سے اوپر جاتا ہے وہ اس میں داخل نہیں جیسے موزہ۔

(۲۴) مرد و عورت ایک دوسرے کا لباس نہ پہنیں

عن أبي هريرةَ - رَضِيَ اللهُ عَنهُ - قال: لَعَنَ رسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، الرَّجُلَ

(۱) أبو داود: ٤٠٨٦، اللباس، ما جاء في إسبال الإزار.

(۲) مسند احمد: ۷۸۵۷.

يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ، والْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ.[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورت کا لباس پہنے اور اس عورت پر بھی لعنت فرمائی ہے جو مرد کا لباس پہنے۔

فائدہ: آج کل یہ وبا عام ہو چکی ہے خاص کر عورتوں میں، ان کو شوق ہے کہ مردوں کا لباس پہن کر گھومیں، اور وہ بے تکلف مَردوں کا کپڑا پہن کر گھومتی ہیں۔ کم وبیش یہی حال مردوں کا ہے کہ ان کو عورت بننے کا اتنا شوق ہے کہ روزانہ داڑھی صاف کرواتے ہیں۔ استغفر اللہ! اور اس حکم میں مخنث بھی داخل ہے۔ نوویؒ فرماتے ہیں کہ مخنث کی دو قسمیں ہیں ایک تو پیدائشی ہے جو معذور ہے، دوسرا جو بہ تکلف عورتوں کا روپ دھارتا ہے یا مردوں کی شکل اختیار کرتا ہے، وہ اس وعید میں داخل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو اپنے گھروں سے نکالنے کا حکم دیا ہے[2]۔ اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ لباس اور زینت میں عورتوں کی ایسی مشابہت اختیار کرنا، جو عورتوں کے ساتھ خاص ہے مردوں کے لیے حرام ہے۔ اسی طرح جو لباس مردوں کے لیے خاص ہے، عورتوں کو اس کا استعمال کرنا ناجائز ہے۔ یہی حکم عادات، اخلاق، آواز وغیرہ کا ہے کہ ایک دوسرے صنف کی آواز نکالنا، بہ تکلف ان کے اخلاق کو اپنانا، جو اس کے ساتھ خاص ہوں جائز نہیں ہے[3]۔

(۲۵) حقیقی مال داری

عن أبي هريرة - رَضِيَ اللهُ عَنهُ -عنِ النبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: «ليس الغِنَى عَنْ كثْرَةِ العَرَضِ، ولكِنَّ الغِنَى غِنَى النفْسِ»[4].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مال کی زیادتی امیری نہیں ہے بل کہ امیری تو دل کا مال دار ہونا ہے۔

---

(۱) أبو داود: ۴۰۹۸ كتاب اللباس، باب في لباس النساء.
(۲) البخاري: ۵۸۸۶، اللباس، اخراج... البيوت.
(۳) مرقاة المفاتيح: ۲۸۹/۸- فتح الباري: ۲۸۷/۱۰.
(۴) البخاري: ٦٤٤٦ كتاب الرقاق، باب الغنى غنى النفس.

فائدہ: نبی کریم ﷺ نے حدیث شریف میں امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ حرص اچھی چیز نہیں ہے، ایسے آدمی کو مال دار اور غنی نہیں کہا جائے گا، جس کے پاس دنیوی سامان بہت ہو، بل کہ غنی تو ایسا شخص ہے کہ اس کے پاس مال و متاع ہو یا نہ ہو، ہر حال میں اس کا دل مطمئن رہتا ہے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ مال کی کثرت فی الحقیقت مال داری نہیں ہے؛ کیونکہ بہت سارے لوگ ایسے ہیں کہ اللہ نے ان کو وسعت دی ہے؛ لیکن وہ اس پر قناعت نہیں کرتے؛ بل کہ زیادتی کی فکر میں رہتے ہیں اور یہ بھی پرواہ نہیں کرتے کہ مال کہاں سے آیا ہے (حرام ہے یا حلال ہے)۔ گویا کہ ایسا آدمی زیادتی حرص کی وجہ سے فقیر ہے؛ اس لیے حقیقت میں غنا تو دل کا غنی ہونا ہے کہ جو کچھ بھی اس کو ملا یا نہیں ملا، اس پر قناعت کیا اور راضی رہا، نہ تو حرص کیا نہ مال کمانے میں مشقت اور جہد کیا۔ قرطبیؒ نے یہ کہا کہ حدیث کا معنی یہ ہے کہ نافع و ممدوح غنا نفس کا ہی غنی ہونا ہے۔ اس لیے چاہیے کہ حقیقی غنا کے حصول کے لیے اپنے اوقات کو خرچ کرے اور وہ کمالات کا حصول ہے نہ کہ مال جمع کرنا، کیوں کہ مال کا جمع کرنا دل کے فقر میں اضافہ کرتا ہے۔[1]

(۲۶) سب سے بہتر آدمی کون؟

عن عثمانَ ﷺ عن النبيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: «خيرُكم مَنْ تَعلَّم القرآنَ وعلَّمَهُ»[2].

ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

فائدہ: قرآن کریم امت مرحومہ کے لیے دستور حیات ہے۔ اور دستور حیات کا مطلب یہ ہے کہ اس کا علم سبھی کو ہونا چاہیے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے امت کو قرآن کی تعلیم کی ترغیب دی

(۱) فتح الباری: ۳۰۶/۱۱.

(۲) البخاری: ۵۰۲۷، فضائل القرآن، خیرکم ... وعلمه.

ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ ایک دوسری روایت میں ایسے شخص کو افضل قرار دیا گیا ہے۔ یہی وہ کتاب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ، اس پر عمل کے ذریعہ کسی کے درجات بلند کرتا ہے اور کسی کو گرا دیتا ہے۔

قرآن کریم کے مدرس اور متعلم کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا علم سب سے اعلیٰ ہے، اس کو اشرف العلوم کہا گیا ہے۔ تمام علوم کا سردار ہے، تمام کتابوں میں اس کتاب کا مقام و مرتبہ اعلیٰ ہے، اس لیے قرآن کا طالب علم دوسرے طلبہ سے اعلیٰ اور افضل ہوگا۔ قرآن کی تعلیم دینے والا استاذ دوسرے استاذوں سے اعلیٰ ہوگا۔ حضرت سفیان ثوریؒ سے جہاد اور تعلیم قرآن کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے قرآن پڑھانے کو ترجیح دی[1]۔

(۲۷) دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ لگانا

عنِ ابنِ عُمَرَ - رَضِيَ اللهُ عَنهُما - عنِ النبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: «لا يَبِعْ بعضُكم علَى بَيْعِ بَعضٍ، ولا يَخْطُبْ بَعضُكم علَى خِطْبَةِ بَعضٍ»[2].

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ، نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرے اور نہ اپنے بھائی کی منگنی پر پیغام دے۔

فائدہ: حدیث شریف میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں اور دونوں کا حکم ایک ہی ہے، کہ دو آدمیوں کے معاملات میں اس کی اجازت کے بغیر تیسرے کا شامل ہونا درست نہیں ہے۔

پہلی بات یہ کہ کوئی شخص کسی چیز کو خریدنے یا بیچنے کے لیے بھاؤ تاؤ کر رہا ہے؛ تو اب کسی دوسرے شخص کو یہ اجازت نہیں ہے کہ اس چیز کا خریدار بن کر بھاؤ تاؤ کرنے لگے۔ (لیکن میری رائے یہ ہے کہ اس میں وہ چیز داخل نہیں ہے جو روز مرہ کی زندگی میں استعمال ہوتی ہے اور جس کا ہر شخص،

---

(۱) فتح الباري: ۸/۷۷۳ — فتح الملهم: ۵/۲۰۲.

(۲) مسلم: ۱٤۱۲، النكاح، تحريم الخطبة على خطبة.

عام وخاص محتاج ہوتا ہے مثلاً چاول، آٹا اور سبزی وغیرہ؛ کیوں کہ یہ چیزیں عام طور پر بازاروں میں دستیاب ہوتی ہیں اور بیچنے والا وافر مقدار میں رکھتا ہے۔ اگر اس صورت کو بھی اس حکم میں شامل کر دیں گے تو بڑا حرج ہوگا)۔

دوسری بات: اپنے بھائی کی منگنی پر پیغام بھیجنا، خواہ منگنی پکی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، اگر منگنی پکی ہونے کے بعد، رشتہ فائنل ہونے کے بعد کوئی پیغام دیتا ہے، تو حرام اور ناجائز ہے۔ ہاں اگر صاحب معاملہ اجازت دیتا ہے تو پھر بھاؤ تاؤ کرنے میں اور نکاح کا پیغام دینے میں مضائقہ نہیں[1]۔

(۲۸) اجازت تین مرتبہ لینی چاہیے

عن أبي موسَى الأشعَرِيِّ رضي اللهُ عنهُ قال: سمِعْتُ رسولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يقولُ: «الإسْتِئذَانُ ثلاثٌ، فإنْ أُذِنَ لَكَ، وإلَّا فارْجِعْ».[2]

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرمایا: "اجازت طلب کرنا تین بار ہے، اگر اجازت مل جائے تو ٹھیک ورنہ واپس ہو جاؤ"۔

فائدہ: حدیث میں آداب معاشرت کے ایک ادب کا ذکر ہے جو واجب کے درجہ میں ہے۔ کسی کے گھر یا آفس وغیرہ میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینا ضروری ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو، اور ان میں بسنے والے کو سلام نہ کر لو۔ یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے، امید ہے کہ تم خیال رکھو گے * اور اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تب بھی ان میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک تمہیں اجازت نہ دے دی جائے۔ اور اگر تم سے کہا جائے کہ: "واپس چلے جاؤ" تو واپس چلے جاؤ، یہی تمہارے لیے پاکیزہ ترین طریقہ ہے، اور تم جو عمل بھی کرتے ہو، اللہ کو اس کا پورا پورا علم ہے۔[3]

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۶/۶۸-۷۰/ فتح الملہم،۶/۵۶۳.
(۲) صحیح مسلم: ۲۱۵۳، الآداب، باب الاستئذان.
(۳) سورۃ النور: ۲۷-۲۸ آسان ترجمہ قرآن.

اجازت کا مسنون کا طریقہ یہ ہے کہ آنے والا پہلے سلام کرے۔ پھر اجازت طلب کرے کہ میں گھر میں داخل ہو جاؤں؟ چنانچہ روایت میں ہے کہ بنی عامر کے ایک شخص نے آپ کے پاس آکر اجازت طلب کی اور کہا: الِجُ؟ میں اندر آؤں؟ آپ ﷺ نے خادم سے فرمایا: جاؤ اس کو اجازت کا طریقہ سکھاؤ اس کو کہو کہ وہ اس طرح کہے: "السلام علیکم، أأدخل؟" تم پر سلام ہو، میں اندر آؤں؟ پھر آپ ﷺ نے اجازت دی[1]۔ اجازت تین بار لے یعنی اگر پہلی بار میں اجازت ملی تو اندر جانا ہے اور اگر " ہاں " یا " نا " کی آواز نہ آئی، تو دوبارہ اجازت لینا ہے، اگر پھر بھی جواب نہ آیا تو تیسری بار، اگر تیسری بار بھی جواب نہ آیا، تو واپس ہو جانا ہے۔ علماء کا اتفاق ہے کہ بغیر اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونا حرام ہے، اور اجازت لینا واجب ہے[2]۔

(۴۹): بے جا تعریف کرنے والے کے منہ میں خاک

عَنِ الْمِقْدَادِ رضی اللهُ عنهُ قال: إنَّ رسولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: «إذا رأَيْتُمُ الْمَدَّاحِينَ فاحْثُوا فِي وُجُوهِهِم التُّرابَ»[3].

ترجمہ: حضرت مقداد بن اسودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم بے جا تعریف کرنے والے کو دیکھو؛ تو اس کے چہرہ پر مٹی ڈالدو۔

فائدہ: حدیث شریف سے دو باتوں کا علم ہوا۔ اول یہ کہ چاپلوسی اور خوشامد میں دکھاوے کے لیے کسی کے منہ پر تعریف کرنا اگرچہ وہ مستحق ہو ممنوع ہے۔ دوم یہ کہ کسی کے ذریعہ تعریف کرنے پر کبر و نخوت میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے؛ بلکہ اس کو اپنے لیے نقصان دہ سمجھ کر، اپنے سے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کا طریقہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے منہ پر مٹی ڈالدو تاکہ دوبارہ وہ تمہارے منہ پر تمہاری تعریف نہ کرے۔

---

(۱) ابو داؤد: ۵۱۷۹ اول کتاب الادب۔
(۲) تکملۃ فتح الملہم: ۱۹۸/۱۰
(۳) صحیح مسلم: ۳۰۰۲، النہی عن المدح إذا کان فیہ۔

منہ پر مٹی ڈالنے کا مطلب بعض علماء کے نزدیک یہ ہے کہ مٹی اٹھاؤ اور مداح کے چہرہ پر پھینک دو، تاکہ وہ بھاگ جائے۔ لیکن آج کل یہ صورت فتنہ کا سبب ہے۔ حضرت مقداد بن اسودؓ کی یہی رائے ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک بار کسی شخص نے حضرت عثمانؓ کی مدح اور تعریف شروع کی تو حضرت مقداد نے مٹی اٹھا کر اس کے منہ پر مارا، حضرت عثمانؓ نے پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ تو آپؓ نے یہی حدیث سنائی۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ کچھ تھوڑا دیدے اور اس تھوڑا کو مٹی سے تشبیہ دی کیوں کہ اگر نہیں دے گا؛ تو وہ بے جا مخالفت کر کے نقصان پہنچائے گا۔ ہاں اگر تعریف کا مقصد اچھے کاموں کی ترغیب دینا ہو یا اس لیے تعریف کی جا رہی ہے کہ دوسرے کو بھی شوق ہوگا تو پھر ایسی تعریف پسندیدہ ہے، لیکن اس میں مبالغہ نہیں ہونا چاہیے[1]۔

(۳۰) ادنا سی نیکی بھی کم نہیں ہے

عنْ أَبِي ذَرٍّ رضي اللهُ عنهُ قال: قال لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا، وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ»[2].

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: نیکی کے کسی کام کو حقیر مت سمجھو، چاہے یہی ہو کہ تم اپنے (مسلمان) بھائی کو کھلتے ہوئے چہرے سے ملو۔

فائدہ: حدیث شریف میں ایک لفظ ہے "المعروف"، طیبیؒ نے لکھا ہے کہ یہ ایک جامع لفظ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی تابعداری اور لوگوں کے اوپر احسان کرنا دونوں شامل ہے[3]۔

مطلب یہ ہے کہ تمام قسم کی اچھائیاں، خواہ طاعت واحسان کے قبیل سے ہو، یا اقوال وافعال کے قبیل سے ہو، سب اس میں داخل ہیں۔ تو اب حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ کوئی بھی خیر خواہی خواہ

---

(۱) المرقاة: ۹/۶۲، تكملة فتح الملهم: ۱۲/۳۹۲.
(۲) مسلم: ۲۶۲۶، البر، استحباب ... عند اللقاء.
(۳) مرقاة المفاتيح: ۴/۳۴۴.

کسی مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے مسکرا کر یعنی اچھے اخلاق سے ملنا ہی کیوں نہ ہو، اس کو بھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ کوئی بھی نیکی خواہ بڑی ہو یا چھوٹی انسان اس کا محتاج ہے؛ اس لیے ضروری سمجھ کر اس نیکی کو کرنا چاہیے۔ مثلاً راستہ سے پتھر، کانٹا یا دیگر تکلیف دہ چیز کو ہٹانا، سلام میں پہل کرنا، ضرورت مندوں کی مدد کرنا، خواہ کسی کو مشورہ دیکر وغیرہ۔ گرچہ یہ چیزیں دیکھنے اور سمجھنے میں چھوٹی ہیں، مگر حقیقت میں بہت بڑی ہیں اور ان کا اجر ملے گا۔ اس لیے کسی بھی نیکی کو کم تر نہ سمجھنا چاہیے۔

صفر المظفر

(۳۱) اللہ ہمارے ساتھ ہے

عنْ أَبِي بكرٍ رَضِيَ اللهُ عنهُ قال: كنتُ مع النبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الغارِ فرَفَعْتُ رأسِي فإذَا أنا بِأَقْدامِ القَومِ، فقلتُ: يا نبيَّ اللهِ، لَو أنَّ بعضَهم طَأْطَأَ بَصَرَهُ رآنا. قال: «اسْكُتْ يا أبا بكرٍ؛ اِثنانِ اللهُ ثالِثُهما»[1].

ترجمہ: حضرت ابو بکرؓ نے بیان کیا کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ غار میں تھا۔ میں نے جو سر اٹھایا، تو لوگوں کے پاؤں دیکھے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! اگر ان میں سے کسی نے بھی اپنی نگاہ نیچے کی؛ تو ہم کو دیکھ لے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے ابو بکر! خاموش رہ، ہم ایسے دو ہیں جن کا تیسرا اللہ ہے۔

فائدہ: الحمد للہ، اس سلسلۂ حدیث کو ایک ماہ مکمل ہو چکا۔ اور یہ صفر المظفر کا مہینہ چل رہا ہے، اللہ پاک نے قرآن کریم میں اجمالاً (۱۲) مہینوں کا ذکر فرمایا ہے، اللہ پاک فرماتا ہے: حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینے ہیں، جو اللہ کی کتاب۔۔لوح محفوظ۔۔کے مطابق اس دن سے چلی آتی ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا۔ ان۔۔بارہ مہینوں۔۔میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں[2]۔ ان بارہ مہینوں میں دوسرا مہینہ صفر المظفر ہے۔ اس ماہ کی بھی فضیلتیں ہیں۔ لیکن

(۱) البخاري: ۳۹۲۲، المناقب، هجرة النبي إلى المدينة.

(۲) التوبہ ۳۶، آسان ترجمہ قرآن۔

لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ یہ مہینہ نحوست والا مہینہ ہے۔اس مہینہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ہجرت کی ابتداء اس مہینہ میں ہوئی اور جب آپ مدینہ پہنچے تو ربیع الاول کا مہینہ تھا۔ چنانچہ مولانا صفی الرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب "الرحیق المختوم" کے حاشیہ میں فرماتے ہیں: غادَرَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- بَيتَهُ في ليلة ٢٧ مِنْ شَهْرِ صَفَرٍ سَنَةَ ١٤ مِن النُّبُوَّةِ، الموافق ١٢/١٣ ستمبر سنة ٦٢٢ ميلاد، وَأَتَى إِلَى دارِ رفيقِهِ. یعنی نبی کریم ﷺ ۲۷ صفر المظفر، مطابق ۱۲، ۱۳ ستمبر ۶۲۲ء کو اپنے گھر سے نکلے اور اپنے دوست ابو بکر صدیقؓ کے مکان پر گئے۔ پھر یہاں پر حاشیہ میں لکھا ہے کہ سنہ نبوی کا تیرہواں یا چودھواں سال ہے اور یہ دونوں ہو سکتا ہے۔ بہر حال اس مہینہ میں ہجرت کی ابتداء ہوئی؛ اس لیے یہ مہینہ بابرکت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہجرت کا درجہ اللہ کے یہاں بہت بلند ہے یہ ہجرت دین کی سربلندی کا سبب بنی۔ اس کے علاوہ اس ماہ کے بابرکت ہونے کے اور بھی اسباب ہیں۔

بعض اہل خرافات اس ماہ کو منحوس سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ اس ماہ میں بیمار ہوئے تھے اور پھر جاں بر نہ ہو سکے۔ ایسا سوچنا غلط ہے۔ یقیناً آپ بیمار ہوئے اور پھر ربیع الاول میں انتقال فرما گئے، لیکن اگر بیماری کی وجہ سے یہ مہینہ منحوس ہے، تو آپ ﷺ کی وفات کی وجہ سے ربیع الاول کا مہینہ اور زیادہ منحوس ہونا چاہیے، لیکن ایسا کوئی نہیں کہتا۔ دوسری بات یہ کہ سارے مہینے اللہ کے بنائے ہوئے ہیں، اس لیے کسی ماہ کو منحوس کہنا اللہ کی قدرت پر اعتراض کرنا سمجھا جائے گا۔

اب آئیے حدیث شریف کو سمجھتے ہیں: آپ ﷺ حضرت ابو بکرؓ کے گھر سے نکل کر غار ثور میں پناہ گزیں ہو گئے، ساتھ میں حضرت ابو بکرؓ تھے، تین دن وہاں مقیم رہے، پھر ربیع الاول کے شروع میں یعنی یکم ربیع الاول کو غار ثور سے نکل کر مدینۃ المنورۃ کی طرف روانہ ہوئے۔ اسی لیے بعض علماء نے یہ کہا کہ ربیع الاول کے شروع میں آپ ﷺ نے ہجرت شروع کی اور ۱۲، ربیع الاول کو مدینہ

پاک پہنچے[1]۔ غار ثور میں اقامت کے درمیان جب کفار آپ ﷺ کو تلاشتے ہوئے غار کے قریب پہنچ گئے تو حضرت ابو بکرؓ نے ان کے پیر دیکھے اور کہا کہ یارسول اللہ ﷺ اگر انہوں نے نظر نیچی کی تو ہمیں دیکھ لیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکر خاموش رہو ہم دو ہیں اور تیسرا ہمارے ساتھ اللہ ہے، وہ ہماری حفاظت کرے گا۔

(۳۲) کھانے کا ایک ادب

عنِ ابنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عنهما أَنَّ رَسولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قالَ: «إذا أَكلَ أَحَدُكم فلْيأْكُلْ بِيَمينِهِ، وَإذا شَرِبَ فلْيَشرب بِيَمينِهِ؛ فإنَّ الشَّيطانَ يأْكلُ بِشِمالِهِ، وَيَشرَبُ بِشِمالِهِ»[2].

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے؛ تو دائیں ہاتھ سے کھائے اور جب پانی پیے تو داہنے ہاتھ سے پیے؛ اس لیے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے"۔

فائدہ: کھانے پینے کا سنت طریقہ تو یہی ہے کہ دائیں ہاتھ کو استعمال کیا جائے؛ لیکن ضرورت پڑنے پر بائیں ہاتھ کو بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ بعض علماء نے تو دائیں ہاتھ سے کھانے کو واجب قرار دیا ہے؛ اس لیے کہ اس سلسلہ میں جتنی روایات ہیں سب میں آپ ﷺ نے دائیں ہاتھ سے کھانے کا حکم دیا ہے یا بائیں ہاتھ سے کھانے سے روکا ہے۔ لیکن جمہور علماء کے یہاں دائیں ہاتھ سے کھانا پینا سنت ہے اور آپ ﷺ کا عمل مبارک بھی یہی رہا ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اگر تم نے ایسا کیا تو شیطان کے دوست ہو اور شیطان اپنے انسان دوستوں کو ایسا کرنے پر ابھارتا ہے۔ نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں شیطانی اعمال سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے[3]۔

---

(۱) عمدة القاري: ۵۱/۱۷.

(۲) مسلم: ۲۰۲۰، الأشربة، الطعام والشراب وأحكامهما.

(۳) مرقاة المفاتيح: ۸۶/۸.

(۴۳) اعمال کی پیشی کا دن

عن أبي هريرةَ رَضِيَ اللهُ عنهُ، أنَّ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: «تُعْرَضُ الأعمالُ يومَ الإثنَيْنِ والخميسِ، فأُحِبُّ أنْ يُعْرَضَ عمَلِي وأنَا صائِمٌ»[1].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پیر اور جمعرات کے دن اعمال پیش کیے جاتے ہیں، پس میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ جب میرا عمل پیش کیا جائے؛ تو میں روزہ سے رہوں۔

فائدہ: حدیث شریف میں پیر اور جمعرات کے دن نفلی روزہ رکھنے کی ترغیب دی جارہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں دنوں میں فرشتے بندوں کے اعمال پیش کرتے ہیں؛ اس لیے بہتر ہے کہ بندہ ان دنوں میں روزہ رکھے تاکہ رجسٹر میں لکھا جانے والا پہلا اور آخری عمل روزہ ہو، اس سے درجات بھی بلند ہوں گے[2]۔ بعض روایتوں میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر ماہ الگ الگ دنوں میں روزہ رکھتے تھے۔ کبھی ہفتہ، اتوار، پیر اور کبھی منگل، بدھ اور جمعرات[3] آپ ﷺ نے لگاتار روزے نہیں رکھے کہ امت اس کی پابندی کرکے پریشانی میں نہ پڑ جائے اور مختلف دنوں کا روزہ اس لیے رکھا کہ تمام دنوں کے درمیان انصاف کی رعایت ہوسکے۔

(۴۴) لعن و طعن مؤمن کی صفت نہیں ہے

عن عبدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عنهُ قال: قال رسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بالطَّعَّانِ، ولا اللَّعَّانِ، ولا الْفَاحِشِ، ولا الْبَذِيءِ»[4].

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤمن نہ طعنہ دیتا ہے، نہ لعنت کرتا ہے، نہ فحش کام کرتا ہے، نہ بدگوئی کرتا ہے۔

---

(۱) الترمذي: ۷٤۷، الصوم، ... يوم الاثنين والخميس.
(۲) مرقاة المفاتيح: ٤/٤٦٥.
(۳) الترمذي: ۷٤٦، الصوم، صوم يوم الإثنين، والخميس.
(٤) الترمذي: ۱۹۷۷ البر والصلة، باب ما جاء في اللعنة.

فائدہ: حدیث شریف میں ان صفات مذمومہ خبیثہ کا ذکر ہے، جو ایک مؤمن کامل کے اندر نہیں ہونی چاہیے۔ یعنی کامل مؤمن بننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان تمام عیوب سے پاک وصاف ہو۔ وہ عیوب کیا ہیں؟

(۱) کامل ایمان والے کی صفت یہ ہے کہ وہ طعنہ گوئی اور طعنہ زنی نہ کرے، طعنے خواہ حسب ونسب میں ہوں یا ذات وصفات میں، اس سے بچنا چاہیے۔ (۲) مؤمن کامل کی شان یہ ہے کہ وہ لعنت وملامت کرنے والا نہ ہو کہ ہمیشہ ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرتا رہے۔ (۳) فحش کام کرنے والا نہ ہو کہ بے حیائی اور فحش کام کرتا پھرے۔ (۴) زبان دراز اور فضول بکواس کرنے والا نہ ہو۔

یہ ایسی باتیں ہیں جو مؤمن کو زیب نہیں دیتی، اب اگر یہ باتیں کسی مؤمن میں پائی جاتی ہیں؛ تو وہ مؤمن کامل نہیں ہے، کیونکہ ان چیزوں کا شمار انسان کی خامیوں میں ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں لایعنی کاموں اور لایعنی باتوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس میں غیبت، گالی گلوچ، بہتان تراشی، لعن وطعن سب داخل ہیں[1]۔

(۳۵) مسلمان کو کافر کہنے کا وبال

عن أبي ذرٍّ رَضِيَ اللهُ عنهُ، أنّهُ سمِعَ رسولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يقولُ: «مَنْ دَعَا رَجُلاً بِالْكُفْرِ»، أوْ قالَ: «عَدُوَّ اللهِ، وليسَ كذَلِكَ إلّا حارَ عَلَيْهِ».[2]

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: جس کسی نے بھی کسی آدمی کو کافر کہہ کر پکارا" یا یہ کہا کہ اے اللہ کے دشمن اور وہ شخص ایسا نہیں ہے، تو وہ بات کہنے والے کی طرف لوٹ آتی ہے۔

فائدہ: علماء فرماتے ہیں کہ شریعت نے مسلمانوں کی زبان پر بندش لگائی ہے کہ کسی مسلمان کو اس طرح کے برے الفاظ سے نہ پکارو کہ اگر وہ شخص ان الفاظ کا مستحق نہیں ہے تو یہ تمہاری

---

(۱) مرقاة المفاتيح: ۹/۵۶۔

(۲) مسلم: ۶۱، الإيمان، حال إيمان من رغب عن أبيه.

طرف ہی لوٹ کر آئے گا اور تم خود ہی اس کے مستحق ہو جاؤ گے۔

اہل حق کا یہ مذہب ہے کہ گناہوں کی وجہ سے کسی مسلمان کو کافر نہیں کہہ سکتے؛ لیکن اگر کوئی کسی مسلمان کو کافر، یا اللہ کا دشمن یا فاسق وغیرہ کے الفاظ سے یاد کرتا ہے؛ تو اگر اس کے اندر یہ صفات نہیں ہیں تو اس کو کافر یا دشمن کہنے کا گناہ کہنے والے کو ہوگا۔ بعض علماء نے اس میں یہ تفصیل بیان کی ہے کہ اگر یہ الفاظ نصیحت کے لیے استعمال کیے جارہے ہیں، تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ یہ صفات اس میں موجود ہوں، لیکن اگر عار دلانا اور تکلیف دینا مقصود ہے؛ تو یہ ناجائز اور حرام ہے کیونکہ انسان کو پردہ پوشی کا مکلف بنایا گیا ہے اور اس کی تعلیم دی گئی ہے(۱)۔

(۳۶) برائیوں سے روکنے کے درجات

عن أبي سعيدٍ الخدريِّ ﷺ قال: سمعتُ رسولَ اللهِ ﷺ يقولُ: «مَنْ رَآى مِنكُم مُنكَرًا فلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فإن لَمْ يَستَطِعْ فبِلِسانِهِ، فإن لم يَستَطِعْ فبقَلْبِهِ، وذٰلِكَ أضعَفُ الإيمانِ»(۲).

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: آپ ﷺ فرماتے ہیں: جو شخص برائی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے روکنے کی کوشش کرے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں برا جانے یہ ایمان کا معمولی درجہ ہے۔

فائدہ: حدیث شریف میں نہی عن المنکر کی تاکید اور اس کے درجات بیان کئے گئے ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی حیثیت دین میں قطب اعظم کی ہے؛ کیوں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی یہی تھا۔ اگر اس میں سستی اور کاہلی کی جاتی، تو مقصد نبوت ورسالت فوت ہو جاتا، ضلالت وجہالت عام ہو جاتی، اس لیے انبیاء کرام نے پھر ان کے اصحاب نے اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھا۔ انھوں نے جان گنوادی، بیوی کو بیوہ کیا، بچے یتیم کیے؛ لیکن اپنے مقصد سے نہ ہٹے۔ یہ قابل افسوس امر ہے کہ آج ہم نے اس عمل کو چھوڑ دیا ہے، نہ تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا علم سیکھتے ہیں

(۱) مرقاة: ۹/۵۵ — فتح الملهم: ۲/۳۰.

(۲) صحيح مسلم: ۴۹، الإيمان، النهي عن المنكر.

اور نہ یہ کام کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ اگر کوئی برائی دیکھے تو اس کو ہاتھ سے روکے، یہ کام امراء اور ذمہ داروں کا ہے۔ گھر کا ذمہ دار، گھر کا امیر ہوتا ہے؛ اس لیے وہ اپنے اہل خانہ کو منکرات سے روکے۔ شہر کا ذمہ دار اہالیان شہر کو منکرات سے روکے۔ دوسری صورت منکرات کو زبان سے روکنے کی ہے، یہ کام علماء کا ہے؛ کیوں کہ اگر علماء بزور طاقت ہاتھ سے کسی کو منکرات سے روکیں گے؛ تو اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے؛ اس لیے وعظ و نصیحت کے ذریعہ منکرات پر گرفت کی جائے گی، گرچہ آج کل یہ صورت حال بھی بہت خطرناک ہو چکی ہے، نہ جانے کتنے امام و خطیب کو اس عمل کی پاداش میں امامت سے نکال دیا جاتا ہے۔ تیسری صورت ہے کہ منکرات کو دل سے برا جانے، یہ طریقہ عوام الناس کا ہے؛ کیوں کہ وہ امیر نہیں کہ بزور طاقت منکرات سے روکیں اسی طرح وہ علماء بھی نہیں ہیں کہ وعظ و نصیحت کریں۔ اگر کوئی شخص ایسا کرتا بھی ہے؛ تو فتنہ کا خوف ہے؛ اس لیے دل میں اس برائی کو برا سمجھے اور ہٹ جائے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے۔ اگر بعض لوگوں نے کر لیا تو سب کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور اگر بغیر کسی عذر و خوف کے سب نے چھوڑ دیا؛ تو سب گناہ گار ہوں گے۔ فرماتے ہیں کہ مکلف سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر ساقط نہیں ہوگا؛ بلکہ اس پر واجب ہے، اور یہ امراءِ مسلمین اور علماء کے لیے ہی خاص نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے ہر فرد کے لیے ہے۔ البتہ اگر کوئی ایسا معاملہ ہے کہ صرف علماء ہی کو معلوم ہے؛ تو اب علماء اس کے ذمہ دار ہیں ورنہ عام چیز جیسے شراب، زنا، روزہ، نماز، چھوڑنا یہ ہر شخص جانتا ہے اس لیے ہر شخص کے ذمہ ہے[1]۔

(۳۷) نفاق کی تین علامتیں

عن أبي هُريرة رَضِيَ اللهُ عنهُ، عنِ النبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: «آيَةُ المنافِقِ ثلاثٌ:

(۱) المنهاج شرح النووي، ۲/۲۲.

إذا حدّث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان»[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: منافق کی تین علامتیں ہیں: جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے؛ تو اس میں خیانت کرتا ہے۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں علامت نفاق کا ذکر ہے، نفاق کے معنی ہیں باطن کا ظاہر کے خلاف ہونا۔ نفاق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اعتقاد اور ایمان میں نفاق، اس صورت میں انسان کافر ہو جاتا ہے۔ دوسری صورت ہے: اعمال میں نفاق اور حدیث میں اسی نفاق فی العمل کا ذکر ہے۔ نفاق فی العمل کا مرتکب کافر تو نہیں ہوتا لیکن عمل میں کافروں کی طرح اور منافق کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ مسلمان اگر بات بات پر جھوٹ بولے گا تو منافق بھی تو ایسے ہی کیا کرتے تھے۔ صحابہ سے کہتے ہم مومن ہیں اور اپنے دوستوں سے کہتے کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو مسلمانوں کا استہزا اور مذاق کرتے ہیں[2]۔

اگر وعدہ خلافی کرتا ہے تو یہ بھی منافقوں والا عمل ہے؛ کیوں کہ منافقین بھی نبی کریم ﷺ اور صحابۂ کرام سے وعدہ کرتے اور پھر نقض وعدہ کے مرتکب ہوتے تھے۔ اور اگر کسی کے پاس امانت رکھی جائے، خواہ مال کی امانت ہو یا قول و فعل کی اس میں خیانت کرتا ہے، تو یہ بھی منافقوں کا عمل ہے۔ مال میں خیانت تو ظاہر ہے، قول اور فعل کی امانت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی راز کی بات یا راز کا کام کسی سے کہا، لیکن شرط یہ لگادی کہ کسی سے مت کہنا اور اس نے دوسروں سے کہہ دیا تو یہ خیانت ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی دو علامتوں کا ذکر ہے، ایک تو جھگڑا کرتے ہوئے گالی گلوچ کرنا، اور دوسرا معاہدہ توڑنا۔ نووی فرماتے ہیں کہ دو طرح کی روایتیں ہیں، اور ان دونوں کو ملا کر کل پانچ علامات

(۱) البخاري: ۳۳ كتاب الإيمان، باب علامة المنافق.

(۲) البقرة: ۱۴

نکلتی ہیں۔ حدیث شریف کا مقصد یہ ہے کہ لوگ ان بری خصلتوں سے بچیں[۱]۔

(۳۸) نیک بیوی اللہ کی بڑی نعمت ہے

عن عبدِ اللهِ بنِ عَمرٍو رَضِيَ اللهُ عنهُ، أنَّ رسولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: «الدُّنيا مَتَاعٌ، وَخَيرُ مَتَاعِ الدُّنيا الْمَرأَةُ الصَّالِحةُ»[۲].

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پوری دنیا متاع (فائدے کی چیز ہے) اور دینا میں سب سے زیادہ نفع بخش چیز نیک اور پرہیز گار عورت ہے۔

فائدہ: حدیث شریف میں نیک اور دین دار عورت کو خیرِ متاع، بہترین مال اور اچھی چیز کہا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نیک عورت اعمال صالحہ میں معین و مددگار ہوتی ہے۔

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے شرح مسلم میں آیات قرآنی اور احادیث کی روشنی میں دس صفات کا ذکر فرمایا ہے، جو ایک عورت کے اندر ہونی چاہیے، شادی کرتے وقت ان اوصاف کی حامل لڑکیوں کو ترجیح دینی چاہیے۔ وہ دس اوصاف یہ ہیں: (۱) عورت دین دار اور نیک ہو۔ (۲) حسب ونسب والی ہو۔ (۳) باکرہ ہو۔ (۴) کثرت سے بچے جننے والی اور خوب محبت کرنے والی ہو۔ (۵) گھر کا کام کاج سلیقہ سے انجام دینے والی ہو، یعنی سلیقہ مند ہو۔ (۶) اپنے شوہر کی فرماں بردار ہو۔ (۷) پاک دامن ہو۔ (۸) خوبصورت ہو (۹) حمیت وغیرت میں سخت نہ ہو۔ (۱۰) سادگی پسند ہو[۳]۔

اس لیے والدین کو چاہیے کہ اپنی بچیوں کو ان صفات کا حامل بنائیں، تاکہ دین ودنیا دونوں میں سرخرو رہ سکیں، اور لڑکوں کو چاہیے کہ ایسی لڑکیاں تلاشیں جو سکون واطمینان کا باعث بنیں۔ اللہ پاک ہم سب لوگوں کی بچیوں کو دین کا حامل و دین کا داعی اور اپنے شوہر کا نور نظر بنائے آمین۔

---

(۱) فتح الباري: ۱۱۳/۱.
(۲) مسلم: ۱٤٦٧، الرّضاع، خير متاع الدنيا المرأة.
(۳) تكملة فتح الملهم: ۱۳٤/۷.

(۳۹) غلط نسب بتانا حرام ہے

عن سَعْدِ بْنِ أبِي وقَّاصٍ يقول: سمِعَ أُذُنايَ مِن رسولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وهو يقولُ: « مَنِ ادَّعَى أبًا فِي الإسلامِ غيرَ أبيه، يَعْلَمُ أنَّهُ غيرُ أبيهِ، فالجنةُ عليهِ حرامٌ »[1].

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے دونوں کانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی نے اسلام میں اپنے باپ کے علاوہ کسی کو باپ بنایا، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ شخص اس کا باپ نہیں ہے؛ تو جنت اس پر حرام ہے۔

فائدہ: حدیث پاک میں ایک گناہ کبیرہ کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اور یہ ان لوگوں کے لیے سوچنے کا مقام ہے جن کو لاولد جوڑے گود لیتے ہیں، اور بڑے ہو کر ایسے بچے اپنے والدین کو جانتے پہچانتے ہوئے بھی، اپنی نسبت گود لینے والے والدین کی طرف کر دیتے ہیں۔ اور اصل والدین کو چچا، چچی، انکل، خالہ، خالو وغیرہ کہہ کر پکارتے ہیں، تو یاد رکھیے یہ حرام ہے، ایسے لوگوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت وعید آئی ہے، فرمایا: کہ ایسے شخص پر جنت حرام ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اپنے باپ سے نسب کا انکار نہ کرو، اور نہ چھوڑو، جس کسی نے ایسا کیا اس نے کفر کیا[2]۔ خلاصہ یہ ہے کہ جان بوجھ کر اگر کوئی شخص اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کی طرف کرتا ہے تو وہ کفران نعمت کرتا ہے، یا کافروں والا عمل کرتا ہے، جو گناہ کبیرہ اور حرام ہے۔ یہ حدیث عام ہے تمام ناجائز اور ناحق دعوی اس میں شامل ہے۔ مثلاً ناجائز طور پر مال کا دعوی، تعلیم و تعلم کا دعوی، بچہ کا دعوی کہ یہ میرا بچہ ہے؛ حالانکہ وہ اس کا نہیں۔ ان کے علاوہ جتنے بھی دعوے ہیں، اگر وہ جھوٹ پر مبنی ہیں تو حرام ہیں[3]۔

(۴۰) مرغ کی اہمیت

عن زيدِ بنِ خالدٍ رَضِيَ اللهُ عنهُ قال: قال رسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لا تسُبُّوا

---

(۱) مسلم: ۶۳، الإيمان، حال إيمان من رغب عن أبيه.
(۲) مسلم: ۶۲، الايمان، حال ايمان من رغب عن ابيه.
(۳) فتح الملهم: ۲/۳۰.

«الديك، فإنّه يوقظ للصلاة»[۱]

ترجمہ: زید بن خالد جہنیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مرغ کو برا بھلا مت کہو؛ کیوں کہ وہ نماز کے لیے جگاتا ہے۔

فائدہ: حدیث شریف میں مرغ کو برا بھلا کہنے کی ممانعت بیان کی گئی ہے؛ کیوں کہ وہ فجر کے وقت آواز لگاتا ہے، جس سے نمازی بیدار ہو جاتا ہے۔ اس سے وقت پر نماز پڑھنے کی توفیق مل جاتی ہے؛ اس لیے اس کو گالی نہیں دینا چاہیے۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ نماز کے لیے بلاتا ہے[۲]۔ حدیث شریف میں مطلق نماز کا لفظ آیا ہے، اس سے نماز تہجد بھی مراد لی جاسکتی ہے اور نماز فجر بھی۔ کتابوں میں ہے کہ جو طاعت پر معاونت کرتا ہے وہ تعریف کا مستحق ہے، نہ کہ برا بھلا کہنے کا۔ اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے علماء نے لکھا ہے کہ جب مرغ کو اچھی خصلتوں کی وجہ سے برا بھلا کہنے کی اجازت نہیں ہے؛ تو ایمان والوں کو برا بھلا کہنے کی اجازت کس طرح ہو سکتی ہے؟

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے مرغ کے فضائل کے سلسلہ میں کئی روایتیں جمع کی ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرغ «سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّنا اللهُ لا إلَهَ غيرُهُ» کی تسبیح پڑھتا ہے[۳]۔ اور ان تسبیحات کو جن وانس کے علاوہ تمام مخلوقات سنتی اور سمجھتی ہے[۴]۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب تم مرغ کی آواز سنو؛ تو اللہ سے اس کا فضل مانگو، اس لیے کہ وہ فرشتے کو دیکھتا ہے[۵]۔

(۴۱) نافرمان بیوی پر فرشتوں کی لعنت

عن أبي هريرةَ رَضِيَ اللهُ عنهُ قال: قال: رسول اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امرَأَتَهُ إِلَى فِراشِهِ فَأَبَتْ فباتَ غضبانَ عليها، لعَنَتْها الملئِكَةُ حتَّى تُصْبِحَ»[٦].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: جب شوہر اپنی بیوی کو

(۲) أبو داود: ۵۱۰۱، الأدب، ما جاء في الديك والبهائم

(۳) مسند أحمد: ۲۱۶۷۹.

(۳) جمع الجوامع ۲/۲۶۳ حديث نمبر ۱۱۶۵

(۸) مرقاة ۸/۶۱.

(۵) أبو داود: ۵۱۰۱، الأدب، ما جاء في الديك والبهائم

(٦) البخاري ۳۲۳۷، بدء الخلق، إذا قال... في السماء.

اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کردے، پھر شوہر اس پر غصہ کرتے ہوئے رات گزارے، تو فرشتے اس پر صبح تک لعنت کرتے رہتے ہیں۔

فائدہ: حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو لعنت کا مستحق قرار دیا ہے، جو شوہر کا ایک اہم حق ادا کرنے سے انکار کرتی ہے اور وہ اہم حق، حق استمتاع ہے۔ شوہر کا بیوی پر یہ حق ہے کہ وہ اس سے پوری طرح فائدہ اٹھائے، لطف اندوز ہو، اور اپنی بیوی سے سکون حاصل کرے۔ اب اگر شوہر اس حق کی ادائیگی کے لیے اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور بیوی ناراضگی کی وجہ سے یا بغیر عذر شرعی کے شوہر کو اپنے اوپر قدرت دینے، اس کے ساتھ رات گزارنے، یا اس کے ساتھ صحبت کرنے سے منع کردے، خواہ صراحتاً منع کرے اور کہہ دے کے نہیں آؤں گی، یا بغیر کچھ کہے ہوئے اس کے بستر پر اس کے ساتھ سوئی ہی نہیں، اور شوہر نے غصہ کی حالت میں رات گزار دی؛ تو ایسی عورت پر فرشتے صبح تک لعنت کرتے ہی رہتے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ جب تک شوہر کے پاس چلی نہ جائے اور توبہ نہ کرلے، اس وقت تک لعنت ہوتی رہتی ہے۔ لعنت کی وجہ یہ ہے کہ بیوی شوہر کی اطاعت و فرماں برداری پر مامور ہے، اس کے ذمہ واجب ہے کہ وہ شوہر کی اطاعت کرے بشرطیکہ شوہر بیوی کو گناہ کا حکم نہ دے؛ کیوں کہ اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے[1]۔

(۴۲) پڑوسی کا حق

عن ابنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عنهُ قال: قال رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «ما زالَ يُوصِينِي جبريلُ بِالجَارِ، حتّى ظَنَنْتُ أنَّهُ سيُوَرِّثُهُ»[2].

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جبرئیل مجھے پڑوسیوں کے حق میں برابر وصیت کرتے رہے، یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ پڑوسیوں کو وارث قرار دے دیں گے۔

---

(۱) مرقاۃ، ۳۶۱/۱.

(۲) البخاري: (۶۰۱۵) الأدب، الوصاة بالجار.

فائدہ: پڑوسیوں کے حقوق کی حفاظت کی تاکید بہت ساری روایتوں میں مذکور ہے، ان کے حقوق ادانہ کرنے پر شدید وعید مذکور ہے۔ اس حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمارہے ہیں کہ جبریل امین نے اتنی کثرت سے مجھے پڑوسیوں کے حقوق کے سلسلہ میں وصیت کی کہ میں سمجھنے لگا کہ عنقریب ہی اللہ پاک کی طرف سے جبرئیلؑ مجھے پڑوسیوں کو وارث بنائے جانے کا حکم دیں گے۔

پڑوسیوں کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ پاک نے جہاں اپنے حقوق اور والدین واقارب کے حقوق کا ذکر فرمایا ہے، وہیں پڑوسیوں کے حقوق کا بھی ذکر فرمایا ہے، چنانچہ اللہ پاک فرماتا ہے: ترجمہ: اور اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، نیز رشتہ داروں یتیموں، مسکینوں، قریب والے پڑوسی، دور والے پڑوسی، ساتھ بیٹھے ـــ یا ساتھ کھڑے ـــ ہوئے شخص اور راہ گیر کے ساتھ اور اپنے غلام باندیوں کے ساتھ بھی ـــ اچھا برتاؤ رکھو ـــ بیشک اللہ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔[۱]

پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی کا مطلب یہ ہے کہ ان کے مناسب حال ان میں سے ہر ایک کے ساتھ برتاؤ کیا جائے۔ ان کے ساتھ بھلائی اور نرمی کا معاملہ کیا جائے، ان کی پریشانیوں کو دور کیا جائے اور اچھی باتوں کی نصیحت کی جائے، وغیرہ وغیرہ۔[۲]

(۴۳) دین خیر خواہی کا نام ہے

عن تَمِيمٍ الدَّارِيِّ رَضِيَ اللهُ عنهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «الدِّينُ النَّصِيحَةُ». قُلنا: لِمَنْ؟ قال: «لِلهِ، ولِكتابِهِ، ولِرسولِهِ، ولأئمَّةِ المُسلِمِينَ، وعامَّتِهِمْ»[۳].

ترجمہ: حضرت تمیم بن اوس الداریؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دین خیر خواہی ہے، ہم نے پوچھا کس کے لیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ، اس کی کتاب، اس کے رسول، اور

(۱) النساء: (۳۶) آسان ترجمہ قرآن۔
(۲) عمدۃ القاري: ۲۲/۱۶۶-۱۶۷.
(۳) مسلم: ۵۵، الإیمان، بیان أنّ الدین النصیحة.

مسلمانوں کے امراء اور عام مسلمانوں کے لیے۔

فائدہ: یہ حدیث شریف ان چار اہم احادیث میں سے ایک ہے جن کو دین کا اساس قرار دیا جاتا ہے۔ یعنی یہ حدیث ربع دین ہے۔ دین تو خیر خواہی ہے، یعنی 'خیر خواہی' دین کا ایک عظیم الشان عمل ہے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کس کی خیر خواہی؟ تو رسول اللہ ﷺ نے پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا: ان میں سے ایک ہے اللہ کے لیے خیر خواہی۔ یعنی انسان اللہ کی محبت کی وجہ سے اطاعت کرنے والا اور اس کے خوف سے گناہوں کو چھوڑنے والا ہو۔ یعنی انسان کا ظاہر و باطن متواضع اور مطیع ہو۔ حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے ان سے پوچھا تھا کہ اے روح اللہ! اللہ کے لیے خیر خواہی کرنے والا کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا تھا: جو اللہ کے حق کو لوگوں کے حق پر مقدم رکھتا ہو، یہ اللہ کے لیے خیر خواہی ہے۔

دوسری چیز ہے اللہ کی کتاب کے لیے خیر خواہی: یعنی کتاب اللہ کا پڑھنا پڑھانا، کتاب اللہ پڑھتے ہوئے الفاظ و حروف کی رعایت کرنا۔ اس کے معانی کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا۔ یہ قرآن کی خیر خواہی ہے۔

تیسری چیز ہے اللہ کے رسول ﷺ کی خیر خواہی: آپ ﷺ کی موجودگی میں اور بعد وفات آپ ﷺ کی تعظیم اور مدد کرنا۔ آپ ﷺ کی سنتوں کو سیکھنے اور سکھانے کے ذریعہ زندہ رکھنا۔ آپ ﷺ کے اقوال و افعال کی اقتدا کرنا۔

چوتھی چیز امام المسلمین کے لیے خیر خواہی: یعنی ان کی نصرت و مدد کرنا، غفلت کے وقت ان کو متنبہ کرنا، اس کو ظلم سے باز رکھنا، اگر امام باغیوں سے لڑنے کے لیے بلائے؛ تو لبیک کہنا۔

پانچویں چیز عام مسلمانوں کے لیے خیر خواہی: یعنی عوام سے شفقت و نرمی کا معاملہ کرنا، ان کو ایسی تعلیم دینا جس سے ان کو فائدہ ہو، تکلیفوں اور برائیوں کو ان سے دور کرنا، اپنے لیے جو پسند یا ناپسند

ہو، ان کے لیے بھی اسی کو پسند یا ناپسند کرنا۔ یہ مسلم عوام کی خیر خواہی ہے[1]۔

(۴۴) نرمی کرنے والوں کے لیے حضور ﷺ کی دعا

عَنْ جَابِرِ بْنِ عبدِ اللهِ رضي الله عنه أَنَّ رسولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قال: «رَحِمَ اللهُ رَجُلاً سَمْحًا إذا بَاعَ، وإذا اشْتَرَى، وإذا اقْتَضَى»[2].

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک ایسے شخص پر رحم کرے، جو خرید و فروخت اور تقاضا کرتے وقت نرمی سے کام لیتا ہے۔

فائدہ: حدیث شریف میں ایک لفظ ہے "سَمْحًا" اس کے معنی: آسانی، سہولت اور فیاضی کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خرید و فروخت کرنے والا یا قرض دینے والا شخص خرید و فروخت کرتے وقت یا قرض کی وصولی اور قرض کا تقاضہ کرتے وقت نرمی اور سہولت کا معاملہ کرتا ہے، اس طور پر کہ قیمت میں کچھ کمی کر دیتا ہے، گفتگو میں نرمی اختیار کرتا ہے، قرض دار کو سہولت دیتا ہے، سختی سے پیش نہیں آتا، تو اس کے لیے نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی ہے، کہ اللہ پاک ایسے شخص پر اپنی رحمتِ خاصہ نازل فرمائے۔ بخاری شریف کی ایک حدیث ہے: آپ ﷺ نے سابقہ امتوں میں سے ایک شخص کے جنت میں جانے کا واقعہ بیان فرمایا کہ: ایک شخص کی وفات ہوئی، تو اس سے پوچھا گیا کہ کوئی نیکی جو تم نے کی ہو تم کو یاد ہے؟ اس نے کہا مجھے تو ایسی کوئی نیکی یاد نہیں ہے، ہم نے کچھ کیا ہی نہیں ہے۔ اس سے کہا گیا کہ یاد کرو! اس نے جواب دیا کہ اور تو کچھ یاد نہیں آ رہا ہے، البتہ ایک بات یاد آ رہی ہے کہ میں جب دنیا میں لوگوں سے لین دین کا معاملہ کرتا تھا؛ تو خوش حال لوگوں کو مہلت دیتا تھا اور تنگ دستوں کو معاف کر دیا کرتا تھا۔ بس اسی بات پر اللہ پاک نے اس کو جنت میں داخل فرما دیا[3]۔

---

(۱) فتح الملهم: ۲/۱٤ ا شرح النووی.

(۲) البخاري: ۲۰۷٦، البيوع، السهولة ... والبيع.

(۳) صحيح البخاري: ۳٤٥۱، كتاب الانبياء.

(۴۵) جنت و جہنم میں لے جانے والے اعمال کی پہچان

عَنْ انَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عنهُ قال: قال رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «حُفَّتِ الجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ، وحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ»[1].

ترجمہ: حضرت انس ابن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جنت ناگواریوں سے گھیری ہوئی ہے اور جہنم خواہشات نفسانی سے گھیری ہوئی ہے"۔

فائدہ: اچھے اعمال عام طور سے نفس پر گراں اور بوجھ معلوم ہوتے ہیں، مگر اس کا انجام جنت ہے، جس میں ہیشگی کا عیش اور دائمی راحت کا سامان موجود ہے۔ بس جو جنت کا خواہش مند ہے، وہ اطاعت و مجاہدہ اور نفس پر گراں گزرنے والی زندگی گزارے تاکہ جنت میں جاسکے۔ بُرے اعمال عام طور سے نفس کو اچھے لگتے ہیں اور دل اس کا تقاضا کرتا ہے، مگر اس کا انجام دوزخ اور دردناک عذاب ہے۔ پس جو شخص جہنم سے بچنا چاہتا ہے، وہ نفس کی خواہشات سے مغلوب ہو کر معاصی کا ارتکاب نہ کرے؛ بل کہ نفس کا مقابلہ کرے تاکہ جہنم سے بچ جائے۔

حدیث شریف میں لفظ "مَكَارِهْ" سے مراد اعمال صالحہ ہیں۔ اس میں پریشانیاں اور دشواریاں ہوتی ہیں، جو لوگوں کو بوجھ معلوم ہوتے ہیں، اس کو کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن بندہ ان تمام پریشانیوں سے قطع نظر، وہ اعمال کر کے جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ "شہوات" سے مراد خواہشات ممنوعہ ہیں جیسے: شراب، زنا، غیبت، غیر محرم کو دیکھنا وغیرہ۔ یہ ایسے اعمال سیئہ ہیں جن کی انسان کو چاہت ہوتی ہے اور آدمی اس کا مرتکب ہو کر جہنم میں جانے کا مستحق ہو جاتا ہے؛ اس لیے اس کی مخالفت کر کے جہنم سے بچنا ہے[2]۔

---

(۱) مسلم: ۲۸۲۲، الجنة، ... الجنة بالمكاره.

(۲) تكملة فتح الملہم ۲/ ۱۶۳.

(۴۶) دیور موت ہے

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ رسولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِيَّاكُم والدُّخُولَ على النِّسَاءِ. فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ: يَا رَسُولَ اللهِ أَفَرَأَيتَ الحَمْوَ؟ قال: «الحَمْوُ المَوتُ»[1].

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم عورتوں کے پاس جانے سے بچو! ایک انصاری صحابیؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! دیور کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: دیور موت ہے۔

فائدہ: حدیث شریف میں مرد اور عورت دونوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ غیر محرم کے پاس تنہائی میں آنے جانے سے بچیں۔ جس طرح یہ حکم مردوں کے لیے ہے کہ وہ غیر محرم عورتوں سے بچیں، اسی طرح عورتوں کے لیے بھی حکم ہے کہ غیر محرم مردوں سے بچیں۔ حدیث شریف میں ایک لفظ ہے "حَمْوٌ" جس کا ترجمہ عام طور سے دیور کیا جاتا ہے اور میں نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔ علامہ ابن حجرؒ نے اس کے کئی معنی بیان کیے ہیں۔ ان تمام معانی کو مد نظر رکھتے ہوئے "حَمْوٌ" کا اطلاق جانبین یعنی میاں بیوی کے رشتہ داروں کے لیے ہوگا، بیوی کی رشتہ دار عورتیں جو شوہر کے لیے غیر محرم ہیں وہ حمو ہیں اور شوہر کے رشتہ دار جو بیوی کے لیے غیر محرم ہیں وہ حمو ہیں۔ اس لیے میاں بیوی میں سے ایک دوسرے کے غیر محرم رشتہ داروں کو تنہائی میں نہیں ملنا چاہیے۔ نوویؒ نے لکھا ہے کہ شوہر کے باپ اور بیٹے کے علاوہ سارے رشتہ دار عورت کے لیے غیر محرم ہیں اور حدیث میں یہی مراد ہے۔ اگر غیر محرم سے تنہائی میں ملے گا، تو اس سے فتنوں اور گناہوں میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے جو دین اور دنیا دونوں کی ہلاکت کا سبب ہے[2]۔ اور یہی حکم عورتوں کا ہے کہ غیر محرم سے ملنا ان کے لیے ہلاکت کا سبب ہے، اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے غیر محرم رشتہ داروں سے کم از کم تنہائی میں ملنے سے تو ضرور

---

(۱) البخاري: ۵۲۳۲، النكاح، لا يخلون ... ذو محرم.

(۲) فتح الباري: ۹/۲۲۷.

بچیں۔

(۴۷) نمازِ چاشت کا ثواب

عَنْ عَائِشَةَ ﷺ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يُصَلِّي الضُّحَى أربعًا، ويَزِيدُ ماشاء الله[1].

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ چاشت کی نماز چار رکعات پڑھا کرتے تھے اور اگر وقت رہتا؛ تو اللہ کی توفیق سے زیادہ بھی پڑھ لیتے تھے۔

فائدہ: حدیث شریف میں چاشت کی نماز کا ذکر ہے۔ عام طور پر آپ ﷺ چار رکعات پڑھا کرتے تھے۔ چاشت کی نماز کی بڑی فضیلت آئی ہے؛ چناں چہ حضرت ابوذرؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں: کہ بدن کے ہر جوڑ کا صدقہ ہے،—اور پورے بدن میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں—صلاۃ الضحیٰ یعنی چاشت کی دو رکعات پڑھنا ہر جوڑ کی طرف سے کافی ہے[2]۔ تعداد رکعات کے تین درجے علماء نے لکھے ہیں: سب سے نچلا درجہ دو رکعات ہے جو ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ ہے۔ دوسرا درجہ چار رکعات ہے، جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے: اے آدم کی اولاد، تو دن کے شروع حصہ میں چار رکعات پڑھ لیا کر، میں دن کے آخری حصہ تک تیرے لیے کافی ہوں گا[3]۔ تیسرا درجہ آٹھ اور بارہ رکعات کا ہے اور یہ سب کے سب احادیث سے ثابت ہیں۔

اشراق اور چاشت میں فرق:

بعد نماز فجر طلوع آفتاب کے پندرہ منٹ بعد تک اپنی جگہ پر بیٹھے رہنا، پھر دو رکعتیں نماز ادا کرنا اشراق کہلاتا ہے۔ جس کے ادا کرنے پر ایک کامل حج وعمرہ کا ثواب حدیث میں مذکور ہے[4]۔ اور جب سورج میں تھوڑی تپش آجائے اس وقت دوگانہ ادا کرنا چاشت کہلاتا ہے، جس پر ایک عمرہ کا ثواب

---

(۱) صحیح مسلم: ۷۱۹، المساجد ومواضع الصلاة.

(۲) مسلم: ۷۲۰ حوالہ سابق۔

(۳) الترمذي: ٤٧٥، الوتر، ما جاء في صلاة الضحى.

(٤) الترمذي: ٥٨٦، السفر، ذكر ما ... في المسجد.

ہے۔

علامہ ابن حجرؒ نے صراحت کی ہے کہ بیس سے زائد صحابہ کرامؓ سے نماز چاشت کی روایت مروی ہے؛ بلکہ طبریؒ نے فرمایا کہ نماز چاشت کی احادیث تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں[1]۔ اور علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں ایک حدیث[2] ذکر کی ہے، جس کو علامہ سیوطیؒ نے بھی ذکر کیا ہے کہ جنت میں ایک دروازہ خاص ان ہی لوگوں کے لیے ہے، جس سے صرف چاشت کی نماز پڑھنے والے جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام ضحیٰ ہے، قیامت کے دن ایک پکارنے والا پکارے گا کہ جو لوگ چاشت کی نماز پابندی سے پڑھتے تھے وہ کہاں ہیں؟ یہ تمہارا دروازہ ہے، تم اس سے اللہ کی رحمت میں داخل ہو جاؤ[3]۔

(۴۸) عالم دین کی فضیلت

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ ﷺ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِنَّ فَضْلَ العَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ»[4].

ترجمہ: حضرت ابو درداءؓ سے مروی ہے، کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر، اور علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

فائدہ: حدیث شریف میں عالم کی فضیلت بیان کی گئی ہے، عالم کے من جملہ فضائل میں سے چند فضیلتیں یہ ہیں جو حدیث شریف میں مذکور ہیں کہ جس طرح چودھویں کا چاند تمام ستاروں پر فوقیت رکھتا ہے، اسی طرح ایک عالم ایسے عابد پر فوقیت رکھتا ہے جو صرف عابد ہے عالم نہیں، علماء انبیاء کے وارث ہیں، کوئی نبی مال و دولت میں کسی کو وارث نہیں بناتا، اس کی وراثت صرف علم ہے؛ اس لیے خوب علم حاصل کرنا چاہیے۔

---

(۱) فتح الملہم: ٤/١٦٥.

(۲) عمدة القاري، ۱۰/۳۸۸ حدیث ۱۸۹۶ کے تحت۔

(۳) جمع الجوامع: ٢/٣٢٠ حديث: ٥٩٩٧.

(٤) أبو داود: ٣٦٤١، العلم، الحث على طلب العلم.

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک فقیہ (ماہر عالم دین) شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے[1]۔ شیطان عالم پر غالب نہیں ہوتا؛ کیوں کہ فقیہ شیطان کے وسوسہ اور مکر کو جانتا ہے، اور اس کی گمراہیوں سے لوگوں کو آگاہ کرتا ہے، اور نیکی و بھلائی کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ فضیلت اس وجہ سے بھی ہے کہ عالم کا علم متعدی ہوتا ہے، یعنی اس سے عالم خود بھی فائدہ اٹھاتا ہے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے، بر خلاف عابد کے کہ اس کی عبادت صرف اسی کو فائدہ دیتی ہے[2]۔

(۴۹) عذاب قبر حق ہے

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ ﷺ تَقُولُ: قَامَ رسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيبًا، فذَكَرَ فِتْنَةَ الْقَبرِ الَّتِي يَفْتَتِنُ فِيهَا الْمَرْءُ فلمَّا ذَكَرَ ذَلكَ ضَجَّ الْمُسْلِمُونَ ضَجَّةً.[3]

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ فرماتی ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے؛ تو قبر کی آزمائش کا ذکر فرمایا، جس میں انسان مبتلا ہوگا؛ چناں چہ جب یہ مضمون ذکر فرمایا تو صحابۂ کرام دھاڑیں مار کر رونے لگے۔

فائدہ: عذاب قبر حق ہے، اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے، سورۂ غافر میں اللہ پاک فرماتا ہے: ترجمہ: آگ ان پر پیش کی جاتی ہے صبح و شام اور جب قیامت قائم ہوگی، تو حکم ہوگا کہ فرعونیوں کو سخت عذاب میں ڈالو[4]۔ آیت کریمہ میں فرعونیوں کے عذاب کا ذکر ہے، کہ قبر میں صبح و شام ان کو عذاب دیا جاتا ہے اور قیامت کا سخت ترین عذاب تو الگ ہے۔

یہ خطبہ آپ ﷺ نے سنہ: (۱۰) ہجری میں سورج گرہن کی نماز ادا کرنے کے بعد دیا تھا، جس میں مختلف موضوعات ذکر کرنے کے بعد عذاب قبر اور فتنۂ قبر کا بھی ذکر فرمایا، جس کو سن کر صحابۂ کرامؓ رونے لگے۔

---

(۱) الترمذي، ۲۶۸۱، العلم، ما جاء في ... العبادة.
(۲) مرقاة المفاتيح: ۱/۴۳۶.
(۳) البخاري: ۱۳۷۳، الجنائز، عذاب القبر.
(۴) الغافر: ۴۶.

عذاب کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ صرف روح کو عذاب نہیں دیا جاتا؛ بلکہ روح کے ساتھ جسم کو بھی عذاب دیا جاتا ہے؛ چنانچہ اس کی تائید اللہ پاک کے فرمان سے ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

ترجمہ: پھر اس وقت ان کا کیا حال بنے گا جب فرشتے ان کی روح اس طرح قبض کریں گے کہ ان کے چہروں پر اور پیٹھوں پر مارتے جاتے ہوں گے؟[1] حدیث شریف میں بھی عذاب قبر کے بارے میں بتایا گیا ہے جیسا کہ ابوداود شریف میں روایت مذکور ہے، کہ منکر نکیر کے سوال وجواب کے بعد جنتیوں کے لیے قبر کو وسیع کردیا جائے گا اور جنت کی طرف کھڑکیاں کھول دی جائیں گی کہ وہاں سے ہوا آتی رہے۔ اور جہنمیوں کو قبر اس طرح دبائے گی کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جائیں گی اور پھر جہنم کا دروازہ اس کے لیے کھول دیا جائے گا۔ اللہ ہماری حفاظت فرمائے! آمین![2]

(۵۰) وضو کا نور

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، ﷺ قَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يقول: «إِنَّ أُمَّتِي يُدْعَوْنَ يومَ القيامةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ آثارِ الوُضُوءِ، فمَنِ اسْتطاعَ مِنكم أنْ يُطيلَ غُرَّتَهُ، فليَفعَلْ».[3]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: میری امت قیامت کے دن اس حال میں بلائی جائے گی کہ وضو کی وجہ سے ان کے چہرے، ہاتھ، اور پاؤں چمک رہے ہوں گے؛ لہذا تم میں سے جو اپنے اعضاء کے چمک کو لمبا کر سکے، یعنی بڑھا سکے تو وہ ایسا کرے۔

فائدہ: حدیث شریف میں وضو کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اللہ پاک وضو کی برکت سے وضو کرنے والے کو یہ فضیلت عطا فرمائیں گے کہ اس کے اعضاءِ وضو چمک رہے ہوں گے۔ قیامت کے دن فرشتے ان کو غُرًّا مُحَجَّلِين کہہ کر پکاریں گے، یہ ایک نور ہے جو امت محمد ﷺ کو قیامت کے دن، ان کے وضو کرنے کی وجہ سے عطا کیا جائے گا اور یہ نور ان کو اس لیے دیا جائے گا کہ اُن کے اعضاءِ وضوء

---

(١) [illegible] محمد: ٢٧۔
(٢) [illegible] ٣/١٨٦
(٣) البخاري ١٣٦، كتاب الوضوء، باب فضل الوضوء.

گناہوں سے پاک وصاف تھے۔

اِس کی تائید ایک روایت سے ہوتی ہے کہ جب مسلمان بندہ وضو میں کلی کرتا ہے، تو اس کے منہ سے سارے گناہ نکل جاتے ہیں۔ جب وہ ناک صاف کرتا ہے؛ تو ناک سے گناہ نکل جاتے ہیں۔ جب وہ چہرہ دھوتا ہے؛ تو چہرہ سے، یہاں تک کہ پلکوں کے نیچے سے گناہ نکل جاتے ہیں۔ اسی طرح پوری حدیث ہے کہ جب پاؤں دھوتا ہے؛ تو پاؤں سے یہاں تک کہ ناخنوں سے گناہ دھل جاتے ہیں[1]۔

یہ خصوصیت صرف اِس امت کے لیے ہے، یعنی سابقہ اُمّتوں کو یہ فضیلت حاصل نہیں ہے کہ وضو کی وجہ سے ان کے اعضاءِ وضو چمکیں[2]۔ اب آیئے ذرا ہم ایک نظر اپنے وضو پر ڈالتے ہیں۔ آج امت مسلمہ کی یہ صورت حال ہے کہ نماز کی فرصت ہی نہیں۔ اگر موقع ملا تو جمعہ اور عیدین پڑھ لیا، ورنہ وہ بھی غائب، اور قرآن پڑھنا آتا نہیں، صرف پڑھوانا آتا ہے، وہ بھی کسی عزیز کے انتقال کے وقت، تو اگر یہ صورت حال ہے، تب تو ہمیں اس نور کی امید بالکل نہیں کرنی چاہیے؛ کیوں کہ ایسے آدمی کے لیے یہ نور نہیں ہے۔

(۵۱) بیماری کے لگنے اور بدفالی کی حقیقت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ - رَضِيَ اللّٰهُ عنهما - أنَّ رسولَ اللهِ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قال: «لاعَدْوٰى ولا طِيَرَةَ، والشؤمُ فِي ثَلَاثٍ؛ فِي الْمَرأةِ والدَّارِ والدَّابَّةِ»[3].

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امراض کا متعدی ہونا، اور بدشگونی کوئی چیز نہیں ہے۔ اگر بدشگونی ہوتی؛ تو تین چیزوں: عورت، گھر اور جانور میں ہوتی۔

فائدہ: عوام کی غلطیوں میں سے دو غلطیوں کی اصلاح اس حدیث میں کی گئی ہے۔ عوام کی ایک غلطی یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جاتی ہے، یہ بات درست نہیں؛ کیوں

---

(۱) ابن ماجة: ۲۸۲، الطهارة وسننها، ثواب الطهور.

(۲) فتح الباري: ۲۹۷/۱.

(۳) البخاري: ۵۷۵۳ كتاب الطب، باب الطيرة.

مرض کے اندر از خود ذاتی طور سے متعدی ہونے اور دوسرے کو لگنے کی صلاحیت نہیں ہے؛ بلکہ بیماری اللہ کے حکم وارادہ سے دوسرے کو لگتی ہے۔ اگر بیماری کے اندر ذاتی طور پر یہ صلاحیت ہوتی کہ وہ دوسرے کو لگ جائے؛ تو آپ ﷺ مجذوم یعنی کوڑھی کے ساتھ نہ کھاتے پیتے؛ حالانکہ روایت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ کھایا پیا ہے۔ اِس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر اللہ نہ چاہے تو کسی کی بیماری دوسرے کو نہیں لگ سکتی، ہاں چوں کہ اللہ کے ارادہ سے بیماری متعدی ہوتی ہے؛ اس لیے کوڑھی سے علیحدگی اختیار کرنے کو بھی کہا گیا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایسے بیمار کو لاچار چھوڑ دیا جائے، مزاج پرسی اور دوا علاج نہ کیا جائے۔ اِسی کورونا وائرس کو دیکھ لیجیے ایک ہی گھر کے بعض افراد کی طرف متعدی ہوا وہ بیمار ہوئے اور دوسرے محفوظ رہے، معلوم ہوا کہ یہ بذات خود متعدی نہیں ورنہ دوسروں کو بھی ہوتا، بل کہ اللہ نے جدھر چاہا متعدی کر دیا۔

عوام کی دوسری غلطی یہ ہے کہ وہ بدشگونی اور بدفالی بہت لیتے ہیں؛ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بدفالی کوئی چیز نہیں ہے، اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ اگر اس کا وجود ہوتا، اس کی کوئی حیثیت ہوتی، تو بدفالی اور بدشگونی ان تین چیزوں: عورت، گھر اور سواری میں ہوتی، کیونکہ انسان کا واسطہ عام طور پر ہمیشہ ان ہی چیزوں سے ہوتا ہے اور یہ چیزیں مختلف اوقات میں مشکلات کا سبب بنتی بھی ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ چیزیں طبیعت سے موافقت نہیں کرتیں اور مجبوراً ان چیزوں کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ چناں چہ اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے کہ انسان کی سعادتوں اور بدبختیوں کی تین علامتیں ہیں۔ انسان کی نیک بختی اور سعادت کی علامت یہ ہے کہ اس کے پاس نیک عورت، اچھا گھر اور اچھی سواری ہو اور انسان کی بدبختی کی علامت یہ ہے کہ بری عورت، برا گھر اور بری سواری ہو[1]۔

---

(۱) مسند احمد: ۱۴۴۵۔

(۵۲) ہدیہ کا عطر واپس مت کیجیے!

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنهُ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عليهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ عُرِضَ عَلَيهِ رَيحانٌ فلا يَرُدَّهُ، فإنَّهُ خَفِيفُ الْمَحمَلِ، طَيِّبُ الرِّيحِ»[1].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس کو ریحان (خوشبودار پھول) دیا جائے؛ تواسے واپس نہ کرے، کیوں کہ وہ اٹھانے میں ہلکا اور خوشبو میں عمدہ ہے"۔

فائدہ: حدیث شریف میں ہدیہ کا ایک اصول بیان کیا گیا ہے اور یہ اصول عام ہے ہر چیز کے ہدیہ کے سلسلہ میں ہے، ہدیہ خواہ کسی چیز کا ہو اسے قبول کرنا چاہیے۔ اِس کی کچھ تفصیل آگے آئے گی، ان شاءاللہ۔ اِس حدیث میں عطر کے ہدیہ کا ذکر ہے کہ اُس کو قبول کر لینا چاہیے، اگر کوئی عطر لگانے کے لیے پیش کرے، تو بھی انکار نہیں کرنا چاہیے۔ حدیث شریف میں واپس نہ کرنے کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں کچھ وزن نہیں ہوتا، ہلکا پھلکا ہوتا ہے اور خوشبو بہت عمدہ ہوتی ہے۔ واپس نہ کرنے کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے ہدیہ کرنے والے کا دل ٹوٹے گا۔

نبی کریم ﷺ کو خوشبو بہت پسند تھی۔ بخاری کی روایت ہے، حضرت انسؓ کا معمول تھا کہ خوشبو واپس نہیں فرماتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ عطر کو واپس نہیں کرتے تھے[2] علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ: جمعہ وعیدین، مسلمانوں کے مجمع، علم وذکر کی مجلس اور بیوی سے ہم بستری کے وقت عطر مسنون ہے۔[3]

(۵۳) توبہ کثرت سے کیجیے

عَنِ ابنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ، تُوبُوا إِلَى اللهِ، فَإِنِّي أَتُوبُ فِي الْيَومِ إِلَيهِ مِائَةَ مَرَّةٍ».[4]

(۱) مسلم: ۲۲۵۳، الألفاظ، استعمال .. الطيب
(۲) البخاري: ۲۵۸۲، الهبة وفضلها، ما لا .. الهدية.
(۳) المنهاج شرح مسلم: ۱۵/۱۰.
(۴) صحيح مسلم: ۲۷۰۲، الدعاء والتوبة، الاستغفار.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو اللہ سے توبہ کرو؛ کیوں کہ میں بھی دن بھر میں سو بار اللہ سے توبہ کرتا ہوں۔

فائدہ: توبہ کی بڑی اہمیت ہے؛ قرآن وحدیث میں بار بار امت کو توبہ واستغفار کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس عنوان پر آئندہ بھی انشاء اللہ کچھ باتیں حدیث نمبر (۱۷۸) میں آئیں گی۔

حدیث پاک میں آپ ﷺ توبہ کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ گناہوں اور خطاؤں سے پاک ہیں، مغفور ومعصوم ہیں۔ ان کے باوجود آپ ﷺ پورے دن میں سو مرتبہ توبہ کرتے تھے۔ سو کے عدد کا مطلب یہ نہیں کہ سو بار ہی کرتے تھے، مطلب یہ ہے کہ کثرت سے دن رات یہ سلسلہ جاری ہی رہتا تھا۔ امام بخاریؒ نے کتاب الدعوات میں ایک حدیث شریف نقل کی ہے کہ آپ ﷺ دن بھر میں ستر سے زائد بار توبہ واستغفار کرتے تھے[1]۔

انسان سے اگر گناہ سرزد ہو جائے تو اس کو مایوس نہیں ہونا چاہیے، بل کہ فوراً توبہ کرنا چاہیے، اللہ پاک توبہ کرنے والے بندے سے بہت خوش ہوتا ہے۔ توبہ کا دروازہ کبھی بند ہی نہیں ہوتا؛ اس لیے گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کرو۔ اللہ پاک دن رات بندوں کی توبہ کا منتظر رہتا ہے۔ توبہ کی قبولیت کے لیے اپنے ہاتھ کو پھیلائے رہتا ہے کہ کوئی توبہ کرے اور اللہ اس کو قبول کرے۔ جب بندہ توبہ کر لیتا ہے، تو اللہ پاک راضی ہو جاتا ہے[2]۔

(۵۴) تجارت میں جھوٹی قسم کھانے کا نقصان

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الأنصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنهُ انَّهُ سمِعَ رَسُولَ اللهِ – صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – يقولُ: «إيَّاكُم وَكَثرَةُ الحلِفِ فِي البَيْعِ؛ فإنَّهُ يُنفِّقُ، ثم يَمحَقُ»[3].

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ انصاریؓ سے روایت ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ

(۱) البخاري: ۶۳۰۷، الدعوات، استغفار النبي ﷺ
(۲) تکملة فتح الملهم ۱۲/۵
(۳) مسلم: ۱۶۰۷، المساقاة، النهي عن الحلف في البيع.

ﷺ فرمارہے تھے: تم خرید وفروخت میں بکثرت قسمیں کھانے سے بچو، اس لیے کہ وہ مال تو بکواتی ہے پھر اسے مٹادیتی ہے۔

فائدہ: ایک دوسری روایت میں ہے کہ تین شخص سے قیامت کے دن اللہ پاک بات نہیں کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا، نہ انکو پاک کرے گا اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ وہ کون ہے؟ وہ تو بڑے خسارے میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: لنگی سے اپنے ٹخنے کو ڈھانپنے والا، احسان جتا کر دینے والا، اور جھوٹی قسمیں کھا کر سامان بیچنے والا[1]۔

حدیث شریف میں بہت زیادہ قسمیں کھانے کی ممانعت آئی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تھوڑا بہت قسم کھانا جائز ہے۔ بازار والوں کی چونکہ عادت ہوتی ہے کہ بات بات پر قسم کھاتے ہیں، اس لیے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا کہ اس طرح کرنے سے مال تو بک جائے گا، مگر برکت ختم ہو جائے گی۔ جھوٹی قسم کھانا تو ہر حال میں ناجائز ہے۔ اگر قسم سچی ہے، تو کثرت سے قسم کھانے کی وجہ سے انسان جھوٹی قسم کا بھی عادی ہو جائے گا؛ اس لیے سرے سے قسم کھانے سے ہی منع فرمادیا ہے[2]۔

(۵۵) مصنوعی بال اور گودنے گودوانے کا حکم

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ – رَضِيَ اللهُ عنهُ – عنِ النبيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال: «لَعَنَ اللهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ، والواشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ».[3]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ نے لعنت بھیجی ہے سر کے قدرتی بالوں میں مصنوعی بال لگانے اور لگوانے والیوں اور گودنے وگدوانے والیوں پر۔

---

(۱) مسلم: ۱۰۶، الإيمان، تحريم اسبال الازار.
(۲) مرقاة المفاتيح: ۳۲/۶، تكملة فتح الملهم: ۶۱۰/۷.
(۳) البخاري: ۵۹۳۳، اللباس، باب الوصل في الشعر.

فائدہ: اس حدیث میں دو برائیوں پر وعید آئی ہے۔ اللہ کی لعنت کی مستحق ہے وہ عورت جوان دونوں کو اختیار کرے۔

پہلی برائی: مصنوعی بال لگانا یا لگوانا، خواہ مرد ہو یا عورت اللہ کی لعنت کے مستحق ہیں۔ مصنوعی بال سے مراد انسان یا غیر انسان کا نجس بال ہے، اس کا استعمال حرام ہے اور غیر انسان کا پاک بال شوہر کی اجازت سے عورت لگاسکتی ہے۔ گرچہ علامہ طیبیؒ نے مطلق کسی بھی چیز کو سر میں مصنوعی طور سے لگانے پر حرمت کو ترجیح دی ہے۔ ابن حجرؒ نے اس حدیث کے ضمن میں یہ بھی لکھا ہے کہ جس طرح مصنوعی بال لگانا عورتوں کے لیے حرام ہے، اسی طرح عورتوں کا سر منڈوانا بھی حرام ہے۔

دوسری برائی: جسم کا گودنا اور گدوانا۔ یہ بھی حرام ہیں، یعنی وہ مرد یا عورت جو سوئی وغیرہ سے اپنے جسم کو گود کر اس میں سرمہ یا کوئی چیز بھر دیتے ہیں، جس سے وہ نشان پکا ہو جاتا ہے۔ یہ بھی اللہ کی لعنت کا سبب ہے۔ اگر کسی نے انجانے میں ایسا کر لیا ہے؛ تو علاج و معالجہ سے بغیر کسی نقصان کے اگر ممکن ہو تو مٹانے کی کوشش کرنا واجب ہے، اور اگر ممکن نہیں ہے تو توبہ واستغفار کرتا رہے[1]۔

(۵۶) سات ہلاک کرنے والی چیزیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ». قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: «الشِّرْكُ بِاللهِ، وَالسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَأَكْلُ الرِّبَا، وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ، وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ»[2].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سات ہلاک کر دینے والی چیزوں سے بچو! صحابہ کرامؓ نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، سحر (یعنی جادو کرنا، کرانا اور سیکھنا، سکھانا) اور جس جان کو اللہ نے قتل کرنا حرام قرار دیا ہے، اس کو قتل کرنا مگر حق کے ساتھ، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، لڑائی کے دن میدان سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور خاوند والی پاک

(۱) تکملة فتح الملهم: ۱۰/۱۶۵-۱۶۸۔

(۲) البخاري: ۶۸۵۷، رمي المحصنات، المحاربين.

دامن سیدھی عورتوں پر تہمت لگانا۔

فائدہ: حدیث شریف میں سات گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو کبائر میں سے ہیں۔ آپ ﷺ نے گناہوں کو ہلاکت کا سبب قرار دیا ہے اور اس کو چھوڑنے کی تاکید فرمائی ہے۔ گناہ کبیرہ کی تعداد کے سلسلہ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ستر کے قریب ہیں۔

آپ ﷺ نے جن سات گناہوں کو ہلاکت کا سبب قرار دیا ہے، ان میں سے پہلا گناہ: اللہ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک کرنا ہے۔ دوسرا گناہ: جادو ٹونا سیکھنا یا سیکھانا اور پھر دوسروں کو جادو کرنا یا کسی سے جادو کروانا ہے۔ تیسرا گناہ: ناحق کسی کو قتل کرنا۔ چوتھا گناہ: سود کھانا کھلانا، سودی کاروبار کرنا اور اس کے لین دین میں معاونت کرنا۔ پانچواں گناہ: ناحق طریقے سے یتیم کا مال کھانا ہے۔ چھٹا گناہ: میدان جہاد میں دشمن کے خوف سے میدان چھوڑ کر بھاگ جانا ہے۔ ساتواں گناہ: پاک دامن مسلمان عورتوں پر جو فحش کو جانتی ہی نہیں ہیں، ان پر تہمت لگانا ہے۔ یہ کل سات گناہ ہیں جو ہلاکت کا سبب بنتے ہیں۔ اللہ تعالی ہماری حفاظت فرمائے! آمین![1]

علامہ ذہبیؒ نے کتاب الکبائر میں لکھا ہے کہ کبیرہ اس گناہ کو کہتے ہیں جس کے ارتکاب کرنے والے کو دنیا میں حد یعنی متعین سزا دی جاتی ہو، جیسے قتل، زنا اور چوری وغیرہ، یا اس گناہ پر آخرت میں عذاب، یا اللہ کی ناراضگی سے ڈرایا گیا ہو، یا اس کے مرتکب پر نبی کریم ﷺ کی زبان سے لعنت ملامت کیا گیا ہو[2]۔

اس کے بعد ذہبیؒ نے ستر گناہ تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ ان میں پہلا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور سترواں گناہ کسی صحابی کو برا بھلا کہنا۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۱/۲۰۷۔ (۲) کتاب الکبائر: ۲۷ دار السلام، القاهرة، مصر۔

(۵۷) تین چیزوں کی اجرت حرام ہے

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عنهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، نَهَى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ، وَمَهْرِ الْبَغِيِّ، وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ.[1]

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت، زانیہ کی فیس اور کاہن کی اجرت سے منع فرمایا ہے۔

فائدہ: حدیث شریف میں تین قبیح ترین چیزوں کی اجرت اور معاوضہ لینے اور استعمال کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ پہلی چیز: کتے کی قیمت و اجرت کا استعمال منع ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کتا خریدنا اور بیچنا دونوں جائز نہیں ہے اور کتے سے مراد غیر سدھایا ہوا کتا جو کسی کام کا نہیں ہے، رہا وہ کتا جو معلم یعنی سدھایا ہوا اور کام کا ہے یعنی حفاظتی کتا، اسی طرح شکاری کتا، اس کا خریدنا اور بیچنا دونوں جائز ہے؛ لہٰذا اس کی قیمت بھی جائز ہے۔

دوسری چیز: زانیہ کے زنا کی اجرت کا استعمال بھی ممنوع ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زانیہ عورت جو کسی مرد سے منہ کالا کروا کر اس کی اجرت لیتی ہے، اس اجرت کا استعمال کرنا حرام ہے۔ بعض علماء نے تو یہ فرمایا کہ زانیہ کا پیسہ مطلقًا استعمال نہیں کرنا چاہیے؛ کیوں کہ یہ معلوم ہی نہیں کہ یہ رقم زنا سے حاصل کی گئی اجرت ہے یا کسی حلال کمائی کا منافع ہے۔

تیسری چیز: کاہن اور نجومی کی اجرت کا استعمال کرنا بھی بالاتفاق حرام ہے۔ کاہن و نجومی اس شخص کو کہتے ہیں جو غیب کی باتیں بتانے کے نام پر ملمع سازی کر کے لوگوں سے اجرت کے طور پر پیسہ اینٹھتا ہے۔ اس طرح کی رقم کا استعمال حرام ہے؛ کیوں کہ اس نے ایک ایسے کام کی اجرت لی ہے، جو باطل اور حرام ہے۔[2]

---

(۱) البخاري: ۲۲۳۷، كتاب البيوع، باب ثمن الكلب.

(۲) فتح الباري: ۵۱۹/۴.

(۵۸) مُردوں کو برا بھلا نہ کہو

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عنها قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « لَا تَسُبُّوا الأَمْوَاتَ؛ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوا »[۱].

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مُردوں کی برائی مت کرو، کیوں کہ وہ اپنے اعمال تک پہنچ چکے ہیں، جو اس نے آگے بھیجی ہے"۔

فائدہ: حدیث پاک میں ایک عام برائی جس کو لوگ برائی نہیں سمجھتے ہیں، اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے۔ یوں تو غیبت اور برائی زندوں کی بھی حرام ہے؛ لیکن مُردوں کی غیبت کی وعید زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث شریف میں حکم دیا ہے کہ مردوں کو ان کی اچھی عادتوں اور خصلتوں کی وجہ سے یاد کیا کرو۔ جب ان کا تذکرہ کرو تو اچھائی سے کرو۔ البتہ ملا علی قاریؒ اور حضرت شیخ الحدیثؒ نے ضرورت کی بنا پر مُردوں کی برائی کی گنجائش نکالی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سی ضرورت ہے؟ اس کے بارے میں ان حضرات نے تفصیل بیان کی ہے کہ اگر کسی نے بدعات و خرافات ایجاد کیے، اسلام کے خلاف غلط نظریات کا حامل تھا اور یہ ڈر ہے کہ لوگ اس کی نظریات کو قبول کرلیں گے، اس کی ایجاد کردہ بدعات و خرافات میں مبتلا ہو جائیں گے؛ تو اِس صورت میں ایسے گمراہ شخص کی گمراہی اور اس کی شرارت لوگوں کے سامنے واضح کیا جائے؛ تاکہ لوگ اس کے افکار و خیالات سے متاثر نہ ہوں اور گمراہی سے بچ سکیں[۲]۔

ملا علی قاریؒ نے اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ اگر کسی کے بارے میں یقینی طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ اس کی موت حالت کفر پر ہوئی ہے، جیسے: فرعون، ابو جہل اور ابولہب لعنۃ اللہ علیہم وغیرہ؛ تو پھر اس کی برائی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حدیث شریف میں جو مُردوں کو برا بھلا کہنے کی ممانعت ہے، وہ

(۱) البخاري: ۱۳۹۳، الجنائز، ما ينهى من سب الأموات.

(۲) الأبواب والتراجم للشيخ زكريا الكاندهلوي، ۲۴۷/۳.

اس وجہ سے کہ جو اعمال کا ذخیرہ اس نے آخرت کے لیے بھیجا ہے، جس وجہ سے اس کی برائی ہو رہی ہے، وہ اپنے اس اعمال کے پاس پہنچ گیا ہے، اب اللہ تعالیٰ اس کے خیر و شر کا بدلہ دے گا[١]۔

(۵۹) قبروں پر سجدہ کرنے کی ممانعت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «قَاتَلَ اللهُ الْيَهُودَ؛ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»[٢].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ یہود کو تباہ و برباد کردے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا"۔

فائدہ: حدیث شریف میں بہت بڑی بدعت، جو صرف بدعت ہی نہیں بلکہ شرک ہے، اُس پر شدید وعید آئی ہے۔ سب سے پہلے اس بدعت کی ایجاد یہودیوں نے کی، انھوں نے انبیاء کی قبروں کو مسجد یعنی سجدہ گاہ بنالیا، وہ اس پر سجدہ کرتے تھے۔ پھر ان کو دیکھ کر ان کی اتباع میں نصرانیوں یعنی عیسائیوں نے بھی قبور پر سجدہ کرنا شروع کردیا[٣]۔

آج کل ہمارے دیار ہند و پاک اور بنگلہ دیش میں بھی قبروں اور مزاروں پر جھکنے اور سجدہ کرنے کی وبا عام ہو چکی ہے۔ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ اس سجدہ کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہم تعظیماً جھکتے ہیں، یا سجدہ کرتے ہیں۔ عبادت کے لیے نہیں کرتے، نہ عبادت مقصود ہوتا ہے۔

ملا علی قاریؒ لعنت کے اسباب ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہود انبیاء کی قبروں کو تعظیماً سجدہ کرتے تھے اور کہتے کہ ان سے بڑا کوئی نہیں۔ یہ شرک جلی کی قسم ہے یا ان کا سجدہ اور عبادت تو اللہ کے لیے ہوتا تھا، مگر سجدہ ان کی قبروں کی طرف متوجہ ہو کر یا ان کی قبروں پر کرتے تھے۔ یعنی انبیاء کی تعظیم میں مبالغہ کرتے تھے، یہ شرک خفی ہے۔ اسی مشابہت کی وجہ سے منع فرمایا[٤]۔ ایک روایت میں

---

(١) مرقاة المفاتيح: ١٣٢/٤.
(٢) صحيح البخاري: ٤٣٧، كتاب الصلاة.
(٣) فتح الملهم: ٢٩/٤.
(٤) مرقاة: ٢٨٩/٢.

توفرمایا کہ میری قبر کو جشن کی جگہ نہ بناؤ[1]۔ دوسری روایت میں ہے کہ قبروں کو سجدہ گاہ نہ بناؤ، میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں[2]۔

ان تمام احادیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ قبروں پر سجدہ کرنا، کسی بھی حیلہ سے جائز نہیں؛ بلکہ حرام ہے۔ عرس مروجہ بھی ممنوع ہے۔ البتہ قبروں کی زیارت کر کے فاتحہ خوانی کی جاسکتی ہے کہ اس سے موت اور آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

(٦٥) اپنی جان ومال کو بددعا نہ دو

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَدْعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ، وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَوْلَادِكُمْ، وَلَا تَدْعُوا عَلَى خَدَمِكُمْ، وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَمْوَالِكُمْ، لَا تُوَافِقُوا مِنَ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى سَاعَةَ نَيْلٍ فِيهَا عَطَاءٌ فَيَسْتَجِيبَ لَكُمْ»[3].

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے اوپر بددعا نہ کرو، نہ اپنی اولاد پر، نہ اپنے خادموں پر اور نہ اپنے مالوں پر، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گھڑی ایسی ہو کہ اللہ سے مانگنے کا وقت ہو اور اللہ تمہاری دعا قبول فرمالے۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ پریشانی اور تنگی کے وقت میں اپنے لیے مرنے یا نقصان پہنچنے کی بددعا نہ کرو، اور نہ ہی اپنی اولاد کے لیے بددعا کرو، جیسا کہ عام طور پر یہ عادت عورتوں میں بہت زیادہ ہوتی ہے، کہ اپنے چھوٹے بچے پر بددعا کرتی ہیں۔ اسی طرح نہ اپنے خادموں اور مالوں کے ضائع ہونے کی بددعا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ وقتِ قبولیت ہو، جس وقت اللہ پاک بندوں کی دعا قبول کرتا ہے اور تمہاری یہ بددعا قبول ہو جائے، پھر بعد میں پچھتانا پڑے[4]۔

اِس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ غزوۂ بواط میں تشریف لے گئے، بہت تنگی کا

---

(١) أبوداود: ٢٠٤٢، المناسك، زيارة القبور.

(٢) مسلم: ٥٣٢، المساجد، النهي عن ... على القبور.

(٣) أبوداود: ١٥٣٢، الصلاة، النهي عن أن ... وماله.

(٤) بذل المجهود: ٢٦٧/٦.

زمانہ تھا، صحابۂ کرام کا حال یہ تھا کہ پانچ پانچ، چھ چھ، آدمی ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ ایک انصاریؓ کے چڑھنے کی باری آئی؛ اونٹ نے کچھ شرارت کی تو صحابیؓ نے کہا: خبردار! تم پر اللہ کی لعنت ہو، نبی کریم ﷺ نے جب یہ سنا؛ تو پوچھا کہ یہ کون ہے جو اپنے اونٹ پر لعنت کرتا ہے؟ صحابی نے عرض کیا: میں ہوں یا رسول اللہ! پھر آپ ﷺ نے یہ جملے ارشاد فرمائے جو حدیث میں مذکور ہیں[1]۔

ربیع الاول

(٦١) حضور ﷺ کا انتخاب اشراف سے

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الأَسْقَعِ – رضي اللهُ عنه – قَال: قَالَ رَسُولُ اللهِ – صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ –: «إِنَّ اللهَ اصطَفَى مِنْ وَلَدِ إِبراهِيمَ إِسْمَاعِيلَ، وَاصْطَفَى مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ بَنِي كِنانَةَ، وَمِنْ بَنِي كِنانَةَ قُرَيْشًا، وَاصْطَفَى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هاشِمٍ، وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هاشِمٍ»[2].

ترجمہ: حضرت واثلہ ابن اسقعؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم میں سے حضرت اسماعیل کو منتخب فرمایا اور اسماعیل کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو منتخب فرمایا اور کنانہ کی اولاد میں سے قریش کا انتخاب فرمایا اور قریش میں بنو ہاشم کا انتخاب کیا اور بنو ہاشم سے اللہ پاک نے مجھ کو نبوت کے لیے منتخب فرمایا"۔

فائدہ: الحمد للہ صفر کا مہینہ ختم ہو گیا، ہجری سال کا تیسرا مہینہ ربیع الاول شروع ہو گیا ہے۔ اِس ماہ کے بڑے فضائل ہیں، سب سے بڑی فضیلت تو یہ ہے کہ اس مبارک مہینہ میں نبی کریم ﷺ کی پیدائش ہوئی تھی۔ آپ ﷺ کی پیدائش کے سلسلہ میں؛ اِنشاء اللہ حدیث نمبر: ٦٩ کے تحت، اللہ کی توفیق سے کچھ ذکر کریں گے۔ آج تو صرف اتنا بتانا ہے کہ اِس ماہ مبارک کی بڑی فضیلت

(١) مسلم: ٣٠٠٩ الزهد والرقائق، حديث جابر الطويل.

(٢) الترمذي: ٣٦٠٥، المناقب، فضل النبي ﷺ.

ہے، اس پورے مہینہ میں نبی کریم ﷺ پر درود شریف کثرت سے پڑھنے کا اہتمام کیا جانا چاہیے۔ اللّٰهُمَّ صلِّ عَلٰى سَيِّدِنا مُحَمَّدٍ وعَلٰى آل سيدنا مُحَمَّدٍ وبَارِكْ وسَلِّمْ – اللہ عمل کی توفیق دے۔

حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ کے نسب نامہ کا مختصر ذکر ہے اور اس نسب کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں اللہ تعالی نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جو مقبولیت دی وہ دوسری اولادوں کو نہیں ملی، اسی طرح حضرت اسماعیل کی اولاد میں اللہ نے بنو کنانہ کو مقبولیت عطا فرمائی تھی۔ علی ہذا القیاس بنو ہاشم سے اللہ پاک نے نبی کریم ﷺ کا انتخاب فرمایا۔ یہ حدیث مسلم شریف میں بھی مذکورہ ہے۔

نبی کریم ﷺ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ هَاشِمِ بْنِ عَبْدِ مَنَافِ بْنِ قُصَيّ، بْنِ كِلَابِ بْنِ مُرَّةَ بْنِ كَعْبِ بْنِ لُؤَيّ بْنِ غَالِبِ بْنِ فِهْرِ بْنِ مَالِكِ بْنِ النَّضْرِ بْنِ كِنَانَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ مُدْرِكَةَ بْنِ إِلْيَاسَ بْنِ مُضَرَ بْنِ نِزَارِ بْنِ مَعَدّ بْنِ عَدْنَانَ بْنِ أُدّ بْنِ مُقَوَّمِ بْنِ نَاحُورَ بْنِ تَيْرَحَ بْنِ يَعْرُبَ بْنِ يَشْجُبَ بْنِ نَابِتِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ – خَلِيلِ الرَّحْمٰنِ – بْنِ تَارِحٍ وَهُوَ آزَرُ بْنُ نَاحُورَ بْنِ سَارُوغَ بْنِ رَاعُوَ بْنِ فَالَخَ بْنِ عَيْبَرَ بْنِ شَالَخَ بْنِ أَرْفَخْشَذَ بْنِ سَامِ بْنِ نُوحِ بْنِ لَمْكَ بْنِ مُتَوَشْلِخَ بْنِ أَخْنُوخَ ،– وَهُوَ إِدْرِيسُ النَّبِيُّ عليه السلام– ابْنِ يَرْدِ بْنِ مَهْلَيِلِ بْنِ قَيْنَنَ بْنِ يانِشَ بْنِ شِيثِ بْنِ آدَمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[1].

اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔ لیکن یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ خود نبی کریم ﷺ جب اپنا نسب بیان کرتے تھے تو صرف عدنان تک ہی ذکر فرماتے تھے، چناں چہ امام بخاریؒ نے کتاب مناقب الانصار باب مبعث النبی میں اتنا ہی ذکر کیا ہے۔ ابن سعد نے طبقات کبری جلد اول کے باب ذکر نسب رسول اللہ ﷺ میں حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ عدنان سے آگے نسب نہیں بیان کرتے تھے اور فرماتے کہ آگے جھوٹوں نے غلط بیانی کی ہے۔

---

(۱) سيرة ابن هشام، ص:۳، دار ابن الجوزي، القاهرة.

(٦٢) جنت کا خزانہ

عَنْ أَبِي مُوسَى الأشعريِّ رضي اللهُ عنه قال: قالَ لِي رسولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَلا أَدُلُّكَ عَلَى كَلِمَةٍ مِنْ كُنُوزِ الجَنَّةِ؟» فَقُلْتُ: بَلَى! فقالَ: «لاحَولَ ولا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ»[۱].

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں ایک ایسا کلمہ نہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں ہاں؛ کیوں نہیں یا رسول اللہ! ضرور ارشاد فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

فائدہ: غزوۂ خیبر کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو یہ تعلیم دی، غزوۂ خیبر ۷/ہجری میں ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے فرمایا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ جنت کا خزانہ ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ بندہ اللہ کی مدد اور نصرت کے بغیر گناہوں سے بچ نہیں سکتا اور اللہ کی تائید و تقویت کے بغیر بندہ کے اندر کسی اطاعت اور عملِ صالح کی قدرت نہیں۔ (اور یہی اعلیٰ درجہ کا ایمان ہے)

اللہ پاک اس کلمہ کی برکت سے اعمالِ صالحہ کی توفیق مرحمت فرماتا ہے اور گناہوں سے بچنے کی توفیق ملتی ہے۔ جو انسان جنت کا طلب گار ہوتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ نیک عمل کرے اور گناہوں سے بچے۔ یہی دو راستے اس کو جنت میں لے جائیں گے۔

نوویؒ کہتے ہیں کہ یہ کلمہ جنت کا خزانہ اس لیے ہے کہ بندہ اس کلمے کے ذریعے اپنی ذات اور اپنے معاملات اللہ کے سپرد کر دیتا ہے اور اس کی ذات پر یقین رکھتا ہے کہ اسی ذات کے پاس ساری طاقت و قوت ہے، اس کے علاوہ کوئی بنانے والا نہیں، نہ کوئی اس کے حکم کو ٹالنے والا ہے[۲]۔

(۱) صحيح مسلم: ۲۷۰٤، التوبة، خفض الصوت بالذكر.

(۲) المنهاج شرح النووی: ۲٦/۱۷.

(۶۴) انسانوں کا فرشتوں کے پاس تذکرہ

عن أبي هريرة رضي اللهُ عنه عنِ النبيِّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قال: «ما اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيتٍ مِنْ بُيوتِ اللهِ، يَتْلُونَ كِتابَ اللهِ وَيَتَدارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَحَفَّتْهُمُ الْمَلٰئِكَةُ، وذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ»[1].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "لوگ جب بھی کسی خانۂ خدا میں جمع ہو کر قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں اور پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہوتے ہیں؛ تو ان پر خدا کی طرف سے سکون وطمانیت نازل ہوتی ہے، رحمت الٰہی انہیں ڈھانپ لیتی ہے، فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ پاک اپنے پاس والوں یعنی فرشتوں میں ان کا ذکر فرماتے ہیں۔

فائدہ: یہ حدیث مسلم شریف کتاب الذکر والدعاء والتوبہ میں بھی ہے۔ اس حدیث شریف میں قرآن پڑھنے پڑھانے والے، اس کی تلاوت کرنے والے اور قرآن کریم کا حلقہ لگانے والے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ قرآن کی تلاوت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ تلاوت کی نسبت اللہ پاک نے نبی کریم ﷺ کی طرف بھی کی ہے۔ آپ ﷺ کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ آپ تلاوت قرآن کیا کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی تعلیم بھی دیتے تھے۔

تلاوت قرآن کے بہت سارے آداب ہیں۔ ان میں سے ایک ادب یہ ہے کہ تلاوت کرتے ہوئے، قاری کو حالات اور موقع کا خیال کر کے تلاوت کرنا چاہیے، یعنی قراءت آہستہ کرے یا زور سے دونوں میں ثواب ہے؛ لیکن حالات کے مطابق ہو کہ کسی کو تکلیف نہ ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: زور سے تلاوت کرنے والا علانیہ صدقہ دینے والے کی طرح ہے اور آہستہ قرآن پڑھنے والا چھپ کر صدقہ دینے والے کی طرح ہے[2]۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ مکان اور گھر جو اللہ کی رضا کے لیے تعمیر کیا گیا ہو،

---

(۱) ابوداود: ۱۴۵۵، الصلاۃ، فی ثواب قراءۃ القرآن.

(۲) ابوداود: ۱۳۳۳، الصلاۃ، فی رفع الصوت بالقراۃ.

جیسے مدارس ومکاتب اور مساجد، ایسے گھروں میں بیٹھ کر جو بھی قرآن سیکھنے سکھانے اور تلاوت کرنے میں مشغول ہوگا، ان سب لوگوں کو یہ فضیلت حاصل ہوگی۔ حدیث شریف میں جو لفظ "سکینہ" آیا ہے، اس سے مراد رحمت خداوندی یا سکون قلبی ہے، یعنی کہ تلاوت قرآن سے ان کا دل مطمئن ہو جاتا ہے، ایک طرح کا سکون حاصل ہوتا۔ اس کی نظیر قرآن میں موجود ہے۔ اللہ پاک ارشاد ہے: ﴿الا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے[1]۔

تلاوت کی وجہ سے قاری کو رحمت الٰہی ڈھانپ لیتی ہے، اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں۔ اِس طور پر کہ وہ ان کے اِرد گرد آسمان دنیا تک قرآن سنتے ہوئے گھومتے اور طواف کرتے ہیں۔ آفات سے ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان سے مصافحہ کرتے ہیں۔ ان کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں۔ مزید یہ کہ اللہ پاک ملائکۂ مقربین سے فخریہ انداز میں کہتا ہے کہ دیکھو میرا بندہ میرا ذکر کر رہا ہے، میری کتاب پڑھ رہا ہے[2]۔

(۶۴) قیامت میں نبی کریم ﷺ کی سرداری

عن أبي هريرة رضي اللهُ عنه قال: قالَ رسولُ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -: «أَنا سَيِّدُ ولدِ آدَمَ يومَ القِيامَةِ، وَأَوَّلُ مَنْ يَنشَقُّ عنهُ القبرُ، وَأَوَّلُ شافِعٍ، وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ»[3].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہونگا۔ سب سے پہلے میری قبر کھلے گی اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی۔

فائدہ: (ایک بار درود شریف پڑھ لیں: اللهم صل على سيدنا مُحَمَّدٍ النبي الأمي وعلى آله وسلم تسليمًا، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) ماہِ ربیع الاول کی مناسبت سے حدیث ذکر کی گئی ہے، جس

(۱) الرعد: ۲۸، بیان القرآن.
(۲) مرقاة المفاتيح: ۱/۴۱۵-۴۱۶.
(۳) مسلم: ۲۲۷۸، الفضائل، تفضيل ..... الخلائق.

میں نبی کریم ﷺ کی فضیلت سارے عالم پر بیان کی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن انسانوں کا سردار رہوں گا۔ یوں تو آپ دنیا میں بھی عالم انسانیت کے سردار تھے اور ہیں۔ لیکن دنیا میں کچھ نے آپ کو سردار مانا اور مسلمان کہلائے اور اکثر نے انکار کر دیا اور کافر و مشرک ٹھہرے، لیکن قیامت کے دن انکار کی گنجائش نہیں ہوگی؛ سب پر ظاہر ہو جائے گا کہ آپ سردار ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ دنیا میں بادشاہت کا دعوی کرنے والے اور ملکیت و حکومت کا دعویٰ کرنے والے بہت ہیں۔ لیکن قیامت میں اللہ فرمائے گا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾[1] آج کس کی بادشاہت و حکومت ہے؟ اللہ واحد قہار کی۔ اِسی طرح دنیا میں لوگوں نے مختلف سردار بنائے تھے؛ لیکن قیامت کے دن صرف نبی کریم ﷺ کی سرداری ہوگی۔ پھر آگے فرمایا کہ سب سے پہلے قبر سے میں ہی نکلوں گا؛ سب سے پہلے میں ہی سفارش کروں گا اور اللہ پاک سب سے پہلے میری ہی سفارش قبول کرے گا۔ نووی فرماتے ہیں کہ حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ پوری مخلوق سے افضل ہیں۔ حتی کہ آپ فرشتوں سے بھی افضل ہیں؛ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ انسان فرشتوں سے افضل ہے اور آپ ﷺ تمام انسانوں سے افضل ہیں[2]۔

(۶۵) مؤمن کو گالی دینے کا حکم

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مسعُودٍ رضي اللهُ عنه، أَنَّ النَّبِيَّ – صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – قَالَ: «سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ»[3].

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان کو گالی دینا فسق (گناہ) ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔

فائدہ: حدیث شریف میں دو عظیم گناہوں کے سلسلہ میں بہت سخت وعید آئی ہے۔ یہ

(۱) سورۃ الغافر: ۱۶۔
(۲) المنهاج شرح النووی: ۱۵/۳۲۔
(۳) البخاري: ۴۸ كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن۔

حدیث دراصل ایک دوسری حدیث کا بیان ہے؛ جس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: کامل مسلمان وہ ہے، جس کی زبان اور ہاتھ کی تکلیفوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں[1]۔ اس حدیث میں ایک تو گالی کا ذکر ہے، جو زبان سے نکلتی ہے اور تکلیف دیتی ہے، گالی گلوچ کرنا اچھی چیز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ آپس میں گالی گلوچ کرنے والے جو کچھ بھی کہیں، اس کا گناہ اس شخص پر ہے جس نے پہل کی ہے، جب تک کہ مظلوم زیادتی نہ کردے[2]۔ دوسرا مؤمن سے قتال کرنے کا ذکر ہے۔ معلوم ہوا کہ گالی دینا، جو زبان کا عمل ہے، اس سے انسان فاسق اور گناہ گار ہو جاتا ہے۔ مسلمان سے قتال کرنا جو کہ ہاتھ کا عمل ہے، اس سے انسان کفر تک پہنچ جاتا ہے۔

اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کے خون کو جائز اور حلال سمجھ کر ناحق قتل کر رہا ہے، تو اس کے کفر میں شک نہیں ہے؛ بلکہ حقیقت میں وہ کافر ہو جائے گا۔ اگر جائز نہیں سمجھتا، بل کہ اس کا عقیدہ تو یہی ہے کہ مسلمان کو قتل کرنا حرام ہے، گناہ ہے؛ لیکن پھر بھی ناحق قتل کر رہا ہے، تو یہ کفرانِ نعمت اور ناشکری ہے، یا اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کفار کی عادت ہے کہ وہ مسلمان کے دشمن ہیں اور مسلمانوں کو قتل کرنا ان کا شیوہ ہے؛ اس لیے قاتل کفار کے مشابہ ہوا[3]۔

(٦٦) جن کے نابالغ بچے مر جائیں

عن أنسِ بْنِ مالكٍ رضي اللهُ عنه قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: مَا مِنَ النَّاسِ مُسْلِمٌ يَمُوتُ لَهُ ثَلاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ، لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنثَ، إِلَّا أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهِ إِيَّاهُمْ[4].

ترجمہ: حضرت انسؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: جس مسلمان کے بھی تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں؛ تو اللہ پاک اپنے فضل و رحمت سے جو ان بچوں پر کرے گا ان کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

---

(١) صحيح البخاري: ١٠، كتاب الايمان.
(٢) مسلم: ٢٥٨٧، البر والصلة، النهي عن السباب.
(٣) مرقاة المفاتيح: ٩/٥٤، فتح الملهم: ٢/٣٤.
(٤) البخاري: ١٣٨١، الجنائز، ما قيل في أولاد المسلمين.

فائدہ: اس حدیث شریف میں اُن کے لیے بشارت ہے جن کے تین بچے بالغ ہونے سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔ کیوں کہ بالغ ہونے کے بعد انسان مکلف ہو جاتا ہے۔ پھر اس سے جو بھی گناہ سرزد ہوتا ہے وہ لکھا جاتا ہے۔ اس حدیث میں جن بچوں کی وفات کا ذکر ہے وہ چوں کہ بچپن میں فوت ہوئے ہیں، اس لیے وہ مکلف نہیں ہیں، اور نہ ان کے اوپر کوئی گناہ ہے۔ مزید یہ کہ اللہ پاک بچوں کے ساتھ رحمت کا معاملہ فرماتا ہے، اس لیے انکے طفیل میں والدین کو بھی جنت میں داخل کیا جائے گا۔

یہ بشارت جو حدیث میں آئی ہے یہ عام ہے۔ صرف تین اولاد والوں کے لیے خاص نہیں ہے؛ چناں چہ دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے کسی کے تین بچے فوت ہو جائیں، اور وہ ان کی موت پر صبر کرے اور ثواب کی امید رکھے؛ تو اللہ پاک اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔" ایک انصاری عورت نے پوچھا کہ اور جس کے دو بچے فوت ہو جائیں یا رسول اللہ! اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: "اگر دو فوت ہو جائیں تو بھی وہ جنت میں جائے گا"[1]۔ اور مسند احمد کی روایت ہے کہ اگر ایک بچہ بھی فوت ہو گیا اس پر بھی جنت ہے، بل کہ جو بچہ پیدائش سے قبل ساقط ہو گیا ہو وہ بھی اپنی ماں کو جنت میں داخل کرائے گا[2]۔

اور اگر بچہ صحیح سلامت باحیات ہے؛ تو جس طرح والدین جسمانی طور پر اس کا خیال رکھتے ہیں، واجب ہے کہ اس کی ایمانی تربیت، دینی تعلیم، اسلامی اخلاق وعادات، قرآن پڑھانے، سنت کی اہمیت، نبی علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کے اہل بیت وصحابہ کی محبت سکھانے کا اہتمام کریں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «أَدِّبُوا أَوْلَادَكُمْ عَلَى ثَلَاثِ خِصَالٍ: عَلَى حُبِّ نَبِيِّكُمْ، وَحُبِّ أَهْلِ بَيْتِهِ، وَعَلَى قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ»[3].

---

(۱) مسلم: ۲۶۳۲، البر والصلة، فضل من ... فيحتسبه

(۲) (مسند احمد حدیث نمبر: ۲۲۰۹۰)

(۳) الجامع الصغير للسيوطي: ۳۱۰.

(٦٧) عذاب قبر کے دو بڑے اسباب

عنِ ابنِ عباسٍ ﷺ مرَّ النبيُّ ﷺ على قَبرَينِ فقالَ: إنَّهما ليُعَذَّبانِ وَما يُعَذَّبانِ مِنْ كبيرٍ، ثُمَّ قالَ: أمَّا أحَدُهُما فكانَ يَسْعَى بِالنَّميمَةِ وَأمَّا أحَدُهُما فكانَ لا يَستَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ[١]۔

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا دو قبروں پر گزر ہوا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا ہے۔ پھر فرمایا: ان میں سے ایک تو چغل خوری کیا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔

فائدہ: حدیث میں مذکور دونوں وبا ہمارے معاشرے میں عام ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مزید تیزی کے ساتھ یہ بیماری پھیلتی جا رہی ہے اور لوگ جانتے ہوئے بھی کہ یہ گناہ ہے اور عذاب کا سبب ہے، اس کی طرف سے لاپرواہی برتتے ہیں۔

عذاب قبر کے سلسلہ میں کچھ باتیں حدیث نمبر: ۴۹ کے تحت گزر چکی ہیں۔ یہاں یہ بیان ہے کہ عذاب قبر ایسی باتوں پر بھی ہوتا ہے جن کو لوگ معمولی سمجھ کر اس سے بچتے نہیں ہیں؛ حالاں کہ اللہ کے نزدیک وہ بہت بڑا گناہ ہے۔ ان میں سے ایک ہے چغلی کھانا، اِدھر کی بات اُدھر کرنا، اس کو عربی میں نمیمہ کہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ چغل خور جنت میں نہیں جائے گا[٢]۔ نمیمہ: یعنی چغل خوری کا گناہ غیبت کے گناہ سے بڑھا ہوا ہے؛ اس لیے کہ اس کے نقصانات زیادہ ہیں، سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ آپس میں نااتفاقی کا سبب بنتی ہے۔ چغل خوری قرآن وسنت کی رو سے بالکل حرام ہے، قرآن کریم میں بھی اس کی مذمت بیان کی گئی ہے، ارشاد باری ہے: هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ[٣] ہماز کے معنی غیبت کرنے والے اور طعنہ دینے والے کے ہیں، نمیم کے معنی ہیں چغل خوری کرنے والا۔ اللہ پاک نے نبی کریم ﷺ کو ان حضرات کی بات نہ ماننے کا حکم دیا ہے۔

---

(١) البخاري: ١٣٧٨، الجنائز، عذاب ... والبول.
(٢) مسلم: ١٠٥، الإيمان، بيان غلظ تحريم النميمة.
(٣) سورة القلم: ١١.

اور دوسرا گناہ: پیشاب کرتے وقت پاکی ناپاکی کا خیال نہ کرنا، استنجا اچھی طرح نہ کرنا یا پیشاب کی چھینٹ سے احتیاط نہ کرنا، کھڑے کھڑے پیشاب کر رہے ہیں، تو چھینٹ پڑ رہی ہے؛ سخت زمین میں بے احتیاطی سے پیشاب کر رہے ہیں؛ تو چھینٹ پڑ رہی ہے، غسل خانہ میں پیشاب کر دیا پھر اس کو پاک کیے بغیر غسل کیا، یہ ساری بے احتیاطیاں عذاب کے اسباب ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے، یعنی لوگ اس کو بڑا گناہ نہیں سمجھتے، بے خوف چغل خوری بھی کرتے ہیں اور پیشاب میں احتیاط بھی نہیں کرتے ہیں؛ لیکن اللہ پاک کے یہاں یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ انسان اس کی وجہ سے قبر کے عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے[1]۔

(٦٨) نبی کریم ﷺ کا حلیہ مبارک

عَنِ البَرَاءِ، يقولُ: كان رسول الله ﷺ رجلاً مَرْبوعًا، بَعِيدَ ما بينَ الْمَنكِبَيْنِ، عظيمَ الجُمَّةِ إِلَى شَحْمَةِ أُذُنَيْهِ، عليهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ، ما رَأَيْتُ شَيْئًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ ﷺ.[2]

ترجمہ: حضرت براء ابن عازب ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میانہ قد تھے، دونوں شانوں کے درمیان فاصلہ تھا، آپ کے بال گھنے تھے، جو کانوں کی لو تک تھے، آپ ﷺ پر ایک سرخ دھاری کا جوڑا تھا، میں نے آپ سے زیادہ حسین کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی۔

فائدہ: صحابۂ کرام اور ہمارے اکابرین علماء نے جہاں نبی کریم ﷺ کی حسن سیرت کے سینکڑوں دفتر محفوظ کر دیے ہیں وہیں آپ ﷺ کی حسن صورت کو بھی کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔ پھر بھی جب نبی کریم ﷺ کی سیرت و صورت کے بیان کا حق ادا نہیں ہوا، تو شیخ سعدی ؒ نے کہہ دیا:

لا يُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقُّهُ　　　بعد از خدا توئی قصہ مختصر

نبی کریم ﷺ کی کما حقہ تعریف بیان کرنا ممکن ہی نہیں ہے؛ اس لیے خلاصہ یہی ہے کہ اللہ کے بعد اگر کوئی ذات تعریف و توصیف کی مستحق ہے؛ تو وہ آپ ﷺ کی ذات اقدس ہے۔

---

(١) فتح الباري: ٣/٢٩٦.　(٢) صحيح مسلم: ٢٣٣٧، الفضائل.

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کا حلیہ مبارک اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا قد میانہ تھا، نہ بہت زیادہ لمبے تھے اور نہ پست قد تھے؛ بلکہ متوسط تھے۔ آپ ﷺ کے دونوں مونڈھوں اور شانوں کے درمیان فاصلہ تھا۔ یعنی آپ ﷺ کا سینہ کشادہ تھا، جو سخاوت، وقار اور حلم و بردباری کی علامت ہے۔ نیز یہ مردوں کی خوبصورتی کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔ نبی کریم ﷺ کے سینے کی کشادگی بھی معتدل تھی، یعنی آپ کا سینہ بہت زیادہ کشادہ بھی نہ تھا کہ اچھا نہ لگے، بلکہ معتدل تھا، نبی کریم ﷺ کے بال گھنے تھے، آپ ﷺ کے زلف بہت گھنے اور کانوں کی لو تک تھے، آپ ﷺ کے جسم مبارک پر ایک سرخ دھاری دار جوڑا تھا جو یمن کا بنا ہوا تھا۔

حضرت براء ابن عازبؓ مزید فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں کہیں بھی کوئی بھی چیز ایسی نہیں دیکھی، جو آپ ﷺ سے زیادہ حسین اور خوبصورت ہو۔ آپ ﷺ کا چہرہ اتنا خوبصورت تھا کہ ویسا میں نے کبھی کچھ بھی نہ دیکھا[1]۔ درود شریف پڑھ لیں: ﷺ ۔

(۶۹) نبی ﷺ کے اسمائے گرامی

عن جُبَيْرِ بن مُطْعِمٍ رضي الله عنه، قال: قال رسول الله ﷺ: «لِيْ خَمْسَةُ أَسْمَاءٍ: أنا مُحَمَّدٌ، وأحْمَدُ، وأنا الماحِي الَّذي يَمْحُو اللهُ بِيَ الْكُفْرَ، وأنا الحاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النّاسُ على قَدَمِي، وأنا الْعاقِبُ»[2].

ترجمہ: حضرت جبیر ابن مطعمؓ نے فرمایا: کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد ہوں، احمد ہوں، ماحی ہوں، اللہ میرے ذریعہ سے کفر کو مٹائے گا، میں حاشر ہوں کہ لوگ میرے بعد (قیامت میں) جمع کیے جائیں گے اور میں سب سے پیچھے آنے والا ہوں۔ (یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا)۔

فائدہ: (ایک بار درود شریف پڑھ لیں) حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ کے اسماء

(۱) تکملة فتح الملهم: ۱۰/۴۷۹.

(۲) البخاري: ۳۵۳۲، المناقب، أسماء رسول الله ﷺ.

مبارکہ کا ذکر ہے۔ یہاں پر صرف پانچ نام ذکر کیے گئے ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ یہ اسماء پہلی امتوں کی کتابوں میں موجود ہیں؛ اس لیے آپ ﷺ نے صرف یہ پانچ اسماء ذکر کیے، ورنہ تو آپ ﷺ کے اسماء گرامی کی تعداد بہت ہے۔ ابو بکر ابن العربی نے ترمذی کی شرح میں اللہ پاک کے اور رسول اللہ ﷺ کے نام کی تعداد ایک ہزار لکھی ہے[1]۔

ان شاء اللہ! آج ہم آقاء دو جہاں ﷺ کی ولادت با سعادت کا ذکر کریں گے۔ نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کے سلسلہ میں کئی طرح کی روایات ملتی ہیں، آپ ﷺ ۸، ۹، یا ۱۲، ربیع الاول کو ہدایت کے آفتاب وماہتاب بن کر اس دنیا میں تشریف لائے؛ جب کہ بعض نے رمضان کا مہینہ بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن ان سب روایات میں زیادہ صحیح بات ۸، ۹، ربیع الاول والی ہے۔ حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی نے اپنی مشہور کتاب: سیرۃ المصطفی میں ۸، ربیع الاول پیر کا دن، مطابق اپریل ۵۷۰ء والی روایت کو راجح کہا ہے۔ دوسرا قول ۹، ربیع الاول، پیر کا دن ۵۷۱ء ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مولانا صفی الرحمانؒ مبارک پوری نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے[2]۔

نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کے وقت پورا گھر نور سے بھر گیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ستارے گرے آرہے ہیں۔ آپ ﷺ کی والدہ نے دیکھا کہ ایک نور ہے جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے، یعنی مکہ سے شام تک کا علاقہ روشن ہو گیا؛ چناں چہ آپ ﷺ کی زندگی میں ہی شام فتح ہوا۔ اسی شبِ ولادت میں ایوانِ کسریٰ میں زبردست زلزلہ آیا جس سے محل کے ۱۴ کنگرے گر گئے اور فارس کا آتش کدہ جو ایک ہزار سال سے مسلسل روشن تھا (کبھی نہ بجھا تھا) بجھ گیا۔ دریائے ساوا خشک ہو گیا۔ یہ سب دیکھ کر کسریٰ بہت پریشان ہوا۔ اس نے سارے درباریوں کو جمع کر کے اس واقعہ کی تحقیق کی؛ تو یہ سب نبی کریم ﷺ کی پیدائش کا معجزہ نکلا۔

---

(۱) عمدة القاري: ۱۶/۱۴۶.

(۲) الرحيق المختوم: ٦٥.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس رات نبی کریم ﷺ کی پیدائش ہوئی؛ تو ایک یہودی جو مکہ میں تھا اس نے پوچھا کہ اے قریشیو! کیا قریش میں آج رات کوئی ولادت ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا معلوم نہیں۔ اس نے بتایا کہ آج رات اس امت کا نبی پیدا ہوا ہے، جس کے دونوں شانے کے درمیان مہر نبوت ہے۔ وہ دو رات تک دودھ نہیں پیے گا؛ قریش نے اس کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے؛ چناں چہ وہ یہودی بھی آپ ﷺ کی زیارت کو گیا۔ دیکھتے ہی وہ بے ہوش ہو گیا۔ اچھا ہونے کے بعد بولا کہ بنی اسرائیل سے نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اے قریش! یہ شخص تم پر ایسا زوردار حملہ کرے گا کہ اس کی گونج مشرق سے مغرب تک سنائی دے گی[1]۔

(۷۰) چاند کے دو ٹکڑے

عنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعودٍ رضي اللهُ عنه قال: انشقَّ الْقَمَرُ عَلى عَهْدِ رسولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شِقَّتَيْنِ، فقالَ النبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اِشْهَدوا»[2].

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا؛ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "گواہ رہو"۔

فائدہ: حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ کا ایک معجزہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس معجزہ کا ثبوت قرآن و حدیث اور اجماع امت سے ہے۔ چناں چہ علامہ آلوسی بغدادیؒ سورۃ القمر کے شان نزول کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ شق القمر (چاند کے دو ٹکڑے ہونے کے سلسلہ میں روایتیں کثرت سے آئی ہیں، یہاں تک کہ علامہ ابن سبکیؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ اس معجزہ کا ثبوت حدیث متواتر سے ہے۔ اللہ پاک نے قرآن کریم میں اس واقعہ کو اجمالاً ذکر فرمایا ہے اور بخاری و مسلم سمیت حدیث کی مختلف کتابوں میں، مختلف سندوں سے اس واقعہ کی تفصیل مذکور ہے۔

---

(۱) فتح الباری: ۶/۷۲۱-۷۲۲

(۲) البخاري: ۳۶۳۶، المناقب، سؤال المشركين ... آية.

علامہ آلوسیؒ نے معجزۂ شق القمر کے سلسلہ میں کئی روایات بھی پیش کی ہے۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ اہل مکہ نے نبی کریم ﷺ سے معجزہ کا سوال کیا؛ تب نبی کریم ﷺ نے یہ معجزہ دکھایا، اس معجزہ کے بعد قریش نے کہا کہ ابن ابی کبشہ کا جادو ہے، اس نے جادو دکھایا ہے، کسی نے کہا کہ محمد پوری انسانیت پر تو جادو نہیں کر سکتا، قافلہ کا انتظار کرو، چناں چہ جب باہر سے مسافروں کا قافلہ آیا؛ تو ان سے پوچھا گیا، کہ کیا تم نے فلاں رات کو چاند کے دو ٹکڑے دیکھے تھے؟ انھوں نے اس کا اقرار کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے دیکھا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ القمر نازل فرما کر صداقت کا اعلان کیا۔

(۱۷) نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک

عَنِ ابْنِ عباسٍ رضی اللہ عنہما، قالَ: بُعِثَ رسولُ اللهِ ﷺ لِأَرْبَعِينَ سَنَةً فَمَكَثَ بِمَكَّةَ ثَلاثَ عَشْرَةَ سَنَةً يُوحَى إِلَيْهِ، ثُمَّ أُمِرَ بِالْهِجْرَةِ فَهَاجَرَ عَشْرَ سِنِينَ، وَماتَ وَهُوَ ابْنُ ثَلاثٍ وَّسِتِّينَ.[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیے گئے پھر آپ ﷺ پر تیرہ سال تک وحی نازل ہوتی رہی۔ پھر آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم ہوا، پھر آپ ﷺ نے ہجرت کی حالت میں دس سال (مدینہ طیبہ میں) گزارے، اور تریسٹھ برس کی عمر میں، آپ ﷺ نے وفات پائی۔

فائدہ: ہجرت کے سلسلہ میں کچھ باتیں پہلے حدیث نمبر: 31 کے ذیل میں گزر چکی ہیں۔ ایک بار اس حدیث کو پورا پڑھ لیں تاکہ تسلسل باقی رہے اور اس حدیث کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ وہاں میں نے ذکر کیا تھا کہ نبی کریم ﷺ ۲۷/ صفر مطابق ۱۲/ ستمبر کو رات میں حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ گھر سے نکلے اور غار ثور میں تین دن قیام فرمایا۔ نبی کریم ﷺ جب مکہ سے غار ثور کے لیے نکلے؛ تو ٹیلے پر سے ایک نظر ڈال کر مکہ مکرمہ کو دیکھا اور فرمایا: تو کیا ہی پاکیزہ شہر ہے، مجھ کو بڑا ہی محبوب ہے، اگر میری قوم مجھ کو نہ نکالتی؛ تو میں دوسری جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔[2]

---

(۱) البخاري: ۳۹۰۲، المناقب، هجرة النبي ﷺ وأصحابه.

(۲) الترمذي: ۳۹۲۶، المناقب عن رسول الله.

تین دن اس غار میں گزارنے کے بعد پیر کی شب یکم ربیع الاول ۱ھ ہجری، موافق ۱۶/ ستمبر ۶۲۲ عیسوی کو، عبد اللہ ابن اُرَیقِط جو رہبر تھے دو اونٹنیوں کے ساتھ ان کے پاس آئے، نبی کریم ﷺ، حضرت ابو بکرؓ اور ان کے ساتھ عامر ابن فہیرہؓ تھے، سب روانہ ہوئے، غار سے نکلنے کے بعد، پہلے جنوب (دکھن) یعنی یمن کی طرف، پھر مغرب کی جانب ساحل کی طرف ایسے راستے پر جس سے لوگ واقف نہیں تھے، پھر بحر احمر کے کنارے کنارے ایسے راستے پر چلتے رہے کہ شاید ہی کوئی اس راستے پر چلتا تھا۔ اس طرح مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے نفوس قدسیہ کا یہ چھوٹا سا قافلہ قبا پہنچا۔

اس سفر کے دوران نبی کریم ﷺ کے کئی معجزات اور برکات کا ظہور ہوا۔ ان میں سے ایک معجزہ کا ذکر یہاں کیا جا رہا ہے۔ وہ معجزہ یہ ہے کہ سراقہ بن مالک جو نبی کریم ﷺ کو تلاشنے نکلا تھا۔ اس نے آپ ﷺ اور ابو بکر کو دیکھ لیا۔ جب وہ قریب پہنچا؛ تو اس کے گھوڑے کے دونوں اگلے دونوں پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ سراقہ بہت پریشان ہوئے۔ پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے امان چاہی، آپ ﷺ نے سراقہ کو معاف فرما دیا اور امان دیدیا۔

نبی کریم ﷺ کا یہ بابرکت قافلہ ۸ ربیع الاول (۱) ہجری، مطابق: ۲۳ ستمبر ۶۲۲ء پیر کے دن قبا پہنچا۔ اس دن نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک بغیر کمی بیشی کے ۵۳ سال کی تھی۔ آپ ﷺ کی نبوت کے ۱۳ سال مکمل ہوئے تھے[1]۔

(۷۲) نبی کریم ﷺ کے آخری الفاظ

عَنْ عائشةَ رضي الله عنها أخبرَتْهُ أنها سمعَتِ النبيَّ ﷺ، وأصغَتْ إليهِ قبلَ أنْ يموتَ؛ وَهُوَ مُسْنِدٌ إليَّ ظَهْرَهُ، يقولُ: «اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي، وَارْحَمْنِي، وَأَلْحِقْنِي بِالرَّفِيقِ»[2].

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ سے کان لگا کر سنا: جب کہ

---

(۱) الرحيق المختوم: ۱۵۹-۱۶۰.

(۲) البخاري: ۴۴۴۰، المغازي، مرض النبي ﷺ.

وفات سے قبل اپنی پشت سے میرا سہارا لیے ہوئے تھے، آپ ﷺ فرما رہے تھے: "اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما اور میرے رفیق سے مجھے ملادے۔

فائدہ: میں نے پہلے ذکر کیا تھا کہ ماہ ربیع الاول بہت بابرکت مہینہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کی پیدائش اس ماہ میں ہوئی، غار ثور سے ہجرت کی ابتداء اسی ماہ میں ہوئی، آپ ﷺ مدینہ پاک اسی ماہ میں پہنچے۔ یہی وہ مہینہ بھی ہے جس کی ۱۲ تاریخ میں صحابہ کرامؓ پر غموں کا پہاڑ ٹوٹا، وہ نبی کریم ﷺ کی وفات کا غم تھا، یہ ایسا غم تھا کہ بعض صحابہ پر بے ہوشی طاری ہوگئی، حضرت عمرؓ جیسے بہادر صحابی کو یقین ہی نہیں آیا کہ نبی کریم ﷺ ہم سے جدا ہوگئے ہیں۔

آپ ﷺ کے مرض الوفات کی ابتداء ۲۸ یا ۲۹ صفر المظفر ۱۱ھ پیر کے دن اس وقت ہوئی جب آپ ایک جنازہ میں شریک ہو کر جنت البقیع سے واپس آرہے تھے۔ راستہ میں ہی سر درد شروع ہوا، سر کو کپڑے سے باندھا گیا۔ یہ مرض مسلسل ۱۳ یا ۱۴ دن رہا۔ اسی حالت میں آپ ﷺ نے، گیارہ دنوں تک امامت فرمائی۔ آپ ﷺ کے مرض میں شدت اور تیزی آتی گئی اور اتنی تیزی آئی کہ یہ بھی یاد نہیں رہتا تھا کہ کل کس زوجہ مطہرہ کی باری ہے۔ آخر کار امہات المؤمنین کے مشورے سے آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کے گھر منتقل ہوگئے۔ حضرت عائشہؓ معوذتین (سورۃ الفلق، سورۃ الناس) اور دیگر دعائیں پڑھ کر، آپ ﷺ کو دم کرتی تھیں۔ وفات سے پانچ دن قبل، یعنی بدھ کے دن بخار تیز ہوگیا۔ سر درد میں شدت آگئی اور بے ہوشی کی کیفیت شروع ہوگئی۔ پھر فرمایا کہ سات مختلف کنوؤں کے پانی سے نہلایا جائے؛ چناں چہ ایسا کیا گیا تو افاقہ ہوا۔ پھر آپ ﷺ اسی حالت میں مسجد تشریف لے گئے اور ممبر پر بیٹھ کر فرمایا: لوگو! میرے قریب ہو جاؤ، جب لوگ قریب ہوگئے تو فرمایا: اللہ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر انہوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ کی جگہ بنالیا ہے۔ دوسری روایت میں ہے: اللہ یہود و نصاریٰ کو غارت کرے! انھوں نے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا ہے۔ پھر فرمایا: میری قبر کو، مورت اور چلّانہ بنادینا، جس کی عبادت کی جاتی ہے۔ (یہود کا انبیاء کی قبر پر سجدہ کرنے کے سلسلہ میں

تفصیل حدیث نمبر ۵۹ میں ملاحظہ فرمائیں)اس کے علاوہ بھی وصیت اور نصیحت ارشاد فرمائی۔

وفات سے ایک دن قبل نبی کریم ﷺ نے اپنے غلاموں کو آزاد کیا۔ چھ یا سات درہم جو آپ ﷺ کے پاس موجود تھے، انھیں صدقہ کیا اور اپنا اسلحہ مسلمانوں کو ہبہ کر دیا۔

آخری دن یعنی ۱۲ ربیع الاول کو فجر کی نماز کے لیے مسجد نہیں گئے۔ پردہ ہٹا کر دیکھا حضرت ابو بکرؓ امامت فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ دیکھ کر مسکرائے، بلکہ ہنسے۔ حضرت ابو بکرؓ نے چاہا کہ پیچھے ہٹیں، مگر آپ ﷺ نے اشارہ سے منع فرما دیا اور پردہ ٹھیک کر اندر چلے گئے۔ پھر چاشت کے وقت نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو بلایا اور ان کے کان میں کچھ کہا؛ تو حضرت فاطمہ رونے لگیں۔ پھر قریب کیا اور کچھ کہا، تو حضرت فاطمہ ہنسنے لگیں۔ پھر بعد میں حضرت فاطمہ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ جب نبی ﷺ نے فرمایا کہ اسی مرض میں میرا انتقال ہو گا؛ تو میں رونے لگی۔ پھر فرمایا کہ سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی؛ تو میں ہنسنے لگی۔

پھر حضرات حسنینؓ کو بلایا۔ ان کو بوسہ دیا، پیار کیا اور ان کو اچھی باتیں نصیحت فرمائیں۔

پھر اپنی ازواج مطہرات کو بلا کر وعظ و نصیحت کی۔

آپ ﷺ کو خیبر میں جو زہر دیا گیا تھا، اس کا اثر اب تیزی سے ظاہر ہو رہا تھا۔ درد شدید ہو گیا تو آپ نے فرمایا: اے عائشہ! مستقل میں اس کھانے کی تکلیف محسوس کر رہا ہوں۔ پھر یہودیوں (انہوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا کر شرک کیا تھا) پر لعنت فرمائی اور وصیت کی کہ اس سے بچنا اور دو مذاہب عرب کی سرزمین میں باقی نہیں رہ سکتے، پھر لوگوں کو نماز قائم رکھنے کی وصیت فرمائی۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آخر وقت میں آپ ﷺ نے مسواک کیا، پھر اپنی انگلی یا اپنا ہاتھ اٹھایا اور چھت کی طرف دیکھ کر، اپنے ہونٹوں کو حرکت دی، تو حضرت عائشہؓ نے کان لگایا، آپ ﷺ فرما رہے تھے: "مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ، اللّٰهُمَّ

اغفِرلِي، وَارْحَمْنِي، وَأَلحِقْنِي بِالرّفيقِ الأعلى." وَأَلحِقْنِي بِالرَّفِيقِ الأَعْلَى "اِس آخری کلمہ کو تین بار فرمایا اور رفیق اعلیٰ یعنی اللہ پاک سے جاملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون [1]۔

(۷۳) دعوت کی راہ میں آپ ﷺ کا ستایا جانا

عن ابنِ عمرِو بنِ عاصٍ ﷺ قال: بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يصَلِّي فِي حِجْرِ الْكَعْبَةِ، إِذْ أَقْبَلَ عُقْبَةُ بْنُ أَبِي مُعَيْطٍ فَوَضَعَ ثَوْبَهُ فِي عُنُقِهِ فَخَنَقَهُ خَنقًا شَدِيدًا، فَأَقْبَلَ أَبُوبَكْرٍ حَتَّى أَخَذَ بِمَنكِبِهِ، وَدَفَعَهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قال: أَتَقْتُلُونَ رَجُلاً أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللهُ. الآية[2].

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک بار نبی کریم ﷺ حطیم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک (بدبخت) عقبہ ابن ابی معیط آیا اور اپنا کپڑا آپ کی گردن میں ڈال کر، آپ ﷺ کا گلا زور سے دبانے لگا۔ اتنے میں حضرت ابو بکرؓ تشریف لائے اور انھوں نے اس کا مونڈھا پکڑا اور ڈھکیل کر آپ ﷺ سے اس کو دور کر دیا، اور فرمایا: ﴿ أَتَقْتُلُونَ رَجُلاً أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللهُ ﴾۔الآیۃ) کیا تم لوگ ایک شخص کو صرف اس لیے مار ڈالنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ آخر آیت تک پڑھا۔

فائدہ: اس سے قبل کئی حدیثوں میں آپ ﷺ کی پیدائش، پھر واقعہ ہجرت اور وفات کا ذکر ہوا۔ اب ہم اسلام اور دعوت کی خاطر آپ ﷺ کے ساتھ پیش آنے والے مظالم کا ذکر کریں گے، انشاءاللہ۔

جب نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے اور آپ ﷺ نے دعوت کا کام شروع کیا؛ تو چند افراد کے علاوہ سارا مکہ دشمن ہو گیا، ان میں سے کچھ ایسے بدبخت تھے جو دشمنی اور عداوت میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: ابو جہل ابن ہشام، ابو لہب ابن عبدالمطلب، اسود ابن عبد یغوث، حارث ابن قیس، ولید ابن مغیرہ، امیہ ابن خلف، ابی ابن خلف، عاص ابن وائل اور عقبہ ابن ابی معیط وغیرہم۔ ان لوگوں نے آپ کو اور صحابۂ کرامؓ کو ایذا اور تکلیف پہنچانے میں ساری حدیں پار کر دی

(۱) الرحیق المختوم: ۳۹۹-۴۰۲۔

(۲) البخاري: ۳۸۵٦، المناقب، ما لقي ☐ ... بمكة.

تھیں۔

جب نبی کریم ﷺ لوگوں کو دعوت دیتے کہ "لا الہ الا اللہ" پڑھ لو فلاح پا جاؤ گے؛ تو بعض بد نصیب آپ کو گالیاں دیتے، آپ پر تھوکتے تھے، اور بعض آپ پر مٹی ڈالتے۔ آپ ﷺ نے اپنی لڑکی زینبؓ سے فرمایا: اے بیٹی تو اپنے باپ کے مغلوب اور ذلیل ہونے کا خوف نہ کر۔ آپ ﷺ جب لا الہ الا اللہ کی دعوت دیتے؛ تو کئی لوگ آپ کے پیچھے پیچھے گھومتے اور پتھر مارتے تھے، جس کی وجہ سے آپ ﷺ کا پورا بدن لہولہان ہو جاتا تھا۔ مزید وہ لوگ یہ کہتے جاتے کہ لوگو اس کی بات نہ سننا، یہ جھوٹا شخص ہے۔

ایک بار آپ ﷺ بازار میں لوگوں کو کلمہ کی دعوت دے رہے تھے، ابو جہل ملعون آپ ﷺ پر مٹی پھینکتا تھا اور کہتا تھا، اے لوگو اس کے دھوکہ میں نہ آنا، یہ تم کو لات و عزی سے چھڑانا چاہتا ہے۔ ایک بار نبی کریم ﷺ حطیم میں نماز ادا فرما رہے تھے، کہ عقبہ ابن ابو معیط نے آپ ﷺ کی گردن میں کپڑا ڈال کر اتنا زور سے کھینچا کہ گلا گھٹنے لگا، پھر ابو بکرؓ نے آکر اس کو دھکا دیا۔ ایک بار قریش نے آپ ﷺ کو اس قدر مارا کہ آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے۔ ابو بکرؓ حمایت کے لیے آئے؛ تو وہ آپ ﷺ کو چھوڑ کر حضرت ابو بکر پر ٹوٹ پڑے اور ان کو اس قدر مارا کہ تمام سر زخمی ہو گیا[1]۔

اس کے علاوہ اور بھی سینکڑوں واقعات کتب حدیث و سیرت میں مذکور ہیں کہ قریش نے آپ ﷺ کو اور آپ کے جاں نثار صحابۂ کرام کو اذیتیں دی ہیں اور نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب نے دین کی خاطر اس کو برداشت کیا ہے۔ ایک بار درود شریف پڑھ لیجیے: اللهم صل علی سیدنا محمد وبارك وسلم.

(۱) سیرۃ المصطفیٰ: ۱/۱۰۳ مختصراً۔

(۴۷) عید میلاد النبی ﷺ کا حکم

عن أبي هريرةَ رضي اللهُ عنه قالَ: قالَ رسولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا، وَلَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا، صَلُّوا عَلَيَّ؛ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ»[۱].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ (یعنی قرآن کی تلاوت اور نفل وغیرہ سے گھروں کو آباد کیا کرو) اور میری قبر کو عرس کی جگہ نہ بناؤ اور مجھ پر درود بھیجا کرو، اس لیے کہ تم جہاں بھی رہو تمہارا درود مجھ کو پہنچتا ہے۔

فائدہ: حدیث شریف کا پہلا ٹکڑا، اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، اس سلسلہ میں انشاء اللہ حدیث نمبر: ۱۵۰ کے تحت بات ہوگی۔ یہاں حدیث پاک کا دوسرا ٹکڑا، "میری قبر کو عرس کی جگہ نہ بناؤ" پر کچھ روشنی ڈالی جارہی ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میری قبر کی زیارت کو عرس اور میلے ٹھیلے کی جگہ نہ بناؤ، یا میری قبر پر عرس نہ مناؤ؛ اس لیے کہ وہ خوشی اور کھیل کود کا طریقہ ہے۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میری قبر کی زیارت کثرت سے کیا کرو، ایسا نہ کرو کہ کبھی کبھی آئے، جیسا کہ عید سال میں ایک بار آتی ہے۔ طیبیؒ نے فرمایا کہ زیارت قبور میں اجتماع کے انعقاد سے امت کو منع کیا گیا ہے؛ اس لیے کہ یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء کی قبروں کے ساتھ اس طرح کیا کرتے تھے[۲]۔

جب آپ ﷺ نے قبر کو جشن و عرس کی جگہ بنانے سے منع کر دیا اور اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے؛ تو اپنے وفات کے دن کو جشن کا دن منانے پر آپ ﷺ کی رضامندی کیسے ہو سکتی ہے؟ آج امت کا ایک طبقہ بارہ ربیع الاوّل کو ایک طرف بارہ وفات کہتا ہے اور دوسری طرف عید میلاد النبی مناتا ہے۔ میں نے پہلے حدیث نمبر ۶۹ میں یہ ذکر کیا ہے کہ تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ صحیح ترین قول ۹؍ ربیع الاول ہے۔ پھر ۱۲؍ ربیع الاوّل کے دن جشن عید میلا النبی کیسے ہوگیا؟ حدیث نمبر ۲۷ کے ضمن میں بتایا گیا ہے کہ تاریخ وفات ۱۲؍ ربیع الاول پیر کا دن ہے اور اس دن جشن عید میلاد منانا، عید

(۱) ابوداود: ۲۰۴۲ کتاب المناسك، باب زيارة القبور.
(۲) مرقاة المفاتيح: ۳/۱۰.

میلاد نہیں بلکہ جشن وفات ہے۔

جہاں تک جشن منانے کا سوال ہے تو یہ بھی صحیح نہیں، خواہ عید میلاد کے نام سے ہو، قبر پر ہو یا قبر کے باہر ہو۔ البتہ بعض علماء نے تاریخ ولادت پر ایسے جشن کی اجازت دی ہے جو بدعات و خرافات اور غلو سے پاک ہو۔ تاریخ پیدائش ہو، تاریخ وفات یا کوئی عام دن درود پاک کی کثرت ہونی چاہیے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم جہاں بھی رہو، مجھ پر درود بھیجا کرو، مجھ کو تمہارا درود پہنچتا ہے۔

عید میلاد النبی، آپ ﷺ کی موجودگی میں کبھی نہیں منایا گیا۔ نہ آپ ﷺ کے صغر سنی میں نہ تو خاندان والوں نے منایا، نہ خود آپ نے بڑے ہو کر منایا اور نہ آپ ﷺ کے اصحابؓ نے آپ کے بعد منایا۔ اگر جشن عید میلاد درست ہوتا تو حضور ﷺ کے دادا عبد المطلب، آپ کے چچا ابو طالب، یا آپ ﷺ کے رشتہ دار اس کو ضرور مناتے۔ سب سے بڑھ کر آپ اپنی زندگی میں خود مناتے۔ آپ ﷺ کے تریسٹھ سالہ دور میں کسی نے نہیں منایا، نہ بعد کے دور میں صحابہ و تابعین اور اکابرین نے جشن عید میلاد النبی منایا۔

ان ساری تحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ ایک بری رسم ہے، جو مسلمانوں میں رواج پا گئی ہے۔ لوگ اس رسم کو اتنا ہی ضروری سمجھتے ہیں جتنا کہ نماز وروزہ ضروری ہے۔ اب جس طرح نصاریٰ ۲۵ دسمبر کے دن عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی تاریخ (برتھ ڈے) مناتے ہیں اور اس کا نام کرسمس رکھا ہے، جب کہ وہ عیسیٰ کی پیدائش کا دن نہیں ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کا ایک طبقہ عیسائیوں کے اتباع میں ۱۲ ربیع الاول کو جشن عید مناتا ہے، جس دن کے آپ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے، یعنی موت کے دن خوشی منائی جارہی ہے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَمِنَ الْأُمُورِ الْمُحْدَثَةِ: اِلْتِزَامُ الْكَيْفِيَاتِ وَالْهَيْئَاتِ الْمُعَيَّنَةِ، كَالذِّكْرِ بِهَيْئَةِ الْاِجْتِمَاعِ عَلَى صَوْتٍ وَاحِدٍ، وَاتِّخَاذِ يَوْمِ وِلَادَةِ النَّبِيِّ ﷺ عِيدًا، وَمَا

أَشْبَهَ ذَلِكَ[۱]. یعنی یہ کہ اجتماعی صورت میں ایک ہی آواز کے ساتھ ذکر کرنا اور آپ کی یوم پیدائش پر جشن منانا، اس ماہ کی خرافات میں سے ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ جشن عید میلاد النبی بدعت ہے، اس لیے اس کا ختم کرنا بھی ضروری ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے؛ اس لیے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ»[۲]. لہذا ضروری ہے کہ حکمت کے ساتھ ان رسوم کو ختم کیا جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں: جو لوگ اشاعت دین کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں اور محنت کر رہے ہیں، ان کے ذمہ یہ واجب ہے کہ حق کی اشاعت میں، اس کو نافذ کرنے میں اور باطل کو گمنام کرنے اور اس کے رد کی حتی المقدور کوشش کریں۔ اس کام کو کرنے میں کبھی کبھار جھگڑے اور لڑائیاں بھی ہو جاتی ہیں؛ لیکن ایسے موقع پر یہ لڑائی اور جھگڑا بھی نیکی میں شمار ہوتا ہے[۳]۔

خلاصہ: (۱) جس طرح قبر اطہر پر جشن ممنوع ہے، اسی طرح باہر بھی جشن ممنوع ہے۔ (۲) ۱۲ر ربیع الاول یوم وفات ہے، پھر اس دن جشن کیوں؟ (کیا آپ ﷺ کی وفات پر خوشی منا رہے ہیں؟) (۳) عیسائی ۲۵ر دسمبر کو عیسیٰؑ کی پیدائش کا دن مناتے ہیں، مسلمان بھی جشن منا کر ان کی اتباع کرتے ہیں۔ اس سے ہمیں بچنا چاہیے؛ کیوں کہ حدیث شریف میں ان کی مخالفت کرنے کا حکم آیا ہے۔ (۴) جشن عید میلاد نہ کبھی آپ کے خاندان والوں نے منایا؛ جب کہ وہ کافر تھے اور نہ مسلمان ہونے کے بعد منایا، نہ آپ ﷺ نے اور نہ صحابہؓ نے کبھی منایا؛ اس لیے ہمیں بھی نہیں منانا چاہیے۔ (۵) یہ ایک باطل رسم ہے اس کو ہمیں چھوڑ دینا چاہیے۔

(۷۵) تین کام پر دخول جنت کی گارنٹی

عن عبدِ اللهِ بْنِ سَلَامٍ ﷺ قال: قالَ رسولُ اللهِ ﷺ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَفْشُوا السَّلَامَ،

(۱) الاعتصام: ۱/۲۹.
(۲) الصحيح البخاري: ۲۵۵۰ كتاب الصلح.
(۳) حجة الله البالغة: ص: ۵۰، فیصل پبلیکیشنز دیوبند۔

وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصَلُّوا وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ»(۱).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لوگو! سلام کو رواج دو، غریبوں کو کھانا کھلاؤ، جب لوگ سور ہے ہوں تو نماز پڑھو، بے خطر جنت میں چلے جاؤ گے۔

فائدہ: حدیث شریف میں تین کام کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور ان تینوں کے کرنے کے بعد جنت کی گارنٹی ہے۔

پہلا کام: سلام کو رواج دینا۔ سلام کو اس طور پر عام کرنا کہ ہر مسلمان کو سلام کیا جائے اور ہر ایک کے سلام کا جواب دیا جائے، خواہ ایک دوسرے کو پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو۔ سلام کرنے سے باہمی الفت و محبت پیدا ہوتی ہے اور محبت کی وجہ سے دینی و دنیوی کاموں میں مدد ملتی ہے؛ اس لیے سلام دخول جنت کا سبب ہے۔ سلام کرنے میں تکبر اور تصنع کی بنا پر کسی کو خاص نہیں کرنا چاہیے؛ بلکہ شعائر اسلام کی تعظیم اور مسلم بھائیوں کا خیال کر کے سلام کرنا چاہیے؛ لیکن کفار و منافقین وغیرہ اس سے خارج ہیں(۲)۔

دوسرا کام: محتاجوں کو کھانا کھلانا، اُن کی ضرورت پوری کرنا اور ان کی مدد کرنا ہے۔ یعنی ان کی حاجت خواہ کسی بھی طرح کی ہو، اس کو پوری کرنا، مہمانوں کی ضیافت بھی اس حکم میں داخل ہے۔

تیسرا کام: رات میں جب دنیا سو رہی ہوتی ہے، اس وقت اٹھ کر تہجد کی نماز ادا کرنا۔ تہجد پڑھنے والا بندہ اللہ کے نزدیک بہت محبوب ہوتا ہے، وہ ایسے وقت میں تہجد پڑھتا ہے جو سونے اور غفلت کی نیند کا وقت ہے، اس وقت میں انسان ریاء و سمعہ اور دکھاوے سے محفوظ رہتا ہے؛ اس لیے تہجد کی نماز دخول جنت کا سبب ہے(۳)۔

(۷۶) حقیقی پہلوان کون؟

عَنْ أَبِي هريرةَ رضي اللهُ عنه أَنَّ رسولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ»(٤).

---

(١) الترمذي: ٢٤٨٥، صفة القيامة والرقائق والورع.

(٢) فتح الباري: ٢٠/١.

(٣) مرقاة المفاتيح: ٣٥١/٤.

(٤) البخاري: ٦١١٤، الأدب، باب الحذر من الغضب.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: طاقت ور وہ نہیں ہے جو پچھاڑ دے، بلکہ اصل طاقت ور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔

فائدہ: حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے روحانی اور باطنی طاقت وقوت کا ذکر فرمایا ہے کہ غصہ کی حالت میں اپنے آپ پر قابو پانے والا در اصل طاقت و قوت والا پہلوان ہے۔ لوگ جسے پہلوان کہتے ہیں وہ پہلوان نہیں ہے، کسی کو پچھاڑ دینا پہلوانی نہیں اور نہ طاقت و قوت کی علامت ہے۔

غصہ کی حالت میں انسان کبھی حد سے تجاوز کر جاتا ہے، یہاں تک کہ گالی گلوج پر اتر آتا ہے؛ اس لیے بعض محققین نے فرمایا ہے کہ غصہ شیطانی وسوسہ کی وجہ سے آتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ غصہ کو اللہ پاک نے آگ سے پیدا فرمایا، پھر اس کو انسانی طبیعت میں رکھ دیا اور جب غصہ کی آگ بھڑکتی ہے تو اس کا چہرہ لال ہو جاتا ہے، آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں؛ اس لیے آپ ﷺ نے بار بار فرمایا: " لا تَغضَبْ "غصہ نہ کرو۔ یعنی ایسا کام ہی نہ کرو کہ غصہ آئے، غصہ تو فطری چیز ہے اس کو آتا ہے، لیکن جس وجہ سے آتا ہے اس کام کو ہی چھوڑ دو تو غصہ نہیں آئے گا۔ اسی وجہ سے علامہ ابن بطالؒ نے کہا ہے کہ دشمن سے لڑنے کے مقابلہ میں نفس سے لڑنا اور مجاہدہ کرنا زیادہ سخت ہے[1]۔

(۷۷) کامل اسلام کی علامت

عَنْ أَبِي هُرَيْرة رضی الله عنه قَال قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: '' مِنْ حُسْنِ إسْلامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ ما لا يَعْنِيهِ''[2].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کے دین کی خوبی یہ ہے کہ وہ فضول باتوں کو چھوڑ دے۔

فائدہ: یہ حدیث شریف اُن چار احادیث میں سے ایک ہے جن پر اسلام کا مدار ہے۔

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۲۹۲/۹، فتح الباري: ۶۰۶/۱۰.

(۲) الترمذي: ۲۳۱۷، الزهد عن رسول الله ﷺ.

حدیث میں ایمان کے اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے۔اس حدیث پر جو شخص جتنا زیادہ عمل کرے گا،اس کا ایمان اتنا ہی اعلیٰ ہو گا اور وہ بندہ بھی اتنا ہی اعلیٰ درجہ پر فائز ہو گا۔ محاسن اسلام کی جتنی قسمیں ہیں اور کمال ایمان تک پہنچنے کے جتنے راستے ہیں، ان میں سے ایک ہے لایعنی باتوں اور فضول ولغو کاموں کو چھوڑ دینا۔ایسا کام جو دینی اور دنیوی اعتبار سے بے فائدہ ہو،رضاء الٰہی کو شامل نہ ہو اس سے بچنا۔

اللہ پاک نے قرآن کریم میں کامیاب اور کامل مؤمنین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:﴿ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ* الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ* وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللغْوِ مُعْرِضُونَ ﴾یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے؛جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہوں؛اور لغویات سے دور رہتے ہیں (۱)۔

ان مذکورہ آیات کے فائدہ میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ فضول اور بے کار مشغلوں میں وقت ضائع نہیں کرتے، کوئی دوسرا شخص لغو اور نکمی بات کہے تو ادھر سے منہ پھیر لیتے ہیں،ان کو وظائف عبودیت سے اتنی فرصت ہی نہیں ہوتی کہ ایسے بے فائدہ جھگڑوں میں اپنے کو پھنسائیں (۲)۔

دنیا چونکہ آخرت کی کھیتی ہے، اس لیے مسلمانوں کو ہمیشہ اچھی باتیں اور اچھے کام کرنے چاہیے۔ان کو بے ہودہ کام سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔انسان جب ذہنی، فکری، عملی اور قولی اعتبار سے بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے گا؛تو اس کا ایمان واسلام اعلیٰ درجہ کا ہو جائے گا (۳)۔

(۷۸)دو اہم نعمتوں کا ذکر

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ قال: قال النبيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فيهما كثيرٌ مِنَ النَّاسِ، الصِّحَّةُ والفَرَاغُ» (٤).

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دو نعمتیں ایسی ہیں کہ بہت

(۱) سورة المؤمنون: ۱-۳ تفهيم القرآن.
(۲) المؤمنون: ۳ تفسير عثماني.
(۳) مرقاة المفاتيح: ۹/۷۶.
(٤) البخاري: ٦٤١٢، الرقاق، لا عيش إلا عيش الآخرة.

سارے لوگ اس کی قدر نہیں کرتے، صحت اور فرصت۔

فائدہ: صحت اور فرصت یہ دونوں بہت بڑی نعمتیں ہیں: بلکہ یہ کہا جائے کہ ایمان واسلام کے بعد جتنی بھی نعمتیں ہیں، ان سب کا دار و مدار انہیں دو نعمتوں پر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حدیث شریف میں انہیں دو نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے کیوں کہ اکثر لوگ ان نعمتوں کی قدر نہیں کرتے؛ بلکہ ان دونوں نعمتوں کو یونہی ضائع کر دیتے ہیں۔ اعمال صالحہ کر کے ذخیرہ آخرت نہیں بناتے؛ جب کہ اس کی اہمیت کا اندازہ اہل جنت کو بھی اس وقت ہو گا جب وہ وہاں پہنچ چکے ہوں گے۔ اور اس وقت انہیں ان اوقات کے گزرنے کا افسوس ہو گا، جن اوقات میں انھوں نے اللہ کا ذکر نہیں کیا تھا۔ جب صحت اور وقت دونوں ختم ہو جاتے ہیں، یا دونوں میں سے ایک ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو افسوس ہوتا ہے؛ لیکن یہ افسوس اور ندامت کام نہیں آتی[1]۔

قرآن کریم نے اس وقت کا نقشہ یوں کھینچا ہے: ﴿ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴾ ترجمہ: پھر وہ (بطور تمنا و حسرت) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اور تھوڑے دنوں کیوں مہلت نہ دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا[2]۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جس نے اپنے فارغ وقت اور صحت کی حالت کو اللہ کی اطاعت و فرماں برداری میں خرچ کیا، وہ دونوں جہاں میں خوشی اور فائدے میں ہے۔ اس کے برخلاف جس نے ان دونوں چیزوں کی قدر نہیں کی اور اللہ کی نافرمانی میں وقت گنوا دیا؛ وہ خسارے میں ہے[3]۔

(۷۹) آگ سے سزا دینے کا حکم

عن عبدِ الله بنِ مسعودٍ رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: «إنَّهُ لا يَنْبَغِي أنْ

(۱) مرقاة المفاتيح: ۹/۳٤۹.
(۲) المنافقون: ۱۰/بیان القرآن.
(۳) فتح الباري: ۱۱/۲٦۰.

يُعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ»[1].

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: آگ سے عذاب دینا پروردگار کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔

فائدہ: اس حدیث کا پس منظر ایک حادثہ ہے، جو ایک سفر میں پیش آیا تھا۔ آپ ﷺ قضاءِ حاجت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک چڑیا دیکھی جس کے دو بچے تھے، ہم نے ان بچوں کو پکڑ لیا، تو چڑیا زمین پر آکر پر بچھانے لگی، اتنے میں آپ ﷺ تشریف لے آئے اور پوچھا: اِس کا بچہ پکڑ کر کس نے اس کو بے قرار کیا ہے؟ اس کا بچہ دیدو! پھر آپ ﷺ کی نظر چیونٹیوں کے ایک سوراخ پر پڑی جس کو ہم نے جلادیا تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کس نے جلایا؟ ہم نے کہا: کہ ہم نے جلایا، اس پر آپ ﷺ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی۔

ملا علی قاریؒ نے قاضی عیاضؒ اور طیبیؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اللہ پاک نے کفار کو آگ کا عذاب دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہ سب سے سخت عذاب ہے؛ اس لیے نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو کسی جاندار کو آگ کا عذاب دینے سے منع فرمایا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آگ کو لوگوں کے فائدہ کے لیے پیدا کیا ہے؛ اس لیے نقصان اور تکلیف دینے میں اس کا استعمال صحیح نہیں ہے۔ رہی بات اللہ پاک کے عذاب دینے کی؛ تو وہ آگ کا خالق و مالک ہے، جس طرح چاہے اور جس کے لیے چاہے اس کو استعمال کر سکتا ہے[2]۔

(۸۰) مؤذن کی فضیلت

عن مُعاوِيَةَ ﷺ قال: سَمِعْتُ رسولَ اللهِ ﷺ يقولُ: «الْمُؤَذِّنُونَ أَطْوَلُ النَّاسِ أَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»[3].

(۱) أبو داود، ۲٦٧٥، الجهاد، كراهية حرق العدو بالنار.
(۲) مرقاة المفاتيح: ۹۹/۷.
(۳) صحيح مسلم: ۳۸۷، الصلاة، فضل الأذان.

ترجمہ: حضرت امیر معاویہؓ سے مروی ہے کہ میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن اذان دینے والوں کی گردن تمام لوگوں سے لمبی ہوگی۔

فائدہ: حدیث شریف میں مؤذن کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس میں لوگوں کے لیے اذان دینے کی ترغیب ہے، قیامت کے دن سب سے زیادہ لمبی گردن مؤذن کی ہوگی۔ علماء نے اس کے کئی مطالب بیان کیے ہیں، مثلاً قیامت کے دن مؤذن حضرات بہت زیادہ ثواب اور مرتبہ کے مالک ہوں گے، یا وہ اپنے مصلیوں کے سردار ہوں گے، یا اللہ پاک مؤذنوں کو قیامت کے دن جب کہ لوگ اپنے اعمال کے بقدر کانوں اور سروں تک پسینہ میں ڈوبے ہوئے ہوں گے، اپنا قرب خاص عطا فرمائیں گے۔ اُس وقت یہ لوگ اس عذاب سے محفوظ ہوں گے۔ اور یہ خاص مقام ملنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں لوگوں کو نماز اور بھلائی کی طرف بلاتے تھے[1]۔

(۸۱) پانچوں نمازوں کی مثال

عَن جَابِرٍ رضِيَ اللهُ عنه قَالَ: قَالَ رَسولُ اللهِ ﷺ: «مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الخَمسِ كَمَثَلِ نَهرٍ جارٍ غَمرٍ علَى بابِ أحَدِكُمْ يَغتَسِلُ مِنهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمسَ مَرَّاتٍ»[2].

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچوں نمازوں کی مثال اس گہری اور جاری نہر کی سی ہے، جو تم میں سے کسی کے دروازے پر ہو، جس سے وہ روزانہ پانچ بار غسل کرتا ہو۔

فائدہ: حدیث شریف میں نماز کی فضیلت واہمیت کا بیان ہے۔ بخاری کی ایک روایت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے پوچھا: اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر ایک نہر ہو، جس میں وہ روزانہ پانچ بار غسل کرتا ہو؛ تو تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ بدن پر کچھ میل کچیل باقی رہے گا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کچھ بھی باقی نہیں رہے گا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہی مثال

---

(۱) فتح الملهم: ۲۲۲/۳- مرقاة المفاتيح: ۳۲۵/۲.
(۲) صحيح مسلم: ٦٦٨.

ہے پانچوں نمازوں کی، کہ اللہ پاک ان نمازوں کی برکت سے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے[1]۔

یہ بات ہمارے سمجھنے کی ہے کہ گناہ سے مراد گناہ صغیرہ ہے، کبیرہ نہیں ہے؛ کیوں کہ حدیث شریف میں اس کی صراحت آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچوں نمازوں کا درمیانی حصہ اور جمعہ سے جمعہ تک کا درمیانی حصہ، گناہوں کا کفارہ ہے۔ (یعنی ایک نماز پڑھنے کی اور جمعہ پڑھنے کی یہ فضیلت ہے کہ دوسرے نماز تک اور دوسرے جمعہ تک کے درمیان کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے) جب تک کہ کبائر (یعنی گناہ کبیرہ) نہ کیا ہو[2]۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ نماز کی ادائیگی سے انسان صغائر سے پاک وصاف ہوتا رہتا ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ آداب وسنن کی رعایت کے ساتھ نماز ادا کی جائے، اور گناہ کبیرہ کے لیے توبہ شرط ہے اور حق والوں کا حق ادا کرنا ضروری ہے۔

(۸۲) ہدیہ اور دعوت قبول کرنا مسنون ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَوْ دُعِيتُ إِلَى ذِرَاعٍ أَوْ كُرَاعٍ لَأَجَبْتُ، وَلَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ ذِرَاعٌ أَوْ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ»[3].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر مجھے بازو اور پائے کی بھی دعوت دی جائے تو میں اسے قبول کرلوں گا، اور اگر بازو یا پائے کا تحفہ بھیجا جائے؛ تو اسے بھی قبول کرلوں گا۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں دو باتوں کا ذکر ہے: پہلی بات یہ ہے کہ دعوت یا ہدیہ قبول کرنا چاہیے اور دوسری بات یہ ہے کہ دعوت یا ہدیہ خواہ قریب کا ہو یا دور کا، ہدیہ کی چیز کم ہو یا زیادہ، معمولی ہو یا غیر معمولی، اسے قبول کرنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ چاہے مجھے بکری کے پیر کی دعوت دی جائے یا بکری کا پیر ہدیہ میں دیا جائے، میں اس کو قبول کروں گا۔ دوسری بات امام غزالی اور

---

(۱) صحيح البخاري: ٥٢٨، كتاب مواقيت الصلاة.
(۲) مسند احمد: ٨٧١٥، عن ابي هريرة.
(۳) البخاري: ٢٥٦٨، الهبة وفضلها، القليل من الهبة.

دیگر علماء نے یہ لکھا ہے کہ " کُرَاعْ" سے مراد وہ جگہ ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے، یا اس سے مراد "کُراعُ الغَمِیم" ہے، جو عُسفان کے قریب ایک مقام ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی مجھ کو دعوت دے اور بہت دور جانا پڑے؛ تب بھی میں اس کی دعوت قبول کروں گا(۱)۔

نبی کریم ﷺ نے ہدیہ واپس کرنے کو ناپسندیدہ عمل قرار دیا ہے۔ ابن حجرؒ نے طبرانی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ام حکیم بنت ودّاع نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہدیہ ناپسند اور مکروہ سمجھتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: ہدیہ کو واپس کرنا بہت بُری بات ہے(۲)۔

(۸۴) سب سے اچھا کون؟

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضي اللهُ عنه قال: لَمْ يَكُنِ النبيُّ ﷺ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا، وكان يقولُ: «إِنَّ مِنْ خِيارِكُمْ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا»(۳).

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمروؓ نے فرمایا: کہ نبی کریم ﷺ نہ تو طبعاً فحش گو تھے اور نہ بہ تکلف فحش بات کرتے تھے، اور فرماتے تھے: "تم میں بہتر وہ لوگ ہیں، جن کے اخلاق اچھے ہوں"۔

فائدہ: امام بخاریؒ نے باب صفۃ النبی ﷺ میں، نبی کریم ﷺ کی صفات عالیہ کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کی ایک خاص صفت یہ تھی جو اس حدیث میں مذکور ہے، یعنی آپ ﷺ نہ تو طبعاً بدزبان اور بدکلام تھے اور نہ جان بوجھ کر، بہ تکلف بدزبانی یا بدکلامی کرتے تھے۔

حضرت عائشہؓ سے کسی نے آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا تو حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ آپ بدزبان اور بدکلام نہیں تھے، نہ بازاروں میں شور و شغب کرنے والے تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے۔ اس سے یہ سمجھ میں آیا کہ آپ ﷺ کے اخلاق بہت اعلیٰ وارفع

(۳) البخاري: ۳۵۵۹، كتاب المناقب، صفة النبي ﷺ.

(۱) مرقاة المفاتيح: ۲۹۲/٤.

(۲) فتح الباري: ۱۷٦/۹.

تھے۔ ایک بار کسی کے سوال کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کے اخلاق قرآن ہیں۔ یعنی آپ کی زندگی قرآن کا نمونہ تھی۔ آپ اعلیٰ اخلاق کے حامل تھے اور فرماتے تھے کہ جو اخلاق کے اعتبار سے اچھا ہو، وہ تم میں سب سے بہتر ہے[1]۔

(۸۴) اللہ کی نعمتوں کا اظہار

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضي اللهُ عنهما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ اللهَ يُحِبُّ أَنْ يَرَى أَثَرَ نِعْمَتِهِ علَى عبدِهِ»[2].

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "اللہ پاک اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ وہ اپنے بندہ پر اپنی نعمت کا اثر دیکھے"۔

فائدہ: حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اللہ پاک نے اپنے کسی بندہ کو دنیاوی نعمتیں عطا فرمائی ہیں؛ تو اس کو چاہیے کہ ان نعمتوں کو استعمال کرے؛ لیکن استعمال کرنے میں اسراف نہ کرے اور نہ غرور و تکبر کا جذبہ ہو، ان نعمتوں کے استعمال کا مقصد اللہ پاک کی شکر گزاری ہو، ورنہ یہ کفرانِ نعمت ہو جائے گا۔ اظہارِ نعمت کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ غرباء و فقراء حضرات اس شخص کو نعمتوں میں دیکھ کر، اپنی ضروریات کے لیے اس کے پاس آئیں گے، جس سے غرباء و فقراء کی بھی ضرورتیں پوری ہوں گی اور اہل نعمت کے لیے ذخیرۂ آخرت بنے گا۔

حدیث شریف میں نعمت سے مراد ہر قسم کی نعمت ہے۔ چاہے وہ مال و دولت کی نعمت ہو یا صحتِ جسمانی کی نعمت، فراغ وقت کی نعمت ہو یا علم کی دولت، سب شامل ہیں۔ علماء کو بھی چاہیے کہ علم کی صورت میں جو نعمت اللہ نے ان کو دی ہے، کھل کر اس نعمت کا اظہار لوگوں کے سامنے کریں، اپنے علم پر عمل کریں اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ عوام تک دینی باتیں پہنچائیں؛ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان

(۱) فتح الباري: ۷۱۱/۶.

(۲) جامع الترمذي: ۲۸۱۹.

سے استفادہ کر سکیں(۱)۔

(٨٥) جمعہ کے دن درود شریف کی کثرت

عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ ﷺ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ؛ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ». قَالَ: فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرِمْتَ؟ قَالَ: «إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِمْ»(٢).

ترجمہ: حضرت اوس ابن اوسؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جمعہ کا دن تمہارے بہترین دنوں میں سے ہے۔ اس دن کثرت سے مجھ پر درود بھیجا کرو؛ اس لیے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے؛ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول آپ قبر میں بوسیدہ ہو چکے ہوں گے تو ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ پاک نے زمین پر انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والتسلیم کا جسم حرام کر دیا ہے۔

فائدہ: نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجنا محبوب ترین اور مقبول ترین عمل ہے۔ اللہ پاک نے خود بھی آپ کی قصیدہ خوانی فرمائی ہے اور امت محمد ﷺ کو بھی اس کا حکم فرمایا ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿ إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ ترجمہ: بے شک اللہ تعالی اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو، اور خوب سلام بھیجا کرو(۳)۔

یوں تو کسی بھی دن کسی بھی وقت درود شریف پڑھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مجھ پر ایک بار درود پڑھا اللہ پاک اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا(۴)۔ اور بعض روایتوں میں اضافہ ہے کہ دس گناہ بھی معاف ہوں گے اور دس درجات بلند ہوں گے(۵)۔

---

(١) مرقاة المفاتيح: ٨/٢٢٣.

(٢) أبوداود: ١٥٣١، الصلاة، باب في الاستغفار

(٣) سورة الاحزاب: ٥٦، آسان ترجمہ قرآن۔

(٤) صحيح مسلم: ٤٠٨، الصلاة، الصلاة على النبي ﷺ

(٥) سنن النسائي: ١٢٩٧.

اس حدیث شریف میں جمعہ کے دن درود شریف پڑھنے کی تاکید کی جارہی ہے؛ چوں کہ جمعہ کا دن ہفتہ کا افضل ترین دن ہے اور نبی کریم ﷺ افضل ترین انسان ہیں، اولادِ آدم کے سردار ہیں اور درود شریف افضل ترین عبادتوں میں سے ہے؛ تو افضل ترین دن میں افضل ترین انسان پر، درود بھیجنا افضل ترین عبادت ہے۔

سید الایام میں سید الانام پر کثرت سے درود شریف پڑھنا افضل عمل ہے۔ جب ہم درود شریف پڑھیں گے؛ تو اللہ پاک اس درود کو نبی پاک ﷺ تک فرشتوں کے ذریعہ پہنچائے گا[1]۔

(۸۶) تین چیزیں صدقۂ جاریہ ہیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ؛ إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ»[2].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب انسان مرجاتا ہے؛ تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے، سوائے تین اعمال کے: صدقۂ جاریہ، یا ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے، یا نیک بیٹا جو اس کے لیے دعاء مغفرت کرے۔

فائدہ: حدیث شریف میں ایسے تین کاموں کی نشان دہی کی گئی ہے، جو آخرت میں یعنی مرنے کے بعد سے جنت میں جانے تک، صرف یہی کام انسان کے فائدے کے ہیں۔ اس کے علاوہ جتنے بھی کام ہیں، اس کا فائدہ دنیا تک یا دنیاوی زندگی تک ہی محدود ہے، البتہ اعمال صالحہ کا ذخیرہ رہے گا۔ جب انسان مرجاتا ہے تو نماز ختم، روزہ ختم، حج اور زکاۃ سب ختم؛ جو اعمال کرلیا اس کا ثواب ذخیرہ کے طور پر جمع ہے۔ اب یہ اعمال مرنے کے بعد نہیں کرسکتا اور نہ اس کا ثواب جاری رہتا ہے، مگر اس حدیث کی روشنی میں مذکور تینوں چیزوں کا ثواب ہمیشہ جاری وساری رہتا ہے۔ وہ تین اعمال یہ ہیں:

پہلا عمل: صدقۂ جاریہ ہے، مثلاً کوئی مسجد بنادی، کسی بچہ کو عالم یا حافظ بنادیا، کسی یتیم یا بیوہ

---

(۱) مرقاۃ: ۳/۱۰۹۔

(۲) صحیح مسلم: ۱۶۳۱، الوصیۃ، ما یلحق ... الثواب۔

کا گھر بنوادیا، تو جب تک اس مسجد سے، اس عالم یا حافظ سے یا اس گھر سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں گے؛ صدقہ کرنے والے کے لیے ثواب جاری رہے گا۔

دوسرا عمل: علم نافع؛ علم نافع سے مراد اللہ کی ذات وصفات اور شریعت محمد ﷺ کا علم جس میں قرآن وحدیث اور تفسیر وفقہ سب شامل ہیں۔ اس طور پر کہ خود بھی سیکھا اور دوسروں کو بھی سکھایا۔ پھر اس کے شاگردوں نے تیسرے کو سکھایا، اس طور پر یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے اور اس کا ثواب بھی جاری رہتا ہے۔

تیسرا عمل: اولاد صالحہ ہے، جو والدین کے لیے مرنے کے بعد دعا کریں۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ: مرنے کے بعد نیک اولاد کو دعا کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، بغیر دعا کیے ہوئے ہی اس کا ثواب صرف اس وجہ سے ملتا رہے گا، کیوں کہ اس نے اپنی اولاد کو نیک بنایا تھا[۱]۔

علامہ طیبی شافعی شارح مشکاۃ نے لکھا ہے کہ حدیث شریف میں صدقہ جاریہ کا شوق اور اس کی رغبت دلائی گئی ہے[۲]۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ صرف صدقۂ جاریہ ہی نہیں؛ بل کہ حدیث پاک میں علم دین سیکھنے، سکھانے اور اپنی اولاد کو اسلامی تربیت دینے اور دلانے کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے، یا یوں کہا جائے کہ ہر کار خیر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

(۸۷) تین چیزوں کی خصوصی وصیت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أَوْصَانِي خَلِيلِي بِثَلَاثٍ، لَا أَدَعُهُنَّ حَتَّى أَمُوتَ: صَوْمِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ، وَصَلَاةِ الضُّحَى، وَنَوْمٍ عَلَى وِتْرٍ[۳].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ میرے دوست آں حضرت ﷺ نے مجھ کو تین باتوں کی وصیت کی ہے، میں ان کو مرتے دم تک نہیں چھوڑوں گا: ہر مہینے تین دنوں کا روزہ، چاشت کی نماز اور

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۴۱۲/۱

(۲) طیبی: ۳۹۹/۱

(۳) البخاري: ۱۱۷۸، التهجد، صلاۃ الضحی في الحضر.

وتر پڑھ کر سونا۔

فائدہ: حدیث شریف میں تین چیزوں کا ذکر ہے۔ ان میں سے پہلی چیز: ہر ماہ تین دن کا روزہ ہے، اِس کا ذکر یہاں کیا جائے گا۔ دوسری چیز: چاشت کی نماز ہے، اِس کی تفصیل حدیث نمبر ۴۷ کے تحت گزر چکی ہے اور تیسری چیز: وتر کی نماز ہے جو واجب ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے تین کاموں کی نصیحت کی ہے، یہ تینوں کام میں مرتے دم تک کرتا رہوں گا: ان میں سے ایک کام ہے، ہر ماہ تین دن کے روزے رکھنا۔ حدیث شریف میں دنوں کی تعیین نہیں کی گئی ہے؛ اِس لیے اکثر علماء و محدثین نے یہاں پر یہ فرمایا کہ "هي أيام البيض" یعنی ان تین دنوں سے مراد ایام بیض کے روزے ہیں، بعض علما نے فرمایا ہے کہ اس جملہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں جن روزوں کا ذکر ہے، وہ ایام بیض کے علاوہ ہیں۔ ایام بیض کی فضیلت ان شاء اللہ آئندہ ذکر کی جائے گی۔

ترمذی شریف کی ایک روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر ماہ کے شروع میں تین روزہ رکھتے تھے[1]۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ روزے ایام بیض کے علاوہ ہیں؛ کیوں کہ ایام بیض: ۱۳ ، ۱۴ اور ۱۵ تین ایام ہیں۔ بہر حال جو بھی ہو آپ ﷺ نے ہر ماہ تین دن کا روزہ رکھا ہے اور حکم بھی دیا ہے۔ اگر کوئی یہی روزے ایام بیض میں رکھے؛ تو اس کو دونوں فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

روزہ خواہ رمضان کا ہو یا نفل اس کے بے شمار فوائد ہیں۔ اللہ پاک نے روزہ کے سب سے بڑے فائدہ کا ذکر اس طرح کیا ہے: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُون﴾[2]. یعنی روزہ کا مقصد حصولِ تقوی ہے۔ تقوی کا مفہوم عام فہم لفظوں میں خوفِ الٰہی ہے، اللہ کا ڈر جس کے اندر آجائے وہ کامیاب ہے۔

---

(۱) جامع الترمذي: ۷۴۲.

(۲) البقرة: ۱۸۳.

(۸۸) سب سے اچھی اور بری جگہ

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضي اللهُ عنه، أنَّ رسولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قالَ: «أَحَبُّ البِلادِ إِلَى اللهِ مَسَاجِدُهَا، وأبْغَضُ البِلادِ إِلَى اللهِ أسْوَاقُهَا»(۱).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی کے نزدیک تمام جگہوں میں سب سے پسندیدہ جگہ مسجدیں ہیں اور سب سے ناپسندیدہ جگہ بازار ہیں۔

فائدہ: حدیث شریف میں بلا ضرورت بازار کا چکر لگانے پر تنبیہ ہے۔ اللہ کے نزدیک بازار مبغوض ترین جگہ ہے۔ معلوم ہوا کہ جو بلا وجہ بازاروں میں اٹھنا بیٹھنا کرتے ہیں، اللہ کی ناراضگی ان کے ساتھ رہتی ہے۔ اس وعید میں وہ لوگ داخل نہیں ہیں، جو کسب حلال اور خرید و فروخت کی غرض سے بازار میں رہتے ہیں۔ بر خلاف مسجدوں کے کہ اللہ کے نزدیک وہ محبوب ترین جگہیں ہیں۔ پس جو لوگ مساجد میں اپنا زیادہ وقت دیتے ہیں، اللہ پاک ان کے ساتھ ہمیشہ خیر کا معاملہ فرماتا ہے۔

اس کو شریعت اسلامیہ کا حسن ہی کہیں گے کہ اس کا پیش کردہ ہر نظام مختلف قسم کی خوبیوں کو سموئے ہوئے ہے۔ یقیناً پنج وقتہ فرض نمازیں ایسی عبادت ہے جو خالص اللہ کے لیے ہے۔ ہر نماز کے لیے لوگوں کے جمع کرنے کے طریقہ کو اذان، پھر ان نمازوں کے لیے جمع ہونے کی جگہ کو مسجد کہتے ہیں۔ مساجد اللہ کے قرب اور اس کے تجلیات کے نزول کی جگہ ہے؛ جب کہ بازار شیطانوں کے عمل حرص و طمع اور خیانت کی جگہ ہے۔ آپ ﷺ نے مسجد کو متقیوں کا ٹھکانہ قرار دیا ہے(۲)۔

(۸۹) دجال کی پہچان

عَنْ أَنَسٍ ﷺ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَا بُعِثَ نَبِيٌّ إِلَّا أَنْذَرَ أُمَّتَهُ الأَعْوَرَ الْكَذَّابَ، أَلَا إِنَّهُ أَعْوَرُ، وَإِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ، وَإِنَّ بَيْنَ عَيْنَيْهِ مَكْتُوبٌ " كَافِرٌ "»(۳).

---

(۱) صحيح مسلم: ۶۷۱.
(۲) مرقاة المفاتيح: ۳۴۷/۲
(۳) البخاري: ۷۱۳۱ كتاب الفتن، باب ذكر الدجال.

ترجمہ: حضرت انسؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: جو بھی نبی آیا اس نے اپنی امت کو جھوٹے دجال سے ضرور ڈرایا، خبردار! وہ کانا ہے اور تمہارا پروردگار کانا نہیں ہے، اس کانے کی پیشانی پر کافر لکھا ہوا ہے۔

فائدہ: دجل کے معنی فریب، دھوکہ اور چھپانے کے آتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے دیگر انبیاء کی طرح اپنی امت کو کانے دجال سے ڈرایا ہے۔ فرمایا کہ خبردار اس کی دو علامتیں یاد رکھو! اس کی پیشانی پر کافر لکھا ہوگا اور دوسری علامت یہ ہے کہ وہ کانا ہوگا۔ یہ دونوں ظاہری علامتیں ہیں۔ ان علامتوں کو دیکھ کر ہوشیار ہو جانا۔ دجال کا فتنہ عام ہوگا، مگر مدینہ طیبہ (زَادَھا اللہُ شرفًا وکرامۃً) دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا[1]۔

حافظ ابن حجرؒ نے قرطبیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ دجال اصفہان سے نکلے گا، اس کی صفت یہ ہوگی کہ کانا ہوگا اور اس کی پیشانی پر (کافر) یا (ک ف ر) لکھا ہوگا۔

دجال لوگوں کو اس طرح دھوکہ دے گا کہ وہ لوگوں کو دین محمدی کی طرف بلائے گا اور اسلام ظاہر کرے گا۔ اسلام پر عمل بھی کرے گا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ نبوت کا دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے۔ چناں چہ یہ سن کر عقل مند لوگ اس سے جدا ہو جائیں گے، پھر چند دنوں بعد خدائی کا دعویٰ کرتے ہوئے کہے گا کہ میں اللہ ہوں، پھر اللہ کے حکم سے اس کی آنکھیں ڈھانپ دی جائیں گی، اس کے کان کاٹ دیے جائیں گے اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھ دیا جائے گا۔ پھر ہر مسلمان اس کو پہچان لے گا اور ہر وہ شخص جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا، وہ اس سے الگ ہو جائے گا[2]۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ جنت اور جہنم جیسی چیز بھی لائے گا اور لوگوں کے سامنے پیش کرے گا، جس کو وہ جنت کہے گا، در حقیقت میں وہ جہنم ہوگی[3]۔

---

(۱) صحیح البخاري: ۷۱۳٤، الفتن، لا ... المدینۃ.
(۲) فتح الباري: ۱۳/۱۰۹.
(۳) صحیح البخاري: ۳۳۳۸.

(۹۰) مسلمان کے خلاف ہتھیار اٹھانا

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ، فَلَيْسَ مِنَّا»[1].

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ، نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہمارے خلاف ہتھیار اٹھایا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

فائدہ: حدیث نمبر: ۶۵ میں گزرا ہے کہ مسلمان کو قتل کرنا یا ان سے قتال کرنا کفر ہے اور ان کو گالی دینا گناہ ہے۔ یہاں یہ ذکر ہے کہ مسلمان کے خلاف ہتھیار اٹھانا یا ہتھیار سے اشارہ کرنا کیسا ہے؟ مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر بہت ساری وعیدیں آئی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے؛ کیوں کہ وہ نہیں جانتا کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے ہتھیار چلوا دے اور وہ شخص جہنم کے گڑھے میں گر جائے[2]۔ دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے اپنے بھائی کی طرف لوہے سے اشارہ کیا؛ تو جب تک وہ اشارہ کرنے سے باز نہ آئے گا، فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے، اگرچہ وہ اس کا سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو[3]۔

نبی کریم ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی طرف بھی ہتھیار سے اشارہ نہ کرے، خواہ اس شخص سے عداوت و دشمنی ہی کیوں نہ ہو؛ حتی کہ مذاق میں بھی کسی کو ہتھیار نہ دکھائے۔ یہاں پر ایک بات سمجھنے کی ہے کہ جب مسلمان کی طرف ہتھیار سے صرف اشارہ کرنا فرشتوں کی لعنت کا سبب ہے؛ تو اس کو قتل کرنا، اذیت دینا، پٹائی کرنا، یا اس کو زخمی کرنا، اللہ پاک کے یہاں کس قدر سنگین جرم ہوگا! اللہ اکبر!

نوٹ: خودکش حملہ بھی اس وعید میں داخل ہے۔ اس کو کسی طرح اسلامی قرار نہیں دیا

---

(۱) البخاري: ۷۰۷۰، الفتن، قول النبي ... السلاح.

(۲) البخاري: ۷۰۷۲، الفتن، قول النبي ... السلاح

(۳) صحيح مسلم: ۲۶۱٦، البر والصلة.

جاسکتا؛ کیوں کہ اس میں معصوم جانوں کا ضیاع ہے۔ اللہ ایسے لوگوں کی ہدایت فرمائے۔ آمین!

ربیع الثانی

(۹۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوہ کی تعداد

عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ كُنْتُ إِلَى جَنْبِ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ فَقِيلَ لَهُ: كَمْ غَزَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَزْوَةٍ؟ قَالَ: تِسْعَ عَشْرَةَ. قِيلَ: كَمْ غَزَوْتَ أَنْتَ مَعَهُ؟ قَالَ: سَبْعَ عَشْرَةَ. قُلْتُ: فَأَيُّهُمْ كَانَتْ أَوَّلَ؟ قَالَ الْعُسَيْرَةُ، أَوِ الْعُشَيْرُ. فَذَكَرْتُ لِقَتَادَةَ، فَقَالَ: الْعُشَيْرُ[1].

ترجمہ: ابواسحاقؒ سے روایت ہے کہ میں زید ابن ارقمؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا؛ تو ان سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنے غزوے کیے؟ انہوں نے کہا: انیس۔ پوچھا گیا کہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کتنے غزوے کیے؟ کہا: سترہ۔ میں نے پوچھا: سب سے پہلا غزوہ کون سا تھا؟ فرمایا عسیرہ یا عشیرہ۔

فائدہ: الحمدللہ ماہ ربیع الاول ختم ہو کر ربیع الثانی شروع ہو گیا۔ پیچھے جو احادیث ہم نے پڑھی یا سنی ہیں، اللہ پاک ہمیں ان احادیث پر عمل کرنے والا بنائے۔ آمین!

مذکورہ حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوہ کی تعداد بتائی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کون سا غزوہ کیا ہے۔ حضرت زید ابن ارقمؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (۱۹) غزوات کا ذکر کیا ہے؛ لیکن یہ ان کی معلومات کے حساب سے ہو سکتا ہے کہ وہ بعض غزوات میں شریک نہ ہوئے ہوں؛ کیوں کہ سیرت اور غزوات کے ماہر مورخین کا اتفاق ہے کہ کل غزوے کی تعداد ستائیس ہے اور کل سرایا کی تعداد: ۴۷ ہے۔ صاحب المغازی ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے غزوے کا نام غزوۂ ابواء ہے۔ اس کو غزوۂ وَدّان بھی کہتے ہیں۔ اس غزوہ میں کسی طرح کا معرکہ نہیں ہوا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفر اور ربیع الاول کے چند دن وہاں مقیم رہے[2]۔

---

(۱) صحیح البخاري: ۳۹۴۹، للمغازي، غزوة العشيرة.

(۲) ابن هشام: ۳۱۲ دار ابن الجوزي، القاهرة.

اس کے بعد جو غزوہ ہوا وہ غزوۂ بُواط ہے۔ نبی کریم ﷺ نے قریش کے ایک قافلہ کی طرف کوچ کیا تھا، جس کا سربراہ امیہ ابن خلف تھا، اور اس میں پانچ سو اونٹ تھے۔ اس قافلہ کا سارا مال مسلمانوں کی سرکوبی اور ان سے لڑائی کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ مگر جب آپ ﷺ پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ قافلہ نکل چکا ہے۔ اس کی تاریخ کے بارے ابن اسحاق کے حوالہ سے علامہ عینیؒ شارح بخاری نے لکھا ہے کہ ربیع الاول 2ھ میں، نبی کریم ﷺ دو سو سوار صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکلے اور سعد بن ابی وقاصؓ کو اس قافلہ کا جھنڈا مرحمت فرمایا۔ مدینہ میں سائب بن عثمان بن مظعون یا سعد بن معاذ کو امیر بنایا۔ ربیع الآخر کا پورا مہینہ اور جمادی الاولیٰ کے بعض ایام اسی غزوہ کے سفر میں بواط اور اس کے نواح میں موجود رہے[1]۔

شیخ التفسیر مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ ماہ ربیع الاول، یا ربیع الآخر/ ۲ھ میں دو سو گھوڑ صحابہ کو لے کر قریش کے اس قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے نکلے[2]۔ اور ابن ہشام نے بھی وہی تاریخ لکھی ہے جو علامہ عینی کے حوالہ سے گذری کہ ربیع الاول میں نکلے اور ربیع الآخر پورا مہینہ اور جمادی الاولیٰ کے بعض ایام وہاں ٹھہرے[3]۔

(۹۲) پانی میں پیشاب نہ کرو

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ، ثُمَّ يَغْتَسِلُ مِنْهُ» [4].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے، پھر اس میں نہائے"۔

فائدہ: یہاں جس پانی میں پیشاب کرنے اور پھر اس میں نہانے سے روکا جارہا ہے، اس

---

(۱) عمدة القاري: ۱۰۶/۱۷ – ۱۰۵.
(۲) سيرة المصطفى: ۴۷/۲.
(۳) ابن هشام: ۳۱۷.
(۴) صحيح مسلم: ۲۸۲، الطهارة، النهي ... للماء الراكد.

سے ماءِ قلیل یعنی تھوڑا پانی مراد ہے؛ کیوں کہ ماءِ کثیر یعنی زیادہ پانی پیشاب وغیرہ سے ناپاک نہیں ہوتا، اور زیادہ سے مراد ایک یا دو بالٹی نہیں بلکہ بہت زیادہ جس کی مقدار علماء سے معلوم کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح جاری پانی بھی ناپاک نہیں ہوتا؛ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ زیادہ پانی میں یا جاری پانی میں پیشاب کیا جائے، یا گندگی ڈالی جائے۔ بعض علماء نے مطلق پانی ہی میں پیشاب کرنے کو منع فرمایا ہے۔

ماءِ قلیل کی ممانعت تو ظاہر ہے، ماء کثیر میں پیشاب وپاخانہ کرنے اور گندگی ڈالنے سے اس لیے منع کیا جاتا ہے کہ اگر ایک کرے گا؛ تو اس کا دیکھا دیکھی دوسرے بھی اس کو گندا کرنے لگیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عمومی طور پر سب ہی لوگ اس میں گندگی کریں گے۔ جس کی وجہ سے پانی رفتہ رفتہ بدلنے لگے گا اور پھر پانی کا رنگ، بو اور مزہ تینوں یا ان میں سے ایک بدل جائے گا؛ تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔

اب مطلب یہ ہوا کہ اگر پانی کم ہے تو حدیث شریف میں جو حکم ہے وہ حرمت کے لیے ہوگا کہ کم پانی میں پیشاب کرنا حرام ہے۔ اگر پانی زیادہ ہے تو حدیث شریف کا حکم کراہت کے لیے ہوگا کہ اس میں پیشاب کرنا مکروہ ہے۔ پہلی صورت یعنی پانی کم ہونے کی صورت میں چوں کہ پانی ہی ناپاک ہے تو اس سے غسل کرنے سے جسم کیسے پاک ہوگا؟ اور دوسری صورت میں جب کہ پانی زیادہ ہو تو انسان ایسے پانی میں غسل کرنے میں کراہت محسوس کرے گا۔

(۹۳) قبر کی اہانت اور اس پر پختہ تعمیر کرنے کا حکم

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ، وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ، وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ[1].

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر کو چونا کرنے اور اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔

(۱) صحيح مسلم: ۹۷۰، الجنائز، النهي ... والبناء عليه.

فائدہ: شریعت اسلامی میں قبر اور صاحب قبر کا بہت زیادہ احترام کیا جاتا ہے؛ اس لیے شرعی طور پر قبروں کی اہانت اور قبروں کے ساتھ زیادتی جائز نہیں ہے۔ اب اس احترام کا تقاضا یہ ہے کہ قبروں کی اتنی دیکھ بھال رکھی جائے، جس سے مدفون شخص کا تقدس پامال نہ ہو، اس کو اہانت اور تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

حدیث شریف میں تین باتوں کا ذکر ہے۔

اول: نبی کریم ﷺ نے قبر کو چونا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ چونا کر کے قبر کو سفید کرنا، یا رنگ و روغن سے قبر کو مزین کرنا مکروہ ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں: اول یہ کہ اس میں زیب وزینت ہے، جس کے زیادہ حق دار زندہ لوگ ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس میں مال کا ضیاع ہے، جس کی شریعت میں اجازت نہیں ہے۔

دوم: قبروں پر بیٹھنا، نبی کریم ﷺ نے شدت کے ساتھ قبر پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے؛ اس لیے قبر پر بیٹھنا حرام ہے۔ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قبر پر بیٹھنے سے بدرجہا بہتر ہے کہ آدمی دہکتے ہوئے انگارے پر بیٹھ جائے جو اس کے کپڑے اور جسم دونوں جلادے"[1]۔

سوم: قبر پر عمارت بنانا، نبی کریم ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے۔ قبروں پر کسی بھی طرح کی عمارت بنانا، چاہے عمارت بلند ہو یا نہ ہو، قبہ کی شکل میں ہو یا مزار کی شکل میں، غرضیکہ کسی بھی طرح کی عمارت بنانا حرام ہے۔ ہاں اگر قبر کی مضبوطی کے لیے اس کے گرد عمارت بنائی جائے؛ تو حرام تو نہیں لیکن مکروہ ہے[2]۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ قبر کو چونا سے کلر کرنا مکروہ ہے۔ اس پر بیٹھنا، اس سے ٹیک لگانا یعنی تکیہ بنانا حرام ہے۔ اگر ذاتی زمین میں قبر ہے؛ تو قبر پر تعمیر کرنا مکروہ ہے اور اگر قبرستان میں قبر پر

---

(۱) صحیح مسلم: ۹۷۱، الجنائز، النهي ... القبر.　　(۲) فتح الملهم: ۶/۵۱.

تعمیر کی گئی تو حرام ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مکۃ المکرمہ میں ائمہ حضرات کو دیکھا کہ قبر پر بنے ہوئے عمارتوں کے منہدم کرنے کا حکم فرماتے تھے۔ اور اس انہدام کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے، حضرت علی کے الفاظ ہیں: الا أبعثك على ما بعثني عليه رسول اللهﷺ؟ أن لا تدع تمثالا إلا طمسته، ولا قبرا مشرفا إلا سويته(۱). حضرت علی نے ابو الہیاج الاسدی کو کہا کہ میں تجھے اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کام کے لیے مجھے نبی کریم ﷺ نے بھیجا تھا؟ تمہیں جو تصویر بھی ملے اسے مٹا ڈالو، اور جو قبر اونچی ہو اسے برابر کر دو(۲)۔

(۹۴) غیر اللہ کی قسم کھانا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُما: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ أَشْرَكَ»(۳).

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، فرماتے ہیں: "جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی تو اس نے شرک کیا"۔

فائدہ: قسم ایک باعظمت کلمہ ہے۔ قسم کھانے والا قسم کے ذریعہ اپنی بات کو مؤکد کرتا ہے؛ بلکہ یہ کہا جائے کہ قسم کھا کر وہ شخص اللہ پاک کو اپنی بات پر گواہ بناتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسی لیے اپنی امت کو غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے۔

حدیث شریف میں یہ بتایا گیا ہے کہ قسم کھانا اچھی بات نہیں ہے اور جس نے اللہ کے علاوہ کی قسم کھائی؛ تو اس نے شرک کیا۔ یہاں شرک سے مراد شرک اصغر ہے نہ کہ اکبر؛ کیوں کہ شرک اکبر سے انسان اسلام سے خارج ہو کر، کافر ہو جاتا ہے۔ مگر قسم سے کافر نہیں ہوتا۔ نبی کریم ﷺ نے سخت تنبیہ کے طور پر فرمایا کہ غیر اللہ کی قسم کھانے والے نے شرک کیا۔

---

(۱) صحيح مسلم: ۹۶۹، الجنائز، الأمر بتسوية القبر.
(۲) المنهاج شرح مسلم: ۳۶/۷.
(۳) أبو داود: ۳۲۵۱، النذور، كراهية الحلف بالآباء.

عام طور پر یہ رواج زمانہ جاہلیت میں بھی تھا اور یہی بیماری آج ہمارے زمانہ میں بھی ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے اس کی قسم کھائی جاتی ہے۔ مثلاً تمہارے بچے کی قسم، تیرے سر کی قسم، تیری جان کی قسم، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ ساری قسمیں حدیث شریف کی وعید میں داخل ہیں؛ اس لیے اللہ کے ذاتی و صفاتی نام کے علاوہ، غیر اللہ کی قسم کھانا حرام ہے۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ غیر اللہ میں نبی ﷺ کی ذات، کعبہ، فرشتہ، امانت، زندگی اور روح سب داخل ہیں [1]۔

(۹۵) علم کیسے اٹھایا جائے گا؟

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ اللهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتّٰى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا».[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے ہیں: "اللہ پاک علم کو اس طرح نہیں اٹھائیں گے کہ ایک دم لوگوں کے دلوں سے چھین لیں؛ بلکہ علم کو علماء کی وفات کے ساتھ اٹھائیں گے۔ یہاں تک کہ جب اللہ پاک کسی عالم کو زندہ نہ چھوڑیں گے، تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے۔ اُن سے فتوے پوچھے جائیں گے، وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے۔ پس وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

فائدہ: حدیث شریف میں بہت اہم بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اس حدیث میں ضمناً قیامت کی علامت کا بھی ذکر ہے۔ حدیث شریف میں یہ بتایا گیا ہے کہ قیامت کے قریب علم اٹھا لیا جائے گا اور علم کو اٹھانے کی کیفیت کا بھی ذکر ہے کہ علم اس طور پر نہیں اٹھایا جائے گا کہ کوئی عالم علم کو بھول جائے گا یا کتابیں سب برباد ہو جائیں گی؛ بلکہ علماء کے اٹھ جانے اور ان کی وفات پاجانے کی وجہ

(۱) مرقاۃ: ۲۲۶/۶-۵۳۸.

(۲) صحیح البخاري: ۱۰۰، العلم، کیف یقبض العلم.

سے کتاب وسنت کا علم اٹھالیا جائے گا۔ جب ایک بھی عالم نہیں بچے گا؛ تو لوگ جاہلوں کو قاضی و پیشوا اور مفتی وامام بنالیں گے۔ پھر ان سے لوگ مسائل پوچھیں گے اور وہ جواب دیں گے۔ پھر وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

علم کے بغیر انسان بے جان و بے روح اور بے حیثیت ہے، قرآن کریم میں اللہ پاک کا ارشاد ہے: آپ کہیے، کہ کیا علم والے اور جہل والے کہیں برابر ہوتے ہیں(۱) ؟ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم خود بھی اور اپنی اولاد کو بھی قبل اس کے کہ صرف جہل باقی رہ جائے علم حاصل کرائیں۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: علم کو اٹھائے جانے سے قبل علم حاصل کرلو۔ ایک اعرابی نے پوچھا کہ علم کیسے اٹھایا جائے گا، تو فرمایا کہ عالم کی وفات پاجانے کی وجہ سے علم اٹھ جائے گا۔ یہ بات نبی کریم ﷺ نے تین بار ارشاد فرمائی(۲)۔ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ حدیث شریف میں علم حاصل کرنے کی ترغیب اور جاہلوں کو حکمراں بنانے پر تنبیہ کی گئی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ بغیر علم کے فتوی دینے والوں کی مذمت بھی بیان کی گئی ہے(۳)۔ آج کل یہ مرض عام ہو چلا ہے، کیا عوام کیا نرے حافظ اور قاری یا نیم مولانا سب مسائل اور فتاوے پر ہاتھ صاف کرنے لگے ہیں، ہر کوئی مفتی بن گیا ہے، خاص کر ہمارے کچھ تبلیغی بھائیوں کے فتاوے سن کر تو ان کے راہ راست سے ہٹنے ہونے کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ اللہ پاک ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین!

(۹۶) صحابہ کرام کی فضیلت

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا، مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ، وَلَا نَصِيفَهُ»(۱).

ترجمہ: حضرت ابو سعید الخدریؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میرے صحابہ کو

---

(۱) الزمر: ۹ بیان القرآن.
(۲) عمدة القاري: ۱۹۶/۲.
(۳) فتح الباري: ۲۶۲/۱.
(٤) البخاري: ۳٦۷۳، كتاب فضائل أصحاب النبي.

برامت کہو! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی اُحد (پہاڑ) کے برابر بھی سونا خرچ کریگا تو ان میں سے کسی ایک کے ایک مد اور آدھا مد خرچ کرنے کے برابر بھی نہیں پہنچے گا"۔

فائدہ: نبی کریم ﷺ کے جاں نثار صحابہ کو برا بھلا کہنے، ان کے خلاف ناپاک زبان استعال کرنے کا سلسلہ بہت پرانا ہے۔ جس وقت سے صحابۂ کرام نے دین واسلام اور محمد ﷺ کی ذات پر مرمٹنے کا عہد کیا تھا، اسی وقت سے دشمنانِ دین نے صحابۂ کرام کے خلاف مورچہ کھول دیا تھا۔ حالاں کہ قرآن نے اصحاب رسول ﷺ کے بارے میں کہا ہے: ﴿ وَكُلًّا وَّعَدَ اللهُ الْحُسْنٰى ﴾ ،

ترجمہ: اور سب سے اللہ نے اچھے گھر کا وعدہ کر رکھا ہے[1]۔

نبی کریم ﷺ نے ایسے بدبخت انسان کے لیے جو صحابی کی شان میں گستاخی کرتا ہے، سخت وعید ارشاد فرمائی ہے: «مَنْ سَبَّ أَصْحَابِي، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ، وَالْمَلَائِكَةِ، وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ». [2]

ترجمہ: جس نے میرے صحابہ کو برا بھلا کہا؛ اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

حدیث شریف میں صحابۂ کرام کی عظمت وفضیلت بیان کی گئی ہے۔ فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ ان کو نبی کریم ﷺ کی صحبت ملی ہے، جو دوسروں کو نصیب نہیں۔ انہوں نے جو کچھ بھی خرچ کیا وہ رسول اللہ ﷺ کی نصرت اور مدد کے لیے کیا، جو اب ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح ان کا جہاد اور دیگر تمام عبادتیں اب ممکن نہیں[3]۔

حدیث شریف عام ہے، اس کے مخاطب صحابہ کرام اور ان کے بعد قیامت تک کے لوگ تھے۔ وہ صحابۂ کرام جو قدیم الاسلام ہیں، فتح مکہ سے قبل اسلام لائے اور انہوں نے جو مال دین واسلام کی نصرت ومدد میں تنگی کے وقت خرچ کیے، ان کے ایک مد یا آدھے مد کی حیثیت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ فتح مکہ کے بعد سے قیامت تک ایمان لانے والے لوگ اگر اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا اسلام کی مدد

---

(۱) النساء: ۹۵، بیان القرآن.
(۲) الجامع الصغیر للسیوطي: ۸۷۱۵، عن ابن عباس.
(۳) تحفة الأحوذي: ۱۰/۳۵۲، کتاب المناقب.

ونصرت کے لیے خرچ کردیں؛ تو اس ایک یا آدھا مد سونے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے تھے اور مالی تنگی ختم ہو گئی تھی؛ اس لیے ان صحابہ کو برا بھلا مت کہو۔ اسی طرح جو صحابی نہیں ہیں ان کو خطاب ہے کہ صحابی کوئی بھی ہو خواہ فتح مکہ کے بعد ہی اسلام کیوں نہ لایا ہو، یا ایک منٹ کے لیے ہی کسی کو صحابیت کا شرف کیوں نہ حاصل ہوا ہو، ان کو برا نہ کہو؛ کیوں کہ ان کو آپ ﷺ کی صحبت اور ملاقات کا شرف حاصل ہے[1]۔ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ مَنْ طَعَنَ فِيهِمْ أَوْ سَبَّهُمْ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الدِّيْنِ وَمَرَقَ مِنْ مِلَّةِ الْإِسْلَامِ[2]. جس نے صحابہ کی شان میں طعن و تشنیع کی یا ان کو برا بھلا کہا؛ تو وہ دین اور ملت اسلام سے خارج ہو گیا۔

(۹۷) زمین غصب کرنے کی سزا

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْها قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ ظَلَمَ قِيدَ شِبْرٍ مِنَ الْأَرْضِ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ»[3].

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص ناحق ایک بالشت زمین لیتا ہے، اس کو سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا"۔

فائدہ: حدیث شریف میں کسی کی زمین غصب کرنے کی سخت وعید آئی ہے۔ یوں تو کسی کے ساتھ بھی مطلق ظلم کرنا، کسی کی کوئی چیز غصب کرنا، یہ گناہ کبیرہ اور حرام ہے۔ اس حدیث شریف میں ناحق کسی کی زمین قبضہ کرنے والے کے بارے میں وعید مذکور ہے۔ چاہے وہ زمین ایک بالشت ہی کیوں نہ ہو؛ کہ قیامت کے دن ساتوں زمین کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غاصب اور ظالم جس نے کسی کی زمین ہڑپ کرلی ہو، قیامت کے دن اسے ساتوں زمین کی تہہ تک دھنسا دیا جائے گا[4]۔

---

(۱) فتح الباري: ۷/۳۸.
(۲) کتاب الکبائر: ۲۴۱.
(۳) البخاري: ۲۴۵۳، للظالم، إثم من ظلم شيئا من الأرض.
(۴) صحيح البخاري: ۲۴۵۴

خطابیؒ نے فرمایا کہ اس حدیث شریف کا یہ مطلب ہے کہ غاصب کو مجبور کیا جائے گا کہ قیامت میں حساب و کتاب ہونے تک زمین کا اتنا حصہ اٹھائے رکھے، یا پھر طوق پہنانے سے مراد یہ ہے کہ ساتوں زمین میں دھنسایا جائے گا۔

علامہ نوویؒ نے اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حقیقت میں ساتوں زمین کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا اور ناحق زمین ہڑپنے والے کی گردن اتنی لمبی کر دی جائے گی، کہ زمین کا طوق اس کی گردن میں آسکے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری وعیدیں احادیث میں مذکور ہیں [۱]۔

علامہ عینیؒ نے اس باب میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ اَرویٰ بنت اویس نے حضرت سعید ابن زیدؓ پر الزام لگایا کہ انہوں نے ان کی زمین غصب کر لی ہے اور مروان کے پاس شکایت کی۔ حضرت سعید ابن زیدؓ نے فرمایا کہ کیا تمہیں ایسا لگتا ہے کہ میں نے اس پر ظلم کیا ہے؟ جب کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے زمین میں سے کچھ بھی ناحق غصب کیا، تو ساتوں زمین کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا [۲]۔ پھر سعید ابن زیدؓ نے وہ زمین جس پر اس کا دعویٰ تھا، اس کو دے دیا اور اللہ کے سامنے اپنا مدعا یوں رکھا یعنی بددعاء دی کہ اے اللہ! اگر وہ جھوٹی ہے تو تو اس کو اندھا کر کے موت دے اور کنواں کو اس کا قبر بنا دے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بددعاء قبول ہو گئی؛ مرنے سے قبل اندھی ہو گئی اور گھر کے کنوے میں گر کر مر گئی [۳]۔

(۹۸) آپس میں بھائی بھائی بن کے رہو

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا، وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ» [٤].

ترجمہ: حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "آپس میں بغض نہ رکھو،

(۱) المنهاج شرح النووي: ۱۱/۴۳
(۲) صحيح البخاري: ۲۴۵۲.
(۳) عمدة القاري: ۱۲/۴۳۶-۴۴۰.
(٤) البخاري: ٦٠٦٥، الأدب، ما ينهى ... والتدابر.

ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، پیٹھ پیچھے کسی کی برائی نہ کرو اور اللہ کے بندے سب بھائی بھائی بن کر رہو، اور کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ ایک بھائی کسی بھائی سے تین دن سے زیادہ سلام وکلام چھوڑ دے"۔

فائدہ: اللہ سبحانہ وتعالی نے انسانی طبیعتوں کو جہاں بہت ساری صفات حمیدہ سے نوازا ہے وہیں اس میں کچھ کوتاہیاں اور بیماریاں بھی رکھ دی ہیں، جو اس کے انسان ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر اللہ پاک نے ان بیماریوں کے ادراک کی بھی صلاحیت رکھی ہے کہ انسان ان کو محسوس کرکے دور کر سکے، ان میں سے تین کا ذکر حدیث شریف میں مذکور ہے۔

پہلی بیماری: بغض ہے؛ نبی ﷺ نے فرمایا: آپس میں بغض نہ رکھو۔ یعنی کسی کے تئیں اپنے دل کو گندا نہ رکھو۔ ایسا کام یا ایسی بات نہ کرو جس سے دل گندے ہوں، دلوں میں کدورت اور کینہ پیدا ہو، جو دشمنی اور عداوت کا سبب بنے۔

دوسری بیماری: حسد ہے؛ حسد کا مطلب یہ ہے کہ کسی دوسرے شخص کی کوئی بھی نعمت اس حاسد کو بری لگے، وہ اس کو ان نعمتوں میں دیکھنا پسند نہ کرتا ہو اور اس نعمت کے زائل ہونے کی تمنا کرے؛ یہ حرام ہے۔

تیسری بیماری: غیبت ہے؛ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی برائی کرنے کو غیبت کہتے ہیں، یہ ہر حال میں حرام ہے۔ غیبت خواہ کسی بھی سبب سے ہو، ہنسی مذاق کے لیے ہو، یا وقت گزاری اور غصہ کے ازالہ کے لیے، ہر صورت میں ممنوع ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان باتوں کو چھوڑ کر سارے اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ۔

اگر لوگوں میں یہ ناسور پایا گیا تو اسلامی اخوت وبھائی چارگی ختم ہو جائے گی اور آپس میں نفرت ودشمنی میں اضافہ ہوگا پھر کمزور ہوتے چلے جاؤ گے۔

(۹۹) دو بڑے پہاڑ کے برابر ثواب

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: " مَنْ شَهِدَ الْجَنَازَةَ حَتَّى يُصَلِّيَ فَلَهُ قِيرَاطٌ، وَمَنْ شَهِدَ حَتَّى تُدْفَنَ كَانَ لَهُ قِيرَاطَانِ". قِيلَ: وَمَا الْقِيرَاطَانِ؟ قَالَ: " مِثْلُ الْجَبَلَيْنِ الْعَظِيمَيْنِ" (۱).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: جو شخص جنازہ میں شریک ہوا اور نماز جنازہ پڑھی تو اس کے لیے ایک قیراط (ثواب) ہے اور جو شخص دفن ہونے تک جنازہ میں شریک رہا، اس کے لیے دو قیراط ثواب ہے، پوچھا گیا کہ قیراطان کیا ہے؟ تو فرمایا: دو بڑے پہاڑ کے وزن کے برابر۔

فائدہ: حدیث شریف میں مسلمانوں کو جنازہ میں شرکت اور تدفین تک موجود رہنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے قیراطان کی تفسیر دو بڑے پہاڑ سے فرمائی ہے، یعنی ایک قیراط ایک بڑے پہاڑ کے مثل ہوتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازہ کے پیچھے چلے اور نماز و تدفین سے فراغت تک اس کے ساتھ رہے تو وہ دو قیراط ثواب کے ساتھ لوٹے گا، ہر قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہے اور جو شخص نماز پڑھ کر دفن سے پہلے واپس ہو جائے؛ تو وہ ایک قیراط ثواب لے کر لوٹے گا (۲)۔

حدیث شریف میں تین چیزوں کے جمع ہونے پر دو قیراط کا ثواب لکھا گیا ہے۔ پہلی چیز: جنازہ میں حاضر ہونا اور ساتھ چلنا۔ دوسری چیز: نماز جناہ پڑھنا۔ تیسری چیز: تدفین میں شامل ہونا۔ نوویؒ نے فرمایا کہ صرف نماز جنازہ پڑھنے سے ایک قیراط ملے گا اور اگر نماز کے ساتھ جنازہ کے ساتھ چلنا، یہاں تک کہ تدفین کے عمل سے فارغ ہونا بھی پایا گیا؛ تو دوسرا قیراط بھی مل جائے گا (۳)۔

---

(۱) البخاري: ۱۳۲۵، الجنائز، باب من انتظر حتى تدفن.
(۲) صحيح البخاري: ۴۷، كتاب الايمان.
(۳) عمدة القارى: ۱/۴۲۵، عمدة القارى: ۱/۴۲۵.

(۱۰۰) مرنے والے کے ساتھ باقی رہنے والی چیز

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷺ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلاثَةٌ، فَيَرْجِعُ اثْنَانِ، وَيَبْقَى مَعَهُ وَاحِدٌ. يَتْبَعُهُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ، فَيَرْجِعُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ، وَيَبْقَى عَمَلُهُ».[1]

ترجمہ: حضرت انس ابن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مردے کے ساتھ قبر تک تین چیزیں جاتی ہیں؛ پھر دو چیزیں لوٹ آتی ہیں اور ایک چیز اس کے ساتھ رہ جاتی ہے۔ اس کے رشتہ دار، اس کا مال اور اس کے اعمال ساتھ میں جاتے ہیں، پھر رشتہ دار اور مال لوٹ آتے ہیں اور صرف اس کا عمل اس کے ساتھ باقی رہ جاتا ہے۔

فائدہ: انسان جس طرح دنیوی زندگی میں، دنیاوی چیزوں کا محتاج ہے، ایسے ہی مرنے کے بعد بھی اپنے اعمال حسنہ کا محتاج ہوگا؛ لیکن ان اعمال کو حاصل کرنے کی جگہ یہی دنیا ہے۔

حدیث شریف میں انسان کو ایک اہم سبق دیا گیا ہے کہ انسان محنت و مشقت کر کے دنیا کماتا ہے۔ مال و دولت حاصل کرتا ہے، زمین و جائداد بناتا ہے، پھر ان چیزوں پر فخر کرتا ہے، مال و اولاد کی وجہ سے اپنے آپ کو ایک بڑا آدمی ظاہر کرتا ہے، اس طرح اولاد اور گھر والوں پر محنت کرتا ہے، کمائی کا بیشتر حصہ اپنی زندگی میں، اس پر خرچ کر ڈالتا ہے۔ لیکن وہ اس بات کو محسوس نہیں کرتا کہ یہ مال و اولاد اس کے کسی کام کے نہیں۔ اس کی ذات کو اس سے بہت معمولی فائدہ پہنچتا ہے اور یہ چیزیں بہت کم ہی ہمیشہ اس کا ساتھ دینے والی ہیں۔ ہاں، صرف ایک چیز ایسی ہے جو ہمیشہ اس کو فائدہ دے گی، وہ ہے اس شخص کے اعمال اس کی نیکی اور اس کے نیک اولاد۔

اسی مضمون کو نبی کریم ﷺ نے حدیث شریف میں واضح فرمایا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب کا دستور تھا کہ میت کے ساتھ میت کے گھر والے، دوست واحباب، یہاں تک کہ مال بھی قبرستان تک لے جایا جاتا تھا۔ پھر تدفین کے بعد احباب مال کے ساتھ واپس آجاتے

---

(۱) البخاري: ۶۵۱۴، كتاب الرقاق، باب سكرات الموت.

تھے[1]۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ گھر والے اور مال تو واپس آجاتے ہیں اور میت کا عمل، اس کے ساتھ رہ جاتا ہے۔ اعمال کے ساتھ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر اعمال اچھے ہیں، تو ایک خوب صورت آدمی کی شکل میں اس کے پاس آکر خوش خبری سناتا ہے؛ تو میت اس سے پوچھتی ہے کہ تو کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: میں تیرا نیک عمل ہوں اور اگر میت کے اعمال برے اور خراب ہوئے، تو وہ بری شکل بنا کر اس کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تیرا عمل بد ہوں[2]۔

(١٠١) بہترین خادم

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ ﷺ أَنَّ فَاطِمَةَ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْأَلُهُ خَادِمًا، فَقَالَ: «أَلَا أُخْبِرُكِ مَا هُوَ خَيْرٌ لَكِ مِنْهُ؟ تُسَبِّحِينَ اللهَ عِنْدَ مَنَامِكِ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَتَحْمَدِينَ اللهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَتُكَبِّرِينَ اللهَ أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ»[3].

ترجمہ: حضرت علی ابن ابی طالب سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہ ﷺ، ایک خادم لینے کی غرض سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمہارے لیے اس سے بہتر ہو؟ جب سونے لگو تو تینتیس بار سبحان اللہ، تینتیس بار الحمد للہ اور چونتیس بار اللہ اکبر کہو"۔

فائدہ: ابوداود شریف کی روایت میں اور تفصیل موجود ہے؛ جس میں حضرت علیؓ نے اپنے شاگرد کو یہ واقعہ سنایا کہ وہ خود سے چکی پیستی تھیں، جس سے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے۔ خود ہی مشک میں پانی بھر کر لاتی تھیں، جس سے گلے میں اس کے نشان پڑ گئے تھے اور خود ہی جھاڑو دیتی تھیں، جس کی وجہ سے کپڑے میلے رہتے تھے۔ ایک بار آپ ﷺ کے پاس کچھ باندیاں آئیں؛ تو میں نے کہا

(١) فتح الباري: ١١/٤١٠.
(٢) عمدة القاري: ٢٣/١٤٦.
(٣) البخاري: ٥٣٦٢، كتاب النفقات، باب خادم المرأة.

کہ اپنے والد محترم کی خدمت میں جاکر ایک خادم مانگ لاؤ، سہولت ہو جائے گی، وہ گئیں تو وہاں پر کچھ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں موجود تھے؛ اس لیے واپس آگئیں۔ حضور ﷺ دوسرے دن خود ہی ان کے مکان پر تشریف لائے اور پوچھا تم کل کس کام کے لیے آئی تھیں[۱]۔ تو حضرت فاطمہ نے اپنی ضرورت کا ذکر کیا اور آپ ﷺ نے ان کو تسبیح فاطمی پڑھنے کی تلقین کی۔ حدیث شریف میں بتایا گیا ہے کہ مذکورہ تسبیحات جن کو تسبیحات فاطمی کہتے ہیں خادم سے بہتر ہے؛ کیوں کہ خادم کے فائدے ظاہری، عارضی اور دنیوی ہیں؛ جب کہ اللہ کے ذکر کے فائدے اخروی ہیں۔

علماء کرام نے حدیث شریف سے ایک مسئلہ اخذ کیا ہے کہ بقدر استطاعت شوہر پر لازم ہے کہ بیوی کی مدد کے لیے ایک خادمہ کا انتظام کرے۔ لیکن عام مشہور کام کے لیے نہیں یعنی کھانا بنانے یا آٹا گوندھنے وغیرہ کے لیے نہیں؛ بل کہ دیگر زائد کام کے لیے[۲]۔

(۱۰۲) بیوی بچوں کے اخراجات کی ذمہ داری

عَنْ عَائِشَةَ ﷺ أَنَّ هِنْدَ بِنْتَ عُتْبَةَ ﷺ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ، وَلَيْسَ يُعْطِينِي مَا يَكْفِينِي وَوَلَدِي، إِلَّا مَا أَخَذْتُ مِنْهُ، وَهُوَ لَا يَعْلَمُ، فَقَالَ: «خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوفِ»[۳].

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ہند بنت عتبہ (ابوسفیانؓ کی اہلیہ) نے کہا: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان کفایت شعار آدمی ہیں۔ مجھے اتنا نہیں دیتے جو مجھے اور میرے بچے کو کافی ہو جائے، مگر وہ جو میں ان کی اجازت کے بغیر لے لیتی ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اتنا لے لو جو آرام سے تجھے اور تیرے بچے کو کافی ہو جائے۔

فائدہ: نکاح کے بعد بیوی بچوں کے تمام اخراجات کی ذمہ داری شوہر پر عائد ہوتی ہے۔

---

(۱) أبو داود: ۲۹۸۸، كتاب الخراج.
(۲) فتح الباري: ۹/۱۱۸.
(۳) البخاري: ۵۳۶٤، النفقات، إذا لم ... بغير علمه.

رسول اللہ ﷺ نے بھی اس بات کی تلقین فرمائی ہے؛اس لیے شوہر اگر بیوی بچوں کے اخراجات پورے نہیں دیتا ہے؛ تو بیوی ضرورت پڑنے پر، اس کے مال سے لے سکتی ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات میں خرابی پیدا نہ ہو۔ شوہر و بیوی کے تعلقات کی استواری مقدم ہے۔اس بات کا فیصلہ بیوی خود کرسکتی ہے کہ ایسا کرنے سے تعلقات خراب ہوں گے یا نہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ہندہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ!اس صورت میں ان کے مال میں سے میرے لیے کچھ گنجائش ہے؟ توآپ ﷺ نے فرمایا کہ دستور کے مطابق جو تم کو کافی ہو جائے لے لو، زیادہ مت لینا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ ابو سفیانؓ چوں کہ قوم کے رئیس تھے، انھوں نے بیوی بچوں کے لیے خادم بھی رکھا ہوا تھا اور جو وہ خرچہ دیتے تھے، وہ صرف بیوی بچوں کا دیتے تھے، وہ تو پورا ہو جاتا تھا؛ لیکن خادم جو کہ گھر کا ایک فرد ہی ہوتا ہے، اس کو شامل کر کے اخراجات میں تنگی ہو جاتی تھی؛اس لیے انہوں نے شکایت کی؛ تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔ فتح الباری میں ہے کہ، حضرت ہند نے حضرت ابو سفیان کے بارے میں جو کفایت شعاری کی صفت بیان کی وہ ان کے ساتھ خاص ہے، یعنی وہ ایسے بخیل نہ تھے کہ کہیں بھی خرچ نہ کرتے تھے، بل کہ اپنے گھر والوں پر کفایت شعاری سے خرچ کرتے تھے اور دوسروں کے ساتھ بہت سخاوت کا معاملہ فرماتے، اکثر رؤسا حضرات گھر والوں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں، اور دوسروں کی دل جوئی کے لیے ان کے ساتھ سخاوت زیادہ کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ آپ طبعاً کم خرچ یا بخیل نہیں تھے۔

حدیث شریف سے دو باتوں کا علم ہوا۔ایک یہ کہ ضرورت پڑنے پر بیوی شوہر کا مال بتائے بغیر لے سکتی ہے؛ لیکن صرف بقدر ضرورت، فضول خرچی کے لیے نہیں۔ دوسری بات یہ کہ عورت کے خادم کا خرچہ بھی شوہر کے ذمہ ہے، بشرطیکہ شوہر اس کی استطاعت رکھتا ہو[1]۔

---

(۱) فتح الباری: ۹/۴۸۸.

(۱۰۳) نکاح پاک دامنی کا ذریعہ

عَنْ عَبدِ اللهِ ﷺ قَالَ: قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ؛ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ».[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے ارشاد فرمایا: "اے جوانوں کے گروہ! تم میں سے جسے بھی نکاح کی استطاعت ہو، اسے نکاح کر لینا چاہیے؛ کیوں کہ یہ نظر کو نیچے رکھنے والا ہے اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے والا ہے۔ جو شخص نکاح کی استطاعت نہیں رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ روزہ رکھے؛ کیوں کہ یہ شہوت کو توڑنے والا ہے۔

فائدہ: مرد و عورت کا اجتماع فطری تقاضا ہے۔ اس فطری تقاضا کی تکمیل کا جو ذریعہ ہے، اس کو شریعت میں نکاح کا نام دیا گیا ہے۔ بغیر نکاح اور شادی کے مرد و عورت کا باہم اختلاط کسی بھی مذہب اور معاشرہ میں جائز نہیں ہے۔ شریعت مطہرہ میں نکاح کی بڑی اہمیت ہے۔ اسلام نے نکاح کے سلسلہ میں جو نظریہ قائم کیا ہے وہ ہر اعتبار سے بے نظیر ہے۔ نکاح صرف خواہشات نفسانی کی تسکین و تکمیل کا نام نہیں، بل کہ بہت ساری فطری ضرورتیں نکاح سے وابستہ ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے نکاح کو آدھا ایمان قرار دیا ہے۔ ایک جگہ نکاح کو اپنی سنت قرار دیا ہے اور نکاح نہ کرنے والے کو سنت کا مخالف قرار دیا ہے۔ فرمایا: «النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي، فَمَنْ لَمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي»[2].

یہ صرف نبی اکرم ﷺ کی ہی سنت نہیں ہے؛ بل کہ تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کی مشترکہ سنت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «أَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ: الحَيَاءُ، وَالتَّعَطُّرُ، والسِّوَاكُ، وَالنِّكَاحُ»[3]. چار چیزیں رسولوں کی سنتوں میں سے ہیں: حیا، عطر لگانا، مسواک کرنا، اور نکاح کرنا۔ معلوم یہ ہوا کہ حدیث میں مذکور چاروں چیزیں انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ سنت ہیں، جن میں نکاح

(۱) البخاري: ٥٠٦٦، النكاح، من لم يستطع الباءة.
(۲) سنن ابن ماجه: ١٨٤٦، النكاح، عن عائشة.
(۳) الترمذي: ١٠٨٠، أبواب النكاح.

بھی شامل ہے۔

حدیث شریف میں زنا سے بچنے کا ایک نسخہ بتایا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ قدرت ہونے پر نکاح کرنا اور قدرت نہ ہو تو روزہ رکھنا ہے۔ حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص بیوی سے صحبت رکھنے پر قادر ہو، اس شرط کے ساتھ کہ بیوی بچوں کا نفقہ برداشت کر سکتا ہو؛ تو اس کو چاہیے کہ نکاح کرلے اور اگر مہر نہ ہو، یا بیوی بچوں کے نفقہ کی استطاعت و قدرت نہ ہو، تو اس صورت میں وہ روزہ رکھے تاکہ شہوت کا زور ختم ہو جائے[1]۔

(۱۰۴) جھوٹی گواہی اور جھوٹی قسم

عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ، وَيَمِينُهُ شَهَادَتَهُ»[2].

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میرے زمانہ کے لوگ سب سے اچھے ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے، اس کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جن کی گواہی قسم سے پہلے اور ان کی قسم گواہی سے پہلے ہو گی۔ (یعنی قسم کھانا اور گواہی دینا ان کے لیے کھیل ہوگا)۔

فائدہ: حدیث میں دو باتوں کا ذکر ہے: ایک یہ کہ اس میں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ وہ لوگ سب سے اچھے ہیں۔ دوسری بات: بے پرواہ ہو کر جھوٹی سچی گواہی دینے اور قسم کھانے کی قباحت بیان کی گئی ہے، کہ ان تین قسم کے لوگوں کے زمانے کے بعد ایسا زمانہ آئے گا کہ گواہی دینا لوگوں کا پیشہ ہو جائے گا اور قسم کھانا لوگوں کا تکیہ کلام بن جائے گا۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص کبھی تو قسم کے ذریعہ اپنی گواہی اور اپنے گواہ بننے کو ثابت کرے گا کہ خدا کی قسم میں سچا گواہ ہوں اور کبھی گواہی کے ذریعہ قسم کو شہرت دے گا تاکہ لوگ اس کی قسم کے سچے ہونے پر

(۱) عمدة القاري: ۲/۸۵-۸۹.

(۲) صحيح البخاري: ۳۶۵۱، فضائل أصحاب النبي.

گواہ رہیں، یا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ اتنی کثرت سے گواہی دے گا اور قسم کھائے گا کہ اس کو یہ بھی نہیں یاد رہے گا کہ اس نے پہلے کون سا کام کیا ہے؛ قسم کھائی ہے، یا گواہی دی ہے[1]۔

(۱۰۵) حضرت آدمؑ کی پیدائش

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «خَلَقَ اللهُ آدَمَ وَطُولُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا، ثُمَّ قَالَ: اذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلَى أُولَئِكَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ، فَاسْتَمِعْ مَا يُحَيُّونَكَ، تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ. فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ. فَقَالُوا: السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ. فَزَادُوهُ: وَرَحْمَةُ اللهِ. فَكُلُّ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ آدَمَ، فَلَمْ يَزَلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ حَتَّى الْآنَ»[2].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ پاک نے آدمؑ کو پیدا کیا؛ تو ان کی لمبائی ساٹھ ہاتھ کی تھی، پھر اللہ نے ان سے فرمایا: جاؤ ان فرشتوں کو سلام کرو، ان کے جواب کو غور سے سننا؛ کیوں کہ وہی تیرا اور تیری اولاد کے سلام کا طریقہ ہوگا۔ آدمؑ نے السلام علیکم کہا؛ تو انہوں نے جواب میں السلام علیک ورحمۃ اللہ کہا۔ انہوں نے ورحمۃ اللہ کا اضافہ کیا؛ چناں چہ جو بھی جنت میں داخل ہوگا، وہ حضرت آدمؑ کی شکل وقامت پر داخل ہوگا، اس کے بعد سے مسلسل اب تک انسانوں کے قد گھٹ رہے ہیں۔

فائدہ: حدیث شریف میں دو باتوں کا ذکر ہے: حضرت آدمؑ کی پیدائش اور سلام کی ابتدا کا ذکر۔ سلام کے سلسلہ میں کلام حدیث نمبر (۷۵) کے ضمن میں گزر چکا ہے، اس کو دیکھ لیا جائے۔

شارح بخاری علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ اللہ پاک نے آدمؑ کو ساٹھ ہاتھ لمبا پیدا فرمایا تھا اور حکم دیا کہ فرشتوں کو سلام کرو اور جو جواب ملے وہ تمہارا اور تمہارے بعد آنے والی تمہاری اولاد کا سلام ہوگا۔ ہر وہ شخص جس کو اللہ پاک دخول جنت کی نعمت سے نوازے گا، وہ حسن وخوبصورتی میں حضرت آدمؑ کی صورت پر ہی داخل ہوگا۔ اگر وہ دنیا میں بد شکل یا بد صورت تھا، اعضاء وجوارح میں خامی اور نقص تھا؛ تو

(۱) مرقاة المفاتيح: ۳۰۸/۷.

(۲) البخاري، ۳۳۲۶، أحاديث الأنبياء، خلق ... وذريته.

ان حالات میں وہ جنت میں نہیں جائے گا؛ بل کہ اس کی صحت اور حسن وجمال سب حضرت آدمؑ کی طرح ہوگا۔

عینیؒ نے قرطبیؒ کا قول نقل کیا ہے: کہ اللہ پاک جنتیوں کو اس کی اصلی صورت عطافرمائیں گے جو کہ آدمؑ کی صورت وشکل تھی، اور آدمؑ کی لمبائی جو ساٹھ ذراع تھی وہ بھی عطافرمائیں گے۔

مسلسل اب تک مخلوق گھٹ رہی ہے: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر زمانہ میں پیدا ہونے والے انسان کی لمبائی پہلے والوں کے مقابلہ میں گھٹتی جارہی ہے، یہاں تک کہ اس امت پر آکر لمبائی کے اندر کمی ہونا رک گیا ہے۔ اب مزید لمبائی میں کمی نہیں ہوگی[1]۔

یہاں پر بعض لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی لمبائی کو لے کر، تعجب اور چہ میگوئیاں کرتے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ نبی کریم ﷺ کی کوئی بات یا اللہ پاک کا کوئی فرمان سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اس کو اجمالی اور تفصیلی طور پر بلاچون وچرا مانا جائے۔ درحقیقت یہی اصل ایمان ہے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: ﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللهِ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴾ پورے مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے، پھر شک نہیں کیا، اور اپنے مال وجان سے خدا کے رستے میں محنت اٹھائی یہ لوگ ہیں سچے[2]۔

(۱۰۶) صلح صفائی کے لیے جھوٹ

عَنْ أُمِّ كُلْثُومٍ ؓ أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ، فَيَنْمِي خَيْرًا أَوْ يَقُولُ خَيْرًا»[3].

ترجمہ: حضرت ام کلثوم بنت عقبہؓ نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ

(۱) عمدة القاري: ۳۱۲/۱۵.
(۲) الحجرات: ۱۵ بيان القرآن.
(۳) البخاري: ۲۶۹۲، الصلح، ليس الكاذب ... الناس.

ﷺ فرماتے ہیں: "وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرائے اور اس کے لیے کسی اچھی بات کی چغلی کھائے یا اسی سلسلے کی اور کوئی اچھی بات کہہ دے۔

فائدہ: لوگوں کے درمیان صلح وصفائی کرانے کی قرآن وحدیث میں بڑی فضیلتیں آئی ہیں۔ آپسی تنازع اور اختلاف کی صورت میں مصالحت اور آپس میں میل ومحبت قائم کرا دینا دین ودنیا کے بڑے فائدوں کا سبب ہے؛ کیوں کہ اختلاف اور تنازع کا باقی رہنا، عناد، کینہ اور حسد کے علاوہ بے شمار اخلاقی بگاڑ اور خرابیوں کا سبب بنتا ہے۔ اللہ پاک قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ [1] ترجمہ: مسلمان تو سب بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

حدیث شریف میں بتایا گیا کہ لوگوں کے درمیان مصالحت کرانے کی وجہ سے اگر کوئی شخص ایک دوسرے کو اچھی بات کہتا ہے، جو کہ جھوٹ ہے؛ تو ایسا شخص جھوٹا نہیں کہلائے گا، اور ایسا جھوٹ مذموم نہیں ہے، حدیث کی رو سے علماء نے لوگوں کے درمیان اختلاف ختم کرانے کے لیے جھوٹ بولنے کو جائز قرار دیا ہے؛ کیوں کہ ایسے جھوٹ سے لوگوں کے درمیان مصالحت ہو رہی ہے۔ کذب مذموم: وہ جھوٹ ہے، جس میں مضرت اور نقصان ہو، اور اس میں مصلحت کا پہلو نہ ہو۔ لیکن بعض دیگر علماء فرماتے ہیں کہ اصلاح کے لیے جھوٹ بولنا تو جائز نہیں ہے۔ البتہ حدیث شریف میں جو «ينمي خيرا» آیا ہے، اس سے مراد "توریہ" اور "کنایہ" ہے کہ آدمی اصلاح بین الناس کی خاطر اچھی بات کسی کو کہتا ہے اور توریہ کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی ظالم سے یہ کہے کہ کل میں نے آپ کے لیے دعاء کی تھی؛ حالاں کہ اس نے اس کا نام لے کر دعاء نہیں کیا تھا، بلکہ تمام امت مسلمہ کے لیے اس نے دعاء کی تھی۔ جس میں وہ ظالم شخص بھی شامل تھا اور کہنے والے کی مراد بھی یہی تھی، لیکن اس نے

(۱) سورة الحجرات: (۱۰).

کہا کہ آپ کے لیے دعاء کی تھی؛ تو یہ جھوٹ نہیں ہوا، بلکہ توریہ ہوا۔ لوگوں کے درمیان سے دشمنی وعداوت ختم کرنے کے لیے ایسا کرنا جائز ہے[1]۔

لوگوں کے درمیان مصالحت کی غرض سے اگر جھوٹ بولنے کی نوبت آجائے، تو کیسے بولیں گے؟ اس کی ایک مثال: دو بھائیوں کے درمیان کسی بات پر ناچاقی ہوگئی اور اختلاف بہت بڑھ گیا، اب تیسرا شخص ان دونوں میں صلح کرانے کے لیے میدان میں کود پڑا، اس نے سمجھانے بجھانے کی کوشش کی، مگر بات نہیں بنی، اب اس نے دوسرا راستہ اختیار کیا کہ دونوں فریق کے پاس الگ الگ جا کر دوسرے کی طرف سے وہ جھوٹی خبر دے رہا ہے کہ تم تو اس کو برا بھلا کہتے ہو، وہ تو تمہاری بہت تعریف کررہا تھا، تم کو دعا بھی دے رہا تھا، تم نے جو فلاں احسان کیا تھا اس کا اب تک شکریہ ادا کرتا ہے، وغیرہ وغیرہ؛ اس طرح دوسرے فریق کو جا کر اس طرح کی اچھی بات بتاتا ہے، حالاں کہ کسی نے بھی ایسا نہیں کہا ہے۔ لیکن وہ مصالحت کے مقصد سے ایسا کہہ رہا ہے، تو ایسا کرنا جائز ہے، لیکن یاد رہے کہ ضرورت پڑنے پر ہی اس طرح کے جھوٹ کا سہارا لیا جائے۔

(۱۰۷) مسئلۂ میراث

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ»[2].

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میراث اس کے حق داروں کو دیدو، اور جو باقی بچے وہ سب سے زیادہ قریبی مرد کا ہے"۔

فائدہ: آج کل لوگوں کی دین بیزاری اور دین سے دوری اتنی بڑھ گئی ہے کہ مقصد صرف مال کا حصول رہ گیا ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ مال آئے خواہ حرام طریقہ سے ہی سہی۔ انھیں میں سے

(۱) فتح الباري: ٥/٢٠٤.
(٢) البخاري: ٦٧٣٢، الفرائض، ميراث الولد من أبيه وأمه.

ایک مسئلہ کو یہاں اجاگر کیا گیا ہے کہ وارثین کا حق دبانا حرام کھانا ہے۔

حدیث شریف میں میراث کے مسئلہ کا احاطہ صرف دو جملوں میں کر دیا گیا ہے۔ قرآن میں متعدد جگہوں پر میراث کے احکام بیان کیے گئے ہیں، لیکن سورۃ النساء کی تین آیات: ۱۱، ۱۲، اور ۱۷۶ میں اختصار کے ساتھ اکثر احکام جمع کر دیے گئے ہیں، اور تقریباً اٹھارہ حدیثیں مروی ہیں، جن میں میراث کے مسائل جمع کیے گئے ہیں۔ میراث کی اہمیت کے پیش نظر علم میراث سیکھنے کی متعدد حدیثوں میں ترغیب دی گئی ہے۔ چناں چہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "علم فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ؛ کیوں کہ یہ نصف علم ہے۔ اس کے مسائل لوگ جلدی بھول جاتے ہیں، یہ پہلا علم ہے جو میری امت سے اٹھالیا جائے گا"[1]۔

میراث کے سلسلہ میں لوگ کوتاہیاں کرتے ہیں، وارثین کا حصہ نہیں دیتے اور مختلف بہانے سے ان پر ظلم کرتے ہیں۔ اللہ پاک نے سورۂ نساء کی آیت نمبر (۱۱، ۱۲) میں میراث کا ذکر کرنے کے بعد، آیت نمبر (۱۴) میں فرمایا ہے کہ مذکورہ احکام اللہ کا ضابطہ ہے، جو اس پر عمل کرے گا اس کے لیے جنت ہے، اور جو عمل نہیں کرے گا، ایسے لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿ وَمَنْ يَعْصِ اللهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴾ ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا نہ مانے گا، اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جاوے گا، اس کو دوزخ میں داخل کریں گے، اس طور سے کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ایسی سزا ہوگی جس میں ذلت بھی ہے[2]۔

قرآن کریم میں وارثین کے چھ حصوں کا ذکر ہے، اور یہ حصے جن لوگوں کو دیے جائیں گے، وہ مردوں میں سے چار: باپ، دادا، اخیافی یعنی ماں شریک بھائی، اور شوہر۔ اور عورتوں میں سے آٹھ ہیں: بیوی، بیٹی، پوتی، حقیقی بہن، علاتی یعنی باپ شریک بہن، اخیافی یعنی ماں شریک بہن، ماں، دادی، اور

(۱) سنن ابن ماجۃ: ۲۷۱۹، الحث علی تعلیم الفرائض۔

(۲) النساء: ۱۴، بیان القرآن۔

نانی۔ یعنی کل بارہ افراد ہیں۔

ان سب کو دینے کے بعد جو بچے گا، وہ اس عصبہ کو دیا جائے گا، جو سب سے زیادہ قریب ہوگا؛ اور اگر قربت میں سب برابر ہوں تو سب میں برابری سے تقسیم کر دیا جائے گا[1]۔ تفصیل علاقے کے علماء سے معلوم کیے جائیں۔

(۱۰۸) مظلوم کی بد دعا سے بچو

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ، فَقَالَ: «اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ؛ فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ»[2].

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا: مظلوم کی بد دعا سے بچتے رہنا؛ کیوں کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

فائدہ: ہر مؤمن کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ یہ ایک ایسا حق ہے جو ہر وقت ہر آدمی دوسرے پر رکھتا ہے۔ جو شخص اس حق کو ادا نہیں کرتا وہ ظالم ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»[3]. ظلم قیامت کے دن اندھیرے ہوں گے۔ ظلم ایسی چیز ہے کہ وہ اپنا اثر دنیا میں ہی میں دکھا دیتی ہے، دیر یا سویر ظالم دنیا میں ہی اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ اللہ پاک اپنے نیک بندوں کے اوپر ہونے والے ظلم کا بدلہ فوراً لے لیتا ہے، کبھی اس میں دیر ہوتی ہے اور کبھی اس بدلہ کا تعلق مظلوم کی بد دعاء سے ہوتا ہے کہ اگر بد دعاء کیا؛ تو اللہ نے اس کی آہ کو قبول کر لی۔ حدیث شریف میں اگرچہ مظلوم کی بد دعاء کا ذکر ہے؛ لیکن ظلم کرنا کسی پر بھی خواہ انسان ہو، یا حیوان جائز نہیں ہے، اور ظلم سے مراد کسی کو ناحق تکلیف پہنچانا ہے، چاہے کسی بھی طرح ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مظلوم کی بد دعاء

(۱) فتح الباری: ۱۲/۱۲.
(۲) البخاری: ۲۴۴۸، للظالم الاتقاء ... المظلوم.
(۳) صحیح البخاری: ۲۴۴۷، کتاب المظالم.

مستجاب ہوتی ہے، چاہے وہ فاجر ہو یا گنہگار ہو، اس کا گناہ اس کے اوپر ہوگا"[۱]۔ اروٰی بنت اویس کے ظلم کا قصہ حدیث نمبر ۷۹ میں گزر چکا ہے۔

حدیث شریف میں بتایا گیا کہ مظلوم کی آہ سے بچو، مظلوم کی آہ بہت جلد قبول ہوتی ہے۔ اللہ پاک اور مظلوم کی آہ اور بددعا کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، کہ بددعا کے قبول ہونے میں وقت لگے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ ظلم سے مراد ظلم کی تمام قسمیں ہیں جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا[۲]۔

(۱۰۹) ایمان مدینے میں سمٹ آئے گا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّ الْإِيمَانَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْمَدِينَةِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا»[۳].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایمان سمٹ کر مدینہ میں اس طرح آجائے گا جیسے سانپ سمٹ کر اپنے بل میں چلا جاتا ہے۔

فائدہ: اللہ پاک نے اس کائنات میں جتنی بھی چیزیں بنائی ہیں، ان میں سے ایک کو دوسرے پر کسی نہ کسی وجہ سے فوقیت حاصل ہے۔ جیسے علماء کو غیر علماء پر فوقیت حاصل ہے، اصحاب تقویٰ کو غیر متقی پر، بعض انبیاء کو دوسرے بعض انبیاء پر، اسی طرح مسجد حرام کی نماز کو ثواب کے اعتبار سے مسجد نبوی کی نماز پر فوقیت حاصل ہے۔ تو یہ سب اللہ کی قدرت اور اس کے انعامات ہیں۔ چنانچہ اللہ پاک نے مقامات میں بھی بعض مقامات کو دوسرے پر فضیلت و برتری عطا فرمائی ہے۔ انہیں مقدس مقامات میں سے مدینۃ الرسول ﷺ بھی ہے، یہ مبارک زمین بہت سے فضائل اور مناقب کی حامل ہے، جسے یہاں ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے بدعات و خرافات سے مدینہ پاک میں بچنے کی تنبیہ

---

(۱) مسند أحمد: ۸۷۹۵، مصنف ابن أبي شيبة: ۲۹۹۸۷.

(۲) فتح الباري: ۳/۴۱۰.

(۳) البخاري: ۱۸۷۶، فضائل المدينة، الإيمان ...

کی ہے۔علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ شریف روئے زمین پر ایسی جگہ ہوگی جہاں بدعات و خرافات نہیں ہوں گے۔ اگر یہ معنی اور مفہوم مراد لیا جائے، تو فرماتے ہیں کہ یہ بات صرف نوے ۹۰ سال تک ہی محدود ہے، یعنی قرونِ ثلاثہ، خلفاءِ اربعہ، تابعین و تبع تابعین کے زمانہ تک وہاں بدعات و خرافات نہیں تھے۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس زمانے کو خیر القرون، یعنی سب سے اچھا زمانہ کہا ہے۔ پھر اس کے بعد کے زمانہ میں اور خاص کر ہمارے زمانے میں بدعات کی کثرت ہوگئی ہے(۱)۔

ابن حجرؒ نے بھی بڑی اچھی تشریح فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف سے مراد یہ ہے کہ ہر زمانے میں لوگ ایمان کی محبت میں مدینہ آئیں گے اور ایمان والے جمع ہوں گے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں مؤمنین ہجرت کر کے آپ ﷺ سے دین سیکھنے اور آپ ﷺ کی زیارت کے لیے آتے تھے۔ آپ ﷺ کے بعد صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں مؤمنین ان کے نقش قدم پر چلنے کے لیے اور استفادے کی غرض سے آتے تھے۔ پھر آپ ﷺ کے بعد سے قیامت تک لوگ نبی کریم ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت، مسجد نبوی میں نماز اور نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے آثار سے برکات حاصل کرنے کے لیے آتے رہیں گے(۲)۔

(۱۱۰) شیطان کی تین گرہیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلَى قَافِيَةِ رَأْسِ أَحَدِكُمْ - إِذَا هُوَ نَامَ - ثَلَاثَ عُقَدٍ، يَضْرِبُ كُلَّ عُقْدَةٍ، عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيلٌ فَارْقُدْ، فَإِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ تَوَضَّأَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَإِنْ صَلَّى انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ، فَأَصْبَحَ نَشِيطًا طَيِّبَ النَّفْسِ، وَإِلَّا أَصْبَحَ خَبِيثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ»(۳).

---

(۱) عمدة القاري: ۳٦٥/۱۰.
(۲) فتح الباري: ۱۱۲/٤.
(۳) البخاري: ۱۱٤۲، التهجد بالليل، عقد ... بالليل.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "شیطان آدمی کے سر کے پیچھے رات میں سوتے وقت تین گرہیں لگا دیتا ہے، ہر گرہ پر پڑھ کر پھونکتا ہے کہ سوجا ابھی رات بہت باقی ہے، پھر اگر کوئی بیدار ہو کر اللہ کی یاد کرنے لگا، تو ایک گرہ کھل جاتا ہے۔ پھر جب وضو کرتا ہے تو دوسرا گرہ کھل جاتا ہے۔ پھر اگر نماز پڑھے تو تیسرا گرہ بھی کھل جاتا ہے۔ اور وہ نشاط کے ساتھ خوش دل ہو کر صبح کرتا ہے، ورنہ صبح کے وقت دل کی خباثت اور سستی میں مبتلا رہتا ہے"۔

فائدہ: نماز کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ قیامت کے دن سب سے پہلے عبادتوں میں سے نماز کی ہی پوچھ ہوگی کہ فرائض ادا کیے تھے یا نہیں۔ اسی طرح نوافل کی اہمیت بھی مسلم ہے، اللہ پاک فرض نماز کی کمی کو نوافل کے ذریعہ پوری فرمائیں گے۔

حافظ ابن حجرؒ نے حدیث شریف کی دو تفسیریں لکھی ہیں۔ ایک یہ کہ سونے سے مراد عشاء کی نماز چھوڑ کر سونا ہے۔ دوسری یہ کہ حدیث پاک میں تہجد کی نماز مراد ہے کہ انسان جب سوتا ہے؛ تو شیطان تہجد سے روکنے کے لیے اس کو سلاتا رہتا ہے کہ اس کی تہجد چھوٹ جائے[1]۔

علامہ عینیؒ نے سر کے پیچھے حصہ میں گرہ لگانے کے کئی مطلب بیان کیے ہیں۔ ایک تو یہ کہ سر کے پیچھے گدی پر گرہ لگانا حقیقت پر محمول ہے کہ واقعتاً وہ گرہ لگاتا ہے، جیسے ساحر اور جادوگر جادو کرتے وقت کسی رسی وغیرہ پر منتر پڑھ کر گرہ لگاتے ہیں، یا اس کے معنی یہ ہیں کہ شیطان سوئے ہوئے شخص کو نماز اور ذکر اللہ کے لیے اٹھنے سے منع کرتا ہے، اور اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے، یعنی شیطان یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ ابھی بہت لمبی رات باقی ہے سوئے رہو۔ خلاصہ یہ کہ شیطان ہر ممکن کوشش کرتا ہے کہ بندہ نماز کے لیے نہ اٹھ سکے۔ لیکن اٹھنے کے بعد کوئی بھی ذکر کرتا ہے؛ مثلاً سو کر اٹھنے کی دعا پڑھ لیتا ہے، تو ایک گرہ کھل جاتا ہے، جب وہ نماز پڑھنے کے لیے وضو کرتا ہے، تو دوسرا گرہ

---

(۱) فتح الباری: ۲۹/۳۔

کھل جاتا ہے اور جب وہ نماز پڑھ لیتا ہے، تو تیسرا گرہ بھی کھل جاتا ہے۔ پھر وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب صبح کرتا ہے؛ تو کافی خوشی اور سکون محسوس کرتا ہے؛ کیوں کہ اللہ نے اس کو طاعات کی توفیق دی اور شیطان کا اثر ختم ہو گیا۔ اور اگر نماز کے لیے بیدار نہیں ہوا، سوتا ہی رہا؛ تو جب صبح وہ بیدار ہوتا ہے تو طاعات وعبادات کے چھوٹ جانے اور شیطانی اثرات کے رہنے کی وجہ سے، افسردہ دل اور سست مزاج رہتا ہے(۱)۔

(۱۱۱) دنیا ہی میں معافی تلافی کرلو

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ مَظْلِمَةٌ لِأَخِيهِ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهَا؛ فَإِنَّهُ لَيْسَ ثَمَّ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُؤْخَذَ لِأَخِيهِ مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَخِيهِ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ»(۲).

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے اپنے بھائی پر ظلم کیا ہو، تو اسے چاہیے کہ اس سے معاف کرالے۔ اس لیے کہ آخرت میں دینار ودرہم (روپے پیسے) نہیں ہوں گے، قبل اس کے کہ اس کے نیک اعمال میں سے اس کے بھائی کا حق دلا دیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو اس (مظلوم) بھائی کے گناہ اس ظالم پر ڈال دیے جائیں گے۔

فائدہ: ظلم کی مذمت وقباحت کے بارے میں پہلے دو احادیث گزر چکی ہیں۔ حدیث نمبر: (۹۷ اور ۱۰۸)۔ یہ حدیث پاک بھی ظلم کے بارے میں ہے۔ حدیث شریف میں حقوق العباد کا ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کسی بندہ پر کسی کا کوئی حق باقی ہے، تو دنیا میں ہی معاملہ کو نمٹا دے ورنہ آخرت میں بہت بڑی مشکل میں پھنسنے والا ہے۔ اگر دنیا میں اس نے اپنے بھائی کا حق ادا نہیں کیا، اس پر ظلم کیا ہے؛ تو آخرت میں زبردستی اس کا حق دلوایا جائے گا۔ اور زبردستی اس لیے کہا کہ قیامت میں تو سب ہی نیکی کے محتاج ہوں گے۔ اپنی نیکی دینے کے لیے آسانی سے کون راضی ہوگا؛ اسی لیے زبردستی کہا گیا ہے۔

(۱) عمدۃ القاری: ۲۸۷/۷۔

(۲) البخاري: ۶۵۳۴، الرقاق، القصاص ..... الحاقة.

قیامت کے دن روپیہ پیسہ، درہم ودینار، غلہ واناج اور زمین وجائداد نہیں ہوں گے کہ وہاں یہ چیزیں دے کر کسی کا حق ادا کر دیا جائے۔ قیامت میں حق والوں کا حق دلانے کا طریقہ یہ ہوگا کہ ظالم کے اچھے اعمال مظلوم کو ظلم کے بدلے دے دیے جائیں گے۔ پھر بھی اگر حق ادا نہ ہو سکا اور اعمال حسنہ ختم ہو گئے؛ تو مظلوم کی برائیاں اس ظالم پر ڈال دی جائیں گی۔ اب وہ ظالم نیکی نہ ہونے کی وجہ سے جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور پھر عذاب کی متعینہ مدت جو اللہ کو معلوم ہے، جھیل کر ایمان کی وجہ سے جہنم سے نکال کر جنت میں بھیجا جائے گا؛ لیکن یہ سب اللہ کی مشیت پر منحصر ہے۔

(۱۱۲) جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والی جماعت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَوَّلُ زُمْرَةٍ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، وَالَّذِينَ عَلَى آثَارِهِمْ كَأَحْسَنِ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَاءِ إِضَاءَةً، قُلُوبُهُمْ عَلَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ، لَا تَبَاغُضَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَحَاسُدَ، لِكُلِّ امْرِئٍ زَوْجَتَانِ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ، يُرَى مُخُّ سُوقِهِنَّ مِنْ وَرَاءِ الْعَظْمِ وَاللَّحْمِ»(1).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے پہلی جو جماعت جنت میں داخل ہوگی، ان کے چہرے چودھویں چاند کی طرح ہوں گے، اور جو لوگ ان کے بعد جائیں گے، وہ اس ستارے کے مانند روشن اور چمک دار ہوں گے جو آسمان میں سب سے زیادہ چمکنے والا ہے، سب کے دل ایک جیسے ہوں گے، ان کے درمیان نہ بغض ہوگا، نہ حسد، ہر جنتی کے لیے حور عین میں سے دو بیویاں ہوں گی، جن کی پنڈلی کے اندر کا گودا ہڈی اور گوشت کے اوپر سے دکھائی دے گا۔

فائدہ: حدیث شریف میں اہل جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے، جو اللہ پاک ہر جنتی کو عطا فرمائے گا۔ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں جو سب سے پہلی جماعت داخل ہوگی، یعنی انبیاء کی جماعت، ان کے چہرے چودھویں چاند کی طرح روشن اور منور ہوں گے، پھر اس کے بعد جو دوسری

(1) البخاري: ۳۲۵۴، بدء الخلق، في صفة الجنة

جماعت داخل ہوگی، اور اس جماعت میں صحابہ کرامؓ، امت کے علماء وفقہاء، اور صلحاء وشہدا ہوں گے، ان کے چہرے آسمان پر چمکنے والے سب سے تیز چمک دار ستاروں کے مانند ہوں گے، تمام جنتیوں کے دل ایک جیسے ہوں گے، ان کے اندر آپسی اتحاد واتفاق ہوگا، آپسی نزاع اور حسد سے پاک ہوں گے۔ ان تمام جنتیوں کو حور عین میں سے دو بیویاں اللہ پاک عطا فرمائے گا؛ جن کی خوبصورتی کا عالم یہ ہوگا کہ پنڈلیوں کی ہڈیوں میں جو گودا ہوتا ہے، وہ ہڈیوں، گوشت اور چمڑے کے اوپر سے نظر آئے گا، اور یہ بیویاں دنیوی بیویوں کے علاوہ ہونگی، دنیا میں جس نے جتنی شادیاں کی تھیں، اگر وہ سب بھی جنتی ہوئیں؛ تو وہاں ملیں گی، اور وہ سب حور عین سے زیادہ جاذب نظر اور خوبصورت ہوں گی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہاں پر حور عین کی تعداد کے سلسلہ میں کئی روایتیں ذکر کی ہیں۔ کسی روایت میں حور عین کی تعداد ۷۰ ہے، کسی میں ۷۲ ہے، کسی میں ۱۰۰ ہے اور کسی میں ۵۰۰ ہے[۱]۔ راقم کی رائے یہ ہے کہ اہل جنت کے مراتب کے حساب سے مختلف تعداد کا ذکر حدیث شریف میں مذکور ہے۔

(۱۱۳) کس دن کیا چیز بنائی گئی؟

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِي، فَقَالَ: «خَلَقَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ التُّرْبَةَ يَوْمَ السَّبْتِ، وَخَلَقَ فِيهَا الْجِبَالَ يَوْمَ الْأَحَدِ، وَخَلَقَ الشَّجَرَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ، وَخَلَقَ الْمَكْرُوهَ يَوْمَ الثُّلَاثَاءِ، وَخَلَقَ النُّورَ يَوْمَ الْأَرْبِعَاءِ، وَبَثَّ فِيهَا الدَّوَابَّ يَوْمَ الْخَمِيسِ، وَخَلَقَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فِي آخِرِ الْخَلْقِ، فِي آخِرِ سَاعَةٍ مِنْ سَاعَاتِ الْجُمُعَةِ، فِيمَا بَيْنَ الْعَصْرِ إِلَى اللَّيْلِ»[۲].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا: "اللہ رب العزت نے ہفتہ کے دن مٹی اور اتوار کے دن اس میں پہاڑ اور پیر کے دن درخت اور

(۱) فتح الباري: ٦/٨.٤.

(٢) صحيح مسلم: ٢٧٨٩، القيامة والجنة والنار.

منگل کے دن مکروہات اور بدھ کے دن نور کو پیدا فرمایا، اور جمعرات کے دن زمین میں چوپائے پھیلائے، اور سب مخلوقات کے اخر میں آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن عصر کے بعد سے لے کر رات تک کے درمیان آخری ساعتوں میں سے کسی وقت میں پیدا فرمایا"۔

فائدہ: حدیث شریف میں تخلیقِ کائنات کے اوقات کا ذکر ہے۔ اللہ پاک سارے جہان کا خالق ہے، اللہ کی ذات ازلی اور ابدی ہے، کائنات کا وجود اسی سے ہے۔ اللہ پاک قرآن کریم میں فرما ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَى فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾ ترجمہ: اور وہی ہے جو پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس کے نزدیک زیادہ آسان ہے، اور آسمان اور زمین میں اسی کی شان اعلی ہے، اور وہ زبردست حکمت والا ہے (۱)۔ عینیؒ نے اِس آیت کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے کہ وہ اللہ جو مخلوق کو پیدا کرتا ہے، بناتا ہے، عدم سے وجود میں لاتا ہے، دوسری بار بھی اس کو قیامت کے لیے اٹھائے گا۔ اللہ کے لیے دوسری بار اٹھانا پہلی بار کے مقابلہ میں زیادہ آسان ہے۔ اور اللہ پاک کی شان وصفات زمین وآسمان میں سب سے زیادہ بلند ہے، اور وہ اپنی ملکیت میں زبردست قدرت اور حکمت والا ہے (۲)۔

حدیث شریف میں یہ بتایا گیا کہ پوری کائنات کو سات دنوں میں پیدا کیا گیا۔ دراصل یہ حدیث تفصیل ہے اللہ پاک کے اس قول: ﴿ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴾ ترجمہ: اور وہ (اللہ) ایسا ہے کہ سب آسمان وزمین کو چھ دن کی مقدار میں پیدا کیا، اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا، تاکہ تم کو آزماوے کہ (دیکھیں) تم میں اچھا عمل کرنے والا کون ہے؟ اور اگر (آپ لوگوں سے) کہتے ہیں کہ یقیناً تم لوگ مرنے کے بعد (قیامت کے

---

(۱) الروم: ۲۷، بیان القرآن.

(۲) عمدۃ القاری: ۱۵/۱۰۹.

دن دوبارہ) زندہ کیے جاؤ گے تو (ان میں) جو لوگ کافر ہیں (وہ قرآن کی نسبت جس میں بعث کی خبر ہے) کہتے ہیں کہ یہ تو نرا صاف جادو ہے[۱]۔

اس کے علاوہ بھی کئی آیتیں ہیں جن میں یہ ذکر ہے کہ اللہ نے تخلیق کائنات کی تکمیل تدریجاً چھ دن میں کی ہے۔

(۱۱۴) جہنم کی ستر ہزار لگامیں

عَنْ عَبْدِ اللهِ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يُؤْتَى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لَهَا سَبْعُونَ أَلْفَ زِمَامٍ، مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ يَجُرُّونَهَا».[۲]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن جہنم کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے کھینچتے ہوں گے"۔

فائدہ: اللہ پاک نے نیک وصالح لوگوں کے لیے جنت کی خوش خبری دی ہے اور اس کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت میں طرح طرح کی نعمتیں اُن کے لیے تیار کر رکھا ہے اور اس کو بڑی کامیابی قرار دیا ہے۔ اللہ پاک قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ﴾ ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے (بہشت کے) باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، (اور) یہ بڑی کامیابی ہے[۳]۔ اور کافر و فاسق لوگوں کے لیے جہنم کی وعید قرآن و حدیث میں آئی ہے، البتہ کافر و مشرک کے لیے جہنم دائمی ٹھکانہ ہو گا، جب کہ فاسق و فاجر مسلمان جہنم میں اپنی مدت پوری کر کے، ایمان کی بدولت جہنم سے نکالے جائیں گے اور جنت میں جائیں گے۔ اگر اللہ چاہے تو گناہ گار کی مغفرت فرما کر بغیر عذاب دیے ہوئے جنت میں داخل فرما دیں گے۔ لیکن کافر اور مشرک بہر حال جہنم

---

(۱) هود: (۷) بيان القرآن.

(۲) مسلم: ۲۸۴۲، الجنة، في شدة حر نار جهنم

(۳) البروج: ۱۱، بيان القرآن

میں ہی رہیں گے، اسی جہنم کی حالت اور کیفیت کو رسول اللہ ﷺ نے حدیث شریف میں بیان فرمایا ہے۔

جہنم کے معنی ہیں کریہہ المنظر، جو دیکھنے میں بد صورت ہو اور بعض حضرات نے کہا کہ جہنم کے معنی گہرا کنواں، گہرا گڈھا ہے، قیامت کے دن جب بندوں کو حساب کے لیے جمع کیا جائے گا، تو جہنم کو ستر ہزار لگاموں کے ساتھ لایا جائے گا۔ زمام وہ رسی جو جانور کی ناک یا سر میں اس کو قابو میں رکھنے کے لیے باندھی جاتی ہے۔ اسی طرح جہنم اتنی بڑی ہو گی کہ اس کو قابو کرنے کے لیے اس کے ستر ہزار لگام ہوں گے۔ اور وہ جہنم اتنی غضبناک ہو گی کہ وہ چاہے گی کہ سب کو نگل لے، اس لیے ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے پکڑے ہوئے ہوں گے۔ یہ روایت ترمذی شریف میں بھی ہے[۱]۔ اللہ پاک ہم سب کی حفاظت فرمائے، آمین۔ جہنم اتنی گہری ہو گی کہ اہل جہنم کو جب جہنم میں ڈال دیا جائے گا تب بھی وہ نہیں بھرے گی، اللہ پاک اس سے پوچھیں گے کہ تو بھر گئی؟ تو وہ کہے گی اور بھی ہے کیا؟[۲]

(۱۱۵) جنت کی نعمتیں دائمی ہیں

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «يُنَادِي مُنَادٍ: إِنَّ لَكُمْ أَنْ تَصِحُّوا فَلَا تَسْقَمُوا أَبَدًا، وَإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَحْيَوْا فَلَا تَمُوتُوا أَبَدًا، وَإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَشِبُّوا فَلَا تَهْرَمُوا أَبَدًا، وَإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَنْعَمُوا فَلَا تَبْتَئِسُوا أَبَدًا، فَذَلِكَ قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿ وَنُودُوا أَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴾[۳].

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ اور ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ایک آواز لگانے والا آواز لگائے گا (کہ جنت میں) تمہارے لیے صحت ہے، کبھی بیمار نہ ہو گے، تمہارے لیے زندگی ہے، کبھی موت نہ آئے گی، تمہارے لیے جوانی ہے، کبھی بڑھاپا

---

(۱) دليل الفالحين: ۲/۲۳۶، باب الخوف.
(۲) سورة ق: (۳۰).
(۳) صحيح مسلم: ۲۸۳۷، الجنة وصفة نعيمها.

نہ آئے گا، تمہارے لیے خوشحالی ہے، کبھی کوئی پریشانی نہ ہوگی۔ یہ حدیث اُس آیت کی تفسیر ہے جس میں اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿ وَنُودُوا أَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴾ : اور ان سے پکار کر کہا جاوے گا کہ جنت تم کو دی گئی ہے، تمہارے اعمال کے بدلے[1]۔

فائدہ: حدیث شریف میں جنت میں داخل ہونے کے بعد جو نعمتیں ملیں گی، ان میں سے چند نعمتوں کا ذکر ہے۔ چوں کہ مسلمانوں کا دائمی گھر اور ٹھکانہ جنت ہے؛ اس لیے وہاں کی زندگی اور نعمتیں بھی دائمی ہی ہوں گی۔ مگر پھر بھی اطمینان قلب کے لیے فرشتوں سے اعلان کرادیا جائے گا کہ دل مطمئن ہو جائے۔ جنتی حضرات یہ اعلان سن کر خوش ہو جائیں۔ چناں چہ اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿ يَا عِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ* الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ* ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ﴾ ترجمہ: اے میرے بندو تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہوگے۔ یعنی وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے تھے، اور (ہمارے) فرماں بردار تھے۔ تم اور تمہاری ایمان دار بیویاں خوشی بخوشی جنت میں داخل ہو جاؤ[2]۔

حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے سورۃ الاعراف کی ایک آیت تلاوت فرمائی، پھر فرمایا کہ یہ حدیث اسی آیت کی تفسیر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک منادی آواز لگائے گا کہ اے جنتیو! یہ جنت تمہارے اعمال کے بدلہ میں ملی ہے، پائیدار اور ہمیشگی کی جگہ ہے، یہاں صحت ہی صحت ہے، بیماری کا نام و نشان نہیں ہے، یہاں زندگی ہی زندگی ہے، موت کا سوال ہی نہیں ہے، یہاں صرف جوانی ہی ہے، بڑھاپا اور کمزوری نہیں ہے، یہاں صرف خوشی اور مسرت ہی ہے، رنج وملال اور حزن کا یہاں کام نہیں ہے۔ یہاں کی ساری نعمتیں دائمی کبھی نہ ختم ہونے والی ہیں۔

(۱) الاعراف: ۴۳، بیان القرآن۔ (۲) الزخرف: ۶۸-۷۰، بیان القرآن۔

(۱۱۶) حج و عمرہ فقر و فاقہ اور گناہوں کو مٹاتے ہیں

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «تَابِعُوا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ، وَالذُّنُوبَ، كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ، وَالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةِ، وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُورَةِ ثَوَابٌ إِلَّا الْجَنَّةُ»[1].

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "حج اور عمرہ پے درپے کرو (یعنی بار بار الگ الگ سفر کرو)؛ کیوں کہ وہ دونوں محتاجگی اور گناہوں کو ختم کرتے ہیں، جیسے بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کے میل (زنگ) کو ختم کرتی ہے، اور حج مبرور کا ثواب جنت ہی ہے"۔

فائدہ: حج و عمرہ کے بہت فضائل و فوائد احادیث میں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب وہ حج سے فارغ ہے؛ تو وہ گناہوں سے ایسے پاک ہو جاتا ہے جیسے نو مولود بچہ گناہوں سے پاک رہتا ہے۔ حدیث شریف میں یہ بتایا گیا ہے حج و عمرہ کرتے رہنے سے تنگدستی، و فقر و فاقہ دور ہوتے ہیں، اور گناہ معاف ہوتے ہیں؛ اس لیے اللہ تعالی نے جس کو سہولت دی ہے، اسے چاہیے کہ حج و عمرہ کے لیے الگ الگ سفر کرے۔ نبی کریم ﷺ نے حدیث پاک میں اس کے تین فائدے ذکر کیے ہیں۔ ان سے غربت دور ہوتی ہے، گناہ معاف ہوتے ہیں اور حج مقبول ہے تو جنت واجب ہوتی ہے۔

طیبیؒ نے لکھا ہے کہ جب عمرہ سے فارغ ہو جاؤ؛ تو حج کرو اور حج سے فارغ ہو کر عمرہ کرو۔ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ حج قران یا تمتع کے ذریعہ سے حج اور عمرہ کرو؛ اس لیے کہ حج اور عمرہ کرنا، ان دونوں میں سے ہر ایک کی یہ خصوصیت ہے کہ غربت اور فقر و فاقہ کو دور کرتا ہے اور انسان غنی ہو جاتا ہے، خواہ غنا ظاہری ہو، یعنی مال واسباب کا آجانا، یا غناء باطنی ہو، یعنی دل کا مستغنی ہو جانا۔ اور گناہوں کو مٹا دیتا ہے، خواہ صغائر ہوں یا کبائر، کیوں کہ وہ حج و عمرہ میں توبہ کرتا ہے، جو گناہ کبیرہ کے معاف ہونے کے لیے ضروری ہے اور حج مقبول کا ثواب صرف جنت ہی ہے[2]۔

---

(۱) الترمذي: ۸۱۰، ثواب الحج والعمرة.

(۲) مرقاة المفاتيح: ۵/۴۳۷.

عمرہ میں دو فرائض ہیں: (۱) میقات سے احرام باندھنا۔ (۲) طواف کرنا۔ دو واجبات ہیں: (۱) صفاو مروہ کے درمیان سعی کرنا (۲) حلق یا قصر کرانا (یعنی سر کے بال منڈوانا یا چھوٹے کروانا)۔ حج کے سلسلے کی چند احادیث اور مسائل ان شاءاللہ ذوالقعدہ کے مہینہ میں ذکر کی جائیں گے۔

(۱۱۷) مشتبہ امور سے بچنے کا حکم

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ ﷺ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «الحَلَالُ بَيِّنٌ، وَالحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لا يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعَى حَوْلَ الحِمَى يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ، أَلا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلا إِنَّ حِمَى اللهِ فِي أَرْضِهِ مَحَارِمُهُ، أَلا وَإِنَّ فِي الجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الجَسَدُ كُلُّهُ، أَلا وَهِيَ القَلْبُ»[1].

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے ہیں: "حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے، اور دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں۔ جن کو بہت لوگ نہیں جانتے، (کہ وہ حلال ہیں یا حرام ہیں) پھر جو کوئی شبہ کی چیزوں سے بھی بچ گیا، اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا اور جو کوئی ان شبہ کی چیزوں میں پڑ گیا، اس کی مثال اس چرواہے کی ہے جو (شاہی محفوظ) چراگاہ کے آس پاس اپنے جانوروں کو چرائے، قریب ہے کہ وہ کبھی اس چراگاہ کے اندر گھس جائے۔ (پھر وہ مجرم ہو جائے گا) سن لو! ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے، اللہ کی چراگاہ اس کی زمین پر حرام (گناہ کی) چیزیں ہیں۔ (اس لیے ان سے بچو) سن لو! بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہو گا؛ تو سارا بدن درست ہو گا، جہاں وہ بگڑا کہ سارا بدن بگڑ جائے گا۔ سن لو! وہ ٹکڑا دل ہے"۔

فائدہ: یہ حدیث شریف بہت اہم ہے اور ان چار احادیث میں سے ایک ہے، جس کا انتخاب امام ابوداودؒ نے کیا ہے اور انھوں نے فرمایا ہے کہ ان چار احادیث میں پورے دین کی حفاظت کا

(۱) البخاري: ۵۲، الإيمان، فضل من استبرأ لدينه.

طریقہ موجود ہے۔ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ حلال چیزیں بالکل واضح ہیں، وہ اس طرح کہ قرآن وحدیث کے ذریعہ وہ معلوم ہو چکی ہیں کہ کون سی چیزیں حلال ہیں، اسی طرح حرام چیزیں بھی بالکل واضح ہیں، پوشیدہ نہیں ہیں؛ کیوں کہ قرآن وحدیث میں وضاحت سے اس کا بھی ذکر موجود ہے جیسے فحش کام، حرام چیزیں، مردار، خون، اور خنزیر کا گوشت، سود، ناچ گانا وغیرہ؛ اور ان حلال اور حرام کے علاوہ کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا حکم اور اس کی حقیقت اکثر لوگوں کو معلوم ہی نہیں ہے، سوائے فقہاء ومجتہدین کے اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی عظمت اور اس کے فوائد کثیرہ پر علماء کا اتفاق ہے۔ یہ ان احادیث میں سے ہے جن پر اسلام کا مدار ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ حدیث ثلث اسلام ہے۔ اسلام کا مدار اِس حدیث پر اور حدیث: «الأعمال بالنية»[1] اور حدیث: «من حسن إسلام المرءِ تركه مالا يعنيه»[2] پر ہے۔ امام ابوداودؒ نے فرمایا کہ اسلام کا مدار چار حدیثوں پر ہے، تین جو مذکور ہوئیں اور چوتھی حدیث: «لا يؤمن أحدكم حتَّى يحبَّ لأخيه ما يحب لنفسه»[3] ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ چوتھی حدیث: «ازهد في الدنيا يحِبُّكَ اللهُ، وازهد ما في أيدي الناس يحِبُّكَ الناسُ»[4] ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے اہم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس میں کھانے پینے اور لباس وغیرہ کے حلال ہونے اور اس کی اصلاح کی طرف امت کو متنبہ کیا ہے اور مشتبہات سے بچنے کا حکم فرمایا ہے۔ آخری جملہ میں اصلاح قلب کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے اور تاکید کی گئی کہ اصلاح قلب کی کوشش کرو؛ اگر دل صاف اور صحیح ہے تو سمجھ لو کہ سب صحیح ہے۔ اللہ کے محارم سے مراد گناہ اور اللہ کی نافرمانیاں ہیں، جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، جیسے زنا، قتل، چوری،

---

(١) البخاري: ٥٤ كتاب الايمان.

(٢) الترمذي: ٢٣١٧ ابواب الزهد عن رسول الله ☐.

(٣) البخاري: ١٣ كتاب الايمان.

(٤) ابن ماجة: ٤١٠٢ كتاب الزهد.

بہتان، جھوٹ، غیبت، چغل خوری، حرام مال کا حصول وغیرہ؛ ان چیزوں کی وجہ سے انسان عقاب کا مستحق ہو جاتا ہے؛ اس لیے ان سے بچنے کا حکم ہے[1]۔

(۱۱۸) اچھے برے ساتھی کی مثال

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَثَلُ الجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالجَلِيسِ السَّوْءِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ وَكِيرِ الحَدَّادِ؛ لَا يَعْدَمُكَ مِنْ صَاحِبِ الْمِسْكِ إِمَّا تَشْتَرِيهِ أَوْ تَجِدُ رِيحَهُ، وَكِيرُ الحَدَّادِ يُحْرِقُ بَدَنَكَ أَوْ ثَوْبَكَ، أَوْ تَجِدُ مِنْهُ رِيحًا خَبِيثَةً»[2].

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نیک ہم نشیں اور برے ہم نشیں کی مثال ایسی ہے جیسے مشک بیچنے والا اور لوہار کی بھٹی؛ مشک والے سے تم محروم نہیں رہوگے، اس کو خریدوگے، یا اس کی خوشبو سونگھوگے، اور لوہار کی بھٹی تیرا بدن، یا تیرے کپڑے جلادے گی، یا اس سے بدبو پائے گا"۔

فائدہ: یہ ایک حقیقت ہے کہ گرد و پیش کے ماحول کا اثر انسان پر بہت تیزی سے ہوتا ہے، جیسا ماحول اس کو میسر ہوتا ہے، اسی ماحول میں وہ زندگی گزارنا شروع کر دیتا ہے، اسی لیے کسی جگہ سکونت اختیار کرنے سے قبل پڑوسی کو پرکھنے کا حکم دیا گیا ہے کہ اچھا ہے یا برا۔ اگر پڑوسی دیندار ہے تو ٹھیک، اگر بد اخلاق اور بد کردار ہے؛ تو وہاں سکونت اختیار کرنے سے بچے۔ حدیث شریف میں نیک اور برے لوگوں کی صحبت کے فوائد اور نقصانات کو مثال کے ذریعہ واضح کر کے سمجھایا گیا ہے اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کو کہا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نیک لوگوں کے پاس اٹھنا بیٹھنا، ان کے پاس وقت گزارنے کی مثال ایسی ہے گویا کہ عطار کی صحبت میں بیٹھا ہو، جس کا کام عطر بیچنا ہے کہ اس کے پاس بیٹھ کر یا تو اس سے کوئی عطر خریدے گا، یا کم از کم اس کی خوشبو تو ملے گی ہی۔ بخاری شریف کی دوسری روایت میں ایک تیسری صورت کا بھی ذکر ہے۔ وہ یہ ہے کہ عطار کچھ عطر ہدیہ دے

---

(۱) المنهاج شرح مسلم: ۱۱/۲۵.

(۲) البخاري: ۲۱۰۱، البيوع، في العطار وبيع المسك.

گا[1] یعنی: ہدیہ ملے گا، یا خریدے گا، یا کم از کم اس کی خوشبو سونگھے گا۔

برے لوگوں کی صحبت میں وقت گزارنے کی مثال ایسی ہے، جیسے لوہار کی بھٹی کے پاس بیٹھا ہو کہ وہاں بیٹھنے سے بھٹی کی چنگاری سے بدن جلے گا، یا کپڑا جلے گا، یا کم از کم اس سے بھٹی کی بدبو تو آئے گی ہی یعنی برے لوگوں کی صحبت دین واخلاق اور کردار سب کو جلا کر رکھدے گی۔

ابن حجر اور ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث پاک میں صلحا و علماء کی صحبت و ہم نشینی اور ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے کی ترغیب دی گئی ہے؛ کیوں کہ اس میں دین و دنیا دونوں کی بھلائی ہے۔ اور شریروں اور فساق کی صحبت سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے؛ کیوں کہ اس سے دین اور دنیا دونوں برباد ہوتے ہیں[2]۔

(۱۱۹) عظیم ترین گناہ

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ أَنْ يَلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ». قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ! وَكَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ: «يَسُبُّ الرَّجُلُ أَبَا الرَّجُلِ، فَيَسُبُّ أَبَاهُ وَيَسُبُّ أُمَّهُ».[3]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ پر لعنت بھیجے"۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! کوئی شخص اپنے ہی والدین پر کیسے لعنت کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ایک شخص دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے؛ تو وہ بدلہ میں اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور اس کی ماں کو بھی گالی دیتا ہے"۔

فائدہ: متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ گناہ ایسے سخت ہوتے ہیں کہ اس کی سزا اللہ پاک نے دنیا میں بھی رکھی ہے۔ ان میں سے ایک گناہ والدین کی نافرمانی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا

---

(۱) صحیح البخاري: ٥٥٣٤ كتاب الذبائح.
(۲) مرقاة: ٢١٥/٩ — فتح الباري: ٣٩٠/٤.
(۳) البخاري: ٥٩٧٣، الأدب، لا يسب الرجل والديه.

ارشاد ہے: «كُلُّ ذُنُوبٍ يُؤَخِّرُ اللهُ مِنْهَا مَاشَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا الْبَغْيَ وَعُقُوقَ الْوَالِدَيْنِ، أَوْ قَطِيعَةَ الرَّحِمِ، يُعَجِّلُ لِصَاحِبِهَا فِي الدُّنْيَا قَبْلَ الْمَوْتِ»[۱]۔ اللہ جس کو چاہتا ہے قیامت تک ہر گناہ مؤخر کر دیتا ہے، سوائے ظلم، اور والدین کی نافرمانی کے یا رشتہ توڑنے کے؛ کیوں کہ اس کی سزا موت سے قبل زندگی میں ہی دے دیتا ہے۔

والدین کو گالی دینا اور دلوانا، خواہ دوسرے کے والدین ہوں، بہت بڑا گناہ، اور والدین کی نافرمانی ہے۔ اور والدین کی نافرمانی کرنا حرام ہے۔ اللہ پاک نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْ هُمَا: ان دونوں کو اُف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو[۲]۔ والدین کی نافرمانی کرنے والوں کے لیے بڑی سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں؛ چناں چہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ پاک قیامت کے دن تین آدمیوں کی طرف نظر نہیں فرمائے گا۔ ان میں سے ایک والدین کا نافرمان ہے۔ اس طرح تین آدمی جنت میں نہیں جائیں گے۔ ان میں سے ایک یہی والدین کا نافرمان بیٹا ہے[۳]۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ نافرمانی سے مراد، لڑکے سے والدین کے لیے ایسے قول و فعل کا ارتکاب اور صدور ہے، جو ان کی تکلیف کا سبب بنے[۴]۔

اِس کے برخلاف اگر کوئی نیک بخت اپنے والدین کی فرماں برداری کرتا ہے؛ تو والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی وجہ سے ایسے شخص کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، جیسا کہ بخاری میں تین آدمیوں کی قبولیت دعاء کا واقعہ مذکور ہے کہ ایک غار میں بارش سے بچ کر پناہ لیے ہوئے تھے کہ اچانک ایک پتھر اوپر سے گرا اور غار کا منھ بند ہو گیا۔ اب وہ سب نکل نہیں سکتے تھے۔ ان تینوں نے مشورہ کر کے اپنے اپنے اچھے اعمال کے وسیلہ سے دعاء کی، تو وہ پتھر غار کے منھ سے ہٹ گیا اور وہ سب باہر آگئے۔ ان میں

---

(۱) الأدب المفرد: ٤٦٠۔
(۲) الإسراء: ۲۳ تفهيم القرآن۔
(۳) سنن النسائي: ٢٥٦٢ كتاب الزكاة، المنان بما أعطى۔
(٤) فتح الباري: ١٠/٤٦٩۔

سے ایک شخص اپنے والدین کا خدمت گذار اور فرماں بردار بھی تھا[۱]۔

(۱۲۰) جنتی شراب سے محرومی کا سبب

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ لَمْ يَتُبْ مِنْهَا، حُرِمَهَا فِي الْآخِرَةِ»[۲].

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے دنیا میں شراب پی، پھر اس سے توبہ نہیں کیا؛ تو وہ آخرت میں شراب سے محروم کر دیا جائے گا"۔

فائدہ: انسانیت کی تاریخ پلٹ کر دیکھیں اور ان کی بربادیوں کے اسباب پر غور کریں؛ تو ان کی معاشرتی اور اخلاقی بربادی کی ایک سب سے بڑی وجہ شراب نوشی نظر آئے گی، ان گنت انسانوں کی زندگی اِس ام الخبائث کی بھینٹ چڑھ گئی، عمدہ اخلاق کے اعلیٰ درجہ سے اس طرح لڑھکے کہ ان کی ہستیاں ہی ختم ہو گئیں۔ معاشرہ میں جتنی بھی برائیاں پائی جاتی ہیں؛ ان سب کی ایک بڑی وجہ شراب نوشی ہے، حدیث شریف میں اس کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

حدیث شریف میں بتایا گیا کہ شراب پینے والا شخص اگر بغیر توبہ کے مر گیا، تو آخرت میں جنت کی شراب سے محروم کر دیا جائے گا۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر شراب کو حلال اور جائز سمجھ کر پیا اور بغیر توبہ و تجدید ایمان کے مر گیا؛ تو اب وہ کبھی بھی جنت میں جائے گا ہی نہیں؛ کیوں کہ وہ قرآن کا منکر ہوا اور قرآن کا منکر کافر ہے۔ یا اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ شراب کو حلال اور جائز تو نہیں سمجھتا تھا؛ بل کہ حرام سمجھ کر ہی پیتا تھا، تو اس صورت میں گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا، اب اگر بغیر توبہ کے مر گیا؛ تو سزا بھگتنے کے بعد اخیر میں جنت میں جائے گا۔ مگر وہاں جنت کی شراب نہیں ملے گی۔

---

(۱) صحیح البخاري: ۵۹۷۴، الادب، دعاء من برّ والديه.

(۲) البخاري: ۵۵۷۵، الأشربة، وقول الله: إنما الخمر.

مگر یہ کہ اللہ پاک اپنا فضل فرمائے اور عفو و در گزر کا معاملہ فرمائے؛ تو جنتی شراب کا راستہ ہموار ہو سکتا ہے کہ جیسے دیگر کبائر کرنے والوں کو اللہ معاف کر کے، جنت میں داخل فرمائے گا، ایسے ہی اس کو بھی معاف کر کے جنت کی شراب پلادے گا۔ مگر جس نے جائز سمجھ کر پیا؛ تو وہ کافر ہے، جنت میں ہی نہیں جائے گا تو شراب کا سوال ہی نہیں ہے[1]۔

جمادی الاولی

(۱۲۱) چار بڑے گناہ

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْكَبَائِرِ، قَالَ: «الإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَشَهَادَةُ الزُّورِ»[2].

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کبائر کے بارے میں معلوم کیا گیا؛ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کے ساتھ شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، ناحق قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔

فائدہ: حدیث شریف میں چار گناہ کا ذکر ہے۔ ناحق قتل کرنے کے سلسلے میں تفصیل حدیث نمبر: ۲۰۷ میں، اور جھوٹ بولنے کی وعید میں تفصیل حدیث نمبر: ۱۵۵ اور ۱۸۵ کے تحت آرہی ہے۔ اس حدیث میں والدین کی نافرمانی پر وعید کا ذکر ہے، اس سلسلہ میں کچھ باتیں حدیث: ۱۱۹ میں بھی گزر چکی ہیں۔ یہ بات سب لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ پاک کی مخلوق میں سے انسان پر کسی کا بھی احسان اتنا نہیں ہوتا، جتنا والدین کا احسان بچوں پر ہوتا ہے۔ اولاد والدین کے جسم کا ایک ٹکڑا ہے، یہی وجہ ہے کہ والدین اولاد سے بے پناہ محبت اور شفقت کرتے ہیں۔ اِس کا تقاضہ یہ تھا کہ اولاد کو والدین کی اتنی اطاعت وفرماں برداری کرنی چاہیے کہ اس سے زیادہ اطاعت کسی کی نہ ہو۔

(۱) فتح الباري: ۱۰/۴۰.

(۲) صحيح البخاري: ۲٦٥۳، الشهادات، شهادة الزور

قرآن وحدیث میں والدین کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کے حقوق ادا نہ کرنے اور ان کو تکلیف پہنچانے کی صورت میں سخت عذاب کی وعید ہے۔ اللہ پاک قرآن عظیم الشان میں فرماتا ہے: ﴿ وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا * وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ﴾ ترجمہ: اور تیرے رب نے حکم کر دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی عبادت مت کرو اور تم (اپنے) ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو، اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جاویں، تو ان کو کبھی ہوں بھی مت کہنا، اور نہ ان کو جھڑکنا، اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا۔ اور ان کے ساتھ شفقت سے، انکساری کے ساتھ جھکے رہنا، اور یوں دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمایئے، جیسا انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا پرورش کیا ہے[1]۔

والدین کی ذرا سی نافرمانی انسان کو لے ڈوبتی ہے؛ اس لیے ان کو تکلیف دینے سے اور ان کی بد دعا سے بچنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک عابد جریج کا قصہ اس طرح نقل کیا ہے کہ ایک عورت نے اپنے بیٹے کو پکارا اس وقت وہ اپنے عبادت خانہ میں تھا، ماں نے پکارا: اے جریج! جریج نے کہا کہ اے اللہ میں ماں کو دیکھوں یا نماز کو دیکھوں، ماں نے تین بار آواز لگائی: اے جریج! اس نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ نماز میں مشغول رہا۔ ماں نے ناراض ہو کر بد دعا کر دی، کہ اے اللہ جریج کو موت اس وقت تک نہ آئے جب تک کہ وہ زانیہ کو نہ دیکھ لے۔ چناں چہ اس کے عبادت خانہ کے قریب بکریاں چرانے والی آیا کرتی تھی، اتفاقاً اس کو بچہ پیدا ہوا، لوگوں نے پوچھا کہ کس کا بچہ ہے؟ اس نے الزام لگادیا کہ جریج کا ہے۔ لوگوں نے سزا دینے کے لیے اس کو کٹیا سے نکالا، جریج نے پوچھا

(۱) الإسراء: ۲۳-۲۴ بیان القرآن.

کہ وہ کون عورت ہے؟ جو کہتی ہے کہ اس کا بچہ میرا ہے۔ پھر جریج نے بچہ سے پوچھا کہ اے بچہ تیرا باپ کون ہے؟ بچہ نے جواب دیا کہ فلاں چرواہا ہے[1]۔

حدیث شریف میں والدین کو ناراض کرنے کی سزا ذکر کی گئی ہے۔ ماں کی بد دعاء قبول ہو گئی اور ایک فاحشہ اور زانیہ کا الزام برداشت کرنا پڑا۔ والدین کی نافرمانی وہ بد ترین گناہ ہے جس کی سزا بالعموم اس دنیا میں مل جاتی ہے، آخرت کی سزا تو الگ ہو گی۔ اللہ ہم سب کو صحیح سمجھ دے، ہمیں والدین کی نافرمانی سے بچائے، اور ان کا مطیع و فرماں بردار بنائے آمین۔

(۱۲۴) مہمان کی تعظیم و تکریم

عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْكَعْبِيِّ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، جَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ، وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، فَمَا بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ، وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَثْوِيَ عِنْدَهُ حَتَّى يُحْرِجَهُ» [2].

ترجمہ: حضرت ابو شریح کعبیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے، اس کی خاطر داری بس ایک دن اور رات کی ہے، ضیافت تین دن اور تین راتوں کی ہے۔ اس کے بعد جو ہو وہ صدقہ ہے، مہمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ میزبان کے پاس اتنا ٹھہرے کہ اسے مشقت میں ڈال دے۔

فائدہ: ہر ملک، ہر علاقہ اور ہر قوم میں مہمان نوازی کے طور طریقے مختلف ہیں، ہر قوم میں آنے والے مہمان کو خوش آمدید کہنا، ان کا استقبال کرنا، اور بڑھ چڑھ کر ان کی خدمت کرنا، مہمان کا بنیادی حق سمجھا جاتا ہے، لیکن ہمارے مذہب نے مہمان نوازی کے متعلق جو اصول و قواعد مقرر کیے ہیں، دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ چنانچہ اس حدیث شریف میں انہیں چیزوں کا ذکر اجمالی طور پر کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک چیز ہے مہمانوں کا اکرام کرنا، مومن کی یہ شان ہے کہ وہ مہمان کی عزت

(۱) صحیح البخاري: ۱۲۰۶، الصلاة، اذا ... في الصلاة.

(۲) صحیح البخاري: ۶۱۳۵، الأدب، إكرام ... وخدمته.

کرے، اس کے ساتھ اکرام سے پیش آئے اور اکرام کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ایک دن اور ایک رات خوب بہترین کھانا کھلائے، حتی المقدور کھانے کا اہتمام کرے، بریانی، گوشت، چکن تندوری، وغیرہ یا جو بھی سہولت ہو اس کا اہتمام کرے، تحفہ تحائف دے۔

اور میزبانی تین دن ہے۔ جس میں پہلے دن کا اہتمام داخل ہے، اور دوسرے و تیسرے دن جو ما حضر ہو، گھر میں بنا ہو وہ کھلائے۔ کچھ اہتمام اور زیادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر کچھ اہتمام کرتا ہے تو غلط بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی میزبان مہمان کو کھلاتا ہے تو وہ اس کی طرف سے صدقہ ہے۔ یعنی اچھا اور نیک کام کر رہا ہے، اگر چاہے تو کھلائے چاہے نہ کھلائے۔ تو ضیافت کے کل تین دن ہو گئے۔ اور شرح السنۃ میں بھی انہیں صحابی سے مذکور ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میزبانی تین دن ہے اس میں ایک دن اور ایک رات اہتمام کرنا ہے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ میزبانی اور ضیافت صرف تین ہی دن ہے۔

پھر فرمایا کہ مہمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ میزبان کے پاس تین دن کے بعد بغیر میزبان کے روکے ہوئے ٹھہرا رہے۔ جس کی وجہ سے اس کو تنگی اور پریشانی ہو[1]۔

(۱۴۳) زمانے کو برا بھلا نہ کہو

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «قَالَ اللهُ: يَسُبُّ بَنُو آدَمَ الدَّهْرَ، وَأَنَا الدَّهْرُ، بِيَدِي اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ»[2].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک فرماتا ہے کہ آدم کی اولاد زمانہ کو برا بھلا کہتی ہے؛ حالاں کہ زمانہ میں ہی ہوں، رات و دن میرے قبضہ میں ہیں۔

فائدہ: یہ حدیث قدسی یعنی اللہ پاک کا فرمان ہے۔ حدیث شریف میں انسانوں کو زمانے

(۱) مرقاة المفاتيح: ۱۴۴/۸.
(۲) صحيح البخاري: ۶۱۸۱، الأدب، لاتسبوا الدهر.

اور حالات کو برا بھلا کہنے پر سخت وعید سنائی گئی ہے۔ اللہ پاک نے اس شخص پر ناراضگی کا ظہار فرمایا ہے، جو زمانے کو برا بھلا کہتا ہے۔ زمانے کو گالیاں دینا یا برا بھلا کہنا بعض صورتوں میں انسان کو کفر کے قریب کردیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ کو برا بھلا کہنا مثلاً اس طور پر کہنا کہ کیسا خراب زمانہ آگیا، یا زمانے نے کیا کیا گل کھلائے، یا اس کے علاوہ اور بھی جملے اور برائیوں کے الفاظ سے زمانہ کو یاد کرنا صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ زمانے اور حالات و واقعات خود بخود وجود میں نہیں آتے اور نہ خود بخود تبدیل ہوتے ہیں؛ بل کہ وقت کو الٹ پھیر کرنے والی ذات اللہ کی ہے، اسی کے قبضہ وقدرت میں زمانے کی تبدیلی ہے۔ لہذا زمانے کو برا بھلا کہنا گویا کہ ذات باری کے کام میں عیب نکالنا ہوا۔ گویا کہنے والا یہ کہہ رہا ہے کہ زمانہ بنانے والے مالک نے (نعوذ باللہ) اپنا کام ٹھیک نہیں کیا۔ اس طرح اللہ کی ذات وصفات پر کاری ضرب لگتی ہے۔ ہم مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ پاک اپنی ذات وصفات میں تمام عیوب اور کمی و کوتاہی سے پاک ہے۔ اب اگر کوئی ایسی تہمت اللہ پر لگاتا ہے تو اس تہمت سے ذات باری تعالیٰ کو تکلیف ہوتی ہے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر حقیقتاً جان بوجھ کر زمانہ کو برا بھلا کہا اور زمانہ کی طرف کسی چیز کی نسبت کی تو یہ کفر ہے۔ اگر یونہی آدمی بول دیا، زبان پر آگیا تو اس سے احتیاط ضروری ہے، کافروں سے مشابہت کی وجہ سے؛ اس لیے کہ یہ ان کا پیشہ اور وطیرہ ہے[1]۔

(۱۲۴) اللہ تعالیٰ کو چھینک پسند اور جمائی ناپسند ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْعُطَاسَ، وَيَكْرَهُ التَّثَاؤُبَ، فَإِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ وَحَمِدَ اللهَ، كَانَ حَقًّا عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ سَمِعَهُ أَنْ يَقُولَ لَهُ: يَرْحَمُكَ اللهُ. وَأَمَّا التَّثَاؤُبُ فَإِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِذَا تَثَاوَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرُدَّهُ مَا اسْتَطَاعَ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا تَثَاءَبَ ضَحِكَ مِنْهُ الشَّيْطَانُ.[2]

(۱) فتح الباري: ۱۰/۶۶۰.

(۲) صحيح البخاري: ۶۲۲۶، الأدب، تثاوب ... فيه.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ پاک چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے۔ جب تم میں سے کوئی چھینکے اور الحمد اللہ کہے؛ تو جو مسلمان اس کو سنے ان سب پر حق ہے کہ وہ یرحمک اللہ کہے۔ اور جمائی تو شیطان کی طرف سے ہے؛ اس لیے جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے؛ تو حتی الامکان اس کو روکے؛ کیوں کہ جب کوئی جمائی لیتا ہے؛ تو شیطان اس کی وجہ سے ہنستا ہے۔

فائدہ: اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ اس نے ہمیں زندگی گزارنے کے آداب سکھائے ہیں۔ نعمت پر شکر کرنے کا طریقہ سکھایا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا اور معاشرت، غرض یہ کہ ہر چیز سکھائی گئی ہے۔ اس حدیث شریف میں بھی انھیں آداب میں سے ایک ادب کا ذکر ہے۔ اس میں چھینک اور جمائی کے سلسلہ میں کچھ باتیں بتائی گئیں ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ اللہ پاک چھینک کو پسند فرماتا ہے؛ کیوں کہ اس سے دماغ ہلکا ہوتا ہے اور قوت ادراکیہ کی صفائی ہوتی ہے۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہ قوت انسان کو اطاعت پر آمادہ کرتی ہے اور جمائی کو اللہ پاک ناپسند فرماتا ہے؛ کیوں کہ وہ غفلت اور سستی کا سبب بنتی ہے، عبادت میں بشاشت سے روکتی ہے اور اس کی وجہ سے شیطان ہنستا ہے۔ تو جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور الحمد للہ کہے، (الحمد اللہ کہنے میں حکمت یہ ہے، کہ چھینک کی وجہ سے دماغ کے اندر کی اذیت دور ہوتی ہے، جو ایک بڑی نعمت ہے؛ اس لیے الحمد اللہ کہا جاتا ہے) تو ہر مسلمان جو الحمد اللہ سنے، اس پر یہ حق ہے کہ وہ یرحمک اللہ کہے۔ اسی حدیث کی بنا پر بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یرحمک اللہ کہنا فرض عین ہے؛ لیکن اکثر علماء نے اس کو فرض کفایہ کہا ہے۔ (یعنی اگر سننے والوں میں سے کسی نے بھی جواب نہیں دیا تو سب گنہ گار ہوں گے)۔

جمائی شیطان کی طرف سے ہے۔ یعنی اس سے شیطان خوش ہوتا ہے؛ اس لیے اس پر الحمد للہ نہیں کہا جاتا ہے۔ تو اگر تم میں سے کسی کو جمائی آئے، تو اس کو حتی الامکان روکنا چاہیے۔ روکنے کا طریقہ یہ ہو کہ منھ کو بند رکھے، کیونکہ جب تم میں سے کسی کو جمائی آتی ہے، اور منھ کھولتا ہے، تو خوشی سے

شیطان ہنستا ہے۔ آپ ﷺ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ کو کبھی جمائی نہیں آئی۔[1] مسلم شریف کی ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے؛ تو اپنا ہاتھ اپنے منھ پر رکھ کر روکے؛ کیونکہ شیطان منھ میں داخل ہو جاتا ہے"[2]۔

میرے استاذ محترم حضرت علامہ قمر الدین صاحب مد ظلہ استاذ حدیث: دار العلوم دیوبند، نے بتایا تھا، اس کے بعد ہی میں نے تجربہ کیا کہ اگر جمائی آتے وقت کوئی یہ سوچ لے، کہ نبی کریم ﷺ کو جمائی نہیں آتی تھی اور درود شریف پڑھ لے؛ تو جمائی رک جاتی ہے۔ اب اس کے دو فائدے ہوئے: ایک تو شیطان کو خوشی سے ہنسنے کا موقع نہیں ملا اور نہ وہ منھ میں داخل ہوا۔ دوسرا یہ کہ درود شریف پڑھنے کا ثواب بھی ملا اور اللہ نے دس رحمتیں نازل فرمائیں۔

(۱۲۵) میت کو غسل دینے کا طریقہ

عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَسْلِ ابْنَتِهِ: «ابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوءِ مِنْهَا»[3].

ترجمہ: حضرت ام عطیہ انصاریہؓ فرماتی ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادیؓ کے غسل کے موقع پر فرمایا: اس کی داہنی جانب اور وضو کے مقامات سے (دھونا) شروع کرو۔

فائدہ: حدیث شریف تھوڑی لمبی ہے، اس باب کے شروع میں امام بخاریؒ نے پوری حدیث ذکر کی ہے اس میں میت کو غسل دینے کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح میت کو غسل دیا جائے۔ آج کل یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض جگہوں پر کوئی غسل دینے والا اور کفن پہنانے والا نہیں ملتا، تو پریشانی ہوتی ہے۔ پھر لوگ جیسے تیسے غسل و کفن دے کر دفن کر دیتے ہیں۔ مندرجہ ذیل طریقہ سے میت کو غسل دیا جائے گا۔

---

(۱) مرقاة المفاتيح: ۵۲۸/۸.

(۲) مسلم: ۲۹۹۵، الزهد والرقائق، تشميت العاطس.

(۳) صحيح البخاري: ۱۲۵۵، الجنائز، يبدأ بميامن الميت.

حدیث شریف میں حضرت زینبؓ بنت رسول اللہ ﷺ جو حضرت ابو العاصؓ کی اہلیہ ہیں ان کو غسل دینے کا واقعہ حضرت ام عطیہ ذکر فرما رہی ہیں۔ حضرت زینب کا انتقال ۸ھ میں ہوا تھا۔ میت کو نہلانے کے لیے چارپائی پر رکھنے سے پہلے تین، پانچ یا سات مرتبہ تخت کو لوبان سے چاروں طرف گھوم کر دھونی دی جائے گی۔ پھر تخت پر میت کو رکھا جائے گا۔ غسل دینے کی جگہ پر پردہ کر دیا جائے۔ اس جگہ غسل دینے والا اور اس کا معاون یعنی مدد کرنے والا ہی رہے گا۔

پھر غسل دینے والا میت کو پہلے وضو کرائے گا؛ لیکن کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ انگلی میں کپڑا لگا کر دانت، مسوڑھے، تالو اور ناک وغیرہ کو صاف کر دیا جائے۔ پھر داڑھی کو اور اگر سر میں بال ہیں تو اس کو بھی صابن وغیرہ سے دھویا جائے۔ پھر میت کو بائیں پہلو پر لٹایا جائے؛ تاکہ دائیں طرف سے غسل کی شروعات ہو سکے۔ پھر سر سے پیر تک تین تین بار اس طرح پانی ڈالا جائے کہ پانی نیچے تک پہنچ جائے۔ ایک مرتبہ کا غسل مکمل ہو گیا۔ اگر پاکی حاصل ہو گئی ہے، تو اتنا ہی فرض ہے؛ پھر سنت پر عمل کرنے کے لیے مزید غسل دینا ہے، اب میت کو داہنے پہلو پر لٹائیں گے اور سر سے لے کر پیر تک اس طرح پانی ڈالیں گے کہ پانی نچلے حصہ تک پہنچ جائے؛ پھر غسل دینے والا میت کو اپنا سہارا دے کر بیٹھائے گا اور ہلکے ہاتھ سے اس کے پیٹ کو مسح کرے گا۔ پیٹ کو مسح کرنے کے بعد، جو کچھ بھی گندگی نکلے گی اس کو صاف کر دے گا، دوسری بار کا غسل مکمل ہو گیا۔ تیسری بار پھر بائیں پہلو پر لٹائے گا اور جس طرح پہلی اور دوسری بار سر سے پیر تک تین بار پانی ڈالا تھا اس طرح ڈالے گا، تین بار کا غسل مکمل ہو گیا[1]۔

پہلی اور دوسری بار میں ہلکے گرم پانی سے نہلایا جائے، جس میں بیری کا پتہ ڈال کر گرم کیا گیا ہو۔ آخری مرتبہ کے غسل میں کافور بھی ملایا جائے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ بیری کا پتہ ملا ہوا گرم پانی

(۱) الفقه على المذاهب الأربعة: ۱/۵۰۵.

سے بدن بہت اچھی طرح صاف ہو جاتا ہے اور میل کچیل اچھے سے نکل جاتے ہیں۔ کافور ڈالنے سے زہریلے کیڑے مکوڑے میت سے دور رہتے ہیں اور جسم جلدی خراب نہیں ہوتا۔ اگر تین بار کی غسل سے صفائی حاصل نہ ہو؛ تو پانچ اور سات بار غسل دینے کی اجازت ہے۔ (میت اگر عورت ہے) تو اس کو عورتیں ہی غسل دیں گی۔ کسی مرد کو یہ اجازت نہیں کہ عورت کو غسل دے۔ (خواہ بیٹا، شوہر یا باپ ہی کیوں نہ ہو) اس کو نہلانے کے بعد، ان کے بالوں کی چوٹی نہیں بنائی جائے گی؛ بلکہ بالوں کے دو حصے کرکے سینہ پر کفن کی اوڑھنی کے نیچے ڈال دیا جائے گا[۱]۔

(۱۲۶) کفن کے کپڑے

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفِّنَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ، لَيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ[۲].

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا جو سحول (ایک جگہ ہے) کے بنے ہوئے تھے، ان میں نہ قمیص تھی نہ عمامہ تھا۔

فائدہ: حدیث نمبر: ۱۲۵ میں میت کو غسل دینے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اس حدیث میں حضرت عائشہؓ بتا رہی ہیں کہ آپ ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا۔ وہ یمن کے علاقہ: "سحول" کے بنے ہوئے اور دھلے ہوئے سفید سوتی کپڑے تھے۔ ان کپڑوں میں قمیص اور عمامہ نہیں تھا[۳]۔

نبی کریم ﷺ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا؛ لہذا مرد کے کفن میں تین ہی کپڑے مسنون ہیں۔ (۱) لفافہ (سر سے پاؤں تک، تقریبا پونے تین میٹر) (۲) ازار: (سر سے پاؤں تک، تقریبا ڈھائی میٹر۔) (۳) کرتہ: (جس میں کلی اور آستین نہ ہو، جس کو قمیص بھی کہتے ہیں۔ اس سے کم میں بغیر مجبوری کے کفن دینا اچھا نہیں، خلاف سنت ہے۔ عورت کے کفن میں پانچ کپڑے مسنون ہیں: تین تو

(۱) مرقاۃ: ۴/۱۰۳.
(۲) صحیح البخاري: ۱۲۷۳، الجنائز، الكفن بلا عمامة.
(۳) مرقاۃ: ۴/۱۰۴.

وہی ہیں، جو مرد کے ہیں، یعنی ازار، لفافہ اور کرتہ (۴) سینہ بند: بغل سے گھٹنہ تک ہو تو بہتر ہے، ورنہ ناف تک ہو) (۵) اوڑھنی یا خمار: (تقریباً ڈیڑھ میٹر لمبا) مرد اور عورتوں کے کفن الگ الگ ہیں، اس لیے دونوں کے کفنانے کا طریقہ بھی تھوڑا الگ ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

مرد میت کو غسل دینے کے بعد جس تخت پر اس کو کفن پہنایا جائے گا، اس کو تین، پانچ یا سات بار دھونی دی جائے گی۔ خواہ کفن بچھانے سے پہلے دیں یا بعد میں۔ پھر تخت پر پہلے لفافہ، پھر ازار، پھر کرتہ، یعنی قمیص کے نیچے کا حصہ بچھانا ہے، پھر میت کو اٹھا کر کفن پر لٹایا جائے گا اور قمیص کا جو اوپر کا حصہ ہے اس کو سر میں پہنا کر پیروں تک ڈھانک دینا ہے، غسل کے بعد جو کپڑا میت پر ڈالا گیا تھا، اس کو آہستہ سے نکال لینا ہے۔ پھر اس کے سر اور داڑھی وغیرہ پر کوئی خوشبو لگانا ہے، لیکن زعفران نہیں لگایا جائے گا۔ پھر سجدے کے اعضا پر کافور مل دینا ہے۔ پھر ازار کا بایاں پلہ پہلے اور دایاں پلہ بعد میں ڈالنا ہے۔ یعنی دایاں پلہ اوپر رہے گا اور بایاں نیچے۔ پھر لفافہ اسی طرح لپیٹنا ہے، جس طرح ازار لپیٹا تھا۔ یعنی دایاں پلہ اوپر اور بایاں حصہ نیچے۔ پھر کپڑے کے کترن سے کفن کو سر، پاؤں اور کمر کے پاس باندھ دیا جائے، تاکہ ہوا سے یا ہلنے ڈولنے سے کفن نہ کھلے۔

عورت کے کفن میں بھی تخت کو دھونی دی جائے گی۔ پھر لفافہ بچھایا جائے گا۔ اس کے اوپر سینہ بند، اس کے اوپر ازار، پھر خمار، اور اس کے اوپر قمیص کا نیچے کا آدھا حصہ بچھایا جائے۔ اب میت کو غسل کے تختہ سے اٹھا کر کفن پر لٹا دیا جائے اور قمیص کے اوپر کا جو آدھا حصہ بچا تھا اس کو گلے میں ڈال کر پاؤں تک پہنا دیا جائے۔ پھر اندر کا کپڑا نکال کر الگ کر دیا جائے، جو غسل کے وقت اس کے جسم پر ڈالا تھا۔ اور اس کے سر پر عطر وغیرہ لگایا جائے۔ زعفران بھی لگا سکتے ہیں، پھر سجدہ کے اعضاء: یعنی ناک، پیشانی، ہتھیلی، گھٹنا، اور دونوں پیر پر کافور لگا دینا ہے۔ پھر سر کے بالوں کو دو حصہ کر کے قمیص کے اوپر سینہ پر ڈالنا ہے۔ پھر اوڑھنی یا خمار سر پر ڈال دینا ہے، پھر ازار جس طرح مرد کو لپیٹا تھا، اسی طرح لپیٹنا

ہے۔یعنی بایاں پلہ نیچے اور دایاں اوپر، اس کے بعد سینہ بند بغلوں کے نیچے سے لے کر سینہ سے گھٹنا تک باندھنا ہے۔ پھر آخر میں لفافہ اس طرح لپیٹنا ہے جس طرح ازار لپیٹا تھا۔ اور سرہانے و پائتانے اور کمر کو اسی طرح کترن سے باندھنا ہے، جس طرح مرد کو باندھا تھا[1]۔

(۱۲۷) ایسی قسم توڑ دینی چاہیے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنِ اسْتَلَجَّ فِي أَهْلِهِ بِيَمِينٍ، فَهُوَ أَعْظَمُ إِثْمًا، لِيَبَرَّ». يَعْنِي الْكَفَّارَةَ[2].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص گھر والوں کے معاملہ میں قسم پر اڑا رہتا ہے، (تاکہ ان کو تکلیف ہو) وہ اس سے بڑا گناہ کرتا ہے کہ اس قسم کا کفارہ ادا کردے۔

فائدہ: حدیث شریف میں یہ بتایا گیا ہے کہ گھر والوں سے معاملہ بگڑ جانے پر قسم کھانا اچھی بات نہیں ہے، اگر کسی وجہ سے قسم کھالیا تو توڑ دینا چاہیے؛ اگر وہ اپنی بات پر اڑا رہے گا، تو گناہ ہوگا۔ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے گھر والوں، رشتہ داروں یا عام مسلمان کے معاملے میں قسم کھائی اور اس قسم کی وجہ سے ان لوگوں کو تکلیف ہو رہی ہے، اور یہ بندہ اپنی قسم پر اڑا ہوا ہے۔ تو بہت زیادہ گناہ ہوگا؛ اس لیے اس کو چاہیے کہ قسم توڑ دے۔ قسم توڑنے سے اتنا گناہ نہیں ہوگا، جتنا کہ قسم پر اڑے رہنے سے ہوگا؛ کیوں کہ اس کے اس فعل کی وجہ سے کسی کو تکلیف ہو رہی ہے، اور پھر قسم کا کفارہ ادا کردے[3]۔

قسم توڑنے کے بعد کفارہ ادا کرے گا؛ قسم کے کفارہ کو اللہ پاک نے سورہ مائدہ میں ذکر کیا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ

(۱) الفقه على المذاهب الأربعة: ۹/۱، ۵۰، شامي: ۹۵/۲.
(۲) البخاري: ۶۶۲۶، الأيمان، قول الله ... أيمانكم.
(۳) فتح الباري: ۵۷۶/۱۱.

فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴾ ترجمہ: اللہ تعالی تم سے مواخذہ نہیں فرماتے تمہاری قسموں میں لغو قسم پر، لیکن مواخذہ اس پر فرماتے ہیں کہ تم قسموں کو مستحکم کر دو۔ سو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو کھانے کو دیا کرتے ہو، یا ان کو کپڑا دینا، یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا۔ اور جس کو مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں۔ یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب کہ تم قسم کھالو، اور اپنی قسموں کا خیال رکھا کرو۔ اسی طرح اللہ تعالی تمہارے واسطے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں، تاکہ تم شکر کرو[1]۔

اس آیت میں چار باتیں ذکر کی گئی ہیں۔ شروع کے تین میں اختیار ہے جو سہولت ہو کر لے۔ یعنی دس مسکینوں کو دونوں وقت اوسط درجہ کا کھانا پیٹ بھر کر کھلا دے، (یا دس مسکینوں میں سے ہر ایک کو ایک صدقۂ فطر کے برابر غلہ دے) یا دس محتاجوں کو کپڑا پہنا دے، مثلاً کرتا پائجامہ، یا لنگی، یا ایک غلام آزاد کردے۔ ان میں سے جو بھی کر سکتا ہے کرلے۔ اگر ان میں سے کسی کی قدرت نہ ہو تو تین دن مسلسل روزہ رکھے۔ لیکن کھانا کھلانا افضل ہے[2]۔

(۱۲۸) تین شخصوں کے ساتھ اللہ کی خصوصی مدد

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللهِ عَوْنُهُمْ: الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَالْمُكَاتَبُ الَّذِي يُرِيدُ الْأَدَاءَ، وَالنَّاكِحُ الَّذِي يُرِيدُ الْعَفَافَ».[3]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین شخص ایسے ہیں جن کی مدد کرنا اللہ کا حق ہے: ایک راہ خدا میں جہاد کرنے والا؛ دوسرا وہ غلام جس نے اپنے آقا سے کتابت کا معاملہ کیا ہو،

(۱) المائدۃ: ۸۹، بیان القرآن.
(۲) معارف القرآن: ۲۲۳/۳.
(۳) الترمذي: ۱٦٥٥، فضائل الجهاد.

اور بدل کتابت ادا کرنے کا اس کا ارادہ بھی ہو؛ تیسرا وہ شخص جس نے پاک دامنی کے ارادہ سے نکاح کیا ہو۔

فائدہ: اللہ پاک کسی بھی معاملہ میں کسی بندہ پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ اس نے اپنے کارخانۂ قدرت کو قانونِ عدل پر ہی قائم کیا ہوا ہے۔ اگر اس کی مدد و نصرت شامل حال نہ ہو تو انسان بہت برے حال میں پہنچ جائے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان جب پریشان ہوتا ہے تو اللہ سے دعا کرتا ہے، اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ پاک خود ہی ان کی نصرت کرتا ہے۔ انھیں میں سے کچھ لوگوں کا ذکر اس حدیث شریف میں ہے کہ اللہ پاک ہر حال میں ان کی مدد فرماتا ہے۔ لیکن اللہ کی مدد اور نصرت صرف ان تینوں کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے؛ بلکہ اس کے علاوہ اور بھی لوگ ہیں جن کی مدد اللہ پاک فرماتا ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تینوں کام بہت مشقت والے ہیں، جو لوگوں کو تھکا دیتے ہیں اور ان کی کمر توڑ دیتے ہیں، اگر اللہ کی مدد اور نصرت نہ ہو تو وہ ان کاموں کو نہیں کر سکتا۔ ان میں سب سے زیادہ سخت اور مشکل کام عفت و پاک دامنی کا ہے؛ کیوں کہ انسان کے اندر جو فطری شہوت ہے، اس کا قلع قمع کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اس شہوت کی وجہ سے انسان نہایت ذلیل ترین حالت میں پہنچ جاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد کے ذریعہ سے وہ قوت شہوانیت سے بچ جاتا ہے؛ تو فرشتوں کے درجہ اور اعلیٰ علیین تک اس کی رسائی ہو جاتی ہے[1]۔

(۱۲۹) ابلیس کے نزدیک شاباشی کا مستحق

عَنْ جَابِرٍ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ إِبْلِيسَ يَضَعُ عَرْشَهُ عَلَى الْمَاءِ، ثُمَّ يَبْعَثُ سَرَايَاهُ، فَأَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَنْزِلَةً أَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً، يَجِيءُ أَحَدُهُمْ فَيَقُولُ: فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا. فَيَقُولُ: مَا صَنَعْتَ شَيْئًا. قَالَ: ثُمَّ يَجِيءُ أَحَدُهُمْ فَيَقُولُ: مَا تَرَكْتُهُ حَتَّى فَرَّقْتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ، قَالَ: فَيُدْنِيهِ مِنْهُ، وَيَقُولُ: نِعْمَ أَنْتَ». قَالَ الأَعْمَشُ: أُرَاهُ قَالَ: فَيَلْتَزِمُهُ.[2]

ترجمہ: حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ابلیس اپنا تخت پانی

---

(۱) شرح الطیبی: ۲۴۴/۶

(۲) صحیح مسلم: ۲۸۱۳، صفة القيامة والجنة والنار.

پر رکھتا ہے، پھر وہ اپنا لشکر روانہ کرتا ہے، اس کے نزدیک سب سے پسندیدہ شیطان وہ ہوتا ہے جو سب سے زیادہ لوگوں میں فتنہ ڈالتا ہے، اس کے لشکر میں سے ایک آکر کہتا ہے: میں نے ایسا ایسا کیا، تو ابلیس کہتا ہے: تم نے کچھ نہیں کیا۔ پھر ان میں سے ایک آکر کہتا ہے: کہ میں نے ایک میاں بیوی کا رشتہ توڑوادیا، سردار اس کو اپنے قریب کر کے کہتا ہے: ہاں تم نے بہت اچھا کیا ہے۔ اعمش راوی فرماتے ہیں: پھر اس کو گلے لگا لیتا ہے۔

فائدہ: علامہ ابن جوزیؒ نے "تلبیس ابلیس" میں شیطان کی چالوں کا ذکر تفصیل سے کیا ہے کہ کس طرح وہ لوگوں کو بہکاتا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے علماء، صوفیا، مجاہدین، فقہاء، وعابدین وغیرہ کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ کس طرح شیطان ان لوگوں کو ورغلا کر گمراہ کرتا ہے، خاص طور پر اس کے نشانہ پر دینی کام کرنے والے حضرات ہوتے ہیں، اسی لیے شیطان کے مکر سے بچنے کے لیے علم وتقوی کے ساتھ ضروری ہے کہ انسان ذہین بھی ہو۔ ورنہ بچنا بہت مشکل ہے، سوائے یہ کہ اللہ پاک اس کی حفاظت فرمائے۔ علامہ ایک جگہ فرماتے ہیں: وَخَلَقَ الشَّيْطَانَ مُحَرِّضًا لَهُ عَلَى الإِسْرَافِ فِي اجْتِلَابِهِ وَاجْتِنَابِهِ، فَالْوَاجِبُ عَلَى الْعَاقِلِ أَنْ يَأْخُذَ حَذَرَهُ مِنْ هَذَا الْعَدُوِّ، الَّذِي قَدْ أَبَانَ عَدَاوَتَهُ مِنْ زَمَنِ آدَمَ عليه السلام وَقَدْ بَذَلَ عُمُرَهُ وَنَفْسَهُ فِي فَسَادِ أَحْوَالِ بَنِي آدَمَ. [1] ترجمہ: اور شیطان کو بھی پیدا کیا گیا، جو اسے اشیاء کو حاصل کرنے یا اجتناب کرنے میں اسراف وتبذیر پر ابھارتا ہے۔ اس لیے صاحب عقل پر واجب ہے کہ اپنے اس دشمن سے پوری طرح محتاط رہے جس نے اپنی عداوت اور دشمنی کو سیدنا آدم علیہ السلام کی زندگی میں ہی ظاہر کر دیا تھا اور اپنی پوری عمر اور وجود کو بنی آدم کو گمراہ کرنے میں صرف کر دیا ہے۔ اللہ پاک ہم سب لوگوں کی حفاظت فرمائے۔ آمین!

حدیث شریف میں ابلیس کی کارگزاری کا ذکر ہے کہ وہ کس طرح تخت پر بیٹھتا ہے اور شام تک شیطانوں سے کام لے کر لوگوں کو گمراہ کراتا ہے۔ شیطان کا سردار ابلیس اپنے چیلوں کی جماعتیں بنا کر، ورغلانے کے لیے روئے زمین پر پھیلا دیتا ہے۔ وہ خود سمندر پر تخت بچھا کر، ان کی کارگزاری سننے

(۱) تلبيس إبليس: ص: ۳۲، الباب الثالث.

کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ جب شیاطین کام سے فارغ ہو کر اپنی اپنی دن بھر کی کار گزاری اپنے سردار ابلیس کو سنانے کے لیے جمع ہوتے ہیں، تو شیطان کا ہر فرد، ہر جماعت اپنے کارناموں کا ذکر کرتا ہے۔ لیکن ان کا سردار سب کو یہ کہتا ہے کہ تم نے کچھ نہیں کیا۔ سب بے کار کام ہیں، تم نے وقت ضائع کیا، تمہارے لیے کوئی انعام نہیں ہے۔ آخر میں ایک گروہ آتا ہے اور ابلیس سے کہتا ہے کہ سردار! میں نے آج بہت بڑا کام کیا ہے۔ دو میاں بیوی کے درمیان طلاق کروادی۔ شیطان کا سردار یہ سن کر بہت خوش ہوتا ہے اور اس کو اپنے قریب بٹھاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ تم نے بہت اچھا کام کیا شاباش، اور ابلیس مارے خوشی کے اس سے معانقہ کرتا ہے، یعنی اس کو گلے لگاتا ہے۔

اس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوا کہ میاں بیوی کے درمیان طلاق اور تفریق شیطان کی بہت بڑی چال ہے۔ اس سے شیطان اور اس کا سردار ابلیس بہت خوش ہوتا ہے؛ کیوں کہ طلاق بہت سارے فتنے اور فسادات کا سبب بنتی ہے اور بسا اوقات بڑے گناہوں کا سبب بھی بنتی ہے [۱]۔

(۱۳۰) مومن و کافر کو خیر کا بدلہ

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷺ أَنَّهُ حَدَّثَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ: إِنَّ الْكَافِرَ إِذَا عَمِلَ حَسَنَةً أُطْعِمَ بِهَا طُعْمَةً مِنَ الدُّنْيَا، وَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَإِنَّ اللهَ يَدَّخِرُ لَهُ حَسَنَاتِهِ فِي الْآخِرَةِ، وَيُعْقِبُهُ رِزْقًا فِي الدُّنْيَا عَلَى طَاعَتِهِ[۲].

ترجمہ: حضرت انسؓ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "کافر دنیا میں جو نیکی کرتا ہے، اس کے عوض اس کو دنیا ہی میں بدلہ دے دیا جاتا ہے اور مومن کی نیکیاں اللہ پاک آخرت کے لیے جمع رکھتا ہے اور اطاعت کی وجہ سے اس کو دنیا میں رزق عطا فرماتا ہے"۔

فائدہ: دنیا کے ہر مذہب اور قوم میں خیر کے کاموں کا تصور ہے۔ غریبوں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آنا، حاجت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنا، رفاہی اور فلاحی کاموں میں پیش پیش

(۱) تکملة فتح الملهم: ۱۲۶/۱۲.

(۲) صحیح مسلم: ۲۸۰۸، جزاء المؤمن ... والآخرة.

رہنا، ہر مذہب میں اس کی تعلیم دی گئی ہے۔ مگر ان سب حقائق کے باوجود آخرت میں وہ کسی کام کے نہیں؛ کیوں کہ اللہ پاک کی بارگاہ میں اعمال کی قبولیت کا مدار عقیدہ کی اصلاح پر ہے۔ اگر عقیدہ صحیح ہے؛ تو تمام نیک عمل اللہ کے یہاں مقبول ہے۔ اگر عقیدہ درست نہیں؛ تو آخرت میں اس کا فائدہ نہیں۔ اسی بات کو حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اگر کافر کوئی اچھا عمل کرتا ہے؛ تو اس کا بدلہ اس کو دنیا میں ہی دے دیا جاتا ہے۔ اگر مومن کوئی نیکی کرتا ہے؛ تو اس کا بدلہ تو آخرت میں ہی ملتا ہے۔ لیکن اللہ پاک اپنے فضل و کرم سے اس کے نیک عمل کی برکت سے دنیا میں بھی رزق عطا فرماتا ہے۔

مفتی تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں کہ کافر اگر کوئی نیکی کرتا ہے، جیسے صدقہ، صلہ رحمی، یا کوئی بھی خدمت خلق کا کام؛ تو یہ اللہ تعالی کے تقرب کا ذریعہ نہیں ہے؛ کیوں کہ قربت کے لیے ایمان شرط ہے، جو کافر کے اندر مفقود ہے؛ اس لیے اس عمل خیر کا بدلہ دنیا میں ہی دیدیا جاتا ہے[1]۔

(۱۳۱) بچوں کو بھی نماز کا حکم دو

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ، وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ».[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرو بن عاص ؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہو جائیں، اور ان کو نماز نہ پڑھنے پر مارو جب وہ دس سال کے ہو جائیں، اور ان کے بستروں کو الگ کر دو"۔

فائدہ: اسلام میں بچوں کی تربیت کی بہت اہمیت ہے، اور تربیت کی ابتدا گھر سے ہوتی ہے۔ بچے کی پہلی تربیت گاہ ماں کی گود ہے، لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ آج کی مائیں ہی تربیت یافتہ نہیں ہوتیں؛ تو اپنے ننھے بچے کی تربیت کیا کریں گی۔ چھوٹی سی مثال لے لیجیے، پہلے زمانے میں بچوں کو جب

---

(۱) تكملة فتح الملهم: ۱۱/۱۱۸.

(۲) أبو داود: ۴۹۵، الصلاة، متى يؤمر الغلام بالصلاة.

سلایا جاتا تھا؛ تو لوری میں کلمہ طیبہ، حسبی ربی جل اللہ، یا صحابہ اور بزرگوں کے حالات مائیں سناتی تھیں؛ لیکن اب میوزک یا گانے سناتی ہیں، یا بچوں کو جانوروں سے ڈرا کر سلاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بچوں کے اندر شروع سے بزدلی اور میوزک وغیرہ کا شوق رہتا ہے اور پھر یہ عادت چھوٹتی نہیں ہے۔

والدین کا اپنی اولاد کے لیے سب سے عمدہ تحفہ اس کی اچھی تربیت ہے۔ بچوں کو انجینیر، ڈاکٹر ضرور بنایئے؛ لیکن دینی تعلیم و تربیت کے پہلو کو لازمی طور پر ملحوظ رکھیے، یہ والدین کے اوپر واجب اور لازم ہے۔ اللہ پاک قیامت کے دن والدین سے پوچھے گا کہ تم نے اپنے بچوں کی دینی تربیت کی تھی یا نہیں؟ ان کو نماز قرآن سکھایا تھا یا نہیں؟ مذکورہ حدیث میں اسی تربیتی پہلو کا ذکر ہے۔

شریعت مطہرہ میں نماز کی بہت اہمیت ہے؛ بل کہ ایمان کے بعد جو سب سے اہم عبادت ہے وہ نماز ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر حدیث شریف میں یہ حکم دیا گیا کہ اپنی اولاد کو شروع سے ہی نماز پڑھنے کی عادت ڈلواؤ، بعد میں ان کو نمازی بنانا مشکل ہو جائے گا، یہ حکم لڑکے اور لڑکیوں دونوں سے متعلق ہے۔ اس میں اولاد کو نمازی بنانے کی تربیت دی گئی ہے۔ چناں چہ ارشاد فرمایا: جب ان کی عمر سات سال ہو جائے؛ تو اپنی اولاد کو خواہ لڑکا ہو یا لڑکی نماز کا حکم دو۔ نماز سے متعلق جو مسائل ہیں، شرائط و واجبات وغیرہ ہیں سب سکھاؤ؛ تاکہ ان کو نماز کی عادت ہو، وہ نماز سے مانوس ہوں اور ان کو دس سال کی عمر میں نماز چھوڑنے پر مارو، تنبیہ کرو، کیوں کہ اس وقت وہ عاقل ہو جاتے ہیں یا عقل اور بلوغ کے قریب ہو جاتے ہیں۔ بچوں کے درمیان (لڑکے اور لڑکیوں یا صرف لڑکیوں یا صرف لڑکے درمیان) ان کے سونے کی جگہوں کو الگ کر دو۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد لڑکے اور لڑکیوں کا بستر الگ کرنا ہے۔

(۱۳۲) خادم کو کچھ نہ کچھ ضرور دینا چاہیے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا أَتَى أَحَدَكُمْ خَادِمُهُ بِطَعَامِهِ، فَإِنْ لَمْ يُجْلِسْهُ

مَعَهُ، فَلْيُنَاوِلْهُ أُكْلَةً أَوْ أُكْلَتَيْنِ - أَوْ لُقْمَةً أَوْ لُقْمَتَيْنِ - فَإِنَّهُ وَلِيَ حَرَّهُ وَعِلَاجَهُ».(۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تم میں سے کسی کے پاس اس کا خادم کھانا لائے؛ تو اگر وہ اس کو اپنے ساتھ نہ بٹھا سکے، تو اس کو ایک دو لقمے ضرور کھلادے؛ اس لیے کہ اس نے اس کو پکانے کی گرمی اور مشقت برداشت کی ہے۔

فائدہ: اللہ پاک نے انسان کی سہولت کے لیے بے شمار نعمتیں پیدا فرمائی ہیں۔ حتی کہ گدھے اور گھوڑے جیسے جانور بھی صرف ہماری سہولت کے لیے ہی بنایا۔ اللہ پاک فرماتا ہے: اور اسی نے چوپایوں کو بنایا ان میں تمہارے لیے جاڑے کا سامان بھی ہے، اور بھی بہت سے فائدے ہیں، اور ان میں سے کھاتے بھی ہو* اور ان کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے جب کہ ان کو شام کے وقت لاتے ہو اور جب کہ ان کو صبح کے وقت چھوڑ دیتے ہو* اور وہ تمہارے بوجھ بھی لاد کر ایسے شہر کو لے جاتے ہیں جہاں تم بدون جان کو محنت میں ڈالے ہوئے کبھی پہنچ نہیں سکتے تھے، واقعی تمہارا رب بڑی شفقت والا ہے اور رحمت والا ہے* اور گھوڑے، خچر اور گدھے بھی پیدا کیے، تاکہ تم ان پر سوار ہو، اور نیز زینت کے لیے بھی، اور ایسی ایسی چیزیں بناتا ہے جن کی تم کو خبر بھی نہیں*(۲) بہر حال انھیں نعمتوں میں سے ایک بڑی اہم نعمت گھریلو ملازمین اور خدمت گاروں کا وجود ہے، قلیل معاوضہ میں یہ لوگ بڑی راحت پہنچاتے ہیں۔ ان کے ساتھ احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَيِّئُ الْمَلَكَةِ». (۳) وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا، جو خادموں کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔

حدیث شریف میں خادم کے ساتھ تواضع اختیار کرنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ کھانا بنانے والے یا دستر خوان پر لانے والے خادم کو بہتر تو یہ ہے کہ اپنے

---

(۱) صحیح البخاري: ۵۴۶۰، الأطعمة، الأكل مع الخادم.
(۲) النحل: ۵-۸ بیان القرآن.
(۳) الترمذي: ۱۹۴۶ أبواب البر والصلة.

ساتھ بیٹھا کر کھلائے؛ جیسا کہ ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ خادم کو بلائے اور اس کے ساتھ کھائے[۱]۔ اور اگر اس کے ساتھ کسی وجہ سے نہ بیٹھ سکے، خادم انکار کردے؛ تو اس کو کھانے میں سے کچھ دیدے۔ اور اگر کھانا زیادہ مقدار میں ہو تو کھانا زیادہ دیا جائے۔ امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی خادم ہو، خواہ مطبخ سے متعلق ہو یا دیگر خدمات، اس کے ساتھ تواضع واخلاق سے پیش آنا چاہیے اور کچھ نہ کچھ دیتے رہنا چاہیے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ خادموں اور غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا افضل ہے۔ بعض حضرات نے اس حدیث کی بنا پر واجب بھی کہا ہے[۲]۔

(۱۳۴) سچے امانت دار تاجر کی فضیلت

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ، وَالصِّدِّيقِينَ، وَالشُّهَدَاءِ».[۳]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہایت سچا اور امانت دار تاجر (کل قیامت کے دن) انبیاء، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا"۔

فائدہ: اسلام میں تجارت کی بڑی اہمیت ہے۔ روزی روٹی کمانے کے جتنے بھی ذرائع ہیں، ان میں سب سے اچھا ذریعہ تجارت ہے۔ آج کے دور میں کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف نماز، روزہ، حج، وغیرہ کا نام ہی دین ہے۔ اسباب معیشت کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ بلکہ انھیں دین سے الگ کوئی چیز سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی عالم وحافظ تجارت یا خرید وفروخت کے میدان میں آتا ہے؛ تو اس کو طعنے ملتے ہیں کہ اس نے پڑھ لکھ کر کیا کیا؟ اسی طرح بعض علماء کی طرف سے بھی بعض لوگوں کے بارے میں یہ سنا جاتا ہے کہ وہ دنیا دار ہے، حالاں کہ دنیا کمانے اور اسباب معیشت اختیار کرنے کا حکم بھی شریعت نے ہی دیا ہے۔ سورۂ جمعہ میں اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي

(۱) ابن ماجة: ۳۲۹۰، كتاب الاطعمة.
(۲) فتح الباري: ۵۸۰/۹.
(۳) الترمذي: ۱۲۰۹، البيوع، التجار ... النبي ﷺ إياهم.

الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللهِ وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ ترجمہ: پھر جب نماز (جمعہ پوری ہو چکے تو (اس وقت تم کو اجازت ہے کہ) تم زمین پر چلو پھرو، اور خدا کی روزی تلاش کرو۔ اور (اور اس میں بھی) اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو، تاکہ تم فلاح پاؤ[1]۔

تجارت انبیاء کی سنت ہے، نبی کریم ﷺ کی تجارت کا قصہ بہت معروف و مشہور ہے، تجارت کے سلسلہ میں حضرت خدیجہ کا مال لے کر شام گئے تھے۔ آپ ﷺ کی دیانت داری کا چرچہ سن کر ہی حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو شادی کا پیغام دیا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک اللہ کے نبی حضرت داودؑ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے[2]۔

حدیث شریف میں تجارت کرتے وقت سچائی اور امانت داری کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ آپ ﷺ کے فرمان کا خلاصہ یہ ہے کہ جس تاجر میں امانت داری اور سچائی کی خوبیاں ہوں گی؛ تو قیامت کے دن اس کو انبیاء، صدیقین اور شہداء کے مرتبے اور درجے سے نوازا جائے گا۔ یا جنت میں ان کے ساتھ رہے گا[3]۔ برخلاف جھوٹے اور خائن تاجر کے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تاجروں کا حشر قیامت کے دن فاجروں (یعنی جھوٹے اور نافرمانوں) کے ساتھ ہوگا، مگر وہ شخص محفوظ رہے گا، جو پرہیزگار، نیک اور سچا ہو[4]۔

(۱۳۴) کلونجی میں ہر بیماری سے شفا ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «فِي الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ، إِلَّا السَّامَ»[5].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: آپ ﷺ فرماتے ہیں: "کالے دانے میں موت کے علاوہ ہر بیماری سے شفاء ہے"۔

(۱) الجمعة: ۱۰ بیان القرآن.
(۲) صحیح البخاري: ۲۰۷۳ کتاب البیوع.
(۳) المرقاة: ۳٤/٦.
(٤) الترمذي: ۱۲۱۰، البیوع عن رسول الله ﷺ.
(٥) صحیح البخاري: ٥٦٨٨، الطب، الحبة السوداء.

فائدہ: اللہ پاک کے ہاتھ میں ہی بیماری و صحت ہے۔ اللہ نے ہر انسان کے ساتھ مرض اور صحت دونوں لگا دیا ہے، جب انسان بیمار ہوتا ہے؛ تو وہی شفا بھی دیتا ہے۔ شریعت نے اسبابِ شفا اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ، فَإِذَا أُصِيبَ دَوَاءُ الدَّاءِ بَرَأَ بِإِذْنِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ»[1]. ہر مرض کی دوا ہے، جب بیماری کو اس کی دوا میسر ہو جاتی ہے؛ تو اللہ کے حکم سے انسان شفایاب ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں "کلونجی" کے فوائد بیان کیے گئے ہیں۔ اللہ پاک نے روئے زمین پر کوئی بھی چیز بے کار نہیں پیدا کی ہے۔ ہر چیز کا کچھ نہ کچھ فائدہ ہے۔ "کلونجی" کا فائدہ اور اس کی خاصیت جو بیان کی گئی ہے، وہ دنیاوی اعتبار سے دیگر تمام چیزوں کے فوائد پر بھاری ہے۔ حدیث پاک میں "الحبة السوداء" کا لفظ ہے۔ اس کو اردو میں "کلونجی"، فارسی میں "شونیز"، انگریزی میں "Black Cumin" اور ہندی میں "منگریلا" کہتے ہیں۔

حدیث شریف میں یہ بتایا گیا کہ "کلونجی" میں سوائے موت کے ہر چیز کی دوا ہے۔ لیکن یہ حکم کلی نہیں ہے؛ بل کہ مطلب یہ ہے اکثر امراض کا علاج "کلونجی" سے ہو جاتا ہے؛ اس لیے ہر مرض کی دوا کہہ دیا جیسا کہ شہد بعض بیماریوں میں نقصان بھی کرتا ہے؛ لیکن اس کے بارے میں بھی مطلق کہا گیا ہے کہ اس میں شفاء ہے۔ یہ یاد رہے کہ شفاء اور نفع و نقصان کسی چیز میں بنفسہ نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ نفع و نقصان کا مالک اللہ ہے اور اسی کے حکم سے یہ چیزیں نفع یا نقصان دیتی ہیں۔

(۱۳۵) مُعَوِّذَتَیْن کی فضیلت

عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْفِثُ عَلَى نَفْسِهِ فِي الْمَرَضِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ، فَلَمَّا ثَقُلَ، كُنْتُ أَنْفِثُ عَلَيْهِ بِهِنَّ، وَأَمْسَحُ بِيَدِ نَفْسِهِ لِبَرَكَتِهَا[2].

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے مرض الوفات میں

(۱) مسلم: ۲۲۰۴، السلام.

(۲) البخاري: ۵۷۳۵، الطب، الرقى بالقرآن والمعوذات.

معوذ تین پڑھ کر دم کرتے تھے۔ پھر جب آپ ﷺ کو پریشانی ہونے لگی، (اور خود سے کرنے کی قوت نہ رہی) تو میں ان سورتوں کو پڑھ کر آپ ﷺ پر دم کیا کرتی تھی اور برکت کے لیے آپ ﷺ کا ہاتھ آپ ﷺ کے جسم اطہر پر پھیرتی تھی۔

فائدہ: اللہ پاک نے پوری دنیا کو انسانوں کے فائدے کے لیے بنایا ہے۔ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن میں دنیاوی فوائد مضمر ہیں، کچھ میں اخروی اور کچھ میں روحانی وجسمانی۔ لیکن قرآن کریم ایسی کتاب ہے، جو راہ ہدایت بھی ہے، دعاء اور دوا بھی ہے اور روح کی غذا بھی ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ اپنے مرض الوفات میں قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ یعنی: "معوذ تین" پڑھ کر دم کرتے تھے اور اپنے جسم پر پھیرا کرتے تھے، پھر جب کمزوری اور مرض بڑھ گیا اور آپ ﷺ دم نہیں کر پاتے تھے؛ تو ان سورتوں کو پڑھ کر میں آپ ﷺ پر دم کرتی تھی اور برکت کے لیے آپ ﷺ کا دست مبارک آپ ﷺ کے جسم اطہر پر پھیرتی تھی۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آیات قرآنیہ پڑھنا، دم کرنا اور جھاڑ پھونک کرنا مسنون ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے اوپر بھی دم کیا ہے اور دوسروں پر بھی دم کرتے تھے۔ چناں چہ مسلم شریف کی روایت ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ کے گھر والوں میں سے کوئی بیمار ہوتا؛ تو آپ ﷺ ان پر معوذات پڑھ کر دم کرتے تھے[1]۔ بہر حال جھاڑ پھونک کی حیثیت قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ آپ ﷺ نے عملی طور پر کر کے امت کو بتایا ہے؛ اس لیے اس سلسلہ میں جو غلط فہمی اور افراط و تفریط ہے ہم اس کو واضح کریں گے۔

ابن حجرؒ نے فتح الباری جلد: ۱۰ صفحہ: ۲۲۰ سے ۲۲۹ تک اس سلسلہ میں کافی کلام کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث سے جھاڑ پھونک کرنا جائز ہے، قرآن و حدیث کے علاوہ جو منتر یا دعاء ہے، اگر اس کے معانی نامعلوم ہیں یا اس میں غیر اللہ سے استمداد ہے تو اس سے جھاڑ پھونک کرنا حرام

(۱) صحیح مسلم: ۲۱۹۲ کتاب السلام.

ہے۔ جھاڑ پھونک صرف جائز مقاصد کے لیے ہی درست ہے، ناجائز مقاصد کے لیے کوئی دعاء تعویذ یا جھاڑ پھونک کرتا ہے؛ تو یہ حرام ہے۔ جھاڑ پھونک کی اجرت لینا بھی جائز ہے۔

دعاء عبادت ہے، اس کا معاوضہ طلب کرنا غلط ہے۔ باقی وظیفہ اور تعویذ جو کسی دنیوی مقصد کے لیے کیا جائے، اس کی حیثیت عبادت کی نہیں؛ بلکہ ایک دنیوی تدبیر و علاج کی ہے؛ اس لیے اس کا معاوضہ لینا دینا جائز ہے[1]۔

(۱۳۶) جب کھانے میں مکھی گر پڑے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ كُلَّهُ، ثُمَّ لِيَطْرَحْهُ؛ فَإِنَّ فِي أَحَدِ جَنَاحَيْهِ شِفَاءً، وَفِي الْآخَرِ دَاءً»[2].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر جائے؛ تو پوری مکھی کو اس برتن میں ڈبو دے اور پھر اسے نکال کر پھینک دے؛ کیوں کہ اس کے ایک پر میں شفاء ہے اور دوسرے پر میں بیماری ہے"۔

فائدہ: دنیا میں اللہ پاک نے جتنی بھی چیزیں پیدا کی ہیں، اس میں فوائد اور نقصانات دونوں ہیں۔ کسی بھی چیز میں غور کیا جائے؛ تو اس میں دونوں صفتیں ملیں گی۔ اللہ پاک نے انسان کو اولاد جیسی عظیم نعمت سے نوازا اور اس کو بھی آزمائش اور فتنہ کہا؛ لیکن اس کے فوائد بھی ہیں، اس لیے عفو و در گزر کرنے کا حکم بھی دیا۔ غرض یہ کہ تمام چیزوں میں نفع و نقصان ہے۔ لیکن یہ نفع و نقصان ان کے اندر بذاتہ نہیں؛ بلکہ اللہ کے حکم سے نفع و نقصان ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں یہ بتلایا گیا کہ مکھی کے ایک پر میں اللہ نے شفاء رکھی ہے اور دوسرے پر میں زہر ہے۔ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اگر برتن (یعنی برتن میں رکھی ہوئی اشیاء، جیسے: پانی،

---

(۱) آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۳۹۵-۳۹۹۔

(۲) البخاري: ۵۷۸۲، الطب، إذا وقع الذباب في الإناء.

دودھ اور چائے وغیرہ) میں مکھی گر جائے؛ تو اس کو اس میں پورا غوطہ دیدو؛ کیوں کہ اس کے ایک پر میں شفاء ہے۔ شفاء کس میں اور زہر کس میں ہے حدیث شریف میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ بعض علماء نے غور فکر کے بعد بتایا ہے کہ دائیں پر میں شفاء ہے اور بائیں پر میں زہر ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب مکھی کھانے، یا برتن میں گرتی ہے؛ تو زہر اور بیماری والے پر کو کھانے میں لگاتی ہے اور شفاء والے پر کو بچا کر رکھتی ہے۔ جیسے شہد کی مکھی اپنے منہ سے شہد بناتی ہے، جس میں شفاء ہے۔ اور نیچے کے حصہ سے زہر نکلتا ہے، اسی طرح سانپ کے منھ میں زہر ہے، جو انسان کو ہلاک کر دیتا ہے؛ لیکن اس کے گوشت اور چربی میں فائدہ ہے کہ اسی سے زہر کو ختم کرنے کی دوا بنائی جاتی ہے[1]۔

عینیؒ نے مکھی کے بارے میں عجیب انکشافات کیے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس کو "ذباب" اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بہت زیادہ اور تیزی سے حرکت کرتی ہے اور مکھی کی عمر صرف چالیس راتیں ہوتی ہے۔ تمام مکھیاں سوائے شہد کی مکھی کے جہنم میں جہنمیوں کو سزا دینے کے لیے جائیں گی۔ "عمر الذباب أربعون ليلا، والذباب كله في النار إلا النحل." وقال الجاحظ: كونه في النار ليس تعذيبا له بل ليعذب أهلَ النارِ به" یعنی جہنمیوں کو جو عذاب ہوگا، ان میں سے ایک مکھی کا عذاب بھی ہے۔ یہ بات حضرت عمرؓ سے مرفوعا مروی ہے۔ افلاطون نے کہا کہ مکھی تمام جانداروں میں سب سے زیادہ حریص ہے؛ اسی لیے وہ ہر چیز پر بیٹھ جاتی ہے، اگرچہ وہ اس میں ہلاک ہو جائے۔ اس کی پیدائش گندگی میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالی کی حکمت دیکھیے! فرماتے ہیں کہ اس کی تخلیق کی ایک ادنی سی حکمت یہ ہے کہ وہ ظالموں کو سبق سکھاتی ہے۔ ان کو پریشان کر کے تکلیف پہنچاتی ہے۔ اور اگر اس کی تخلیق نہ ہوئی ہوتی؛ تو دنیا ظالم ہو جاتی[2]۔

---

(١) عمدة القاري: ٢١/٤٤٩.

(٢) نفس المصدر.

(۱۳۷) تصویر پر سخت عذاب

عن عَبْدِ اللهِ ﷺ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمُصَوِّرُونَ»(۱).

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا: آپ فرماتے ہیں: لوگوں میں سب سے زیادہ سخت عذاب اللہ کے یہاں قیامت کے دن تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔

فائدہ: حدیث پاک میں تصویر بنانے والے، بے ضرورت تصویر کھینچنے اور کھنچوانے والے کے لیے شدید وعید آئی ہے۔ حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ تصویر بنانے والوں کو اور کھینچنے والوں کو کل قیامت کے دن سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔ حدیث شریف میں تصویر سے مراد جاندار اور حیوان کی تصویر ہے۔ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء نے کہا ہے کہ جاندار اور حیوان کی تصویر کی حرمت بہت شدید ہے، یعنی اشد حرام اور کبائر میں سے ہے، خواہ کپڑے، بستر، دینار ودرہم، برتن پر ہو یا دیوار پر، سب کا ایک ہی حکم ہے کہ وہ حرام ہے۔ اور اگر تصاویر حیوان کی نہیں ہے، بلکہ غیر حیوان، درخت، پتھر وغیرہ کی ہے؛ تو یہ جائز ہے (۲)۔

بعض حضرات یہ کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ کیمرہ اور موبائل وغیرہ سے تصویر لینا، یا تصویر کشی کرنا جائز ہے، اس وعید میں داخل نہیں۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ عکس ہے تصویر نہیں۔ اب ہم علماء کے اقوال کی روشنی میں اس کا جائزہ لیتے ہیں کہ کیمرہ کی تصویر تصویر ہے یا نہیں؟ آیئے سب سے پہلے مادر علمی دار العلوم کا فتویٰ لیتے ہیں: "ذی روح کی تصویر بنانا خواہ دستی ہو، عکسی ہو، یا مجسم ہو، خواہ کاغذ، پارچہ وکپڑا وغیرہ پر ہو، سب مطلق حرام ہے۔ البتہ پاسپورٹ ویزہ وغیرہ کے لیے جتنی ضرورت ہے تصویر کھنچوا سکتے ہیں (۳)۔

---

(۱) البخاري: ٥٩٥٠، باللباس، المصورين يوم القيامة.
(۲) عمدة: ١٠٩/٢٢ - فتح الباري: ٤٤٦/١٠.
(3) فتاوی دار العلوم: ۱۹۵/۱۹۔

عصر حاضر کے نامور فقیہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ علامہ نووی کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ ذی روح کا مجسمہ بنانا اسلام میں قطعاً حرام ہے اور جمہور علماء و محدثین کے نزدیک یہی حکم ذی روح تصاویر کا بھی ہے۔ فوٹو گرافی بھی تصویر کشی ہی ہے، نہ کہ عکس سازی؛ اس لیے ظاہر ہے کہ اس کی صنعت و حرفت اور خرید و فروخت، نیز اس کو ذریعہ معاش بنانا ناجائز ہے[۱]۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ مورتیاں اور تصاویر جو سونے چاندی وغیرہ سے بنائی جاتی ہیں، اس کے خرید و فروخت کے تین طریقے ہیں اور تینوں باطل ہیں۔ اس پر اکثریت کا اجماع ہے[۲]۔

(۱۳۸) صلہ رحمی کی اہمیت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّ الرَّحِمَ شَجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمَنِ، فَقَالَ اللهُ: مَنْ وَصَلَكِ وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُهُ»[۳].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "رحم، رحمان سے مشتق ہے، چناں چہ اللہ پاک نے فرمایا ہے: جو تجھے ملائے گا میں بھی اسے ملاؤں گا اور جو تجھے کاٹے گا میں بھی اسے کاٹوں گا"۔

فائدہ: اسلام میں صلہ رحمی اور حسن سلوک کی بڑی اہمیت ہے۔ اللہ پاک نے مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ حسن سلوک کا دائرہ صرف عزیز و اقارب تک ہی محدود نہیں؛ بل کہ اس کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ جانوروں سے بھی حسن سلوک کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور اس کو باعث اجر و ثواب اور پسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے۔ حسن سلوک اور صلہ رحمی ایک ایسا وصف ہے جس کو اختیار کرنے سے انسانی معاشرے میں محبت و بھائی چارگی اور اتحاد و تفاق کے پھلنے پھولنے کے مواقع میسر آتے ہیں۔

---

(۱) جدید فقہی مسائل: ۱/۲۹۶۔
(۲) المجموع شرح المهذب ۲۰۷۵/۱.
(۳) البخاري: ۵۹۸۸، الأدب، من وصل وصله الله.

حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے اسی کا ذکر فرمایا ہے اور صلہ رحمی کرنے والے کی فضیلت اور قطع رحمی کرنے والے پر وعید فرمائی ہے۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ لفظ "رحم" کا تعلق رحمان سے ہے؛ چناں چہ ترمذی شریف کی ایک روایت ہے، اللہ پاک فرماتا ہے: میں اللہ ہوں، میں رحمان ہوں، میں نے رحم کو پیدا کیا اور اپنے نام سے نکال کر "رحم" نام رکھا[1]۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ پاک نے جب مخلوق کو پیدا فرمایا اور تخلیق سے فارغ ہوا، تو رحم نے عرض کیا یہ اس شخص کی جگہ ہے، جو قطع رحمی سے تیری پناہ مانگے۔ اللہ پاک نے عرض کیا کہ کیا تو اِس پر خوش نہیں کہ جو تجھ کو جوڑے گا (صلہ رحمی کرے گا) میں اس کو جوڑوں گا اور جو تجھ کو توڑے گا (قطع رحمی کرے گا) میں اس کو توڑوں گا۔ رحم نے کہا میں اس پر راضی ہوں۔ اللہ پاک نے فرمایا ایسا ہی ہوگا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تمہارا جی چاہے تو آیت: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾ پڑھ لو۔ یعنی کیا تم لوگوں سے اس کے سوا کچھ اور توقع کی جاسکتی ہے کہ اگر تم الٹے منہ پھر گئے تو زمین میں فساد برپا کروگے، اور آپس میں قطع تعلق کروگے[2]۔

ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ اس کا جامع معنی یہ ہوا کہ حتی المقدور ہر کسی کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنا اور بقدر استطاعت اس سے شر کو دور کرنا، صلہ رحمی ہے[3]۔

(۱۳۹) دورخے (دوغلے) کی مذمت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «تَجِدُ مِنْ شَرِّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ اللهِ ذَا الْوَجْهَيْنِ، الَّذِي يَأْتِي هَؤُلَاءِ بِوَجْهٍ، وَهَؤُلَاءِ بِوَجْهٍ»[4].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قیامت کے دن اللہ

(۱) الترمذی: ۱۹۰۷ ابواب البر والصلة.
(۲) صحیح البخاري: ۵۹۸۷ کتاب الادب.
(۳) فتح الباری: ۴۸۶/۱۰.
(۴) البخاري: ۶۰۵۸، الأدب، ما قيل ... الوجهين.

کے نزدیک لوگوں میں سب سے بدترین دورخے کو پاؤگے، جو اِدھر آتا ہے ایک منھ لے کر اور اُدھر جاتا ہے دوسرا منھ لے کر"۔

فائدہ: چغل خوری، دوغلا پن، اِدھر کی اُدھر لگانا یہ انتہائی بری عادت ہے، جو بدقسمتی سے اکثر افراد میں پائی جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کے بارے میں کوئی بات کرتا ہے، جو اس کو ناگوار گزرنے والی ہوتی ہے؛ تو چغل خور اسے آگے پہنچاتا ہے۔ پھر اس کی سن کر ادھر آکر کہتا ہے۔ انسان کے اندر یہ ایک ایسی بری صفت ہے کہ اس سے ایک دوسرے کے درمیان کینہ، دشمنی اور بغض وعداوت پیدا ہوتی ہے۔ دوستوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتی ہے۔ بہت سے جرائم، جھگڑے، قتل، لڑائیاں اور نہ جانے کیسی کیسی خرابیاں دورخے پن کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں۔ نہ جانے کتنے گھروں کو اس بری عادت نے اجاڑ دیا اور کتنے والدین کو ان کی اولادوں سے جدا کر دیا۔

حدیث شریف میں اسی دورخے پن اور منافقت کرنے والوں کے لیے وعید آئی ہے۔ ہم اپنی زبان میں اس کو لگانا بجھانا یا دوغلا پن بولتے ہیں، اِدھر کی اُدھر لگانا۔ ایک روایت میں ہے کہ دنیا میں جو شخص دورخی کرتا تھا، کل قیامت کے دن اس کے لیے آگ کی دو زبانیں ہوں گی[1]۔ حافظ ابن حجرؒ نے قرطبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ دوُرخا (دوغلا) شخص شر الناس اس لیے ہے کہ یہ منافق کی عادت ہے۔ کیوں کہ وہ جھوٹ، ناحق چاپلوسی اور لوگوں کے درمیان فتنہ وفساد کرتا ہے، جو حرام ہے۔ البتہ دونوں جماعتوں کے پاس اگر کوئی شخص صلح صفائی کے لیے جاتا ہے تو یہ پسندیدہ عمل ہے[2]۔

(۱۴۰) جنتی اور جہنمی کی خصوصی پہچان

عَنْ حَارِثَةَ الْخُزَاعِيِّ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اَلا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ؟ كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَاعِفٍ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ، اَلا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ؟ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ[3].

(۱) أبو داود: ۴۸۷۳ كتاب الادب، باب في ذي الوجهين.
(۲) فتح الباري: ۵۲۲/۱۰.
(۳) صحيح البخاري: ۶۰۷۱ كتاب الأدب، باب الكبر- مسلم: ۲۸۵۳ كتاب الجنة وصفة نعيمها.

ترجمہ: حضرت حارثہ ابن وہب خزاعیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں جنتی لوگوں کی خبر نہ دوں؟ جنتی وہ لوگ ہیں، جو کمزور اور تواضع کرنے والے ہیں، اگر وہ قسم کھالیں تو اللہ پاک ان کی قسم پوری فرمادیں، کیا میں تمہیں جہنمیوں کی خبر نہ دوں؟ ہر تند خو، اکڑ کر چلنے والا متکبر جہنمی ہے۔

فائدہ: حدیث شریف میں اُن انسانی صفات کا ذکر ہے، جس کی وجہ سے انسان جنت یا جہنم کا مستحق ہوتا ہے۔ ان صفات میں سے ایک تواضع ہے کہ انسان تواضع کی وجہ سے اللہ کے نزدیک بلند درجہ پالیتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے اللہ کے لیے ایک درجہ تواضع اختیار کیا، اللہ پاک اس کا ایک درجہ بلند فرماتا ہے، یہاں تک کہ اس کا شمار اعلیٰ علیین میں ہوتا ہے، پھر وہ شخص جنتی ہوجاتا ہے۔ ایک صفت ہے تکبر وسرکشی، اللہ پاک اس تکبر وسرکشی کی وجہ سے بندہ کو جہنم میں ڈال دیتا ہے۔ جیسا کہ اسی حدیث میں آگے مذکور ہے کہ جس نے اللہ پر تکبر کیا؛ تو اللہ پاک اس کے درجہ کو گرادیتا ہے، یہاں تک کہ اس کو اسفل سافلین میں پہنچادیتا ہے[1]۔

حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ بہت سے ضعیف الحال اور متواضع ایسے ہیں کہ ضعف اور تواضع کی وجہ سے دنیا میں لوگ ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ لیکن اللہ پاک کے یہاں ان کا درجہ اتنا بلند ہے کہ ان کی ہر بات کو سنتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ بندہ کسی بات پر قسم کھالے، تو اللہ پاک اس کو حانث نہیں ہونے دیتا اور اس کی قسم پوری فرمادیتا ہے اور ایسے ہی لوگ جنتی ہیں۔

جہنمی کی صفت بیان کی گئی ہے کہ ہر وہ آدمی جس کے اندر تواضع نہیں، بل کہ مزاج میں کبر ونخوت اور سختی ہے، اس کے اخلاق درست نہیں ہیں؛ تو ایسا آدمی جہنمی ہے۔ یعنی جنت میں اکثریت متواضع اور کمزور لوگوں کی ہی ہوگی۔ جہنم میں اکثر متکبر، سیّئ الاخلاق لوگ ہوں گے[2]۔

---

(۱) مسند احمد: ۱۱۷۲٤۔ (۲) عمدۃ القاری: ۲۲/۲۱۵۔

(۱۴۱) بروز قیامت آدمی کس کے ساتھ ہوگا؟

عَنْ عَبْدِ اللهِ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: «الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ»(۱).

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں: کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (قیامت کے دن) "انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہے"۔

فائدہ: محبت بہت جامع اور پاکیزہ لفظ ہے؛ لیکن لوگوں نے اس لفظ کا اتنا غلط استعمال کیا ہے کہ اس لفظ کا تلفظ دشوار ہو گیا ہے، زبان سے جیسے ہی یہ لفظ نکلتا ہے، لوگوں کی تجسس بھری نظریں پیچھا کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ اللہ پاک نے انسانوں سے کہا ہے کہ تم اللہ سے محبت کرو تو اللہ بھی تم سے محبت فرمائے گا۔ اس محبت کی علامت یہ ہے کہ تم نبی کریم ﷺ کی اتباع کرو۔ ﴿ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴾: آپ فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو تم لوگ میرا اتباع کرو، اللہ پاک تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے اور اللہ پاک بڑے معاف کرنے والے بڑے عنایت فرمانے والے ہیں(۲)۔

اللہ اور اس کے رسول کی محبت بہت بڑی نعمت ہے، یہ نعمت سب کو نہیں ملتی۔ دنیا کا یہ اصول ہے کہ اگر کسی کو محبت مجازی اور عشق مجازی ہو جائے؛ تو ہر وقت وہ محبوب کا ذکر کرتا ہے اور اس میں اس کو لذت محسوس ہوتی ہے۔ وہ اپنے محبوب مجازی کو ناراض نہیں کرتا، اس کی ہر صحیح و غلط بات کو مانتا ہے، جو اس کی ہلاکت کا سبب بھی ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ نے بھی ہم سے یہی تقاضہ کیا ہے، اس کی محبت کے بغیر ہمارا ایمان کامل ہو ہی نہیں ہو سکتا۔

نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ، نیک لوگ اور اہل خیر حضرات؛ خواہ وہ زندہ ہوں یا مر چکے ہوں، ان سے محبت رکھنے کی فضیلت کا ذکر ہے۔ اور حدیث شریف حُبِّ خدا

---

(۱) صحیح البخاري: ٦١٦٨، الأدب، علامة الحب في الله. صحيح مسلم: ٢٦٤٠، البر والصلة والآداب.

(۲) آل عمران: ۳۱ بیان القرآن.

ور حُبِّ رسول کے قبیل سے ہے، ان دونوں سے محبت کا مطلب احکام کی بجاآوری، اور منہیات سے اجتناب کرنا ہے[1]۔

ایک روایت میں ہے کہ کسی شخص نے نبی کریم ﷺ سے قیامت کے بارے میں سوال کیا؛ تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تیاری کی ہے؟ اس نے جواب دیا نماز، روزہ، اور صدقات تو زیادہ نہیں ہیں، البتہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: "تو اس کے ساتھ ہے جس سے محبت کرتا ہے"[2]۔

(۱۴۲) دو لفظوں کا استعمال

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ: خَبُثَتْ نَفْسِي. وَلَكِنْ لِيَقُلْ: لَقِسَتْ نَفْسِي»[3].

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میرا نفس خبیث ہو گیا ہے، بلکہ یہ کہے کہ میرا دل پریشان ہے"۔

فائدہ: گالی گلوج، برے بھلے الفاظ خواہ اپنی ذات پر ہو یا دوسرے کے لیے ہو، کسی بھی صورت میں صحیح نہیں، کیوں کہ اس کے اثرات کسی بھی وقت ظاہر ہو سکتے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے اثرات ظاہر نہ ہوں تو بھی گناہ تو ہو گا ہی۔ دنیا مومن کے لیے آزمائش کی جگہ ہے، اگر کوئی پریشانی ہو تو صبر کا دامن تھامے؛ لیکن برے بھلے الفاظ سے بچے۔ نبی کریم ﷺ نے تو جانوروں کے لیے بھی ان الفاظ کو استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے[4]۔

حدیث شریف میں اپنے آپ کو کوسنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی بدقسمتی کا اظہار انہیں دونوں الفاظ سے کرتے تھے۔ دونوں کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں، کبھی کبھی وہ

---

(۱) للنهاج شرح النووی: ۱۶/۱۶۳.
(۲) صحيح البخاري: ۶۱۷۱ كتاب الادب.
(۳) صحيح البخاري: ۶۱۷۹، الأدب، خبثت نفسي.
(٤) صحيح مسلم: ۲۵۹۶، البر والصلة والآداب.

کہتے میرا جی خبیث ہو گیا ہے، اس کے لیے "خبُثت" اور "لقِست" استعمال کرتے تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "خبثت" میرا جی خبیث ہو گیا ہے، یا میری قسمت خراب ہو گئی ہے، اس طرح مت کہو بلکہ اگر کہنا ہے تو "لقِست" کا لفظ استعمال کرو یعنی اس طرح کہو کہ میری طبیعت بدمزہ ہو گئی ہے، میں سست ہو گیا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے حدیث پاک میں "خبث" اور "لقس" کا فرق بتایا ہے۔

(۱۴۳) بچوں کے نام کیسے ہوں؟

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ زَيْنَبَ كَانَ اسْمُهَا بَرَّةَ، فَقِيلَ: تُزَكِّي نَفْسَهَا. فَسَمَّاهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْنَبَ[۱].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت زینب کا نام برّہ تھا، کہا گیا کہ وہ اپنی پاکی ظاہر کرتی ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام زینب رکھا۔

فائدہ: "بَرَّةَ" کے معنی نیکوکار، نیکی کرنے والی، کے آتے ہیں، نام بظاہر اچھا ہے، لیکن اس میں ایک طرح سے بڑائی کا اظہار ہو رہا ہے؛ اس لیے آپ ﷺ نے اس طرح کے ناموں سے منع فرمایا ہے۔ ان کا نام بدل کر زینب رکھ دیا۔ امام مسلمؒ نے اس حدیث کو خود حضرت زینبؓ سے ہی روایت کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میرا نام "برہ" رکھا گیا (یعنی نیکوکار)؛ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اپنے نفس کی تعریف نہ کرو، تم میں سے جو شخص نیکوکار ہے، اللہ اس کو خوب جانتا ہے، تو صحابہ نے پوچھا کہ کیا نام رکھیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "زینب نام رکھو"۔ دوسری روایت میں ہے کہ ام المؤمنین حضرت جویریہ کا نام بھی برہ تھا، آپ ﷺ کو یہ پسند نہ تھا کہ کہا جائے کہ آپ ﷺ برّہ یعنی نیکی کے پاس سے نکل کر آئے ہیں؛ اس لیے ان کا نام بھی بدل کر جویریہ رکھ دیا[۲]۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اچھے سے اچھا نام رکھنا چاہیے اور ایسے نام سے بھی بچنا چاہیے

(۱) البخاري: ٦١٩٢، الأدب، تحويل ... أحسن ت.

(۲) مسلم: ٢١٤١-٢١٤٠ كتاب الآداب.

جس سے عجب و کبر کا اظہار ہوتا ہو۔ اگر لاعلمی میں ایسا نام رکھ دیا گیا تو بعد میں بدل سکتے ہیں[۱]۔

نبی کریم ﷺ نے نام بدلنے اور اچھے نام رکھنے کا حکم اس لیے دیا کہ نام کا اثر انسان کی زندگی پر پڑتا ہے، انسان کے معاملات اور حالات اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ چناں چہ ایک روایت میں ہے، سعید ابن السیبؒ فرماتے ہیں کہ ان کے دادا کا نام "حزن" تھا۔ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا نام ہے؟ انھوں نے کہا "حزن"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "بلکہ تو سہل ہے"۔ یعنی آپ ﷺ نے ان کا نام بدل کر سہل رکھ دیا۔ تو انہوں نے کہا کہ میں اس نام کو نہیں بدلوں گا جو میرے باپ نے رکھا ہے۔ ابن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت سے ہمارے درمیان پریشانیاں اور مصیبتیں مسلسل ہیں[۲]۔

(۱۴۴) جنت و جہنم کے طلب گار

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَا رَأَيْتُ مِثْلَ النَّارِ نَامَ هَارِبُهَا، وَلَا مِثْلَ الْجَنَّةِ نَامَ طَالِبُهَا»[۳].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں نے دوزخ جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی جس سے بھاگنے والے سو رہے ہیں، اور جنت جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی کہ جس کے چاہنے والے سو رہے ہیں"۔

فائدہ: اللہ پاک نے انسان اور اس پوری کائنات کی تخلیق بے کار نہیں فرمائی ہے؛ بل کہ اس کے پیچھے ایک عظیم مقصد ہے، انسان اس مقصد کو سمجھنے کا مکلف ہے۔ چناں چہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾: اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں[۴]۔ دوسری جگہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: ﴿ أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ

(۱) فتح الباری: ۶۷۲/۱۰۔
(۲) صحیح البخاری: ۶۱۹۰ کتاب الادب
(۳) الترمذی: ۲۶۰۱، صفۃ جہنم عن رسول اللہ ﷺ۔
(۴) الذاریات: ۵۶ بیان القرآن

عبثا وأنكم إلينا لا ترجعون ﴾، ترجمہ: ہاں تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو یونہی مہمل (خالی از حکمت) پیدا کر دیا ہے، (اور یہ خیال کیا تھا) کہ تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے [1]۔ پہلی آیت میں اللہ پاک نے انسان کی پیدائش کا مقصد بتایا کہ وہ عبادت ہے اور عبادت بغیر ایمان کے معتبر نہیں۔ دوسری آیت میں یہ سبق دیا گیا کہ تم سب کے سب مکلف ہو، بے کار پیدا نہیں کیے گئے ہو؛ بل کہ اللہ کے پاس جانا ہے اور اپنے کیے کا بدلہ پانا ہے۔ ان آیتوں کا تقاضہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے اور ان کی نافرمانیوں سے بچا جائے۔

حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ جو جہنم سے بچنا چاہتا ہے، اس کو جہنم سے بچنے کا سامان کرنا چاہیے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ وہ غافل ہو کر سو رہا ہے۔ اسی طرح جو جنت کا خواہش مند ہے، اس کو جنت کے حصول کی تیاری میں رہنا چاہیے، اللہ کے حکم کو بجالانا چاہیے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ وہ بھی غفلت میں پڑا سو رہا ہے۔ یعنی وہ نہ تو جہنم کے اعمال چھوڑ رہا ہے کہ جہنم سے بچے اور نہ جنت کے اعمال کر رہا ہے کہ جنت میں جائے [2]۔

(۱۴۵) خالق و مخلوق کے درمیان محبوب ہونے کا عمل

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ ﷺ قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا أَنَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِيَ اللهُ، وَأَحَبَّنِي النَّاسُ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «ازْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللهُ، وَازْهَدْ فِيمَا فِي أَيْدِي النَّاسِ يُحِبَّكَ النَّاسُ»[3].

ترجمہ: حضرت سہیل ابن سعدؓ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے کہ جب میں اس کو کروں؛ تو اللہ پاک مجھ کو دوست رکھے اور لوگ بھی دوست رکھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "دنیا سے بے رغبتی اختیار کر، اللہ تجھ کو دوست بنا لے گا اور

---

(۱) المؤمنون: ۱۱۵ بیان القرآن.
(۲) مرقاة: ۵۱۹/۹.
(۳) ابن ماجه: ۴۱۰۲ كتاب الزهد، باب الزهد في الدنيا.

لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے بے پرواہو جا؛ تو لوگ تم کو دوست بنالیں گے"۔

فائدہ: آج کل دنیا طرح طرح کے فتنوں کی آماج گاہ بنی ہوئی ہے، ان سب فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ مال ہے، یہ فتنہ ہر شخص کی زندگی کا اہم ترین مقصد بن کر رہ گیا ہے، یہ فتنہ اتنا عالم گیر ہے کہ بہت کم لوگ اس سے بچے ہوئے ہیں۔ تاجر، مدرس، پروفیسر، ٹیچر، ملازم اور امام سب لوگ کم وبیش اس فتنے میں مبتلا ہیں۔ دنیا میں رہتے ہوئے اس فتنہ سے محفوظ رہ جانا، دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنا، ایک بہت ہی مشکل امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث کی کتابوں میں اس پر مستقل عنوان قائم کیا گیا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ انسان اس بات کو پیش نظر رکھے کہ دنیا کی رنگینیوں اور دل فریبیوں میں نہ کھو جائے۔ یہ حدیث شریف بھی اُسی قبیل سے ہے، اللہ پاک نے قرآن کریم میں انسانوں کو متوجہ کرکے فرمایا ہے کہ مال تمہارے لیے آزمائش ہے[1]۔

حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے اللہ اور اس کے بندے کے نزدیک محبوب بننے کا سان نسخہ بیان فرمایا ہے اور وہ ہے دنیا سے بے رغبتی۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ایک صحابی۔ جس کا نام معلوم نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور بولے: یارسول اللہ! ثواب کے اعتبار سے کوئی بڑا عمل مجھے بتایئے کہ جب میں اللہ کی خوشنودی اور حصولِ رضاء الٰہی کے لیے اس کو کروں، تو اللہ پاک مجھ سے راضی ہو جائے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کرنے لگیں۔ یعنی ان کا طبعی میلان میری طرف ہو جائے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دنیا سے بے رغبت ہو جا۔ یعنی: ضرورت کے بقدر رکھ اور جس کی تجھ کو ضرورت نہیں اس سے پیٹھ پھیر لے، تو اللہ پاک تم سے راضی ہو جائے گا اور اگر تو چاہتا ہے کہ اللہ کی مخلوق بھی تجھ کو چاہے؛ تو لوگوں کے پاس جو مال وجاہ ہے، اس کی طرف ذرہ برابر بھی توجہ نہ کر، لوگوں کی نظروں میں خود بخود محبوب ہو جائے گا، اور وہ تیری طرف آئیں گے۔ یہ دونوں کام کرلے مقصد میں

(۱) سورۃ الانفال: ۲۸.

کامیاب ہو جائے گا[1]۔

(۱۴۶) فتنے سے پہلے عمل کر لو

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا، وَيُمْسِي كَافِرًا - أَوْ : يُمْسِي مُؤْمِنًا، وَيُصْبِحُ كَافِرًا - يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا»[2].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اعمال صالحہ میں جلدی کرو، اندھیری رات کے حصوں کے مانند فتنے ظاہر ہوں گے، کہ آدمی ایمان کی حالت میں صبح کرے گا اور کفر کی حالت میں شام کرے گا یا ایمان کی حالت میں شام ہو گی اور کفر کی حالت میں صبح کو بیدار ہو گا۔ اپنے دین کو معمولی دنیا کے عوض فروخت کر دے گا"۔

فائدہ: شریعت مطہرہ میں ایمان کے بعد اعمال کا درجہ ہے؛ اعمال صالحہ کے بغیر ایمان کامل و مکمل نہیں ہے۔ اعمال صالحہ ایسی چیز ہے کہ موت کے وقت بھی انسان اعمال صالحہ کی تمنا کرے گا۔ جیسا کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴾: پھر وہ (بطور تمنا و حسرت) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اور تھوڑے دنوں کی مہلت کیوں نہ دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا، اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہو جاتا[3]۔ لیکن جس وقت وہ ایسی تمنا کرے گا، اس وقت اس کی حیات مستعار ختم ہو چکی ہو گی۔ کسی کو ایک لحظہ کے لیے بھی وقت نہیں ملے گا۔ آیت میں مذکور اس تمنا اور خواہش کا جواب اللہ پاک نے اس طرح دیا ہے: وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا وَاللهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ: اور اللہ تعالی کسی شخص کو جب اس کی میعاد (عمر کے ختم ہونے پر) آجاتی ہے، ہرگز مہلت نہیں دیتا۔ اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی پوری

---

(۱) دليل الفالحين: ٣٢٦/٢.

(۲) صحيح مسلم: ١١٨، الإيمان، الحث ... الفتن.

(۳) سورة المنافقون: ١٠، بيان القرآن.

خبر ہے۔(ویسی ہی جزا کے مستحق ہوگے)[۱]۔

یہ خواہش تو انسان دنیا میں مرتے وقت کرے گا جو پوری نہیں ہوگی، مرنے کے بعد قیامت کے دن بھی انسان دنیا میں کیے ہوئے اعمال صالحہ کی کمی پر یا اعمال نہ کرنے پر پچھتائے گا۔امام ترمذیؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص بھی مرتا ہے، وہ پچھتاتا ضرور ہے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ! پچھتانے کی وجہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ نیک اور صالح ہے تو اس پر پچھتاتا ہے کہ اس نے نیکیاں اور زیادہ کیوں نہیں کی اور اگر بدکار ہے، تو وہ پچھتاتا ہے کہ وہ برائیوں سے کیوں باز نہ آیا[۲]۔

اس حدیث شریف میں امت کو اعمال صالحہ کی ترغیب دلائی گئی ہے کہ جتنا زیادہ ہوسکے عمل کرو، اس سے پہلے کہ فتنے نمودار ہوں۔ فتنے کب نمودار ہوں گے اور کیسے ہوں گے؟ یہ کسی کو نہیں معلوم۔ہاں جب فتنے نمودار ہوں گے؛ تو اس کو روکنے کی فرصت نہیں ہوگی۔یہ فتنے اتنی تیزی سے انسان کے ذہن و فکر اور اعمال و کردار پر اثر انداز ہوں گے کہ انسان جب صبح کرے گا، تو وہ مومن ہوگا۔ اور شام ہوتے ہوتے فتنوں کی زد میں آکر، کفر اختیار کرلے گا۔یا شام کو تو وہ مومن رہے گا، لیکن جب صبح ہوگی تو اس وقت تک وہ فتنوں کے اثر کو قبول کر کے کافر ہوچکا ہوگا۔یعنی دن بھر میں دو بار یہ حالت پیش آسکتی ہے؛ لہذا فتنوں کے آنے سے پہلے اعمال صالحہ کی کثرت کرلی جائے[۳]۔

(۱۴۷) خطبہ غور سے سنیں اور خاموش رہیں

عن أبي هُرَيْرَةَ ﷺ. أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَنْصِتْ وَالإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ»[٤].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم نے اپنے

---

(۱) المنافقون: ۱۱، بیان القرآن.
(۲) جامع الترمذي: ۲۴۰۳ ابواب الزهد.
(۳) فتح الملهم: ۱۲۲/۲.
(٤) البخاري: ۹۳٤، الجمعة، الإنصات يوم ... ينصت.

ساتھی کو جمعہ کے دن کہا، چپ، جب کہ امام خطبہ دے رہا ہو، تو تم نے غلط حرکت کی۔

فائدہ: اللہ پاک نے اپنی قدرت کاملہ سے کائنات کے ذرہ ذرہ کو پیدا فرمایا اور ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت دی۔ منجملہ ان میں سے ہفتہ کے سات دن ہیں، ان سات دنوں میں جمعہ کے دن کو دیگر ایام پر فوقیت دی، جمعہ کی فضیلت کے لیے صرف یہی بات کافی ہے کہ پورے سات دنوں میں صرف جمعہ کا دن ہی ایسا ہے کہ اس نام سے قرآن کریم میں پوری سورت، "سورۃ الجمعۃ" نازل ہوئی ہے۔ ہجرت کے پہلے سال ربیع الاول میں، مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے، نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے نماز جمعہ "بنو سالم ابن عوف" کی آبادی میں پڑھی۔ وہاں اِس وقت مسجد جمعہ موجود ہے۔ نماز جمعہ کے صحیح ہونے کے لیے من جملہ شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ نماز جمعہ سے پہلے دو خطبے دیے جائیں؛ کیوں کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ دو خطبے دیے ہیں۔

اسی اہمیت کے پیش نظر حدیث شریف میں ایک اہم بات بتائی گئی ہے، ایک غلطی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، جس میں اکثر لوگ مبتلاء ہیں۔ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لیے جب امام ممبر پر چڑھ کر خطبہ شروع کر دے، تو بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ سارے لوگ خطبہ سنیں گے۔ اگر کسی نے بات کی تو گناہ ہوگا، کیوں کہ خطبہ کے درمیان بات کرنا حرام ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ جس کے کان میں خطبہ کی آواز آرہی ہے، وہ خطبہ سن رہا ہے؛ تو بالاتفاق کسی بھی طرح کی گفتگو ممنوع ہے۔ اگر دور بیٹھا ہے، آواز نہیں آرہی ہے؛ تو بھی اکثر علماء کے نزدیک ممنوع ہے۔ فرماتے ہیں کہ "أَنصِتْ" چپ رہو، یہ لفظ امر بالمعروف ہے، جب خطبہ کے دوران امر بالمعروف کو لغو قرار دیا گیا ہے، تو دوسری باتوں کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے[1]۔

---

(۱) فتح الباری: ۲/۵۰۹.

(۱۴۸) خوشبو لگا کر باہر جانے والی زانیہ ہے

عَنْ أَبِي مُوسَى ﷺ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «كُلُّ عَيْنٍ زَانِيَةٌ، وَالْمَرْأَةُ إِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَا وَكَذَا». يَعْنِي زَانِيَةً.[1]

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر آنکھ زنا کرنے والی ہے اور عورت جب خوشبو لگا کر کسی مجلس کے پاس سے گزرے؛ تو وہ ایسی اور ایسی ہے۔ یعنی زانیہ ہے۔

فائدہ: عورتوں کا وقار پردہ میں پوشیدہ ہے۔ امہات المؤمنین کو خطاب کر کے اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: ﴿ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللهِ يَسِيرًا ﴾: اے نبی کی بیبیو! جو کوئی تم میں بے ہودگی کرے گی اس کو دوہری سزا دی جائے گی اور یہ بات اللہ تعالیٰ کو آسان ہے[2]۔ آگے فرماتا ہے: ﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴾: اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو، اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو، اور تم نمازوں کی پابندی رکھو، اور زکاۃ دیا کرو، اور اللہ کا اور اس کے رسول علیہ السلام کا کہنا مانو۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے گھر والو تم سے آلودگی کو دور رکھے، اور تم کو (ہر طرح ظاہراً و باطناً) پاک و صاف رکھے[3]۔ ان آیات میں امہات المومنین کو خطاب ہے ان کو حیا اور پردہ کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پردہ کی اسلام میں کیا اہمیت ہے۔

یہ حدیث شریف انہیں آیات کے تناظر میں ہے۔ آج کل یہ صورت حال ہے کہ ہماری عورتیں پردہ میں رہ کر بھی بے پردہ ہی رہتی ہیں۔ پردہ کیا ہوتا ہے بس، نقاب ڈالا اور تیز خوشبو لگا لیا، پرفیوم اسپرے کیا، اور بازاروں کے لیے نکل پڑیں۔ شادی بیاہ، یا موت ں مجلس ہوئی تو بناؤ سنگھار نہ

(١) الترمذي: ٢٧٨٦، الأدب، كراهية خروج المرأة متعطرة.
(٢) الأحزاب: ٣٠ بيان القرآن.
(٣) الأحزاب: ٣٣ بيان القرآن.

پوچھیے، پورا محلہ اس طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ دیکھیے نبی کریم ﷺ نے خوشبو لگا کر نکلنے والی عورت کے لیے کیا ارشاد فرمایا کہ ہر آنکھ جو شہوت سے اجنبیہ کی طرف دیکھتی ہے، وہ آنکھ زانیہ ہے؛ کیوں کہ آنکھ کا زنا دیکھنا ہے، یا یہ کہ غیر محرم کی طرف دیکھنا اسباب زنا میں سے ہے۔ عورت جب عطر اور خوشبو لگا کر ایسی مجلس جس میں مرد رہتے ہیں، خواہ وہ مسجد یا دینی مجلس ہی کیوں نہ ہو، گذرتی ہے، تو وہ ایسی ایسی ہے، یعنی اس کے اندر بہت ساری بری عادتیں ہیں اور وہ زانیہ ہے۔ کیوں کہ اس نے اپنی خوشبو کے ذریعہ مردوں کے اندر ہیجان پیدا کر دیا ہے، اور ان کو اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس سے آنکھ کی زنا کا صدور ہوا[۱]۔

معلوم یہ ہوا کہ عورتوں کے لیے ایسا عطر لگانا جس میں خوشبو ہو ممنوع ہے۔ آپ ﷺ نے عورتوں اور مردوں کی خوشبو کا پیمانہ متعین کر دیا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے: مردوں کی خوشبو وہ ہے، جس کی خوشبو ظاہر ہو اور رنگ ظاہر نہ ہو اور عورتوں کی خوشبو وہ ہے، جس کا رنگ ظاہر ہو لیکن اس میں خوشبو نہ ہو۔[۲] اس حدیث شریف کی رو سے بھی اگر کوئی عورت خوشبو لگا کر نکلتی ہے، تو لعنت کی مستحق ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں مردوں کی مشابہت لازم آتی ہے اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورت پر لعنت بھیجی گئی ہے[۳]۔

(۱۴۹) اذان و اقامت کے وقت شیطان کا بھاگنا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ وَلَهُ ضُرَاطٌ، حَتَّى لَا يَسْمَعَ التَّأْذِينَ، فَإِذَا قَضَى النِّدَاءَ أَقْبَلَ، حَتَّى إِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ، حَتَّى إِذَا قَضَى التَّثْوِيبَ أَقْبَلَ حَتَّى يَخْطِرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ، يَقُولُ: اذْكُرْ كَذَا، اذْكُرْ كَذَا لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ، حَتَّى يَظَلَّ الرَّجُلُ لَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى».[۴]

---

(۱) مرقاة المفاتيح: ۱۳٦/۳.
(۲) الترمذي: ۲۷۸۷، ابواب الادب.
(۳) صحيح البخاري: ۵۸۸۵ كتاب اللباس.
(٤) صحيح البخاري: ٦٠٨، الأذان، فضل التأذين.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے تو شیطان ریح خارج کرتا ہوا پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے تاکہ اذان نہ سنے۔ پھر جب اذان پوری ہو جاتی ہے تو آجاتا ہے۔ پھر جب نماز کی اقامت کہی جاتی ہے تو الٹے پاؤں بھاگتا ہے۔ جب اقامت پوری ہو جاتی ہے، تو پھر آجاتا ہے۔ اور نمازی اور اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے اور کہتا ہے: فلاں بات یاد کر، فلاں بات یاد کر، جو نمازی کو یاد نہیں تھی، یہاں تک کہ نمازی بھول جاتا ہے کہ کتنی رکعتیں پڑھیں"۔

فائدہ: حدیث شریف میں اذان کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور ضمناً مؤذن کی بھی فضیلت آگئی۔ ایسے مستقل طور پر مؤذن کی فضیلت حدیث نمبر: ۸۰ کے ضمن میں بیان ہو چکی ہے، اُس کو دیکھ لیا جائے۔ حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ جب اذان ہوتی ہے تو شیطان اذان کی جگہ سے ہوا چھوڑتے ہوئے بھاگتا ہے۔ اذان اس کے اوپر بھاری اور شاق ہوتی ہے، اس لیے اس کی ریاح خارج ہوتی ہے، یہاں تک کہ وہ اتنی دور چلا جاتا ہے کہ اذان کی آوازیں نہیں سن سکتا۔

طیبیؒ فرماتے ہیں کہ شیطان ہوا اس لیے خارج کرتا ہے کہ ریح کی آواز کی وجہ سے وہ اذان کی آواز نہ سن سکے۔ اور جب اذان پوری ہو جاتی ہے، تو شیطان واپس آجاتا ہے۔ پھر جب اقامت شروع ہوتی ہے تو وہ اتنی دور بھاگ جاتا ہے کہ اقامت نہ سن سکے، جب اقامت پوری ہو جاتی ہے تو وہ آجاتا ہے، اور آدمی کے دل کے پاس بیٹھ کر دل میں وسوسہ ڈالتا ہے، جس سے نماز کا خشوع وخضوع ختم ہو جاتا ہے۔ نمازی کو کہتا ہے کہ وہ بات یاد کر، فلاں چیز یاد کر۔ یعنی جو بات نماز سے متعلق نہیں ہے، اور نماز سے پہلے اس کو یاد نہیں تھی، مثلاً حساب وکتاب، خرید وفروخت وغیرہ اس کو یاد کراتا ہے۔ حتی کہ وسوسہ کی وجہ سے آدمی کو یہ بھی یاد نہیں رہتا ہے کہ اس نے کتنی رکعتیں نماز پڑھی۔ یعنی وہ شک میں مبتلا ہو جاتا ہے[1]۔

علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ نماز اور اذان کی الگ الگ خصوصیتیں ہیں۔ اذان میں نماز کے

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۲/۳۲۵.

لیے اعلان ہے اور شہادتین کا اظہار واقرار ہے؛ اس لیے شیطان اس کو برداشت نہیں کرتا اور بھاگ جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حدیث پاک میں ہے کہ مؤذن کے لیے ہر تروخشک چیز جس نے اذان سنی ہے، گواہی دے گی۔ شیطان ملعون نہیں چاہتا کہ کسی مؤمن کے لیے قیامت میں گواہی دے[1]۔ ابن حجرؒ نے یہاں پر ایک نکتہ لکھا ہے کہ جب مؤذن اذان دے رہا ہو تو اس وقت مسجد سے نکلنا مناسب نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں شیطان کی مشابہت ہے کہ وہ اذان سن کر بھاگتا ہے[2]۔

(۱۵۰) نفل گھر میں بہتر ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اجْعَلُوا فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا»[3].

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "اپنے گھروں میں بھی کچھ نمازیں پڑھا کرو اور اس کو قبریں نہ بناؤ"۔

فائدہ: نماز سب سے اہم عبادت ہے، ادا کے اعتبار سے اس کے تین درجات ہیں: فرض، واجب اور نفل۔ نفل میں سنت مؤکدہ، غیر مؤکدہ سب داخل ہیں۔ ہم بات کریں گے نفل کی، نفل نماز کی بڑی اہمیت ہے؛ اس لیے فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل کا لاحقہ کیا گیا ہے۔ نوافل کے ذریعہ سے بندہ اللہ کا مقرب ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ پاک اس کے ہر کام کو غیب سے انجام دلوا دیتا ہے۔ چناں چہ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرے قریب ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے۔ میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے۔ میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ

---

(۱) فیض الباری: ۲/۲۰۷.

(۲) فتح الباری: ۲/۱۰۹.

(۳) صحیح البخاری: ۱۱۸۷، التہجد، التطوع في البيت

مجھ سے مانگتا ہے، تو میں اسے ضرور دیتا ہوں۔ اور اگر وہ مجھ سے پناہ کا طالب ہوتا ہے، تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں[١]۔

اتنی ساری فضیلتیں ہونے کے باوجود نبی کریم ﷺ نے نوافل مسجد میں نہیں؛ بل کہ گھر میں پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں نماز پڑھنے سے فارغ ہو جائے؛ تو اس کو کچھ نمازیں اپنے گھر میں بھی پڑھنی چاہیے؛ کیوں کہ اللہ پاک نماز کی وجہ سے گھر میں خیر کا نزول فرماتا ہے[٢]۔ علماء کرام یہ فرماتے ہیں کہ اپنے گھر کو صرف سونے کی جگہ نہ بناؤ بل کہ اس میں نماز بھی پڑھو، یہ اس لیے کہ نیند موت کے ہم مثل ہے، یعنی سونے والا مردے کی طرح ہے، اپنے گھر کو صرف سونے کے لیے خاص نہ کرو جیسے قبرستان مردے کے لیے خاص ہے کہ وہاں نماز نہیں ہوتی ہے[٣]۔ نیز اولاد کے لئے تعلیم بھی ہے، کہ بڑوں کو دیکھ کر بچے نماز پڑھنا سیکھتے ہیں۔

جمادی الآخرۃ

(١٥١) لوگوں کے سامنے ہاتھ دراز کرنا

عَنْ مُعَاوِيَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تُلْحِفُوا فِي الْمَسْأَلَةِ، فَوَاللهِ لَا يَسْأَلُنِي أَحَدٌ مِنْكُمْ شَيْئًا، فَتُخْرِجَ لَهُ مَسْأَلَتُهُ مِنِّي شَيْئًا، وَأَنَا لَهُ كَارِهٌ، فَيُبَارَكَ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتُهُ»[٤].

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: چمٹ کر مت مانگو اور تم میں سے کوئی مجھ سے کچھ اس لیے نہ مانگے کہ میں اسے جو دوں، اس میں اسے برکت دی جائے اور حال یہ ہو کہ میں اسے نہیں دینا چاہوں۔

فائدہ: اللہ پاک نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے، اس لیے اشرف المخلوقات

(١) صحیح البخاري: ٦٥٠٢، کتاب الرقاق.
(٢) مسلم: ٧٧٨، المساجد، باب استحباب صلاۃ النافلة.
(٣) فتح الباری: ٦٦٥/١.
(٤) مسلم: ١٠٣٨ کتاب الزکاۃ، باب النهي عن المسألة.

کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ایسا کام کرے جس سے اس کی شرافت پر آنچ آتی ہو۔ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴾: اور ہم نے آدم —علیہ السلام— کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا اور نفیس نفیس چیزیں ان کو عطا فرمائیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی[۱]۔ آج کے دور میں گداگری اور بھیک ایک ناسور ہے جس کا علاج بہت ضروری ہے۔ اس مرض کو پھلنے پھولنے میں ہم خود ملوث ہیں۔ شریعت نے فقرا کا جو حق ہمارے ذمہ لازم کیا ہے، اگر ہم اس کو درست طریقہ سے ادا کردیں؛ تو مانگنے کا رواج تقریباً ختم ہو جائے گا، ان شاء اللہ۔

نبی کریم ﷺ کے فرمان عالی کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی مجھ سے سوال نہ کرے، کوئی سامان نہ مانگے کہ مجھے مانگنا پسند نہیں؛ لیکن مانگنے والا یہ سوچے کہ آپ ﷺ کی دی ہوئی چیز میں برکت ہوتی ہے، اس کی اجازت تو بالکل نہیں ہے۔ مانگنا اور سوال کرنا بہت بری عادت ہے، مانگنے والے کے لیے بہت سخت وعید آئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ"[۲]. یعنی مانگنے والا قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت نہیں ہوگا۔

لیکن کس قدر افسوس ناک اور شرم ناک ہے کہ جس دین نے بھیک مانگنے، سوال کرنے سے سب سے زیادہ منع کیا ہے، محنت سے کمانے کھانے اور روزی حاصل کرنے پر زور دیا ہے، اسی دین کے نام لیواؤں میں بھکاریوں کا تناسب سب سے زیادہ ہے۔ ہر چوراہے اور مسجد کے سامنے ایسے لوگ مل جاتے ہیں۔ اللہ پاک ایسی ذلت سے حفاظت فرمائے! ہمیں توفیق دے کہ ہم محنت ومزدوری کرکے اپنی ضروریات پوری کریں! پروردگار ہمیں صرف اپنے در کا سوالی بنائے! آمین!

(۱) الاسراء: ۷۰ بیان القرآن.

(۲) صحيح البخاري: ۱٤۷٤ كتاب الزكاة.

(۱۵۲) سلام وجواب کا مسنون طریقہ

عَنْ عَائِشَةَ ﷺ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا: «يَا عَائِشَةُ! هَذَا جِبْرِيلُ يَقْرَأُ عَلَيْكِ السَّلَامَ». فَقَالَتْ: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، تَرَى مَا لَا أَرَى - تُرِيدُ النَّبِيَّ ﷺ -(۱).

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: "اے عائشہؓ یہ جبریل آئے ہیں، تمہیں سلام کہہ رہے ہیں"۔ حضرت عائشہؓ نے کہا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ وہ چیزیں دیکھتے ہیں، جو میں نہیں دیکھتی؛ حضرت عائشہ کی مراد نبی کریم ﷺ کی ذات تھی۔

فائدہ: دنیا کی ہر مہذب قوم کے یہاں چند ایسے کلمات ہیں کہ جب وہ آپس میں ملاقات کرتے ہیں، تو آپسی موانست ومحبت کے اظہار کے لیے اس کو کہتے ہیں۔ لیکن تمام مذاہب کے کلمات کا موازنہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کا متعین کردہ کلمہ جسے ہم "سلام" کہتے ہیں، بہت ہی جامع ہے۔ یہ کلمہ ایک عبادت بھی ہے؛ کیوں کہ اس میں اللہ کا ذکر ہے اور اپنے بھائی کو اللہ کی یاد دلانے کا ذریعہ بھی ہے۔ سلام اور اس کے جواب کے سلسلہ میں جتنی بھی احادیث ہیں، ان سب کی بنیاد فرمان خداوندی ہے: ﴿وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا إِنَّ اللهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا﴾ (النساء: ۸۶) اور جب کوئی احترام کے ساتھ تمہیں سلام کرے تو اس کو اس سے بہتر طریقہ کے ساتھ جواب دو یا کم از کم اسی طرح، اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے(۲)۔

اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں جو دعا وسلام کا رواج تھا وہ اس طرح تھا۔ "أَنْعَمَ اللهُ بِكَ عَيْنًا وأَنْعِمْ صَبَاحًا" لیکن بعد میں اس طرح سلام ودعاء کرنے سے منع کر دیا گیا(۳)۔

سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا واجب ہے، مگر اس سنت پر عمل کرنا، یعنی سلام میں پہل کرنا افضل ہے۔ سلام اور جواب کی انتہا "وبرکاتہ" تک ہی ہے؛ لہذا سلام میں یا جواب میں اس پر زیادتی

(۱) البخاري: ۳۲۱۷، بدء الخلق، ذكر الملائكة.
(۲) النساء: ۸۶ تفهيم القرآن.
(۳) ابوداود: ۵۲۲۷ كتاب الأدب.

نہیں کرنی چاہیے۔ (یعنی سلام کرتے وقت "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" اور جواب میں، "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہے۔) اس میں کچھ اضافہ نہ کرے، جیسا کہ بعض لوگ "ومغفرتہ" اور بعض لوگ "تعالی" کا اضافہ کردیتے ہیں۔ گرچہ ایک روایت میں مغفرتہ کا لفظ بھی ہے۔ جس کو سلام کیا جارہا ہے، وہ ایک ہو یا دس، سلام وجواب میں "علیکم" ہی کہا جائے گا[1]۔

حدیث پاک سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں: حضرت عائشہ کی فضیلت، سلام بھجوانے کا استحباب، قاصد اور رسول پر اس سلام کا پہنچانا واجب ہے، اگر فساد کا خوف نہ ہو تو نیک وصالحہ اجنبیہ کو سلام کہلوایا جاسکتا ہے اور جو سلام پہنچائے اس کو بھی جواب دیا جائے، فوراً جواب دینا واجب ہے، اگر کسی کاغذ میں لکھا ہوا سلام ملے تو بھی اس کا جواب بول کر فوراً دینا ضروری ہے[2]۔

(۱۵۳) مخلوق میں محبوبیت کی وجہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا نَادَى جِبْرِيلَ: إِنَّ اللهَ قَدْ أَحَبَّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ. فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ، ثُمَّ يُنَادِي جِبْرِيلُ فِي السَّمَاءِ: إِنَّ اللهَ قَدْ أَحَبَّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، وَيُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي أَهْلِ الْأَرْضِ»[3].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ پاک جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو آواز دیتا ہے کہ اللہ پاک فلاں بندے سے محبت کرتا ہے، تو بھی ان سے محبت کر، تو جبریل ان سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر جبریل آسمان میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ پاک فلاں بندے سے محبت کرتا ہے، لہٰذا تم بھی ان سے محبت کرو۔ چناں چہ آسمان والے بھی ان سے محبت کرتے ہیں اور زمین والوں میں ان کی قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔

فائدہ: اس حدیث پاک میں اللہ تعالی کے مقبول ومحبوب بندے کی مقبولیت ومحبوبیت

(۱) مرقاۃ: ۸/۵۳-۶۷.
(۲) المنهاج شرح مسلم: ۱۵/۱۸۱.
(۳) البخاري: ۷۴۸۵، التوحيد، كلام الرب ... حنبل.

کے راز سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ دنیا میں اللہ کے نیک بندوں کے یہاں جو کسی بندے کی مقبولیت ہوتی ہے وہ کیوں؟ اس کا راز کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی وضاحت اس حدیث شریف میں کی گئی ہے۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک اپنے بندوں میں سے کسی بندے سے جب محبت کرتا ہے اور اس کو ظاہر کرنے کا ارادہ فرماتا ہے، یعنی کسی بندہ کے ساتھ بھلائی، اس پر انعام واحسان اور اس کا اکرام کرنا چاہتا ہے؛ تو جبریلؑ کو بلاتا ہے؛ کیوں کہ وہ تمام فرشتوں میں سب سے افضل ہیں، یہاں تک کہ میکائیلؑ، اسرفیلؑ اور حاملین عرش سے بھی افضل ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں۔ اللہ پاک نے اس کا ذکر نہیں فرمایا کہ وہ محبت کیوں کرتا ہے؛ کیوں کہ اللہ پاک کی محبت، بندہ کی محبت پر منحصر ہے اور بندہ کی محبت کا مدار اللہ کے دین اور نبی کے طریقے کی اتباع پر ہے۔ ہر وقت اللہ کا ذکر، اس سے مانگنا، اس کی رضامندی اور اس سے ملاقات پر منحصر ہے۔ چناں چہ اللہ فرماتا ہے کہ میری محبت اور رضامندی تو بندہ کے لیے کافی ہے۔ پھر بھی بندہ کے اکرام واعزاز میں تم بھی اس سے محبت کرو۔ چناں چہ جبریلؑ حکم کی بجاآوری کرتے ہوئے اس سے محبت کرتے ہیں۔ اِس کو کہتے ہیں رضاءِ الٰہی کے لیے محبت کرنا، کوئی غرض نہیں صرف اللہ کا حکم ہے اس لیے محبت کرتے ہیں۔ جبریلؑ کی محبت کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس بندہ کے لیے دعاواستغفار کرتے ہیں۔ پھر جبریلؑ آسمان والے فرشتوں میں اعلان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں شخص اللہ کا محبوب ہے؛ لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر آسمان کے سارے فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس کی قبولیت یعنی محبت کی علامتیں، دنیا والوں میں سے جو اہل دل، اہل محبت ہیں، اور اولیاء اللہ ہیں، ان کے دلوں میں رکھ دی جاتی ہیں اور پھر دنیا والے بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ دنیا والے سے مراد،

اللہ کے خاص بندے ہیں، عوام مراد نہیں ہیں[1]۔

(۱۵۴) مخلوق میں مبغوضیت کی وجہ

عَن أَبِي هُرَيْرَةَ رَضي اللهُ عنه قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا أَبْغَضَ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ، فَيَقُولُ: إِنِّي أُبْغِضُ فُلَانًا فَأَبْغِضْهُ. قَالَ: فَيُبْغِضُهُ جِبْرِيلُ، ثُمَّ يُنَادِي فِي أَهْلِ السَّمَاءِ: إِنَّ اللهَ يُبْغِضُ فُلَانًا فَأَبْغِضُوهُ. قَالَ: فَيُبْغِضُونَهُ، ثُمَّ تُوضَعُ لَهُ الْبَغْضَاءُ فِي الْأَرْضِ»[2].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: جب اللہ پاک کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے (نفرت کرتا ہے)؛ تو جبریل کو بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں فلاں بندے سے نفرت کرتا ہوں تم بھی اس سے نفرت کرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جبریلؑ بھی اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہ آسمان والوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ پاک فلاں بندہ سے نفرت کرتا ہے، تم بھی اس سے نفرت کرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تمام فرشتے اس سے نفرت کرتے ہیں، پھر زمین میں اس کے لیے نفرت قائم کردی جاتی ہے۔

فائدہ: حدیث شریف کا مطلب بالکل ظاہر ہے کہ جس طرح اللہ کسی بندہ سے راضی ہوتا ہے اور انجام کار فرشتے اور انسان سب اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اسی طرح جب اللہ کسی بندہ سے ناراض ہوتا ہے؛ تو سب لوگ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں اور اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔

نوویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بندے سے محبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک اس بندے کے لیے خیر، ہدایت، انعام اور رحمت کا ارادہ فرماتا ہے۔ اللہ پاک کی نفرت اور بغض وناراضگی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک اس کو سزا، عذاب وعقاب دینا چاہتا ہے۔ جبریل علیہ السلام کی محبت کا مطلب اس بندہ کے لیے دعاء واستغفار ہے، یا محبت اپنے مشہور معنی میں ہے کہ وہ بندہ چوں کہ اللہ کا محبوب ہے؛ اس لیے جبریل ان سے ملنے کے مشتاق ہوتے ہیں، اس بندے کی طرف ان کا قلبی رجحان ہو جاتا ہے[3]۔

اللہ پاک ہم تمام مسلمانوں کو اپنی رضا وخوشنودی نصیب فرمائے اور اپنی ناراضگی سے ہم تمام

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۹/۲۰۹۔

(۲) صحیح مسلم: ۲۶۳۷، البر والصلۃ الآداب۔

(۳) المنہاج شرح مسلم: ۱۶/۱۶۰۔

لوگوں کی اور ہماری آنے والی نسلوں اور گزرے ہوئے لوگوں کی حفاظت فرمائے۔ آمین!

(۱۵۵) حضور ﷺ کی طرف جھوٹ کی نسبت بہت سخت ہے

عَنِ الْمُغِيرَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلَى أَحَدٍ، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»[1].

ترجمہ: حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے: میرے متعلق کوئی جھوٹ بات کہنا عام لوگوں سے متعلق جھوٹ بولنے کی طرح نہیں ہے، جو شخص مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے، وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے"۔

فائدہ: برائیاں چاہے جس طرح کی بھی ہوں، کسی بھی مذہب میں پسند نہیں کی جاتی، خاص طور پر جھوٹ بولنا، ایک بچہ بھی سمجھتا ہے کہ جھوٹ بولنا بری عادت ہے۔ شریعت اسلامی میں امت کو جہاں دیگر بڑی بڑی برائیوں سے ڈرایا گیا ہے، وہیں ایک بہت بڑی برائی یعنی جھوٹ اور اس کے انجام سے امت کو ڈرایا گیا ہے۔ بل کہ صحیح یہ ہے کہ اس کو برائی نہ کہہ کر بیماری کہا جائے، جو ہر فرد میں پائی جاتی ہے۔ ہمارے معاشرہ میں یہ مرض اتنا عام ہو گیا ہے کہ نہ تو بولنے والے کو ہوش رہتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے اور نہ سننے والے اس کو روکتے ہیں کہ بھائی جھوٹ نہ بولو۔ یہ ہے ہمارے معاشرہ کا المیہ۔ اللہ پاک ایسے جھوٹوں کے لیے فرماتا ہے: ﴿فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ﴾: اور لعنت کریں اللہ کی ان پر جو جھوٹے ہیں[2]۔

یہ بات تو ہوئی عمومی جھوٹ کی جو انسان ایک دوسرے سے بولتا ہے، وہ لعنت اور دردناک عذاب کا مستحق ہے۔ اس سلسلہ میں تفصیل آئندہ کسی حدیث میں ذکر کی جائے گی۔ یہاں جس جھوٹ کا ہم ذکر کر رہے ہیں، معاذ اللہ وہ اللہ کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھنا اور ان کی طرف غلط نسبت کرنا

(۱) صحیح البخاری برقم: ۱۲۹۱، الجنائز.

(۲) آل عمران: (۶۱) ترجمہ شیخ الہند۔

ہے۔ یہودیوں کا خاص عمل تھا کہ وہ اپنے نبیوں کی طرف غلط بات منسوب کرتے تھے، نبی تو نبی ہیں انہوں نے تورات میں تحریف کر کے اس محرف تورات کی نسبت بھی اللہ کی طرف کر دی یعنی انھوں نے اللہ پر بھی جھوٹ باندھا۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا دوسروں کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنے اور بولنے کے مقابلے میں بہت سخت ہے۔ آپ ﷺ پر جھوٹ کبیرہ گناہ ہے۔ کیوں کہ آپ ﷺ پر جھوٹ بولنا، گویا کہ دینی احکام کے سلسلہ میں جھوٹ بولنا ہے اور احکام کا نزول اللہ کی طرف سے ہوا ہے؛ تو اس جھوٹ کی نسبت اللہ کی طرف ہو گئی (معاذ اللہ)۔ پھر فرماتے ہیں کہ حدیث شریف سے آپ ﷺ پر جھوٹ بولنے کی حرمت کا پتہ چلا کہ آپ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا حرام ہے، نوویؒ نے فرمایا کہ ایسا شخص فاسق ہے اور اس کی روایت حدیث کا اعتبار نہیں[1]۔

اب ہم آتے ہیں سوشل میڈیا کی طرف: واٹس ایپ، فیس بک وغیرہ کی دنیا میں ایسی پچاسوں من گھڑت تحریر پورے سال گردش کرتی رہتی ہے کہ نبی ﷺ نے ایسا ایسا فرمایا۔ پھر مزید یہ کہ ایسا ویسا نہ کرنے والوں کو نقصان پہنچنے کی پیشین گوئی بھی رہتی ہے۔ ایک من گھڑت حدیث کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سب سے پہلے رمضان کے آنے کی خبر دے گا کہ کس تاریخ کو رمضان شروع ہے؛ تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے، معاذ اللہ! یہ من گھڑت پوسٹ، بغیر تحقیق کے حدیث سمجھ کر مسلمان ایک دوسرے کو بھیجتا ہے، پھر اس کو نصیحت کرتا ہے کہ آگے پوسٹ کرو اور اس طور پر نہ جانے کتنے لوگ آپ ﷺ کی طرف نسبت کر کے، اس جھوٹ کو پھیلاتے ہیں۔ ایسے لوگ حدیث میں مذکور وعید کے مستحق ہوتے ہیں۔ یہ آپ ﷺ پر بہتان عظیم اور بہت بڑا ظلم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسے لوگ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیں۔ یہاں یہ ایک مثال دی گئی، ایسی

---

(۱) عمدۃ القاری: ۲/۲۲۰۔

ہزاروں حدیثیں سوشل میڈیا پر گھوم رہی ہیں۔

سوشل میڈیا استعمال کرنے والے لوگوں سے میری گزارش ہے کہ وہ کسی بھی پوسٹ کو شیر کرتے وقت ہزار بار سوچیں، علماء سے پوچھیں؛ پھر اگر صحیح ہے؛ تو شیر کریں ورنہ مٹادیں، (ڈلیٹ کردیں) اللہ پاک ہمیں صحیح سمجھ دے۔ آمین!

(۱۵٦) اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ»[1].

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینا، نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

فائدہ: حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے اسلام کو ایک ایسی عمارت سے تشبیہ دی ہے، جو چند ستونوں پر قائم ہو؛ لہذا کسی مسلمان کے لیے اس کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ وہ اُن ارکان کے ادا کرنے میں غفلت کرے؛ کیوں کہ یہ اسلام کے بنیادی ستون ہیں۔ ان پانچ ارکان کو اسلام کی رکنیت کے لیے اس وجہ سے خاص کیا کہ یہ پانچوں اعمال لوگوں کی مشہور عبادتیں ہیں۔ تمام امتوں نے اس کو اختیار کیا ہے۔ انہی پانچ میں عبادات کی ساری قسمیں آگئیں۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر یا پانچ ارکان پر رکھی گئی ہے۔ ان میں سے پہلا رکن کلمۂ شہادت ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں ارکان کو ایک خیمہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ خیمہ میں کل پانچ ستون ہوتے ہیں۔ ایک ستون بالکل بیچ میں رہتا

(۱) صحيح البخاري: ٨ ، الإيمان، باب دعاؤكم إيمانكم.

ہے اور چار ستون چاروں طرف رہتے ہیں۔ ان چاروں کا انحصار بیچ والے ستون پر ہوتا ہے کہ اگر بیچ والا ستون نہ ہو؛ تو خیمہ کھڑا نہیں رہ سکتا۔ کنارے والے ستون نہیں ہیں؛ تو خیمہ کھڑا تو رہے گا، مگر اس میں نقص اور کمی رہے گی۔ اسی طرح اسلام ایک بلند بالا عمارت ہے، جس کے بیچ کا ستون کلمہ شہادت ہے اور نماز، زکاۃ، حج اور روزے، یہ سب کنارے کے ستون ہیں۔ اگر بیچ والا ستون گرگیا، تو ایمان ہی نہ رہا اور پھر پوری عمارت ہی منہدم ہو جائے گی۔ اگر کنارے والے ستون نہ رہے؛ تو کم از کم عمارت تو باقی رہے گی۔ کنارے والے ستون کو اٹھا سکتے ہیں۔

کلمۂ شہادت: (اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں) کی گواہی دینا، فرض نمازوں کو قائم رکھنا، مستطیع کے لئے ایام حج میں حج ادا کرنا، رمضان کے دنوں میں تمام شرائط کے ساتھ رمضان کے روزے رکھنا اور صاحب نصاب ہونے کی صورت میں زکاۃ ادا کرنا۔ یعنی زکاۃ کی جو مقدار فرض ہے، مصارف زکاۃ تک ان کو پہنچا دینا[1]۔

(۱۵۷) بروز قیامت پانچ سوالات

عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ، وَعَنْ عِلْمِهِ فِيمَ فَعَلَ، وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ، وَعَنْ جِسْمِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ»[2].

ترجمہ: حضرت ابو برزہ اسلمیؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "بندے کے دونوں پیر قیامت کے دن (اپنی جگہ سے) نہیں ہٹیں گے، یہاں تک کہ اس کی عمر کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کہاں گنوایا، اس کے علم کے بارے میں کہ اس نے کیا عمل کیا، اس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور اس کے جسم کے بارے میں کس چیز میں اس کو کھپایا"۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں چار طرح کے سوالات کا ذکر ہے؛ ترمذی شریف، حدیث

(۱) مرقاة المفاتيح: ۱/۱۳۱.

(۲) الترمذي: ۲۴۱۷، صفة القيامة عن رسول الله ﷺ.

نمبر:۲۴۱۶ میں پانچ چیزوں کا ذکر ہے۔ یعنی قیامت میں پانچ سوالات ہوں گے اور پانچوں سوالات لازمی اور ضروری ہیں۔ پانچواں سوال ہے، جوانی کہاں خرچ کی؟

مطلب یہ ہے کہ انسان قیامت کے دن اس وقت تک چھٹکارا نہیں پائے گا، جب تک مذکورہ باتوں کے بارے میں اس سے پوچھ نہ لیا جائے: پہلی چیز اس کی عمر کا سوال ہوگا کہ اپنی عمر کو کیسے اور کس چیز میں خرچ کیا۔ (یعنی اللہ کے فرماں دار بن کر زندگی گزاری، یا نافرمان بن کر)، ایک روایت میں جوانی کا ذکر ہے کہ جوانی کی حالت میں جو طاقت و قوت اللہ نے دی تھی، اس کو کہاں ضائع کیا۔ پھر علم کے بارے میں سوال ہوگا؛ کیوں کہ علم بہت اہم چیز ہے۔ پھر مال و دولت کے بارے میں پوچھ ہوگی کہ کیسے کمایا، حلال طریقے سے یا حرام طریقہ سے؟ اور مال حاصل کرنے کے بعد اس کو کہاں خرچ کیا؟ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری میں یا معصیت و نافرمانی میں، پھر جسم کے بارے میں پوچھ ہوگی (کہ اپنے جسم کے حقوق ادا کیے یا نہیں؟)[1]۔

علامہ سیوطیؒ نے ایک روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عویمر قیامت کے دن تمہارا کیا حال ہوگا، جب تم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے علم حاصل کیا یا جاہل ہی رہا؟ تو اگر تو کہے گا کہ میں نے علم حاصل کیا تھا، تو پوچھا جائے گا کہ اپنے علم پر تو نے کتنا عمل کیا؟ اور اگر تو نے کہا کہ: میں نے علم نہیں سیکھا تھا؛ تو پوچھا جائے گا کہ کس عذر کی بنا پر تم نے علم حاصل نہیں کیا؟[2]۔

(۱۵۸) حرصِ مال کی مذمت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ، لَابْتَغَى ثَالِثًا، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ، وَيَتُوبُ اللهُ عَلَى مَنْ تَابَ[3].

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا: آپ ﷺ

(۱) المرقاة: ۹/۳۲۹.
(۲) جمع الجوامع: جلد:۵/حدیث:۱۶۰۱۸.
(۳) صحيح البخاري: ٦٤٣٦، الرقاق، ما يتقى ... المال.

فرماتے ہیں: "اگر انسان کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں، تو تیسری کا خواہش مند ہوگا اور انسان کا پیٹ مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی اور اللہ اس شخص کی توبہ قبول کرتا ہے، جو سچی توبہ کرے"۔

فائدہ: حدیث شریف میں حرص مال کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ حرص ایک ایسی بیماری ہے جو معاشرہ کو فتنہ وفساد سے بھر دیتی ہے۔ اس کے ذریعہ غریب غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے اور امیر مال دار ہوتا چلا جاتا ہے۔ حقوق کی پامالی ہوتی ہے، انصاف و مساوات مفقود ہو جاتے ہیں۔ یہی چیز آپس اختلاف وانتشار کا سبب بنتی ہے۔ اسی حرص کی وجہ سے بڑے بڑے ظالم وجابر حکمراں برباد ہوئے۔ ہم نے اپنی اس تھوڑی سی زندگی کو دائمی زندگی سمجھ لیا ہے اور اس مال کو دائمی مال تصور کر لیا ہے۔

حدیث شریف میں بتایا گیا کہ حرص کبھی نہ ختم ہونے والی بیماری ہے۔ جس شخص کے اندر حرص ہوگی، مال کا لالچ ہوگا؛ تو یہ لالچ اس کو اللہ کی یاد سے غافل کر دے گا۔ لالچ ایسی بیماری ہے کہ طرح طرح کی برائیوں، مثلاً: چوری، خیانت اور رشوت خوری وغیرہ میں انسان کو ملوث کرتا ہے۔ غرض یہ کہ اس کی بدولت طرح طرح کے جرائم جنم لیتے ہیں، جو معاشرہ کی تباہی و بربادی کا سبب بنتے ہیں۔ چناں چہ حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ اگر بالفرض انسان کے پاس مال کی دو وادیاں (دو پہاڑوں کے درمیان خالی جگہ کو وادی کہتے ہیں) ہوں، اور ایک روایت میں سونے کا ذکر ہے کہ دو وادی سونا ہو؛ تو وہ مال جمع کرنے کے لیے تیسری وادی کی خواہش کرے گا، جو ان دونوں سے بڑی ہو۔ (معاملہ اسی طرح چلتا رہے گا، یعنی تین وادی ہو تو چوتھی کی اور چار ہو تو پانچویں کی خواہش کرے گا) بنو آدم یعنی انسان کے پیٹ کو یا اس کی حرص کو صرف قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ اس میں اس بات کی تنبیہ ہے کہ بخل و حرص انسان کی فطرت میں ہے۔ جیسا کہ اللہ پاک قرآن عظیم الشان میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿قُلْ لَّوْ أَنْتُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَّأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُورًا﴾: آپ فرما دیجیے کہ اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مختار ہوتے؛ تو اس صورت میں تم خرچ

کرنے کے اندیشہ سے ضرور ہاتھ روک لیتے اور آدمی بڑا تنگ دل ہے (۱)۔

نوویؒ فرماتے ہیں: اس حدیث میں مال کی حرص، کثرت اور رغبت کی مذمت ہے۔ نیز فرماتے ہیں: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا کی حرص میں مر جاتا ہے اور قبر کی مٹی اس کے پیٹ کو بھر دیتی ہے۔ جو شخص اس حرص مذموم سے توبہ کرتا ہے، اس کی توبہ قبول ہوتی ہے (۲)۔

(۱۵۹) اللہ کے فضل سے ہی جنت ملتی ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «لَنْ يُدْخِلَ أَحَدًا عَمَلُهُ الْجَنَّةَ». قَالُوا: وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «لَا، وَلَا أَنَا، إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللهُ بِفَضْلٍ وَرَحْمَةٍ، فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَلَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ؛ إِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَزْدَادَ خَيْرًا، وَإِمَّا مُسِيئًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَسْتَعْتِبَ»(۳).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کسی کا عمل اس کو جنت میں داخل نہیں کرائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کے اعمال بھی؟ ارشاد فرمایا: نہیں اور نہ میرے اعمال، مگر یہ کہ اللہ پاک مجھے اپنے فضل رحمت سے نوازے گا؛ اس لیے میانہ روی اختیار کرو اور قریب قریب چلو اور تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے؛ کیوں کہ یا تو وہ نیک ہے تو نیکی زیادہ کرے گا، یا بدکار ہے تو ہو سکتا ہے وہ توبہ کر کے اللہ کی رضا طلب کرے۔

فائدہ: حدیث شریف میں بتایا گیا کہ دخول جنت اللہ کے فضل واحسان اور اس کے کرم سے ہوگا، اعمال کی وجہ سے نہیں؛ کیوں کہ انسان کی پیدائش ہی عبادت اور اعمال صالحہ کے لیے ہوئی ہے؛ اس لیے انسان کے اوپر واجب اور لازم ہے کہ طاعات میں کسر نہ چھوڑے اور معاصی کے قریب بھی نہ ہو۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کا عمل بھی آپ کو نجات نہیں دلائے گا؟ جنت میں داخل نہیں کروائے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں میرا عمل بھی مجھ کو نجات نہیں دلوا سکتا۔ مگر یہ

(۱) الاسراء: ۱۰۰ بیان القرآن.
(۲) المنهاج شرح مسلم: ۱۲۷/۷.
(۳) البخاري: ۵۶۷۳، المرضى، تمني المريض الموت.

کہ اللہ پاک اپنے کرم سے میرے ساتھ پردہ پوشی کا معاملہ فرمائے، اللہ پاک اپنی رحمت کی چادر مجھے اوڑھائے گا، تو صرف اللہ کے فضل وکرم سے ہی میں جنت میں داخل ہوں گا۔

حدیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس عمل کے ساتھ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت شامل حال ہو اس کا اعتبار ہے۔ آگے فرمایا: "سدّدوا وقاربوا" صحیح راستہ اختیار کرو، میانہ روی اختیار کرو، بغیر افراط وتفریط اور بغیر کمی بیشی کے تمام امور شریعت کی حفاظت کرو(۱)۔

حدیث شریف میں آگے ہے: "لا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ" اس کا مطلب یہ ہے کہ موت کی تمنا نہ کرو؛ کیوں کہ موت کی تمنا نیک اور بد دونوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ اگر نیک ہے تو دعاء قبول ہونے کی وجہ سے جلدی دنیا سے چلا جائے گا، پھر نیکی کا سلسلہ ختم ہو جائے گا، اور اگر زندہ رہے گا تو نیکی زیادہ کرے گا یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ اور اگر برا آدمی ہے تو موت کی تمنا کے بعد اگر بغیر توبہ کے مر گیا تو یہ اس کے لیے آخرت میں ہلاکت کا سبب ہے اور اگر زندہ رہے گا تو توبہ کے ذریعہ اپنی مغفرت کروا کر اللہ کو راضی کر لے گا(۲)۔

(۱۶۰) مسلمانوں کی ستر پوشی اور تعاون کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الْآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ عَلَى مُسْلِمٍ سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ»(۳).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس نے کسی مسلمان کی کوئی دنیوی پریشانی دور کی تو اللہ پاک اس کی آخرت کی بڑی پریشانی کو دور فرمائے گا۔ اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی؛ تو اللہ پاک دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ اور اللہ پاک بندہ کی مدد کرتا

---

(۱) مرقاة المفاتيح: ۲۷۹/۵.
(۲) عمدة القاري: ۲۴۸/۲۱.
(۳) الترمذي: ۱۴۲۵، الحدود عن رسول الله ﷺ.

رہتا ہے، جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے"۔

فائدہ: اسلام ایک امن پسند اور سلامتی والا مذہب ہے۔ اللہ پاک نے جن اصولوں پر اس کی بنیاد رکھی ہے، اگر ان سنہرے اصولوں کو دستور العمل بنایا جائے؛ تو دنیا امن کا گہوارہ بن جائے گی۔

اللہ پاک نے دنیا میں مختلف رنگ و نسل اور مختلف مزاج کے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے۔ اس وجہ سے اجتماعی زندگی گزارتے وقت کئی طرح کے امور پیش آتے ہیں۔ بعض ناگوار اور غیر مناسب باتیں بھی دیکھنے اور سننے کو ملتی ہیں۔ اگر انسان ضرورت مند ہے اور کسی تکلیف میں مبتلا ہے؛ تو وہ کسی دوسرے کا محتاج ہوتا ہے، اس وقت بھی مدد کرنے میں بسا اوقات انسان کی طبیعت ناگواری محسوس کرتی ہے؛ اس لیے شریعت نے ہمیں ایسے موقع پر دوسروں کے ساتھ پیش آنے کے رہنما اصول بتائے ہیں۔ انہیں میں سے چند باتیں اس حدیث شریف میں مذکور ہیں۔

پہلی چیز: دنیا میں اللہ کے بندوں کی کوئی مصیبت اور پریشانی دور کرنا، کہ اگر کوئی شخص مسلمان کی چاہے وہ فاسق و گنہ گار ہو مصیبت، غم و پریشانی، اگرچہ چھوٹی سی ہو دور کر دیتا ہے؛ تو اللہ پاک قیامت کے دن اس کی بڑی پریشانیوں کو دور فرمائے گا۔

دوسری چیز: پردہ پوشی ہے کہ کسی شخص سے بشری تقاضہ کی وجہ سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے؛ تو رسوا کرنے کے لئے اس عیب اور گناہ کو لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کرے، یا پردہ پوشی سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی ایسا ہے کہ اس کے پاس کپڑے پہننے کے لیے یا ستر چھپانے کے لیے نہیں ہے؛ تو اس کو کپڑا پہنا کر اس کے ستر کو چھپائے، تو اللہ پاک دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ اس کے عیوب کو ظاہر نہیں فرمائے گا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ اگر کوئی آدمی فتنہ و فساد کرنے والا یا شریعت کا مذاق اڑانے والا ہے تو ایسے شخص کی پردہ پوشی نہیں کی جائے گی، ورنہ تو معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔ یہاں عیوب سے وہ عیوب مراد ہیں جو ایک انسان دوسرے انسان سے چھپ کر کرتا

ہے، ایسے عیوب اگر کسی وجہ سے ظاہر ہو جائیں تو اس کو چھپانے کا حکم ہے۔

تیسری چیز: محتاجوں کی مدد کرنا ہے کہ بندہ جب تک کسی مسلمان تنگ دست بھائی کی مدد میں مشغول رہتا ہے، تو اللہ پاک اس کی اس طرح مدد کرتا ہے کہ بندہ گمان بھی نہیں کر سکتا(۱)۔

(۱۶۱) عقیقہ مستحب ہے

عَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اَلْغُلَامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيقَتِهِ يُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ، وَيُسَمَّى، وَيُحْلَقُ رَأْسُهُ»(۲).

ترجمہ: حضرت سمرہ ابن جندبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لڑکا (بچہ) عقیقہ کے بدلے میں گروی رکھا ہوا ہے۔ اس کی طرف سے ساتویں دن جانور ذبح کیا جائے، اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر منڈایا جائے"۔

فائدہ: حدیث شریف میں عقیقہ کا ذکر ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بچہ رہن (گروی) رکھا ہوا ہے؛ اس لیے بچہ کی طرف سے ساتویں دن عقیقہ کیا جائے اور اسی دن اس کا نام رکھا جائے اور اسی دن اس کے سر مونڈے جائیں۔

"عقیقہ کے بدلہ میں بچہ گروی رکھا ہوا ہے": اس کا مطلب یہ ہے کہ بچہ آفات سے محفوظ نہیں ہے، جب تک کہ عقیقہ نہ کر لیا جائے۔ بعض علماء نے یہ فرمایا ہے کہ بچہ والدین کے حق میں شفاعت نہیں کرے گا، جب تک کہ اس کا عقیقہ نہ کر دیا جائے۔ اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ بچہ رہن رکھی ہوئی چیز کی طرح ہے، بغیر اس کا بدلہ دیے، اس سے فائدہ اٹھانا صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ بچہ والدین کے لیے اللہ کی نعمت ہے؛ اس لیے والدین کے لیے مناسب ہے کہ اس نعمت پر عقیقہ کر کے اللہ کا شکر ادا کرے۔ شکر یہ ادا کرنے کا یہ طریقہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے(۳)۔ عقیقہ کرنا مستحب ہے۔ بعض

---

(۱) مرقاة المفاتيح: ۱/۴۱۴۔ (۳) مرقاة المفاتيح: ۸/۷۷۔

(۲) الترمذي: ۱۵۲۲ أبواب الأضاحي، باب من العقيقة.

نے عقیقہ کو سنت اور بعض نے واجب کہا ہے۔

بچہ کی پیدائش کے بعد، سب سے پہلے اس کے کان میں اذان کہی جائے گی[1] ۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ نماز کی اذان کی طرح اذان دے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بچہ کے کان میں اذان دینا سنت ہے۔ ابویعلی نے مرفوع حدیث ذکر کی ہے کہ دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے گی[2]۔ پھر اس کے بعد کسی نیک آدمی کے پاس لاکر دعا کرانا۔ تحنیک کروانا بھی مستحب ہے۔ تحنیک کہتے ہیں کھجور یا چھوہارا منہ سے چباکر، بچہ کے منھ میں ڈالنا۔ پھر اگر استطاعت ہے تو، ساتویں دن لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا یا بکری، یا بڑے جانور کا عقیقہ کیا جائے گا[3]۔ اور اگر سہولت نہیں ہے؛ تو لڑکے کی طرف سے ایک بھی کافی ہے۔ پھر اس کا سر مونڈا جائے گا اور بال کے برابر چاندی صدقہ کیا جائے گا، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن کی طرف سے ایک بکری کا عقیقہ کیا اور فرمایا: اے فاطمہ اس کا سر مونڈو اور اس کے بال کے برابر چاندی صدقہ کرو[4] ۔ پھر بچہ کا اچھا سا نام رکھا جائے گا جیسا کہ حدیث میں مذکور ہوا۔

(۱۶۲) خوف خدا سے رونے والا جہنم میں داخل نہیں ہوگا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللهِ حَتَّى يَعُودَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ، وَلَا يَجْتَمِعُ غُبَارٌ فِي سَبِيلِ اللهِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ»[5].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "وہ شخص جہنم میں نہیں جاسکتا، جو اللہ کے خوف سے رویا ہو؛ یہاں تک کہ دودھ تھن میں نہ لوٹ جائے۔ اور اللہ کے راستے کا غبار اور جہنم کا دھواں دونوں اکٹھا نہیں ہو سکتے"۔

فائدہ: جس اللہ کی ملکیت میں عالم کا سارا نظام ہو، جو ساری کائنات کا خالق اور پالن ہار ہو،

---

(۱) ترمذی: ۱۵۱٤ ابواب الأضاحي.
(۲) مرقاة: ۸/۸۱.
(۳) الترمذي: ۱۵۲٦، الأضاحي عن رسول الله ﷺ.
(٤) نفس المصدر: ۱۵۱۹:
(۵) الترمذي: ۲۳۱۱ أبواب الزهد عن رسول الله ﷺ.

جنت و جہنم، ثواب و عقاب کا مالک بھی ہو تو اس کا حق بنتا ہے کہ اس سے ڈرا جائے؛ اسی لیے اس نے خود سے ڈرنے کا حکم دیا ہے: ﴿ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴾: اے ایمان والو! اللہ تعالی سے ڈرا کرو جیسا ڈرنے کا حق ہے اور بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا[1]۔ اسی کا نام اللہ کا خوف ہے جس کا ذکر حدیث پاک میں ہے۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے روئے گا، وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا، اس لیے کہ جب اللہ کا خوف غالب آجاتا ہے؛ تو انسان اللہ کے احکام کو بجالاتا ہے اور اس کی نافرمانی اور گناہوں سے پرہیز کرتا ہے۔ جس طرح تھن سے دودھ نکلنے کے بعد اس کا واپس ہونا ممکن نہیں ہے، اسی طرح اللہ کے خوف سے رونے والے کا جہنم میں جانا بھی ناممکن اور محال ہے۔ اسی طرح جہنم کا دھواں اور اللہ کے راستے کا غبار، یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ جس جسم پر اللہ کے راستہ کا گرد و غبار پڑا ہو، اس جسم پر جہنم کا دھواں لگے۔ جب جہنم کا دھواں بھی وہاں نہیں پہنچ سکتا، تو جہنم کی آگ کیسے پہنچے گی[2]۔

حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں: کہ حدیث شریف میں "فی سبیل اللہ" عام ہے، یعنی: اللہ کا راستہ۔ اور جہاد بھی اللہ کا راستہ ہے، اسی لیے امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو کتاب الجہاد میں بھی ذکر کیا ہے۔ تو حضرت گنگوہیؒ کے نزدیک مراد یہ ہے کہ اللہ کے کسی بھی راستہ میں نکلا اور گرد و غبار اس کے جسم پر پڑا خواہ نماز (تعلیم، دعوت و تبلیغ) کے لیے ہی نکلا؛ تو وہ بھی اس فضیلت میں داخل ہے[3]۔

(۱۶۳) کار خیر میں خرچ کرتے رہا کرو

عَنْ أَسْمَاءَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «أَنْفِقِي وَلَا تُحْصِي فَيُحْصِيَ اللهُ عَلَيْكِ، وَلَا تُوعِي فَيُوعِيَ اللهُ عَلَيْكِ»[4].

---

(۱) آل عمران: ۱۰۲ بیان القرآن.

(۲) مرقاة المفاتيح، ۳۵۸/۷.

(۳) الكوكب الدري: ۴۲۵/۱.

(۴) البخاري: ۲۵۹۱، الهبة، هبة المرأة بغير زوجها.

ترجمہ: حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خرچ کیا کرو اور گنا مت کرو، ورنہ اللہ پاک بھی تم کو گن کر دیگا اور محفوظ کر کے نہ رکھو، ورنہ اللہ پاک بھی تم سے بچا کر رکھے گا۔

فائدہ: حدیث شریف میں سخاوت اختیار کرنے کی تاکید اور زیادہ سے زیادہ صدقات دینے کی ترغیب دی گئی ہے۔ سخاوت ایک ایسا وصف محمود ہے کہ اس کو دنیا میں بسنے والے ہر قوم، ہر فرد، نے اپنایا ہے۔ امیر و غریب سب نے دل و جان سے اللہ کے راستہ میں مال لٹایا ہے۔

قرآن وحدیث میں سخاوت کی بڑی فضیلتیں آئی ہیں؛ چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾: تم میں کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے؟ تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کرے، گھٹانا بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے او بڑھانا بھی اور اسی کی طرف تمکو پلٹ کر جانا ہے[1]۔ اللہ پاک نے قرآن کریم میں ایک جگہ سخاوت کو گناہوں کا کفارہ اور دخول جنت کا سبب قرار دیا ہے: ﴿وَأَقْرَضْتُمُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾: اور اللہ تعالی کو اچھے طور پر قرض دیتے رہوگے؛ تو میں ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کر دونگا اور ضرور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے کو نہریں جاری ہوں گی[2]۔ احادیث میں بھی سخاوت کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے؛ چناں چہ ابھی حدیث نمبر: ۱۶۰ میں گزرا کہ اللہ پاک اس بندہ کی مدد کرتا رہتا ہے، جو بندہ اپنے بھائی کی مدد میں مشغول رہتا ہے۔ یہ تو سخاوت کے سلسلہ میں فضائل کی چند مثالیں تھیں جو ہم نے بیان کیں۔ ورنہ تو آیات واحادیث کا ذخیرہ موجود ہے، جس میں اللہ پاک نے سخاوت کا حکم دیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے امت کو شوق دلایا ہے۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کی رضا مندی کے لیے ضرورت کی جگہ پر مال خرچ کرو، بخل مت کرو، ورنہ اللہ پاک بھی تم پر اپنی سخاوت روک لے گا، تمہارے اوپر رزق کی تنگی

(۱) البقرۃ: ۲۴۵ تفہیم القرآن۔ (۲) المائدۃ: ۱۲ بیان القرآن۔

آجائے گی، برکت ختم ہو جائے گی اور قیامت میں اس مال کا حساب بھی دینا ہو گا[1]۔

(۱۶۴) تکبیر اولی کے ساتھ چالیس نمازوں کی فضیلت

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ صَلَّى لِلّٰهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ، يُدْرِكُ التَّكْبِيرَةَ الْأُولَى كُتِبَ لَهُ بَرَاءَتَانِ: بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ، وَبَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ»[2].

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص چالیس دن تک تکبیر اولی کے ساتھ اللہ کے لیے جماعت سے نماز پڑھتا ہے؛ تو اس کو دو پروانے ملتے ہیں: ایک جہنم سے چھٹکارے اور دوسرا نفاق سے بری ہونے کا۔

فائدہ: حدیث شریف میں تکبیر اولی کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اس کی مدت چالیس دن ہے یعنی اس فضیلت کا مستحق وہی نمازی ہو گا جو چالیس دن بغیر ناغہ کیے ہوئے پانچوں وقت کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ تکبیر اولی سے پڑھے۔ تکبیر اولی سے مراد تکبیر تحریمہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مراد مقتدی کا پہلی رکعت کے رکوع میں ملنا ہو یعنی رکعت نہ چھوٹی ہو۔ تو اللہ پاک اس کو دو چیزوں کے سرٹیفکیٹ سے نوازتا ہے: پہلا سرٹیفکیٹ یہ ہے کہ اس کو جہنم سے نجات اور خلاصی دیدی جاتی ہے اور دوسرا سرٹیفکیٹ یہ ہے کہ اس کو نفاق سے بری قرار دیدیا جاتا ہے۔ نفاق سے بری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص دنیا میں منافقوں والے اعمال سے مامون و محفوظ رہتا ہے اور اللہ پاک اس کو اخلاص کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ کل بروز آخرت اس عذاب سے محفوظ رہے گا، جو منافقوں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ یہ اس لیے کہ منافقین نماز کی پابندی نہیں کرتے، سستی کرتے ہیں [3]۔

(۱۶۵) تعمیر مسجد کا ثواب

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضي الله عنه قال: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:

---

(۱) المرقاة: ۳۱۷/۴.
(۲) الترمذي: ۲۴۱ أبواب الصلاة عن رسول الله [ ].
(۳) مرقاة: ۲۰۱/۳

«مَنْ بَنَى مَسْجِدًا لِلّٰهِ بَنَى اللّٰهُ لَهُ فِي الْجَنَّةِ مِثْلَهُ»[1].

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضي اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: "جس نے اللہ کے لیے مسجد بنائی، اللہ پاک اس کے لیے جنت میں اسی کے مثل گھر بنائے گا"۔

فائدہ: حدیث شریف میں مسجد بنانے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ یوں تو امت محمدیہ پر اللہ پاک کا خصوصی فضل و کرم ہے کہ اللہ پاک نے ان کے لیے پوری روئے زمین کو ہی جائے نماز بنادیا ہے اور یہ سہولت دی گئی ہے کہ نماز کے وقت اگر مسجد قریب نہیں ہے، تو جہاں بھی رہیں نماز ادا کر لیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جو اللہ نے مجھ سے پہلے کسی اور کو نہیں دیں، (ان میں سے دوسری چیز یہ ہے کہ) اللہ پاک نے پوری روئے زمین کو میرے لیے (جائے نماز) مسجد اور پاکی حاصل کرنے کی جگہ بنادیا[2]۔ چناں چہ میری امت کے کسی بھی شخص کے لیے جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے، اسے چاہیے کہ وہیں نماز پڑھ لے، اور اگر پانی نہ ملے تو تیمم کرلے۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ جس نے بھی اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے مسجد بنائی، خواہ بڑی ہو یا چھوٹی اور اس میں نماز پڑھی جائے، اللہ کا ذکر کیا جائے؛ تو اللہ پاک جنت میں اس کے لیے بہت بڑا محل بنائے گا[3]۔ یہاں ابن جوزیؒ نے ایک نکتے کی بات نقل فرمائی ہے کہ مسجد بنانے کے بعد جس نے اس پر اپنا نام لکھ دیا، مسجد کو اپنی طرف منسوب کردیا؛ تو ایسا شخص اخلاص سے دور ہے۔ لہٰذا ایسا شخص اس خاص فضیلت میں داخل نہیں، گرچہ اس کو مسجد بنانے کا ثواب ملے گا[4]۔

نوویؒ نے فرمایا کہ اس حدیث شریف میں جنت کے گھر کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جس طرح دنیا میں مسجد کو سارے گھروں پر فضیلت حاصل ہے، اسی طرح جنت کا وہ گھر جو مسجد کی تعمیر کے بدلہ میں ملے گا، جنت کے تمام گھروں سے افضل ہوگا[5]۔

---

(۱) صحیح مسلم: ۵۳۳ کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ.
(۲) صحیح البخاري: ۳۳۵ کتاب التیمم.
(۳) مرقاۃ المفاتیح: ۲/۶۰۵.
(٤) الأنعام: ۱٦۰ بیان القرآن.
(٥) المنهاج شرح مسلم: ٥/۱٤.

(۱۶۶)سو مرتبہ تسبیح و تحمید کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ قَالَ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ، حُطَّتْ خَطَايَاهُ، وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ».(۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ایک دن میں سو بار سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا، اس کے گناہ ختم ہو جاتے ہیں، اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

فائدہ: حدیث شریف میں ایک خاص ذکر کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور وہ ہے "سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ" اگر کوئی شخص اس تسبیح کو روزانہ سو بار پڑھتا ہے؛ تو اس کے سارے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ صغیرہ گناہ اس لیے کہا کہ کبیرہ گناہ کی معافی کے لیے توبہ شرط ہے، اور حقوق العباد کی معافی کے لیے بندے سے معاف کرانا شرط ہے۔ بعض علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ کے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے، اللہ پاک بغیر توبہ کے بھی مغفرت کرنے پر قادر ہے؛ اس لیے ذات باری سے اچھی امید رکھنی چاہئے؛ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ توبہ واستغفار چھوڑ دے۔

نووی ؒ نے فرمایا ہے کہ افضل یہ ہے کہ دن کے اول حصہ میں بغیر کسی وقفہ کے لگاتار یہ تسبیح پڑھے۔ اسی طرح رات کے شروع حصہ میں بغیر وقفہ کیے ہوئے پڑھے؛ تو اللہ پاک اس کے سارے گناہ معاف فرمادیں گے (۲)۔

ایک اور روایت میں "سبحان اللہ العظیم" کی زیادتی ہے؛ لیکن یہ الگ کلمہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں، جو زبان پر تو بالکل ہلکے ہیں یعنی ان کو ادا کرنے میں پریشانی نہیں ہوتی۔ لیکن کل قیامت کے دن ترازو میں دونوں کلمے بہت بھاری اور وزنی ہوں گے۔ اور وہ دونوں

---

(۱) صحیح البخاري: ٦٤٠٥، الدعوات، فضل التسبيح.

(۲) فتح الباري: ۱۱/۲۳۵.

کلمے اللہ کو بہت پسند ہیں اور وہ: سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم ہیں [۱]۔

قرآن کریم میں مؤمن کی صفات بیان کی گئی ہے کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللهِ أَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴾ مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے [۲]۔

(۱۶۷) اعتبار خاتمہ کا ہے

قَالَ عَبْدُ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ، قَالَ: «إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَبْعَثُ اللهُ مَلَكًا فَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ، وَيُقَالُ لَهُ: اكْتُبْ عَمَلَهُ وَرِزْقَهُ وَأَجَلَهُ، وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ، ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ، فَإِنَّ الرَّجُلَ مِنْكُمْ لَيَعْمَلُ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ كِتَابُهُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، وَيَعْمَلُ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ».[۳]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ہم سے صادق ومصدوق رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث بیان فرمائی: "کہ تمہارا مادۂ خلقت ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک (نطفہ کی شکل میں) جمع رہتا ہے، پھر اتنے ہی دن جمے ہوئے خون کی شکل میں رہتا ہے، پھر اتنے ہی دن گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے، پھر اللہ پاک ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور اسے چار باتوں کا حکم کیا جاتا ہے، اس سے کہا جاتا ہے: کہ اس کا عمل، اس کی روزی، اس کی عمر، بدبختی اور نیک بختی لکھو، اس کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ پھر تم میں سے ایک شخص عمل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے؛ تو اس کا نوشتہ غالب آجاتا ہے اور وہ دوزخیوں والا عمل کرنے لگتا ہے۔ اور ایک شخص عمل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کے

(۱) صحیح البخاري: ٦٤٠٦.
(۲) الرعد: ۲۸ بیان القرآن.
(۳) صحیح البخاري: ۳۲۰۸، بدء الخلق، ذکر الملائکة.

اور جہنم کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے؛ تو اس پر نوشتہ غالب آجاتا ہے اور وہ اہل جنت والا کام کرنے لگتا ہے۔

فائدہ: اللہ پاک نے قرآن کریم میں اس واقعہ کو ذکر فرمایا ہے؛ بل کہ یہ کہا جائے کہ یہ حدیث آیت قرآنیہ کی تفسیر ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ * ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾: پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا، جو کہ ایک محفوظ مقام میں رہا، پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنادیا۔ پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنایا۔ پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض اجزا) کو ہڈیاں بنایا۔ پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھادیا، پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر)، اس کو ایک دوسری ہی (طرح کی) مخلوق بنادیا۔ سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صنّاعوں سے بڑھ کر ہے[1]۔

حدیث کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مادّۂ خلقت یعنی نطفہ رحمِ مادر میں چالیس دن تک نطفہ کی ہی شکل میں جمع رہتا ہے۔ پھر یہ نطفہ جمے ہوئے گاڑھے خون کی شکل میں ہو جاتا ہے اور رحم میں اتنی ہی دن یعنی چالیس دن رہتا ہے۔ پھر وہ جمع ہوا گاڑھا خون گوشت کا ایک ٹکڑا بن جاتا ہے اور رحم مادر میں چالیس دن اسی طرح رہتا ہے اور ان چالیس دنوں میں تصویر ظاہر ہونے لگتی ہے۔ پھر اللہ پاک چوتھے مرحلے میں جب کہ بچہ کے اعضاء شکل اختیار کر لیتے ہیں، ایک فرشتہ بھیج کر چار باتوں کے لکھنے کا حکم دیتا ہے کہ اس کے اچھے برے عمل کو لکھو کہ وہ کب کیا کرے گا۔ اس کی روزی روٹی لکھو کہ کتنا اور کیسے کمائے گا، کمائی حلال ہوگی یا حرام۔ اس کی حیات کی مدت اور آخری عمر لکھو کہ کتنے دن زندہ رہے گا اور کب مرے گا۔ اس کی شقاوت وبد بختی اور سعادت ونیک بختی لکھو کہ اس کا شمار کس میں ہے؟ پھر اس میں روح ڈال دی جاتی ہے۔ پھر تمام مراحل کے بعد اس

(۱) المؤمنون: ۱۳-۱۴ بیان القرآن.

کی پیدائش ہو جاتی ہے۔ پھر آدمی یہاں جنت میں جانے والے اعمال کرتا ہے، یہاں تک کہ جنت اس کے بہت قریب ہو جاتی ہے، اس شخص اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ تو اس کی قضا غالب آجاتی ہے۔ اگر وہ شقی تھا تو شقاوت غالب آجاتی ہے۔ پھر وہ نافرمانیاں شروع کر دیتا ہے اور جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔ ایک دوسرا شخص دنیا میں رہتے ہوئے جہنمیوں والے اعمال یعنی کفر اور گناہ کے کام کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس شخص اور جہنم کے درمیان بہت کم فاصلہ رہ جاتا ہے اور جہنم اس کے بالکل قریب ہو جاتی ہے۔ پھر قضاء وقدر جو رحم مادر میں لکھ دی گئی تھی، وہ غالب آجاتی ہے۔ اگر وہ سعید تھا تو سعادت غالب آجاتی ہے اور وہ جنتیوں والا کام کرنے لگتا ہے، توبہ واستغفار کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف میں اس بات کی تنبیہ ہے کہ اعمال حسنہ کی وجہ سے دھوکہ میں نہ پڑے۔ عجب، تکبر، اخلاق سیئہ سے بچے۔ اور رضا بالقضاء کو تسلیم کرتے ہوئے خوف وامید کے درمیان زندگی گزارے۔ اس طرح اگر اعمال سیئہ کا صدور ہو جائے؛ تو اللہ پاک کی رحمت سے ناامید نہ ہو[1]۔

(۱۶۸) اسمائے حسنیٰ یاد کرنے کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا، مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا، مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ»[2].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ پاک کے ننانوے نام ہیں، سو میں ایک کم جس نے ان کو یاد کر لیا، وہ جنت میں جائے گا"۔

فائدہ: حدیث شریف میں دو باتیں مذکور ہیں: پہلی بات یہ کہ اللہ پاک کے ۹۹ نام ہیں، دوسری بات یہ کہ اس کا یاد کرنے والا جنت میں جائے گا۔ اور ایک تیسری بات اسماء حسنیٰ کے بارے میں

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۱/۲۴۵-۲۴۹.

(۲) البخاري: ۲۷۳۶، الشروط، ما يجوز من الاشتراط.

یہ کہ ان اسماء کے وسیلہ سے اللہ سے دعا مانگنا، یہ بات قرآن کریم میں ہے۔

پہلی بات: اللہ کے ننانوے نام ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ننانوے ہی نام ہیں اس کے علاوہ اور نام نہیں ہیں؛ بل کہ مطلب یہ ہے اور بھی اسماء ہیں مگر معانی کے اعتبار سے سب اسی ننانوے میں داخل ہیں۔ اور یہاں پر ننانوے صرف کثرت کو بتانے کے لیے لکھا گیا ہے۔ ابن حجرؒ نے ننانوے نام کی اور بھی حکمتیں ذکر کی ہیں[1]۔

دوسری بات: جو اس کو یاد کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جو ان اسماء پر ایمان لایا، اور اس کو ایک ایک کلمہ کر کے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا اور اخلاص کے ساتھ، اس کو یاد کیا؛ تو وہ جنت میں اونچے درجہ پر فائز ہوگا[2]۔

تیسری بات: ان اسماءِ حسنیٰ کے وسیلہ سے دعائیں مانگنا۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿ وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ﴾[3]: اور اللہ کے لیے ہیں سب اچھے نام، سو اس کو پکارو وہی نام کہ کر۔ مفتی شفیع صاحب، فرماتے ہیں کہ (ترجمہ میں) پکارنا یا بلانا دعا کا ترجمہ ہے اور دعا کا لفظ قرآن میں دو معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے، ایک: اللہ کا ذکر، اس کی حمد و ثنا۔ دوسرا: حاجات و مشکلات کے وقت اللہ پاک سے اپنی حاجت طلب کرنا اور مصائب و آفات سے نجات اور مشکلات کی آسانی کی درخواست کرنا۔ اس آیت میں "فَادْعُوْهُ بِهَا" کا لفظ دونوں معنی کو شامل ہے؛ اس لیے حمد و ثنا کرو، تو اسی کی کرو اور حاجت روائی، مشکل کشائی کے لیے پکارو، تو اسی کو پکارو۔ اور پکارنے کا طریقہ بھی بتادیا کہ انہیں اسماء حسنیٰ کے ساتھ پکارو جو اللہ کے لیے ثابت ہیں[4]۔ اسمائے حسنیٰ کتاب کے آخری صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۶۹) بدعت کی مذمت

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ أَحْدَثَ

---

(۱) فتح الباری: ۱۱/۱۴۹۔

(۲) مرقاۃ: ۵/۱۶۷۔

(۳) الاعراف: ۱۸۰ شیخ الہند۔

(۴) معارف القرآن: ۴/۱۲۹۔

أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ»[1]۔

ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص ہمارے اِس ین میں ایسی بات ایجاد کرے، جو دین میں سے نہیں ہے، تو وہ باطل ہے"۔

فائدہ: حدیث شریف میں بدعت کی قباحت اور مذمت کا بیان ہے۔ دین میں ایسی بات کو شامل کرنا، جس کا تعلق دین و شریعت سے نہیں ہے، بدعت کہلاتا ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ جو رسم و رواج ہیں، اگر کوئی اس کو دین کا حصہ سمجھتا ہے اور اس کے کرنے کو ثواب سمجھتا ہے؛ تو وہ بدعت ہے، جو کہ مردود اور باطل ہے۔ لیکن اگر رسم کو دین کا حصہ نہیں سمجھا جاتا، بلکہ رسم کو رسم ہی سمجھا جاتا ہے، تو وہ بدعت نہیں کہلائے گا۔ البتہ بدعت اور قبیح رسم و رواج دونوں قابل ترک ہیں۔

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب نے شرح مسلم میں فرمایا کہ علامہ شاطبیؒ نے بدعت کی تعریف اس طرح کی ہے کہ دین میں ایسا طریقہ ایجاد کرنا، جو شریعت سے متصادم ہو اور اس طریقہ پر اس طرح چلنے اور عمل کرنے کا ارادہ ہو، جس طرح شرعی راستے اور طریقے پر چلا جاتا ہے، بدعت کہلاتا ہے۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ ایسا کام جو دین میں نیا ایجاد ہو، وہ رد ہے اور رد کے معنی باطل کے ہیں۔ جس کا اعتبار نہیں، نیز یہ حدیث شریف جوامع الکلم میں سے ہے، اس کو یاد کرنا چاہیے[2]۔

اس حدیث کی رو سے علماء نے جو بدعت کی تعریف کی ہے، اس کے مد نظر اپنے عقائد کو ٹٹولیں کہ کسی معاملہ میں ہمارا عقیدہ تو ایسا نہیں، جو بدعت میں شمار ہوتا ہو۔ موت و حیات، شادی بیاہ اور دیگر مواقع پر کوئی رسم تو ایسی نہیں ہے کہ ہم ثواب کی امید اور دین میں اس کے ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو پہلے اپنے اندر سے اس کو ختم کریں، پھر گھر والوں سے اس بدعت کو دور کریں، پھر معاشرہ میں محنت کریں۔ ان شاء اللہ ہمارا اسلام خالص ہوگا، ہمارا ایمان مضبوط ہوگا۔

---

(۱) صحيح البخاري: ۲۶۹۷، كتاب الصلح.

(۲) تكملة فتح الملهم: ۵۲۲/۸.

(۱۷۰) کامل مؤمن کی پہچان

عَنْ أَنَسٍ رضي اللهُ عنه، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»[1].

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

فائدہ: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر مختلف حقوق ہیں، جن میں سے چند حقوق کا ذکر حدیث نمبر ے میں گذرا۔ یہاں اپنے بھائی کے ساتھ خیر خواہانہ جذبے کا ذکر ہے کہ دین و دنیا میں جو چیز خود کے لیے پسند کرے، وہی چیز دوسروں کے لیے بھی پسند کرے اور جن چیزوں کو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے، غلط سمجھتا ہے، اس کو دوسروں کے لیے بھی غلط ہی سمجھے۔ جو شخص اپنے دل میں ایسا جذبہ رکھتا ہے، اس کے لیے آقائے دو جہاں ﷺ نے مومن کامل ہونے کا مژدہ سنایا ہے۔

ملا علی قاریؒ نے وضاحت اس طرح کی ہے کہ کوئی مؤمن کامل نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اس سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں، جو بندہ اپنے لیے پسند کرتا ہے[2]۔ پھر نوویؒ کا قول ذکر کیا ہے کہ ان چیزوں سے مراد طاعات اور مباحات ہیں۔ یعنی ہر وہ چیز جو اطاعت خداوندی اور جواز کے قبیل سے ہیں، لیکن اگر اللہ کی نافرمانی اور مکروہات کے قبیل سے ہے، تو اسے خود چھوڑنے کا حکم ہے، تو دوسروں کے لیے کیسے پسند کر سکتا ہے۔

(۱۷۱) برائیوں سے نہ روکنے کی سزا

عَنْ جَرِيرٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُونُ فِي قَوْمٍ يَعْمَلُ فِيهِمْ بِالْمَعَاصِي يَقْدِرُونَ عَلَى أَنْ يُغَيِّرُوا عَلَيْهِ فَلَا يُغَيِّرُوا، إِلَّا أَصَابَهُمُ اللهُ بِعَذَابٍ مِنْ

(۱) صحيح البخاري: ۱۳، الإيمان.

(۲) مرقاة المفاتيح: ۹/۱۷۵.

قَبْلِ أَنْ يَمُوتُوا»[1].

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ "اگر کوئی شخص کسی قوم میں گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور قوم کے لوگ اس کو گناہ سے روکنے پر قادر ہیں؛ لیکن اس کو منع نہیں کرتے؛ تو مرنے سے پہلے ہی اللہ پاک ان پر عذاب مسلط کر دیتا ہے"۔

فائدہ: حدیث شریف میں نہی عن المنکر کو چھوڑنے والے کے لیے وعید مذکور ہے۔ نہی عن المنکر پر کچھ باتیں حدیث نمبر: ۳۶ کے تحت گزر چکی ہیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دین کے فروعات میں سے دو اہم فرع ہیں۔ اللہ پاک نے قرآن کریم میں کئی جگہوں پر اس کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور اس راستہ میں جو پریشانیاں آئیں ان پر صبر کرنے کو کہا ہے۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو چند نصیحتیں کی تھیں، ان میں سے ایک اہم نصیحت کا قرآن کریم میں یوں ذکر ہے۔ ﴿يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ ترجمہ: اے بیٹا نماز قائم کرنے کا حکم دے، بدی سے منع کر، اور جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کر، یہ وہ باتیں ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے[2] ۔ یہ اتنا اہم کام ہے کہ روئے زمین پر آنے والے تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے اس فریضہ کو ادا کرنے کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ اور یہ صرف جزوی امور میں ہی محدود نہیں ہے؛ بل کہ اس کا دائرہ بہت زیادہ وسیع اور کشادہ ہے۔ "معروف" کے معنی پسندیدہ اور اچھے کام کے ہیں جیسے: نماز، روزہ، حج، زکاۃ، ایفاء عہد اور غریبوں کی مدد کرنا وغیرہ؛ یہ سب معروف میں داخل ہیں۔ ان کے مقابلہ میں ایسے امور جو بُرے سمجھے جاتے ہیں، اس کو "منکر" کہتے ہیں۔ جیسے: نماز نہ پڑھنا، زکاۃ نہ دینا، جھوٹ بولنا، گالی گلوچ کرنا، بدامنی پھیلانا، والدین اور اساتذہ کی نافرمانی کرنا اور بڑوں کی عزت، چھوٹوں پر شفقت نہ کرنا وغیرہ۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر انفرادی طور پر فرض عین ہے اور اجتماعی طور پر فرض کفایہ۔

---

(۱) أبو داود: ۴۳۳۹ كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي.

(۲) لقمان: ۱۷ تفهيم القرآن.

یعنی اگر کوئی فرد واحد کسی منکر کو دیکھ رہا ہے اور اگر طاقت وقدرت ہے؛ تو اس شخص پر واجب ہے کہ اس کو روکے۔ اور اگر منکر عام ہے سب کو معلوم ہے؛ تو کسی ایک فرد یا جماعت کا روک دینا کافی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم ضرور بالضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دو، ورنہ اللہ پاک تم پر تمہارے شریر لوگوں کو مسلط فرمادے گا، پھر وہ تم کو خطرناک طریقے پر ستائیں گے۔ پھر تم میں سے اچھے لوگ بھی دعا کریں گے؛ تو قبول نہیں ہوگی"[1]۔

(۱۷۲) نماز سے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں

عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ يَتَهَافَتُ، فَأَخَذَ بِغُصْنَيْنِ مِنْ شَجَرَةٍ. قَالَ: فَجَعَلَ ذَلِكَ الْوَرَقُ يَتَهَافَتُ. قَالَ: فَقَالَ: «يَا أَبَا ذَرٍّ» قُلْتُ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: «إِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَيُصَلِّ الصَّلَاةَ يُرِيدُ بِهَا وَجْهَ اللهِ، فَتَهَافَتُ عَنْهُ ذُنُوبُهُ كَمَا يَتَهَافَتُ هَذَا الْوَرَقُ عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ»[2].

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سردی کے موسم میں نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے اور پتے درختوں سے گر رہے تھے، آپ ﷺ نے درخت کی دو ٹہنیاں ہاتھ میں لے کر حرکت دی؛ تو پتے اور بھی گرنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! میں نے کہا حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: مسلمان بندہ جب اللہ کی رضا کے لیے نماز پڑھتا ہے؛ تو اس سے گناہ ایسے ہی گرتے ہیں؛ جیسے یہ پتے درخت سے گر رہے ہیں۔

فائدہ: نماز کی اہمیت، اس کی فرضیت کا انکار ادنی مسلمان بھی نہیں کر سکتا۔ اس ضمن میں کچھ ضروری باتیں حدیث نمبر:۸۱ میں گزر چکی ہیں۔ حدیث کا خلاصہ بیان کر کے ان شاء اللہ نماز کے شرائط وارکان اور واجبات ذکر کریں گے۔ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے نماز کو صغیرہ

---

(۱) مسند أحمد: ۲۳۳۱۲، مسند الأنصار/سنن الترمذي: ۲۱۶۹، أبواب الفتن عن رسول الله ﷺ.

(۲) مسند أحمد بن حنبل: ۲۱۵۵۶ مسند الأنصار

گناہوں کے زائل ہونے کا سبب قرار دیا ہے۔اس کو ایک مثال سے سمجھایا ہے کہ آپ ﷺ سردیوں کے زمانے میں جب پت جھڑ کا موسم ہوتا ہے، باہر نکلے ساتھ میں حضرت ابوذرؓ تھے، آپ ﷺ نے درخت کی شاخ پکڑ کر تھوڑی حرکت دی؛ تو پتے اور تیزی سے گرنے لگے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوذر کو اپنی طرف متوجہ کیا اور فرمایا کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ، اللہ کی رضا کے لیے بغیر نام ونمود، ریاکاری اور شہرت کے نماز پڑھتا ہے؛ تو اس کے گناہ اسی طرح جھڑتے ہیں، جس طرح تم اس پتے کو گرتے ہوئے دیکھ رہے ہو[1]۔

نماز کے فرائض وواجبات:

نماز کے اندر کل چودہ فرائض ہیں: سات نماز سے پہلے کے ہیں، جنہیں شرائط کہتے ہیں اور سات نماز کے اندر جن کو ارکان کہتے ہیں۔

نماز کے شرائط:

(۱) بدن کا پاک ہونا۔ (۲) کپڑے کا پاک ہونا۔ (۳) جگہ کا پاک ہونا۔ (۴) ستر کا چھپانا۔ (۵) استقبال قبلہ۔ (۶) نماز کا وقت ہونا۔ (۷) نیت کرنا۔

نماز کے ارکان:

(۱) تکبیر تحریمہ کہنا ۔(۲) قیام کرنا (۳) قراءت گرچہ ایک ہی آیت ہو (۴) رکوع کرنا (۵) دو سجدے کرنا (۶) قعدہ اخیرہ میں بیٹھنا (۷) اپنے ارادے سے نماز ختم کرنا[2]۔

نماز کے واجبات:

نماز کے واجبات اٹھارہ ہیں: (۱) سورۃ الفاتحہ پڑھنا۔ (۲) ضم سورت، یعنی فاتحہ کے ساتھ سورت ملانا ۔(۳) فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قراءت کرنا۔ (۴) الحمد شریف کو سورت سے پہلے

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۲/۲٦۰

(۲) نور الإيضاح: ۱۹۵.

پڑھنا۔(۵) سجدہ میں پیشانی کے ساتھ ناک بھی رکھنا۔ (۶) دوسرا سجدہ پہلے سجدہ کے فورا بعد کرنا۔ (۷) تعدیل ارکان، یعنی تمام ارکان کو سکون واطمینان سے ادا کرنا۔ (۸) قعدہ اولی کرنا۔(۹) قعدہ اولی میں تشہد پڑھنا۔ (۱۰) قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنا ۔(۱۱) قعدہ اولی میں تشہد کے بعد فورا تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہونا۔ (۱۲) فقط سلام سے نماز ختم کرنا۔ (۱۳) وتر کی نماز میں دعاء قنوت پڑھنا اور قنوت کے لیے تکبیر کہنا۔ (۱۴) تکبیرات عیدین کہنا۔ (۱۵) نماز شروع کرنے کے لیے تکبیر متعین کرنا (۱۶) عیدین کی دوسری رکعت میں تکبیر کہنا ۔(۱۷) فجر، عشا اور مغرب کی پہلی دو رکعتوں، جمعہ، عیدین، تراویح اور رمضان کے وتر میں قراءت جہر (زور) سے کرنا۔ (۱۸) ظہر و عصر کی تمام رکعتوں میں، مغرب کی آخری اور عشاء کی آخری دو رکعات میں اور دن کی نوافل میں قراءت آہستہ کرنا[1]۔

(۱۷۴۳) زبان ذکر اللہ سے تر رہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُسْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! إِنَّ شَرَائِعَ الْإِسْلَامِ قَدْ كَثُرَتْ عَلَيَّ، فَأَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ؛ أَتَشَبَّثُ بِهِ، قَالَ: «لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللهِ»[2].

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن بسرؓ سے مروی ہے کہ ایک صحابیؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! شریعت کے احکام تو میرے لئے بہت سے ہیں ہی، مجھے کوئی ایسی چیز بتادیجیے جس کو میں اپنی عادت بنالوں، آپ ﷺ نے فرمایا: "تیری زبان اللہ کے ذکر سے ہمیشہ تر رہے"۔

فائدہ: حدیث شریف میں ذکر اللہ کی فضیلت واہمیت کا ذکر ہے۔اس حدیث میں یہ بتا گیا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ کبھی بھی اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہو۔ ہمیشہ ہر حال میں اللہ کا ذکر کرے۔ جہاں پر زبان سے ذکر منع ہے وہاں دل سے ذکر کرے۔

ذکر کی بڑی فضیلتیں قرآن وحدیث میں آئی ہیں اور ذکر کی فضیلتوں سے ذاکر کی مقام و مرتبہ کی تعیین بھی ہو جاتی ہے۔ اللہ پاک قرآن عظیم الشان میں فرماتا ہے: وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا

(۱) نور الإيضاح: ۳۰۶.

(۲) الترمذي: ۳۳۷۵، الدعوات، ماجاء في فضل الذكر.

وَالذّٰكِرٰتِ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيْمًا﴾ :اور بکثرت خدا کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لیے اللہ پاک نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے[۱] ۔آیت کریمہ میں مؤمن بندے اور بندیوں کی بہت ساری صفات کا ذکر اللہ پاک نے کیا ہے۔انھیں میں آخری صفت کثرت ذکر ہے اور فرمایا کہ ان سب کے لیے اجر عظیم تیار ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ قیامت کے دن مراتب کے اعتبار سے اللہ پاک کے نزدیک سب سے زیادہ افضل کون سابندہ ہوگا؟آپ ﷺ نے جواب دیا: کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں، صحابہ کرام نے پوچھا: یارسول اللہ! راہ خدا میں جہاد کرنے والے سے بھی زیادہ؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر کسی نے کفار پر تلوار چلائی، یہاں تک کہ اس کی تلوار ٹوٹ گئی، وہ خون سے لہولہان ہو گیا ہو؛ تو بھی ذکر کرنے والا مجاہد سے ایک درجہ افضل ہی ہوگا[۲]۔

متن میں مذکور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ایک صحابی جن کا نام یہاں مذکور نہیں ہے۔نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول! دین میں نفل اعمال تو بہت ہیں؛ لیکن ضعف وبڑھاپے کی وجہ سے سب پر عمل کرنا میرے لیے مشکل ہے؛ اس لیے کوئی چھوٹا سا عمل بتادیجیے کہ میں اسے ہر وقت کرتا رہوں اور ثواب بہت زیادہ ملے۔ اتنا آسان ہو کہ ہر جگہ ہر وقت اس کو کرتا رہوں؛ تو رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر میں مشغول رہے یعنی ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہو[۳]۔

(۱۷۴) یہ تین لوگ جنت میں نہیں جائیں گے

عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خِبٌّ، وَلَا مَنَّانٌ، وَلَا بَخِيلٌ»[۴].

(۱) الاحزاب: ۳۵ بیان القرآن.
(۲) الترمذی: ۳۳۷۶ ابواب الدعوات.
(۳) مرقاة المفاتيح: ۱۶۲/۵.
(۴) الترمذي: ۱۹۶۳، البر والصلة، ماجاء في البخل

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جنت میں دھوکہ باز، احسان جتانے والا اور بخیل داخل نہیں ہوگا"۔

فائدہ: آج کی حدیث میں تین قبیح چیزوں کا ذکر ہے اور اس کے مرتکب کے بارے میں بہت سخت وعید آئی ہے۔ اس میں تیسری چیز بخل ہے۔ اس کی قباحت و مذمت کو ہم آگے کبھی بیان کریں گے، ان شاءاللہ۔ ہم یہاں پر دھوکہ دینے اور احسان جتلانے کے سلسلہ میں بات کرتے ہیں۔

خِبٌّ بمعنی دھوکہ، یہ ایسا لفظ ہے کہ اس کے سنتے ہی انسان کے دل میں دھوکہ سے اور دھوکہ دینے والے سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ تمام مذاہب میں دھوکہ معیوب اور ممنوع ہے۔ آج انسانی زندگی کے ہر شعبے میں دھوکہ جگہ بنا چکا ہے۔ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو محفوظ ہو۔ کاروبار، گفتگو، تعلیم و تعلم، شادی بیاہ، اپنے پرائے، غرض یہ کہ کوئی بھی میدان اس سے خالی نہیں ہے۔ اسلام چوں کہ ایک آفاقی مذہب ہے اور دین فطرت ہے؛ اس لیے اس نے دھوکہ دینے والوں کو سخت سے سخت وعید سنائی ہے؛ تاکہ انسان اس سے رک جائے۔ مذہب اسلام اور دوسرے مذاہب میں یہی فرق ہے کہ دیگر مذاہب میں برا ضرور سمجھا جاتا ہے؛ لیکن مذہبی اعتبار سے کوئی سزا متعین نہیں۔

مَنَّانٌ: احسان جتلانے والا۔ یہ مرض بھی عام ہو گیا ہے اور اس میں افراد اور تنظیمیں سب شامل ہیں۔ کسی محتاج کی مدد کی، کسی غریب کو صدقہ و زکاۃ دیا اور پھر احسان جتایا۔ تنظیم والے عوام کا پیسہ لے کر مجبوروں کی مدد کرتے ہیں، پھر احسان جتلاتے ہیں۔ کھلے عام ان کو ذلیل کرتے ہیں، ان کی تصاویر اور ویڈیوز بنا کر سوشل میڈیا پر عام کرتے ہیں جس ان کو تکلیف ہوتی ہے، ایسے اعمال سے کوئی فائدہ نہیں۔ اللہ پاک کا فرمان ہے کہ ایسا صدقہ، ایسا ہدیہ، ایسی مدد، قابل قبول نہیں؛ چناں چہ ارشاد باری ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ: اے ایمان والو! تم احسان جتلا کر یا ایذا پہنچا کر اپنی خیرات برباد مت

کرو، جس طرح وہ شخص جو اپنا مال برباد کرتا ہے (محض) لوگوں کو دکھلانے کی غرض سے اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور یوم قیامت پر(۱)۔

خلاصہ یہ ہوا کہ احسان جتانے سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ حدیث کی رو سے یہ جنت میں نہیں جائیں گے۔ طیبیؒ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد دخولِ اوّلی ہے، حساب و کتاب کے بعد فوراً جنت میں نہیں جائے گا؛ بل کہ پہلے قبیح عمل کی وجہ سے جہنم میں جائے گا۔ پھر سزا پوری کر کے جنت میں جائے گا یا پھر اس کو دنیا میں توبہ کی توفیق ملے گی اور توبہ سے گناہ معاف کرا کے جنت میں جائے گا(۲)۔

(۱۷۵) زمین کی گواہی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَرَأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الآيَةَ {يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا}، قَالَ: «أَتَدْرُونَ مَا أَخْبَارُهَا »؟ قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: « فَإِنَّ أَخْبَارَهَا أَنْ تَشْهَدَ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ بِمَا عَمِلَ عَلَى ظَهْرِهَا، تَقُولُ: عَمِلَ يَوْمَ كَذَا كَذَا وَكَذَا، فَهَذِهِ أَخْبَارُهَا»(۳).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا (۴) کہ زمین اس دن اپنی سب خبریں بیان کر دے گی۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا: "تم جانتے ہو کہ اس کی خبریں کیا ہیں"؟ صحابہ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول ہی خوب جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اس کی خبریں یہ ہیں کہ بندے اور بندی پر وہ اس بات کی گواہی دیگی جو اعمال اس نے اس کی پشت پر کیے ہیں۔ زمین کہے گی: اس نے فلاں عمل، فلاں اور فلاں عمل کیا ہے۔ یہی اس کی خبریں ہیں"۔

فائدہ: حدیث شریف میں یہ بتایا گیا کہ اللہ پاک نے ہمارے اعمال کے لیے جو نگہبان متعین کر رکھے ہیں، اس میں سے ایک زمین بھی ہے۔ اللہ پاک نے انسان کو اعمال کا مکلف بنایا ہے اور

(۱) البقرة: ۲٤٦ بیان القرآن.
(۲) شرح الطیبي: ٩٦/٤.
(۳) الترمذي: ۳۳۵۳، تفسیر القرآن، إذا زلزلت الأرض.
(٤) الزلزال: ٤.

کامیابی وناکامی کا مدار اسی پر رکھا ہے۔ وہ علیم وخبیر ہے، مگر پھر بھی بندوں پر حجت تام کرنے کے لیے، بہت سارے نگہبان متعین کر رکھے ہیں، جو قیامت کے دن ہمارے حق میں یا ہمارے خلاف گواہی دیں گے۔ ان میں سے ایک کو قرآن نے "کراماً کاتبین" بتایا ہے۔ دونوں کندھوں پر دو فرشتے ہمیشہ رہتے ہیں، جو ہماری ساری باتوں کو دیکھتے، سنتے اور لکھتے ہیں اور اس پر گواہ ہیں۔

ہمارے جسم کے اندر جو اعضا ہیں، وہ بھی ہماری نگرانی کر رہے ہیں۔ کل اللہ تعالی کے پاس ہماری چغلی کھائیں گے۔ اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴾: آج ہم ان کے منہ بند کیے دیتے ہیں، ان کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ یہ دنیا میں کیا کمائی کرتے رہے ہیں[1]۔

ان ساری آیات اور حدیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ پاک نے بہت سارے نگراں ونگہبان ہمارے اعمال کی نگہبانی کے لیے لگا رکھے ہیں اس لیے اللہ ورسول کی نافرمانی چھوڑ کر، فرماں برداری میں اپنی زندگی صرف کی جائے۔

(۱۷۶) ریاض الجنۃ کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي»[2].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم نے فرمایا: "میرے گھر اور منبر کے درمیان کا حصہ، جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے"۔

فائدہ: مدینۃ الرسول ﷺ کے بے شمار فضائل احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اس شہر کا مقام ومرتبہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک بہت بلند ہے۔ یہ شہر محبوب رب العالمین

(۱) یس: (۶۵)، تفهيم القرآن.

(۲) صحيح البخاري: ۱۱۹۶، فضل ما بين القبر والمنبر.

کی جائے ہجرت اور مدفن ہے۔ پھر اس شہر مقدس میں مسجد نبوی کی جو جگہ ہے، وہ تمام مدینہ سے افضل ہے، پھر مسجد نبوی میں نبی کریم ﷺ کے قبر اطہر اور منبر کے درمیان کی جگہ سب سے افضل ہے، جس کو ریاض الجنۃ کہا جاتا ہے، جس کا تذکرہ حدیث شریف میں ہے۔

نبی کریم ﷺ نے حدیث شریف میں ریاض الجنۃ کی فضیلت بیان کی ہے۔ منبرِ مسجد نبوی شریف، آپ ﷺ کے مکان کے دائیں جانب، تقریباً پچاس ہاتھ کے فاصلہ پر ہے اور یہ پچاس ہاتھ کا فاصلہ جو ممبر اور آپ ﷺ کے گھر یعنی قبر اطہر کے درمیان ہے، وہ ریاض الجنۃ کہلاتا ہے۔ "روضۃ" کا لفظ حدیث میں آیا ہے، جس کے معنی باغ کے آتے ہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ اِس حصہ کو جنت کے باغ سے تشبیہ دی گئی ہے؛ کیوں کہ اس جگہ ہمہ وقت اللہ کا ذکر، قرآن کی تلاوت اور نماز کا سلسلہ رہتا ہے اور حدیث میں ذکر کے حلقوں کو جنت کا باغ کہا گیا ہے۔ نیز یہاں ہر وقت اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے اور جنت میں بھی رحمت ہی رحمت ہوگی۔ یا یہ مطلب ہے کہ یہ حصہ یہاں آنے والوں کو جنت کے باغ میں پہنچائے گا۔ یا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حصہ جنت سے لایا گیا ہے، جس طرح حجر اسود جنت سے لایا گیا ہے یا قیامت کے دن یہ حصہ جنت میں چلا جائے گا اور یہی بات زیادہ راجح ہے۔ جب ریاض الجنۃ کا یہ حصہ جنت میں جائے گا اور جنت میں جا کر کوئی واپس نہیں آتا ہے؛ تو امید ہے کہ ریاض الجنۃ میں نماز پڑھنے والا بھی ان شاء اللہ جنت میں جائے گا؛ کیوں کہ وہ جنت کے باغ میں داخل ہو چکا ہے؛ تو اب وہاں سے نہیں نکلے گا۔

حدیث شریف کا دوسرا جز ہے: میرا منبر میرے حوض پر ہے، کا مطلب یہ ہے کہ جو منبر شریف کے قریب رہے گا اور نمازوں کی پابندی، ذکر و اذکار کی کثرت رکھے گا، وہ قیامت کے دن حوض پہ ہوگا اور اس سے سیراب ہوگا۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ جو منبر مسجد نبوی میں تھا، وہی ممبر حوض

کو شر پر بھی ہوگا[۱]۔

(۱۷۷)لعنت کے دو اسباب

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: « اتَّقُوا اللَّعَّانَيْنِ.» قَالُوا: وَمَا اللَّعَّانَانِ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «الَّذِي يَتَخَلَّى فِي طَرِيقِ النَّاسِ، أَوْ فِي ظِلِّهِمْ»[۲].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لعنت کے دو کاموں سے بچو" صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ، وہ دو لعنت والے کام کون سے ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: "لوگوں کے راستے اور ان کے سایہ میں قضاءِ حاجت کرنا"۔

فائدہ: نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی کے واقعات پڑھ لیے جائیں، کہیں کسی بھی طرح کوئی صحابی یا غیر صحابی یہ کہتا ہوا نہیں ملے گا کہ آپ ﷺ نے کسی کو تکلیف دی ہے، نہ اپنی زبان سے، نہ فعل و عمل سے۔ صرف یہی نہیں؛ بل کہ امت کو ہمیشہ اس کی تلقین کی کہ کسی کو بھی اپنی ذات سے تکلیف نہ دو اور نہ کسی کی تکلیف و پریشانی کا سبب بنو، حتی کہ جانوروں کو بھی تکلیف دینے سے منع فرمایا۔ اس حدیث شریف میں ایذا رسانی اور اس کے اسباب میں سے ایک سبب کا ذکر ہے۔

حدیث پاک میں اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچے۔ حدیث میں مذکور دو جگہوں پر پیشاب و پاخانہ کرنا، لوگوں کی تکلیف کا سبب ہے۔ وہ دو جگہیں راستہ اور سایہ دار جگہ ہیں۔ راستے پر لوگ چلتے ہیں اور سایہ دار جگہ پر لوگ آرام کرتے ہیں۔ اگر ان جگہوں پر گندگی کی گئی؛ تو لوگوں کی عادت ہے کہ وہ لعنت ملامت کریں گے؛ اس لیے نبی کریم ﷺ نے ان جگہوں میں قضاء حاجت سے منع فرمایا ہے[۳]۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ ابہریؒ نے فرمایا کہ ٹھنڈی میں دھوپ کی جگہوں کا بھی وہی حکم ہے؛

(۱) فتح الباري: ۱۲۰/۴- فیض الباري: ۵۹۰/۲.
(۲) مسلم: ۲۶۹، الطهارة، النهي عن ... والظلال.
(۳) فتح الملهم: ۵۲۷/۱.

جو گرمی میں سایہ دار جگہوں کا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح سایہ میں قضائے حاجت کرنا اور اس کو ناپاک و گندہ کرنا منع ہے، اس طرح ٹھنڈ کے زمانہ میں دھوپ کی جگہ پر بھی گندگی کرنا ممنوع ہے۔ یہی حکم پانی کی جگہوں کا بھی ہے، جہاں سے عوام پانی لیتے ہیں وہاں نجاست کرنا منع ہے۔ اگر زمین کسی کی ملکیت میں ہے؛ تو مالک کی اجازت کے بغیر اس جگہ استنجا کرنا حرام ہے [۱]۔

(۱۷۸) توبہ سے اللہ بہت خوش ہوتا ہے

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اللهُ أَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ مِنْ أَحَدِكُمْ سَقَطَ عَلَى بَعِيرِهِ وَقَدْ أَضَلَّهُ فِي أَرْضِ فَلَاةٍ»[۲].

ترجمہ: حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ پاک اپنے بندے کی توبہ سے تم میں سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے، جس کا اونٹ اچانک اس کو مل گیا ہو؛ حالاں کہ اس نے اس کو ایک چٹیل میدان میں گم کر دیا تھا"۔

فائدہ: توبہ کے سلسلہ میں کچھ باتیں حدیث نمبر: ۵۳ میں گزر چکی ہیں۔ توبہ واستغفار کا حکم کثرت سے قرآن وحدیث میں آیا ہے، چوں کہ انسان گناہوں کا پتلہ ہے، اس لیے اس سے گناہ کا سرزد ہونا فطری اور یقینی بات ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان گناہ کے سرزد ہونے کے بعد یونہی بے حس پڑا رہے؛ بل کہ اسے فوراً اس رب کی طرف توبہ واستغفار کے لیے ہاتھ بڑھانا چاہیے، جو بندے کے توبہ کا منتظر رہتا ہے۔ اللہ پاک قرآن عظیم الشان میں فرماتا ہے: ﴿ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴾ ترجمہ: کیا پھر بھی خدا تعالی کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں چاہتے؛ حالانکہ اللہ تعالی بڑی مغفرت کرنے والے، بڑی رحمت فرمانے والے ہیں [۳]۔
حدیث شریف میں آیا ہے کہ توبہ کرنے والے سے اللہ پاک بے حد خوش ہوتا ہے اور خوش ہونے کا

---

(۱) المرقاة: ۲/٥٤.
(۲) صحيح البخاري: ٦٣٠٩ كتاب الدعوات، باب التوبة.
(۳) المائدة: ٧٤ بيان القرآن.

مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک راضی ہو جاتا ہے اور پھر اس کی توبہ قبول فرماتا ہے [1]۔

نبی کریم ﷺ کا معمول تھا کہ کثرت سے توبہ و استغفار فرمایا کرتے تھے، توبہ کیا ہے؟ اس کے شرائط کیا ہیں؟ اس کا ذکر آئندہ انشاء اللہ حدیث نمبر: ۲۷۹ میں ذکر کروں گا۔ اللہ پاک ہمیں توبہ کرنے والوں میں شامل فرمائے! آمین!

(۱۷۹) کھانے کے درمیان برکت کا نزول

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الْبَرَكَةُ تَنْزِلُ وَسَطَ الطَّعَامِ، فَكُلُوا مِنْ حَافَتَيْهِ، وَلَا تَأْكُلُوا مِنْ وَسَطِهِ». رواه الترمذي: ۱۸۰۵، الأطعمة، كراهية الأكل ....

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کھانے کے درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے؛ اس لیے اپنی جانب سے کھاؤ، درمیان سے نہ کھاؤ"۔

فائدہ: دین محمدی کی یہ خصوصیت ہے کہ ہر کام کا سلیقہ اور اس کے آداب سکھائے گئے ہیں۔ اس حدیث پاک میں کھانے کا ایک ادب ذکر کیا گیا ہے۔ آداب طعام کی ایک حدیث شروع میں ہی حدیث نمبر: ۱۷ میں گزر چکی ہے۔ ایک پلیٹ میں ایک آدمی کھا رہا ہو، یا کئی آدمی ہوں، سب لوگ اپنی طرف سے اپنے سامنے سے کھائیں گے۔ اس کی وجہ حدیث شریف میں بیان کی گئی ہے کہ کھانے کے بیچ میں برکت کا نزول ہوتا ہے؛ اس لیے بیچ پلیٹ سے نہ کھانا چاہیے۔ مرقاة المفاتيح: ۱۱۹/۸۔

کھانے کے بہت سارے آداب ہیں: ان میں سے چند آداب کا ذکر کیا جا رہا ہے:

بسم اللہ پڑھ کر شروع کرنا [2]۔

اگر شروع میں بسم اللہ بھول جائے؛ تو درمیان میں بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهُ وَآخِرَهُ پڑھ لینا [3]۔

اپنے سامنے سے کھانا [4]۔

سیدھے ہاتھ سے کھانا [5]۔

کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا [6]۔

---

(۱) فتح الملهم: ۵/۱۲.
(۲) الصحيح البخاري: ۵۳۷٦.
(۳) الترمذي: ۱۸۵۸.
(٤) الصحيح البخاري: ۵۳۷٦.
(۵) الصحيح البخاري: ۵۳۷٦.
(٦) مرقاة: ۱۱۷/۸.

ہاتھ دھونے اور پونچھنے سے قبل ہاتھ اور پلیٹ کو چاٹ کر صاف کرنا [1]۔

لقمہ گر جائے تو اٹھا کر صاف کر کے کھانا [2]۔

ٹیک لگا کر نہ کھانا [3]۔

کھانے میں عیب نہ لگانا [4]۔

کچی پیاز اور لہسن سے پرہیز کرنا، خاص کر نماز کے اوقات میں [5]۔

جب دستر خوان اٹھ جائے تو یہ دعا پڑھنا: الحمد لله حَمْدًا كثيرًا طيبًا مُباركًا فِيه غَيْرَ مَكْفِيٍّ ولا مُوَدَّعٍ ولَا مُستغنًى عنه ربَّنا [6] (اگر یاد نہ ہو تو یہ پڑھ لے) الحَمْدُ لله الَّذِيْ أطْعَمَنَا وسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِيْن. [7]۔

جوتا چپل نکال کر کھانا [8]۔

کھڑے ہو کر پانی نہ پینا [9]۔

کھڑے ہو کر نہ کھانا [10]۔

پینے کے برتن میں سانس نہ لینا [11]۔

کھانے پینے کے درمیان اور بعد میں اللہ کا شکر ادا کرنا [12]۔

تین سانس میں پانی پینا [13]۔

تین انگلیوں سے کھانا [14]۔

اللہ پاک ہم سب لوگوں کو نبی کریم ﷺ کا طریقہ اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(۱۸۰) شیطان کا کان میں پیشاب کرنا

عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ، فَقِيلَ: مَا زَالَ نَائِمًا حَتَّى أَصْبَحَ مَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ، فَقَالَ: «بَالَ الشَّيْطَانُ فِي أُذُنِهِ»[15].

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا اور کہا گیا کہ وہ صبح تک سوتا رہا، نماز کے لیے بھی نہیں اٹھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: شیطان نے

(۱) مسلم: ۲۰۳۳.
(۲) مسلم: ۲۰۳۳.
(۳) صحیح البخاري: ۵۳۹۸.
(٤) صحیح البخاري: ۵٤۰۹. تفصیل حدیث نمبر: ۷ میں ہے۔
(۵) صحیح البخاري: ۵٤٤۲.
(٦) الصحیح البخاري: ۵٤۵۸.
(۷) أبو داود: ۳۸۵۰.
(۸) سنن الدارمي: ۲۱۲۵.
(۹) مسلم: ۲۰۲٤.
(۱۰) صحیح مسلم: ۲۰۲٤.
(۱۱) صحیح مسلم: ۲٦۷.
(۱۲) صحیح مسلم: ۲۷۳٤.
(۱۳) ابو داود: ۳۷۲۷.
(۱٤) صحیح مسلم: ۲۰۳۲.
(۱۵) صحیح البخاري: ۱۱٤٤.

اس کے کان میں پیشاب کر دیا ہے۔

فائدہ: اس سے قبل کئی جگہوں پر اِس عنوان کے تحت حدیث آچکی ہے، جس میں نفلی نمازیں، فرائض اور اس کی اہمیت کا ذکر ہو چکا ہے۔ تفصیل حدیث نمبر: (۱۴۹، ۱۳۱، ۱۱۰، ۸۱، ۱۵۰، ۱۶۴) پر ملاحظہ فرمائیں۔

نماز کے سلسلہ میں ایک اہم بات جو سبھوں کو معلوم ہے، وہ یہ کہ اللہ پاک نے جتنے بھی احکام نازل فرمائے ہیں، چاہے روزہ ہو، زکاۃ ہو، یا حج ہو، یہاں تک کہ اسلام کا جو سب سے اہم رکن ہے کہ جس کے بغیر انسان مومن ہو ہی نہیں سکتا، یعنی کلمۂ شہادت، یہ سب جبریل امین کے واسطے سے نازل فرمایا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر اللہ پاک کے احکام کی تعلیم دی۔ لیکن "نماز" اسلام کا ایسا رکن ہے کہ اللہ رب العزت نے اس کو دینے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلانے کا اہتمام فرمایا۔ اُس کے لیے آسمانوں کو سجایا گیا، جنت کو سنوارا گیا، انبیاء کو استقبال کے لیے بیت المقدس بھیجا گیا، جبریل امین علیہ السلام کو آپ کا رہبر بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعزاز و اکرام کے ساتھ لانے کے لیے بھیجا گیا۔ پھر امام الاولین والآخرین محمد رسول اللہ نے عرش خداوندی کا سفر شروع کیا۔ مسجد اقصی ہوتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کیا، پھر آپ وہاں پہنچے جہاں جبریل بھی نہ جاسکے اور اللہ پاک نے نماز کا ہدیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفہ میں دیا؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الصلاۃُ نور" "نماز نور ہے"[1]۔

حدیث نمبر: (۱۱۰) میں بتایا گیا تھا کہ نماز چھوڑ کر سونے والے کی گدی پر شیطان تین گرہ لگا دیتا ہے اور اس کو تھپکاتا رہتا ہے کہ رات لمبی ہے سوئے رہو۔ اس حدیث میں فرمایا کہ نماز چھوڑ کر سونے والے کے کان میں شیطان پیشاب کر دیتا ہے۔ پھر اس کا کان پیشاب خانہ اور بیت الخلا بن جاتا ہے۔ سارے شیاطین یہیں آکر، اپنی حاجت پوری کرتے ہیں۔

(۱) الترمذی: ۳۵۱۷.

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ شیطان کا پیشاب کرنا حقیقت میں بھی ہو سکتا ہے یا اس کے معنی یہ ہوں گے کہ طرح طرح کے وسوسے اور خیالات سے کان کو بھر دیتا ہے کہ اذان سن ہی نہ سکے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیطان اس کے کان بھر دیتا ہے کہ کان بوجھل ہونے کی وجہ سے اذان کی آواز کان میں نہ جائے اور وہ نماز سے غافل رہے[1]۔

رجب المرجب

(۱۸۱) اشہر حرم چار مہینے کی فضیلت

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الزَّمَانُ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ، السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثَةٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُو الْقَعْدَةِ، وَذُو الْحِجَّةِ، وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ»[2].

ترجمہ: حضرت ابو بکرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: زمانہ گھوم کر اسی حالت پر آگیا، جس پر اُس دن تھا جس دن اللہ پاک نے آسمانوں وزمین کو پیدا فرمایا تھا، سال بارہ مہینے کا ہے، ان میں سے چار حرمت والے ہیں، تین لگاتار ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور رجب مضر جو جمادی الآخرہ اور شعبان کے درمیان میں ہے۔

فائدہ: حدیث شریف میں اشہر حرم کی فضیلت کا ذکر ہے۔ مہینوں کی تعداد کل بارہ ہے، ان بارہ مہینوں کی ترتیب محرم الحرام سے شروع ہو کر ذوالحجہ پر ختم ہوتی ہے۔ اشہر حرم کل چار ہیں، اہل عرب اِن چار مہینوں کا پاس ولحاظ رکھتے تھے، یہاں تک کہ جن کا مشغلہ ہی لوٹ مار، قتل وغارت گری اور رہزنی ہوا کرتا تھا، وہ بھی ان مہینوں میں ایسے کاموں کو چھوڑ دیتے تھے۔ مگر ان میں ایک خامی یہ تھی کہ وہ چار مہینوں کو تعداد کے حساب سے تو محترم قرار دیتے، لیکن ترتیب کا خیال نہیں رکھتے تھے، اسی وجہ

(۱) فتح الباری: ۲/۲۴.

(۲) البخاری: ۳۱۹۷، بدء الخلق، في سبع أرضين.

سے حرمت والے مہینے میں وہ تقدیم وتاخیر کردیتے تھے۔اسے یوں سمجھیے کہ اگر محرم میں کسی سے قتال کرنا ہوتا؛ تو کہہ دیتے کہ یہ ماہ محرم محترم نہیں ہے، اس کی جگہ پر اس سال صفر کا مہینہ محترم اور اشہر حرم میں شامل رہے گا۔اس طرح وہ آگے پیچھے کردیتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے حدیث پاک میں، اس کارد فرمایا کہ مہینے بارہ ہیں اور اشہر حرم یہ چار مہینے ہی ہیں، کوئی دوسرا ان کی جگہ پر نہیں آسکتا۔

اللہ پاک نے قرآن کریم میں بھی اس کی صراحت فرمائی ہے۔اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿ إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ ﴾. ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ مہینوں کی تعداد جب سے اللہ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے اللہ کے نوشتہ میں بارہ ہی ہیں، اور ان میں سے چار مہینے حرام ہیں۔یہی ٹھیک ضابطہ ہے لہذا ان چار مہینوں میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو[1]۔

مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ان مہینوں کو حرمت والا دو معنی کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔ ایک تو اس لیے کہ اس میں قتل وقتال حرام ہے۔ دوسرے اس لیے کہ یہ مہینے متبرک اور واجب الاحترام ہیں۔ان میں عبادات کا ثواب زیادہ ملتا ہے۔اِن دو وجہوں میں سے پہلی وجہ یعنی قتل وقتال کا حکم تو شریعت اسلام میں منسوخ ہوگیا۔ مگر دوسری وجہ، ادب واحترام اور عبادت گزاری کا اہتمام اسلام میں بھی باقی ہے۔آگے اس آیت میں ﴿ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ ﴾ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان مقدس مہینوں میں تم اپنا نقصان نہ کر بیٹھنا کہ ان کے معینہ احکام واحترام کی خلاف ورزی کرو، یا ان میں عبادت گزاری میں کوتاہی کرو۔ پھر جصاصؒ کا قول نقل فرمایا ہے کہ اِس میں اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اِن متبرک مہینوں کا خاصہ یہ ہے کہ ان میں جو شخص کوئی عبادت کرتا ہے، اس کو بقیہ مہینوں میں بھی عبادت کی توفیق اور ہمت ہوتی ہے۔اسی طرح جو شخص کوشش کرکے اِن

---

[1] التوبة: ٣٦، تفهيم القرآن.

مہینوں میں اپنے آپ کو گناہوں اور برے کاموں سے بچالے، تو باقی سال کے مہینوں میں، اس کو ان برائیوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے؛ اس لیے ان مہینوں سے فائدہ نہ اٹھانا ایک عظیم نقصان ہے[1]۔

(۱۸۲) غصہ رفع کرنے کا نبوی نسخہ

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ ﷺ قَالَ: اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَحْنُ عِنْدَهُ جُلُوسٌ، وَأَحَدُهُمَا يَسُبُّ صَاحِبَهُ مُغْضَبًا قَدِ احْمَرَّ وَجْهُهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ، لَوْ قَالَ: أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ». فَقَالُوا: لِلرَّجُلِ أَلَا تَسْمَعُ مَا يَقُولُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: إِنِّي لَسْتُ بِمَجْنُونٍ.[2]

ترجمہ: حضرت سلیمان بن صردؓ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں باہم گالی گلوج کیا۔ ہم بھی آپ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، ان میں سے ایک اپنے ساتھی کو غصہ کی حالت میں برا بھلا کہہ رہا تھا، اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "میں ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ آدمی اس کو کہہ لے تو اس کا غصہ دور ہو جائے، اگر یہ شخص "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" پڑھ لے"۔ صحابہ کرام رَضِيَ اللهُ عَنهُم نے اس سے کہا کہ کیا تو نے سنا نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کیا کہا؟ اس نے جواب دیا میں پاگل نہیں ہوں۔

فائدہ: غصہ ایک فطری چیز ہے، ہر شخص میں پایا جاتا ہے؛ لیکن جب حد سے تجاوز ہونے لگے تو قرآن و حدیث میں اس کا علاج بتایا گیا ہے۔ غصہ پر قابو پانے والوں کی تعریف کی گئی ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴾ (اور غصہ کو ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے[3])۔ اس آیت میں غصہ کو قابو میں کرنے اور معاف کرنے والوں کو نیکی کرنے والا بتا گیا ہے۔ شیطانی بہکاوے میں آکر انسان کا نفس امارہ اس کی عقل پر غالب آجاتا ہے، جو غصہ کہلاتا ہے؛ اس لیے

---

(۱) معارف القرآن: ۳۷۲/۴.
(۲) صحیح البخاري: ۶۱۱۵، الأدب، الحذر من الغضب.
(۳) آل عمران: ۱۳۴؛ بیان القرآن.

اللہ پاک نے اس کا علاج بھی ذکر کر دیا۔ اللہ رب العالمین، قرآن عظیم الشان میں فرماتا ہے: ﴿ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴾: اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے، تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے۔ بلاشبہ وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے[1]۔

اس حدیث پاک میں بھی غصہ کو شیطان کے غلبہ کا اثر قرار دیا گیا ہے؛ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ کلمہ کہہ لے تو اس کی برکت سے غصہ ختم ہو جائے گا۔ کیوں کہ اس دعا کے پڑھنے سے شیطان کے وسوسے دور ہو جاتے ہیں؛ چناں چہ جب وہ شخص پر سکون ہوا، تو اس کو کہا گیا کہ نبی کریم ﷺ نے جو کہا تم نے سنا؟ اس کو پڑھ لے، تو اس نے کہا کہ میں پاگل نہیں ہوں۔ دراصل وہ شخص یہ سمجھ رہا تھا کہ اعوذ باللہ سے صرف مجنون ہی اچھا ہوتا ہے۔ اس کو یہ نہیں معلوم تھا کہ غصہ شیطانی اثرات سے ہوتے ہیں، اور ایسا اس لیے سوچا کہ دینی تعلیم سے پوری طرح واقف نہیں تھا۔ طیبیؒ نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ شخص منافق رہا ہو، یا کھانٹی دیہاتی رہا ہو۔ واللہ اعلم![2]

بہر حال غصہ اچھی چیز نہیں ہے؛ اسی لیے آپ ﷺ نے اس کا علاج بتایا ہے کہ غصہ کے وقت اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ لیا جائے۔ اس کے علاوہ اور بھی علاج ہیں، جس سے غصہ کافور ہو جاتا ہے۔ مثلاً نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کھڑے ہونے کی حالت میں غصہ آئے تو بیٹھ جائے، اگر غصہ ختم ہو گیا تو ٹھیک ورنہ لیٹ جائے [3]۔ ایک روایت میں ہے کہ غصہ شیطانی اثر سے آتا ہے اور شیطان آگ سے بنا ہے اور آگ کو پانی بجھاتا ہے، تو تم میں سے کسی کو جب غصہ آئے تو وضو کر لے[4]۔

(۱۸۳) بچوں کا بوسہ سنت نبوی ہے

عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: تُقَبِّلُونَ الصِّبْيَانَ، فَمَا نُقَبِّلُهُمْ؟

(۱) الاعراف: ۲۰۰ بیان القرآن.
(۲) مرقاۃ: ۳۲۹/۵ مرقاۃ: ۳۲۹/۵.
(۳) أبو داود: ٤٧٨٢ كتاب الادب.
(٤) أبو داود: ٤٧٨٤ كتاب الادب.

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَوَ أَمْلِكُ لَكَ أَنْ نَزَعَ اللهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ»[1].

ترجمہ: اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دیہاتی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ آپ بچوں کو بوسہ دیتے (دلار کرتے) ہیں؟ ہم لوگ تو انہیں بوسہ نہیں دیتے؛ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں کیا کر سکتا ہوں جب اللہ نے تیرے دل سے رحم نکال دیا ہے"۔

فائدہ: حدیث میں چھوٹے بچوں کے ساتھ دلار و پیار کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ بچے اس شخص سے محبت کرتے ہیں، جو ان کے ساتھ محبت و سادگی سے پیش آئے، اور ان کے ساتھ اس طرح رہے کہ ایسا لگے کہ وہ خود بھی بچہ ہے۔ اس کے برخلاف جو شخص ہمیشہ غصہ کرتا ہے، سخت مزاج ہے، بچے ان سے نفرت کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے بچوں کے ساتھ دلار و پیار اور محبت و شفقت والا معاملہ فرما کر امت کو تعلیم دی ہے کہ بچوں کے ساتھ کس طرح سے پیش آیا جائے۔ چناں چہ ایک روایت ہے، ام خالدؓ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی میں ایک زرد قمیص پہنے ہوئی تھی، آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: واہ واہ، بہت اچھی لگ رہی ہے، کیا خوب کپڑا ہے، میں آپ ﷺ کی پشت کی طرف جا کر آپ کے مہر نبوت سے کھیلنے لگی، میرے والد نے مجھے ڈانٹا اور جھڑکا، تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کو کھیلنے دو، پھر آپ ﷺ نے میری عمر کی زیادتی کی دعا فرمائی[2]۔

حضرت عائشہ کی اس روایت میں نبی کریم ﷺ نے ہر ایسے شخص پر وعید ارشاد فرمائی ہے، جو سخت دل ہو۔ طیبیؒ نے فرمایا اُس شخص نے یہ بات تعجبا کہی کہ آپ ایسا کرتے ہیں؛ لیکن ہمارے علاقہ میں تو یہ سب نہیں ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں کیا کر سکتا ہوں، اگر اللہ نے تیرے دل سے رحم ہی نکال دیا ہے[3]۔

بچوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ نہ کرنا، ان کو دلار و پیار نہ کرنا، قساوت قلبی ہے۔ اللہ پاک بھی

---

(۱) صحیح البخاري: ۵۹۹۸، رحمة الولد ... .
(۲) صحیح البخاري: ۳۰۷۱ کتاب الجهاد والسیر.
(۳) المرقاة: ۴۹۹/۱۰.

ایسے لوگوں پر رحم نہیں فرماتا۔ ایک روایت میں ہے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے ایک بار اپنے نواسے حضرت حسنؓ کا پیار کیا۔ حضرت اقرع ابن حابسؓ وہاں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس دس بچے ہیں، میں نے کبھی ان کا دلار و پیار نہیں کیا؛ تو آپ ﷺ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا، وہ رحم کا مستحق نہیں ہے(۱)۔

(۱۸۴) یتیم کی پرورش کرنے والا

عن سَهْلِ بنِ سَعْدٍ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هَكَذَا». وَقَالَ بِإِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى(۲).

ترجمہ: حضرت سہل بن سعدؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے"۔ راوی نے کہا کہ آپ ﷺ نے شہادت اور درمیانی انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔

فائدہ: حدیث پاک میں یتیم کی کفالت و پرورش کرنے والے کی فضیلت بیان کی گئی ہے، یہ اسلام کی خوبی ہے۔ اسلام کے اجتماعی نظام کو دیکھا جائے؛ تو ہر زاویہ سے وہ مکمل نظر آتا ہے۔ وہ انسانی نسلوں کی بقا اور عزت کا محافظ ہے۔ اس کے حُسنِ معاشرت کی ایک جھلک حدیث شریف میں مذکور ہے۔ ایسے بچے جو بے آسرا ہو چکے ہیں، اسلام فوراً ان کو اپنی آغوشِ تربیت میں لے لیتا ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم کرتا ہے؛ تاکہ یہ ضائع ہونے سے بچ جائیں۔ پھر وہ بڑا ہو کر معاشرے میں اپنا کردار ادا کر سکے۔

حدیث پاک میں دو باتوں کا ذکر ہے: ایک تو یہ کہ یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں جائے گا، یہ بہت بڑی فضیلت ہے۔ دوسری بات جو تمام فضیلتوں سے بڑھ کر ہے، وہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو نبی کریم ﷺ کا قرب حاصل ہوگا، آپ ﷺ نے دو انگلیوں یعنی شہادت اور بیچ والی انگلی کے

---

(۱) صحیح البخاري: ۵۹۹۷ کتاب الأدب.

(۲) صحیح البخاري: ۶۰۰۵، فضل من یعول یتیما.

درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھ کر اشارہ کر کے بتایا کہ اتنی ہی دوری ہوگی جتنی اِن دونوں انگلیوں کے درمیان ہے، یعنی ہم دونوں بہت ہی قریب ہوں گے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ جو اس حدیث کو سنے، اُس پر یہ حق ہے کہ وہ اِس پر عمل کرے؛ (یعنی یتیم کی کفالت کرے) تاکہ وہ جنت میں آپ ﷺ کا رفیق ہو سکے؛ کیوں کہ آخرت میں اس سے افضل کوئی مقام نہیں ہے۔ (فتح الباری: ۱۰/۵۰۷)

(۱۸۵) ہر سنی سنائی بات نقل کرنے کا حکم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قال: «كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ»(۱).

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کرے"۔

فائدہ: حدیث شریف میں امت کو ایک اہم سبق دیا گیا ہے کہ ہر حال میں جھوٹ سے بچے، اگر کسی بات کے بارے میں معلوم ہی نہیں کہ سچ ہے یا جھوٹ تو اس بات کو اپنی زبان یا قلم سے بیان نہ کرے، یعنی جھوٹ کے قریب بھی نہ جائے(۲)۔

اس حدیث شریف میں بغیر تحقیق کیے کہ یہ بات سچ ہے یا جھوٹ کسی سے بیان کرنے پر تنبیہ کی گئی ہے ہر شخص پر واجب ہے کہ سنی سنائی بات کی تحقیق کرے پھر بیان کرے۔ خاص کر نبی کریم ﷺ کی احادیث میں مزید احتیاط کرے کہ واقعی یہ آپ ﷺ کی حدیث ہے یا نہیں؟(۳)

اللہ پاک نے قرآن عظیم الشان میں ہر رطب ویابس خبر بغیر تحقیق وتصدیق کے بیان کرنے والوں کی شناعت بیان فرمائی ہے اور مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ ایسا نہ کرو۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ

(۱) صحيح مسلم: (۵) مقدمة الكتاب.
(۲) حدیث نمبر: ۱۵۵ میں کذب بیانی کے متعلق کچھ باتیں گزر چکی ہیں۔
(۳) مرقاة: ۱/۳۵۸.

لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴾: یہ لوگ جہاں کوئی اطمینان بخش یا خوف ناک خبر سن پاتے ہیں اسے لے کر پھیلا دیتے ہیں، حالاں کہ اگر یہ اسے رسول اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجائے جو ان کے درمیان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں۔ تم لوگوں پر اللہ کی مہربانی اور رحمت نہ ہوتی تو — تمہاری کمزوریاں ایسی تھیں کہ — معدودے چند کے سوا سب شیطان کے پیچھے لگ گئے ہوتے[۱]۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہر سنی سنائی بات نقل کرتا رہتا ہے، وہ کبھی امامت نہیں کرا سکتا[۲]۔ اس کی شرح کرتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ جو سنی سنائی بات کو بیان کرتا ہے، ایسا آدمی بہت زیادہ غلطی کرتا ہے یا سنی سنائی بات میں جھوٹ کی ملاوٹ ہوتی ہے؛ اس لیے ایسا آدمی امامت کے لائق نہیں ہے[۳]۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بغیر تحقیق بات پھیلانا بہت بڑے نقصان کا سبب ہو جاتا ہے۔ اس نقصان سے بچنے کے لیے اللہ پاک نے خبروں کی تحقیق کا حکم فرمایا ہے۔ قرآن عظیم الشان میں ارشاد باری ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ﴾: (اے ایمان والو اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لاوے تو خوب تحقیق کر لیا کرو، کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو، پھر اپنے کیے پر پچھتانا پڑے)[۴]۔

(۱۸۶) نماز ہر ضرورت کی دوا ہے

عَنْ حُذَيْفَةَ ﷺ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلَّى[۵].

---

(۱) النساء: ۸۳ تفهيم القرآن.
(۲) صحيح مسلم: ٥ النهي عن الحديث بكل .... .
(۳) فتح الملهم: ۱/۳۲۸.
(٤) الحجرات: ٦ بيان القرآن.
(٥) أبو داود: ۱۳۱۹، التطوع، وقت قيام النبي من الليل.

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ: نبی کریم کو جب کوئی اہم کام پیش آتا تو نماز پڑھتے تھے۔

فائدہ: اللہ پاک کی بندگی کا سب سے اعلیٰ طریقہ نماز ہے۔ اس کی سب سے بڑی نعمت کے اظہار کا طریقہ نماز سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے آقا و مولی محمد رسول اللہ ﷺ فرض نمازوں کے علاوہ نفلی نمازوں کا بھی بکثرت اہتمام کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ نفل نماز بہت اہمیت کی حامل ہے [1]، اس کے بہت سے فوائد ہیں۔

نماز ایک ایسی عبادت ہے جس کے ذریعہ سے انسان ہر مشکل کام اور ہر حاجت پوری کرا سکتا ہے۔ چناں چہ ایک حدیث میں آیا ہے، حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیٰ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جس شخص کو کوئی بھی ضرورت پیش آئے؛ تو اسے چاہیے کہ بہت اچھی طرح وضو کرے، پھر دو رکعت نماز پڑھے، پھر اللہ پاک کی حمد و ثنا کرے، پھر امام المرسلین نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے، پھر یہ دعا پڑھے:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، أَسْأَلُكَ مُوجِبَاتِ رَحْمَتِكَ، وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ، وَالْغَنِيمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ، وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ، لَا تَدَعْ لِي ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهُ، وَلَا هَمًّا إِلَّا فَرَّجْتَهُ، وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ.

اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ حلیم و کریم یعنی بردبار و بزرگی والا ہے، پاک ہے اللہ جو عرش عظیم کا رب ہے، تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پالنہار ہے، میں تجھ سے تیری رحمت کو واجب کرنے والی چیزوں کا اور تیری بخشش کے یقینی ہونے کا سوال کرتا ہوں، اور ہر نیکی میں حصہ پانے کا اور ہر گناہ سے سلامتی کا سوال کرتا ہوں، اے ارحم الراحمین تو میرے سارے گناہ بخش دے، اور سارے غم دور فرمادے، اور نہ کوئی ایسی ضرورت چھوڑ جس میں تیری خوشنودی ہو مگر تو اسے پوری فرمادے۔

تو اس کی حاجتیں خواہ دینی ہوں یا دنیوی پوری ہو گی، ان شاء اللہ [2]۔

---

(1) نیز حدیث نمبر: 47، اور 150 میں کچھ باتیں گزر چکی ہیں۔

(2) الترمذي: ٤٧٩ ابواب الوتر.

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ کی احادیث اور قرآن پر عمل کرنے کا اتنا شوق تھا کہ ہر معاملہ میں نماز کا سہارا لیتے تھے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ، حضرت ابن عباسؓ کو اطلاع دی گئی کہ کسی ام المومنینؓ کا انتقال ہو گیا ہے، آپ فوراً سجدہ میں گر گئے، ان سے کہا گیا کہ آپ اس موقع پر سجدہ کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ جب تم کوئی بڑا واقعہ یا حادثہ دیکھو تو سجدہ کیا کرو، اور بھلا زوجۂ مطہرہ کی وفات سے بڑھ کر بھی کوئی بڑا حادثہ ہو سکتا ہے؟(۱)

اللہ پاک نے قرآن عظیم الشان میں نماز اور صبر کے ذریعہ استعانت کا حکم فرمایا ہے:

﴿ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ﴾: ترجمہ: مدد لو صبر اور نماز سے، اور بے شک وہ نماز دشوار ضرور ہے، مگر جن لوگوں کے دلوں میں خشوع ہے ان پر کچھ دشوار نہیں(۲)۔

(۱۸۷) رحم کرنے والوں پر ہی اللہ رحم کرتا ہے

عَنْ جَرِيرٍ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لَا يَرْحَمُ اللهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ(۳).

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ پاک اس بندہ پر رحم نہیں فرماتا، جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔

فائدہ: حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ شفقت اور محبت کرنے کا درس دیا ہے اور فرمایا کہ جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ پاک بھی اس پر رحم نہیں کرتا ہے۔ یعنی اگر کسی نے بندوں کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کیا، تو اللہ پاک بھی اس کے ساتھ نرمی اور مہربانی کا معاملہ فرماتا ہے اور اللہ کے رحم کرنے سے مراد رضاءِ الٰہی ہے کہ اللہ پاک اس عمل کی وجہ سے اس شخص سے راضی ہوتا ہے اور جب اللہ ہی راضی ہے، تو سارے معاملات حل ہیں(۴)۔

اللہ پاک کے دو نام رحمان اور رحیم رحمت سے ماخوذ ہیں، اس کے معنی ہیں، بہت زیادہ

---

(۱) أبو داود: ۱۱۹۷ كتاب الصلاة.
(۲) البقرة: ٤٥، بيان القرآن.
(۳) البخاري: ۷۳۷٦، التوحيد، قول الله: قل ادعو الله.
(٤) مرقاة: ۹/۱٦۱.

مہربان اور رحمت والا، اس طور پر کہ رحمت میں اس کی کوئی مثال نہیں۔ جب یہ صفت بندے کے اندر پائی جائے گی، تو بندہ ایک دوسرے کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے گا۔ پھر جب اللہ پاک کی رضا ہو گی، تو اللہ پاک بھی ایسے نرمی ورحم کا معاملہ کرنے والے پر اپنے فضل کا دروازہ کھول دے گا۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر — خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

انسان سے رحم کا چھن جانا بد بختی کی علامت ہے؛ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ رحمت صرف بد بخت سے ہی چھینی جاتی ہے[1]۔ حدیث شریف میں رحم کرنے سے مراد تمام مخلوق پر رحم کرنا ہے مومن، کافر، جانور، اپنی ذات، سب اس میں داخل ہے ہیں۔ رحم خواہ کھلانے پلانے کی قبیل سے ہو، بوجھ کم کرنے کی قبیل سے ہو، یا مار پٹائی کے ذریعہ ظلم کو ترک کرنے کی قبیل سے ہو، سب کو شامل ہے[2]۔

(۱۸۸) صلہ رحمی وسعت رزق کا سبب ہے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ»[3].

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی ہو اور اس کی عمر دراز ہو؛ تو وہ صلہ رحمی کیا کرے۔

فائدہ: اِس حدیث پاک میں صلہ رحمی اور حسن سلوک کے فائدے ذکر کیے گئے ہیں۔ ہم دنیا کو دار الاسباب کہتے ہیں، لیکن اللہ کو مسبب نہیں مانتے، جب کہ اللہ مسبب الاسباب ہے، اُس نے ہر چیز کے لیے سبب پیدا کیا ہے۔ صلہ رحمی کو اللہ پاک نے فراخی رزق اور درازی عمر کا سبب بنایا ہے۔

فراخی رزق اور درازی عمر کے علماء نے کئی مطلب بیان فرمائے ہیں۔ اس سے مراد عبادت کی

(۱) أبو داود: ۴۹۴۲، الادب، باب في الرحمة.
(۲) فتح الباري: ۱۰/۵۱۲- ۱۳/۴۳۰.
(۳) البخاري: ۵۹۸۶، الأدب، من بسط له في الرزق.

توفیق، اور اچھا گزارہ ہے یا دنیا میں نیک نامی کا باقی رہنا، گویا کہ درازی عمر ہے کہ مرنے کے بعد بھی لوگ اچھائی کے ساتھ ایک طویل عرصہ تک ذکر کرتے رہتے ہیں یا اولاد صالح مراد ہے، جو اس کے لیے دعا خیر کرے گی، یا یہ کہ عمر تو متعین ہے لیکن لوح محفوظ میں زیادتی عمر کو صلہ رحمی کے ساتھ معلق کر دیا ہے، مثلاً ساٹھ سال کی عمر اللہ نے لکھ دیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دی ہے کہ اگر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرے گا، تو چالیس سال عمر بڑھا کر سو کر دی جائے گی[1]۔

علامہ عینیؒ نے درازی عمر کے سلسلہ میں کئی احادیث نقل کیا ہے۔ ان میں سے ایک حدیث الترغیب والترھیب کے حوالہ سے لکھی ہے، کہ والدین کے ساتھ نیکی عمر میں زیادتی کرتی ہے اور جھوٹ بولنے سے رزق میں تنگی آتی ہے، اور والدین کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے[2]۔

صلہ رحمی کے بہت سارے فوائد ہیں جب کہ قطع رحمی کے بہت بڑے بڑے نقصانات ہیں۔ فوائد میں سے دو فائدے تو اس حدیث شریف میں مذکور ہیں۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ حسن سلوک اور صلہ رحمی جنت میں جانے کا سبب ہے[3]۔ صلہ رحمی انسان کو مستجاب الدعوات بنا دیتی ہے۔ حضرت اویس قرنی کو یہ رتبہ صلہ رحمی کی وجہ سے ملا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے صحابۂ کرام سے فرمایا تھا کہ اویس قرنی سے استغفار کروانا[4]۔ ایک حدیث میں ہے کہ صلہ رحمی کے تین فوائد ہیں: خاندان والوں سے محبت، مال میں برکت، عمر میں زیادتی[5]۔

قطع تعلق اور قطع رحمی کے نقصانات بھی بہت سخت ہیں۔ جو قطع رحمی کرتا ہے، اللہ پاک اس سے ناطہ ختم کر لیتا ہے[6]۔ قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا[7]۔

---

(۱) مرقاة المفاتيح: ۹/۱۳۹.
(۲) عمدة القاري: ۲۲/۱٤۲.
(۳) مسند احمد: ۲٥۱۸۲.
(٤) مسلم: ۲٥٤۲، فضائل الصحابة، أويس القرني.
(٥) الترمذي: ۱۹۷۹، ابواب البر والصلة.
(٦) أبو داود: ۱٦۹٤.
(۷) صحيح البخاري: ٥۹۸٤.

ان احادیث شریفہ سے یہ معلوم ہوا کہ صلہ رحمی اور حسن سلوک شریعت محمدیہ میں مطلوب ومحمود ہے اور دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی کا سبب ہے؛ جب کہ قطع رحمی اور بدسلوکی مذموم اور موجب لعنت ہے۔ جس کی سزا دنیا اور آخرت میں ملے گی۔ اللہ پاک ہم سب لوگوں کو اپنے اعزاء و اقرباء کے ساتھ خاص کر والدین کے ساتھ صلہ رحمی اور حسن سلوک کرنے والا بنائے۔ آمین!

(۱۸۹) اس امت سے وسوسے معاف ہیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي مَا وَسْوَسَتْ بِهِ صُدُورُهَا، مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَكَلَّمْ»(۱).

ترجمہ: ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی نے میری امت کے دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں کو معاف کر دیا ہے، جب تک کہ وہ انہیں عمل میں یا زبان پر نہ لائے۔

فائدہ: اللہ پاک نے فرمایا: ﴿ أَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴾ (۲): اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ تو جب دل اللہ کے ذکر سے خالی ہوگا، تو پھر اس میں اطمینان نہیں ہو سکتا ہے۔ اس میں طرح طرح کے خیالات آتے ہیں، شیطان اس کو اپنا تجربہ گاہ بناتا ہے۔ پھر ہمارے دل میں وسوسے آتے ہیں؛ اسی لیے نبی کریم نے فرمایا کہ تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے (۳)۔

نبی کریم ﷺ نے حدیث میں وسوسہ کا حکم بیان فرمایا ہے کہ اللہ پاک صرف دل میں وسوسہ آنے کی وجہ سے امت محمدیہ کی پکڑ نہیں فرماتا۔ وسوسہ اس امت کے لیے معاف ہے، الحمد للہ علی ذالک! جب کہ پہلی امتوں کو صرف وسوسہ کی وجہ سے عذاب دیا جاتا تھا۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾: اللہ تعالی کسی کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کے اختیار میں ہو۔ معلوم ہوا کہ صرف وسوسہ پر مواخذہ نہیں، بلکہ وسوسہ پر عمل کرنے کی وجہ سے پکڑ فرماتا

(۱) البخاري: ۲۵۲۸، العتق، الخطأ والنسيان في ... .
(۲) الرعد: ۲۸.
(۳) الترمذي: ۳۳۷۵ ابواب الدعوات.

ہے۔لیکن وسوسہ سے مراد صرف خیالات کا دل میں آنا ہے۔اور اگر دل میں خیال آیا، پھر اس خیال کو پختہ کرلیا، عزم مصمم کرلیا کہ کرنا ہے، اگرچہ کسی وجہ سے وہ کام نہ کرسکا، تو پختہ ارادہ کرنے کی وجہ سے اللہ پاک مواخذہ فرمائے گا[۱]۔ ایک حدیث میں ہے کہ وسوسہ کا آنا پھر اس کو قبیح اور خطرناک سمجھنا، مؤمن کے لیے ایمان کی پختگی کی علامت ہے[۲]۔

(۱۹۰) مال کی ایک قسم جو قیامت میں گنجا سانپ بنے گا؟

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ لَهُ زَبِيبَتَانِ، يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ، يَعْنِي بِشِدْقَيْهِ، ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا مَالُكَ، أَنَا كَنْزُكَ. ثُمَّ تَلَا: لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ[۳] الْآيَةَ[۴].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا، اور اس نے اس کی زکاۃ ادا نہ کی؛ تو وہ مال قیامت کے دن اس کے لیے گنجا سانپ، جس کے دو سیاہ نقطے ہوں گے، بنا کر اس کے گلے کا طوق بنادیا جائے گا، پھر وہ اس کے دونوں جبڑے پکڑے گا اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴾.

فائدہ: زکاۃ اور نماز دین کے دو ایسے اہم ستون ہیں، جن کو ادا کرنے کا حکم ایمان والوں کو ہر دور اور ہر مذہب میں دیا گیا ہے۔ یعنی یہ عبادتیں ہر نبی کے امتی پر فرض رہی ہیں۔ نماز کے سلسلہ میں تو گزشتہ صفحات میں کئی احادیث گزر چکی ہیں، جن میں تفصیل سے بات آگئی ہے۔ اس حدیث کے تحت ہم زکاۃ کا ذکر کریں گے۔ قرآن مجید میں جہاں بھی نماز کا ذکر ہے، وہاں زکاۃ کا ذکر بھی موجود ہے۔ قرآن نے جہاں امم سابقہ اور انبیاء سابقین کی شریعت میں نماز کا ذکر کیا وہیں اس کے ساتھ زکواۃ کا

---

(۱) عمدۃ القاری: ۱۲۲/۱۳

(۲) مسلم: ۱۳۲، الإیمان، بیان الوسوسۃ فی الإیمان.

(۳) آل عمران: ۱۸۰.

(۴) البخاری: ۱۴۰۳، الزکاۃ، باب إثم مانع الزکاۃ.

بھی ذکر کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ سابقہ امتوں پر زکاۃ بھی فرض تھی۔ چناں چہ حضرت ابراہیم اور ان کے صاحب زادے حضرت اسحق، پھر ان کے صاحب زادے حضرت یعقوب علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے قرآن میں فرمایا گیا: ﴿ وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ ﴾: اور ہم نے ان کو مقتدا بنایا کہ ہمارے حکم سے (خلق کو) ہدایت کیا کرتے تھے۔ اور ہم نے ان کے پاس نیک کاموں کے کرنے کا، اور (خصوصًا) نماز کی پابندی اور زکاۃ ادا کرنے کا حکم بھیجا، اور وہ سب ہماری ہی عبادت کیا کرتے تھے [1]۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ﴾ [2]: اور اپنے متعلقین کو نماز اور زکاۃ کا حکم کرتے رہتے تھے، اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے۔ حضرت عیسی علیہ السلام کی پیدائش کے بعد یہود نے جب حضرت مریم علیہا السلام پر الزام لگایا، تو اس وقت ماں کی گود میں ہی اللہ نے حضرت عیسی کو بات کرنے کی قوت دی۔ اور آپ اپنی قوم سے مخاطب ہوئے۔ اللہ پاک نے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا ہے: ﴿ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا. وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴾ [3]: وہ بچہ بول اٹھا میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھ کو کتاب دی اور اس نے مجھ کو نبی بنایا اور مجھ کو برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں۔ اور اس نے مجھ کو نماز اور زکاۃ کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں۔ ان تمام آیات کا خلاصہ یہ نکلا کہ پہلی امتوں پر بھی زکاۃ فرض تھی اور سب لوگ زکاۃ ادا کرتے تھے۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک نے جس کو نصاب کے بقدر مال دیا پھر اس نے زکاۃ ادا نہیں کی، تو وہ مال خطرناک زہریلے سانپ کی شکل کا بنا دیا جائے گا، اور اتنا زہریلا ہوگا کہ زہر کی

(۱) الأنبياء: ۷۳ بیان القرآن.
(۲) مریم: ۵۵.
(۳) مریم ۳۰-۳۱.

وجہ سے اس کے سر پر بال نہیں ہوں گے اور اس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ نقطے ہوں گے، اور بعض محدثین نے فرمایا کہ اس کے دو دانت دونوں طرف نکلے ہوئے ہوں گے، یہ سانپ دوسرے سانپوں کے مقابلہ میں زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ اس کے دو سینگ کے مانند کوئی چیز ہوگی۔ اللہ پاک اس سانپ کو ہار بنا کر، اس کی گردن میں ڈال دے گا۔ پھر وہ سانپ دونوں کانوں کے نیچے جبڑے کو پکڑ کر صاحب مال کو مخاطب کر کے کہے گا: میں تیرا مال ہوں، تیرا خزانہ ہوں، جس کو تو جمع کر کے اور گن کے رکھتا تھا۔ پھر نبی کریم ﷺ نے مذکورہ آیت کی تلاوت فرمائی، جس کا ترجمہ یہ ہے: ہر گز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ایسی چیز میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دی ہے کہ بات کچھ ان کے لیے اچھی ہوگی؛ بل کہ یہ بات ان کے لیے بہت ہی بری ہے، وہ لوگ قیامت کے دن طوق پہنا دیے جائیں گے اس کا جس میں انہوںؓ نے بخل کیا تھا(۱)۔

(۱۹۱) بچے والدین کے نقش قدم پر ہوتے ہیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، كَمَثَلِ الْبَهِيمَةِ تُنْتَجُ الْبَهِيمَةَ هَلْ تَرَى فِيهَا جَدْعَاءَ»(۲).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ہر بچے کی پیدائش فطرۃ اسلام پر ہوتی ہے، پھر اس کے والدین اس کو یہودی، نصرانی، یا مجوسی بنا دیتے ہیں، جیسے جانور جانور کو جنم دیتا ہے، کیا تم اس میں کان کٹا دیکھتے ہو؟

فائدہ: حدیث شریف میں بچوں کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اور مفہوم یہ ہے کہ بچے اپنے والدین کی وجہ سے ہی راہ راست سے ہٹ جاتے ہیں۔ ان کو والدین خراب کر دیتے ہیں۔ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ہر بچہ پیدائشی طور پر مسلمان ہوتا ہے؛ لیکن بچہ سے مراد پوری اولاد آدم نہیں ہے؛ بل کہ مراد ہے کہ ہر وہ بچہ جو فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، اس کو اس کے

---

(۱) عمدة القاري: ۸/ ۲۷۰-۲۷۱.

(۲) البخاري: ۱۳۸۵، الجنائز، ما قيل في أولاد المشركين.

والدین گمراہ کردیتے ہیں۔ معلوم یہ ہوا کہ کچھ بچے فطرت اسلام پر پیدا نہیں ہوتے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "سنو! انسان مختلف درجات میں پیدا کیا گیا ہے، ان میں سے پہلا درجہ: یہ ہے کہ کوئی مومن پیدا ہوتا ہے، ایمان پر جیتا ہے اور ایمان پر ہی مرتا ہے۔ دوسرا درجہ: کوئی کافر پیدا ہوتا ہے، کافر ہو کر جیتا ہے اور کفر پر ہی مرتا ہے۔ تیسرا درجہ: مومن پیدا ہوتا ہے، مومن رہ کر زندگی گزارتا ہے اور کفر کی حالت پر مرتا ہے۔ چوتھا درجہ: کوئی کافر پیدا ہوتا ہے، کفر پر جیتا ہے اور ایمان کی حالت میں مرتا ہے[1]۔ یہ صورت قضاوقدر کے قبیل سے ہے۔

معلوم یہ ہوا کہ بسا اوقات مسلمان کے گھر میں جو بچے پیدا ہوتے ہیں، وہ سبھی فطرت اسلام پر نہیں ہوتے۔ جیسا کہ مسلم شریف کی روایت ہے کہ وہ بچہ جس کو حضرت خضر نے قتل کیا تھا، اس کی پیدائش کفر پر ہوئی تھی۔ اگر وہ زندہ رہتا تو اپنے والدین کو کفر میں مبتلا کردیتا[2]۔ بہر حال جو بھی صورت ہو بچہ کی جب پیدائش ہوتی ہے، تو وہ معصوم ہوتا ہے اور جب بڑا ہوتا ہے تو والدین بچے میں تصرف کرتے ہیں اور اس کو ایسی بات سکھاتے ہیں، جو شریعت کے خلاف ہوتی ہے اور پھر بچہ دین اسلام سے ہٹ کر ضلالت وگمراہی والا راستہ اختیار کرلیتا ہے[3]۔

نصیحت: بچوں کو بے حیائی کی تعلیم کے علاوہ ہر قسم کی تعلیم دیجیے، ہنر سکھایئے، لیکن اسلامی تعلیمات کے ساتھ؛ کیوں کہ دینی تعلیم ہی کے ذریعہ اس کو زندگی جینے کا سلیقہ آئے گا۔

(۱۹۲) مسجد نبویؐ میں نماز کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ، إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ»[4].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری مسجد

---

(۱) الترمذي: ۲۱۹۱ ابواب الفتن.
(۲) مسلم: ۲۶۶۱ كتاب القدر.
(۳) عمدة: ۸/۲۶۱-۲۶۲.
(٤) صحيح البخاري: ۱۱۹۰، فضل الصلاة.

(مسجد نبوی) میں ایک نماز دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے، سوائے مسجد حرام کے۔

فائدہ: ساری دنیا میں بے شمار مسجدیں ہیں۔ یہ مساجد عبادت اور ذکر واذکار کے لیے ہی ہوتی ہیں۔ پہلے کسی جگہ بتایا تھا کہ اعمال کی عظمت وفضیلت زمان ومکان کی وجہ سے بھی بڑھ جایا کرتی ہے۔ حدیث شریف میں اسی کا بیان ہے۔ اس میں دو مسجدوں کا ذکر کیا گیا ہے: مسجد نبوی اور مسجد حرام، اور ضمناً پوری دنیا کی مسجدوں کا ذکر ہے۔ پھر ان تینوں کے درجات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری روایت میں مسجد اقصیٰ کا بھی ذکر موجود ہے۔ جس سے اس کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے۔ چناں چہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: "سفر نہ کیا جائے، مگر تین مسجدوں کی طرف: مسجد حرام، مسجد رسول ﷺ اور مسجد اقصیٰ"[1]۔

مساجد کی فضیلت اور وہاں نماز پڑھنے پر ملنے والے اجر وثواب کے سلسلہ میں تین طرح کی روایتیں ہیں۔ ہم تینوں پر عمل کر کے اجر کے مستحق بن سکتے ہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب، جمع الجوامع میں حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نماز کے برابر ہے، میری مسجد میں نماز پڑھنا ایک ہزار نماز کے برابر ہے اور بیت المقدس میں نماز ادا کرنا پانچ سو نماز کے برابر ہے[2]۔ اور دوسری روایت متن میں مذکور حدیث ہے۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث ہے: جس میں گاؤں کی مسجدوں کا بھی ذکر ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کی نماز اس کے گھر میں ایک ہی نماز ہے، اور خاندان وقبیلہ کی مسجد میں ایک نماز پچیس درجہ بڑھی ہوئی ہے، جامع مسجد میں ایک نماز کا ثواب پانچ سو درجہ زیادہ ہے، مسجد اقصیٰ میں نماز پچاس ہزار نماز کے برابر ہے، میری مسجد میں نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نماز کے برابر ہے[3]۔ نوویؒ نے صراحت کی ہے کہ نماز سے مراد فرائض ونوافل دونوں ہیں، یعنی فرض پڑھے یا نفل

(۱) البخاري: ۱۱۸۹، الصلاة في مسجد مكة والمدينة.
(۲) جمع الجوامع: ۵ حديث: ۱۳۷۷۳.
(۳) ابن ماجة: ۱۴۱۳، اقامة الصلاة والسنة فيها.

اس فضیلت کا مستحق ہوگا[۱]۔

اس کے علاوہ اور بھی حدیثیں ہیں جس سے حرمین کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ علامہ عینیؒ نے کئی احادیث ذکر کی ہیں اور علامہ سیوطی نے بھی اپنی جوامع میں ذکر کیا ہے۔ مثلاً بیہقی کی شعب الایمان کے حوالہ سے ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری اس مسجد میں نماز پڑھنا سوائے مسجد حرام کی نماز کے اور مسجدوں سے ہزار درجہ افضل ہے اور میری اس مسجد میں رمضان شریف کا مہینہ گزارنا، مسجد حرام کے علاوہ تمام مسجدوں میں رمضان گزارنے سے افضل ہے[۲]۔

اللہ پاک ہم سب کو بار بار ان مسجدوں کی زیارت نصیب فرمائے اور وہاں نماز پڑھنے کی توفیق اور سبیل پیدا فرمائے۔ آمین!

(۱۹۴) عورت کے لیے بغیر محرم کے سفر جائز نہیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، لَيْسَ مَعَهَا حُرْمَةٌ»[۳].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس عورت کے لیے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے، جائز نہیں ہے کہ ایک دن اور ایک رات کی دوری کا سفر بغیر محرم کے کرے۔

فائدہ: زمانہ دراز سے عورتیں مظلوم چلی آرہی تھی، لوگ ان کو اپنی عیش و عشرت کے لیے خریدتے تھے۔ ان کے ساتھ حیوانوں سے بھی برا سلوک کیا جاتا تھا۔ بل کہ ابھی بھی کائنات میں مظلوم ترین قوم عورت ہی ہے۔ لڑکیوں کی پیدائش پر ان کو زندہ در گور کر دیا جاتا تھا، جس کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ * بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ﴾ اور جب

(۱) المنهاج شرح مسلم: ۹/۱۴۳.
(۲) جامع الصغير للسيوطي: ۵۰۹۱.
(۳) البخاري: ۱۰۸۸، تقصير الصلاة، في كم يقصر.

زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی[1]۔ جب اسلام کا ظہور ہوا تو اس نے عورت کو ایک گوہرِ نایاب قرار دیا، اس کے حقوق متعین کیے، اس کو عزت سے جینے کا حق دیا، اس کے ساتھ نرمی برتنے کا حکم دیا گیا اگر سختی کروگے تو ٹوٹ جائے گی۔ آج پوری دنیا یہ اعتراف کر رہی ہے کہ عورتوں کو سب سے زیادہ حقوق اسلام نے دیے ہیں۔ انہیں حقوق میں سے ایک حق کا ذکر حدیث شریف میں کیا گیا ہے کہ اولاً تو عورتوں کو سفر کرنے کی ضرورت ہی نہیں؛ کیوں کہ اس کی ساری ذمہ داری باپ، بھائی یا شوہر اور بیٹے پر ہے۔ اگر ضرورت پیش آ ہی جائے؛ تو اکیلے سفر نہ کرے؛ بل کہ کسی محرم کو ساتھ لے لے جو راستہ میں اس کی حفاظت کرسکے۔ اس کو کوئی تکلیف اور پریشانی ہو؛ تو اس کو دور کرسکے۔ گویا کہ مرد کو عورتوں کا محافظ بنایا گیا کہ اس کی جان ومال، عزت وآبرو کی حفاظت مرد کے ذمہ ڈال دی گئی۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ عام طور پر تو حکم یہی ہے کہ بغیر محرم کے عورتوں کا سفر کرنا حرام ہے؛ لیکن ان کے یہاں ضرورت پڑنے پر ایک شرط کے ساتھ عورتیں تنہا سفر کرسکتی ہیں اور شرط یہ ہے: راستہ (اور خود وہ عورت بھی) فتنہ سے مامون و محفوظ ہو۔ یعنی اگر یہ اعتماد ہے کہ راستہ مامون و محفوظ ہے اور حالات صحیح اور پر امن ہیں؛ تو عورت بغیر محرم کے سفر کرسکتی ہے[2]۔

(۱۹۴) چاند و سورج گرہن کے وقت نماز ودعا

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ ﷺ يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ، وَلَكِنَّهُمَا آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمَا فَقُومُوا فَصَلُّوا»[3].

ترجمہ: حضرت ابو مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بے شک سورج اور چاند میں گرہن کسی کی موت کی وجہ سے نہیں لگتا؛ بل کہ وہ دونوں اللہ کی نشانیاں ہیں، تو جب تم سورج یا

(۱) التکویر: ۸-۹ بیان القرآن.
(۲) فیض الباری: ۲/۵۳۴ مکتبۃ شیخ الہند.
(۳) البخاری: ۱۰۴۱، الکسوف.

چاند گرہن دیکھو، تو نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ"۔

فائدہ: اللہ پاک نے ساری کائنات کو انسان کے لیے بنایا اور انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے، پوری کائنات ہمارے لیے اللہ کی نعمت ہے، انھیں نعمتوں میں سے بارش اللہ پاک کی طرف سے بڑی نعمت ہے، ان چیزوں پر اس دنیا کا نظام قائم ہے۔ جس طرح ہمارے گناہوں کے سبب بارش نہ ہونے کی وجہ سے خشک سالی ہو جاتی ہے، اور ہم کو اس کے لیے نماز استسقا کا حکم دیا گیا ہے، اسی طرح ہمارے گناہوں کے سبب سورج میں گرہن آتا ہے، اور سورج و چاند بے نور ہو جاتے ہیں، اس وجہ سے ہمیں یہاں بھی نماز کا حکم دیا گیا ہے۔

سورج کا گرہن میں آنا اور اس کے نور کا ختم ہو جانا، اللہ پاک کے غصہ کی ایک علامت ہے۔ جب بندوں کی نافرمانی بڑھ جاتی ہے؛ تو اللہ پاک بندوں کو متنبہ کرنے کے لیے سورج اور چاند کی روشنی کو ختم کر کے ان کو بے نور کر دیتا ہے؛ تاکہ انسان یہ سمجھ لے کہ جب اس کے گناہوں کا اثر سورج اور چاند پر ظاہر ہوا اور وہ بے نور ہو گیا؛ تو خود اس کی ذات پر اس کا کتنا اثر ہو گا۔ سورج گرہن کے وقت نبی کریم ﷺ کا معمول تھا کہ نماز پڑھاتے اور نماز پڑھنے کی تاکید فرماتے تھے۔ چناں چہ بخاری کی روایت ہے حضرت ابو بکرہ فرماتے ہیں: فصلى بنا ركعتين حتى انجلتِ الشمسُ[1]. نبی کریم ﷺ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی، یہاں تک کہ سورج صاف ہو گیا۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ سورج اور چاند اللہ کی وحدانیت و قدرت کی دلیل اور قرب قیامت کی نشانیاں ہیں، جو اللہ کے حکم کے تحت ہیں۔ اس میں گرہن بھی اللہ کے حکم سے ہی لگتا ہے، کسی کی موت سے اس کا تعلق نہیں، تو اگر تم سورج یا چاند کو گرہن میں دیکھو؛ تو نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ اس حدیث میں نماز کا ذکر ہے۔ دوسری روایتوں میں اور دوسرے اعمال بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

---

(۱) صحيح البخاري: ۱۰۴۰.

علامہ ابن العربیؒ نے ان مواقع پر کرنے والے اعمال کی تعداد چھ بتائی ہے۔ اللہ کا ذکر، دعا، تکبیر، نماز، صدقہ اور غلام آزاد کرنا۔ علامہ عینیؒ نے ان تمام چھ اعمال کی روایتوں کو ذکر کیا ہے[1]۔

(۱۹۵) خادم مسجد کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ أَنَّ رَجُلًا أَسْوَدَ - أَوِ امْرَأَةً سَوْدَاءَ - كَانَ يَقُمُّ الْمَسْجِدَ، فَمَاتَ، فَسَأَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ فَقَالُوا: مَاتَ، قَالَ: «أَفَلَا كُنْتُمْ آذَنْتُمُونِي بِهِ؟ دُلُّونِي عَلَى قَبْرِهِ» أَوْ قَالَ: «قَبْرِهَا». فَأَتَى قَبْرَهُ فَصَلَّى عَلَيْهَا[2].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک حبشی مرد یا حبشی عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی، ان کا انتقال ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں معلوم کیا، تو لوگوں نے بتلایا کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے اس کی اطلاع مجھے کیوں نہیں دی؟ مجھے اس کی قبر بتلاؤ! چناں چہ آپ ﷺ کی قبر پر تشریف لے گئے اور نماز جنازہ پڑھی۔

فائدہ: حدیث شریف میں مسجد کی صفائی ستھرائی کرنے والے خادم کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ خادم کی فضیلت اس وجہ سے کہ جس جگہ اور مکان کی صفائی ہو رہی ہے، وہ بہت بابرکت گھر ہے۔ قرآن وحدیث میں اس گھر کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ﴾[3]. آیت کریمہ میں اللہ نے مسجد کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ یعنی مسجدیں اللہ کا گھر ہیں، جسے ایمان والے ہی آباد کرتے ہیں۔ تو جو اللہ کے گھر کی خدمت کرے گا، اللہ کے نزدیک اس کا درجہ بڑا ہوگا؛ اس لیے اس خدمت کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے؛ کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد نبوی کے خادم کو اتنی اہمیت دی کہ اس کی قبر پر پہنچ کر نماز جنازہ ادا کی۔

عام طور پر برصغیر میں مساجد کی صفائی و ستھرائی کرنے اور اذان دینے والوں کو کم تر اور حقیر

---

(۱) عمدة القاري: ۱۰۳/۷.

(۲) البخاري: ۴۵۸، الصلاة، باب كنس المسجد.

(۳) سورة التوبة: ۱۸.

سمجھا جاتا ہے، اکثر و بیشتر امام صاحب بھی نمازیوں اور کمیٹی والوں کے عتاب کا شکار ہوتے ہیں، بغیر کسی جرم کے لوگوں کی ڈانٹ ڈپٹ سنتے ہیں۔ اگر کوئی خود دار امام ہو؛ تو ایسے موقع سے ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے؛ جب کہ امامت کا درجہ سب سے بڑا ہے۔ نماز میں سب لوگ امام کی اقتدا کرتے ہیں؛ لیکن نماز کے باہر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ امام ہماری اقتدا کرے، جو بالکل غلط ہے۔ اس سلسلہ میں ہم انشاء اللہ آگے مستقل حدیث ذکر کریں گے۔

علامہ عینیؒ نے اس حدیث کے تحت کئی فائدے ذکر کیے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ابن بطالؒ نے فرمایا کہ اس حدیث میں مسجد کی صفائی ستھرائی کی ترغیب دی گئی ہے اور اس حدیث میں نیک لوگوں کی خدمت کی طرف بھی اشارہ ہے اور جو شخص اپنی ذات کو مسلمانوں اور ان کی مصلحتوں کے لیے وقف کردے، ان کے لیے دعا کرنے کا ثبوت بھی ہے۔ اسی طرح حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کے انتقال ہونے پر لوگوں کو اطلاع کرنا چاہیے[1]۔

(۱۹۶) بے جا حیا علم کے لیے مانع ہے

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ – أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِي الله عنها – أَنَّهَا قَالَتْ: جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ – امْرَأَةُ أَبِي طَلْحَةَ – إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ اللهَ لا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ، هَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا هِيَ احْتَلَمَتْ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «نَعَمْ، إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ»[2].

ترجمہ: ام المؤمنین ام سلمہؓ سے روایت ہے، کہ ابو طلحہؓ کی اہلیہ ام سلیمؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالی حق کے معاملہ میں حیا نہیں کرتا، کیا عورت پر بھی غسل ہے، جب اسے احتلام ہو جائے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں جب وہ پانی (منی) دیکھے۔

فائدہ: قدرے تغیر کے ساتھ امام بخاری نے یہی روایت "کتاب العلم، باب الحیاء فی العلم" میں ذکر کیا ہے۔ یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ انسانی زندگی میں تعلیم کی اہمیت اور اس کی ضرورت ایک

(۱) عمدة القاري: ٤/٣٤٤.

(٢) البخاري: ٢٨٢، الغسل، باب إذا احتلمت المرأة.

مسلم حقیقت ہے۔ اس کی تکمیل کے لیے ہر زمانے میں اہتمام کیا گیا ہے۔ لیکن مذہب اسلام نے تعلیم کی اہمیت پر جتنا زور دیا ہے، وہ دنیا کے کسی بھی نظام کسی بھی مذہب میں نہیں ہے۔ اسلام نے دنیا کے تمام انسانوں کو خواہ وہ کسی بھی رنگ و نسل کے ہوں، سب کو کتاب و حکمت کی تعلیم دینے اور لینے کی ہدایت دی ہے۔ اسلام نے علم سیکھنے کو فرض قرار دیا ہے۔ سب سے پہلا حکم جو اللہ پاک نے نازل فرمایا وہ علم کے ہی متعلق ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿ اقرأ باسم ربك الذي خلق ﴾: پڑھو (اے نبی) اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا [۱]۔ گویا پڑھنا علم کا عنوان اور اس کی چابی ہے۔ جب سب سے پہلی وحی پڑھنے سے متعلق ہے؛ تو علم کی اہمیت کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو گی؛ اس لیے علم حاصل کرنے کے جتنے وسائل ممکن ہو سکیں، ان کو استعمال کر کے علم حاصل کرنا چاہیے۔ اگر وسائل کو بروئے کار نہ لا کر علم حاصل کرنے میں سُستی، یا شرم کیا، حصول علم میں حیا مانع ہوئی، تو زندگی بھر جہالت کا کلنک لے کر جینا پڑے گا۔ آج کی اس حدیث شریف میں یہی بتایا گیا ہے کہ علم حاصل کرنے میں نہیں شرمانا چاہیے۔ مجاہدؒ کا قول امام بخاریؒ نے ذکر کیا ہے کہ حیا کرنے والا اور تکبر کرنے والا علم حاصل نہیں کر سکتا، یعنی حصول علم کی نیت سے علم کے سلسلہ میں سوال و جواب کرنے میں، حیا کرنا اچھا نہیں ہے [۲]۔ حدیث شریف سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت ام سلیمؓ نے علم حاصل کیا اور ایسا سوال پوچھا جس سے عام طور پر عورتیں کیا مرد بھی حیا کرتے ہیں۔ مگر حضرت ام سلیمؓ کو حصول علم میں حیا مانع نہ ہوئی۔

(۱۹۷) رشوت لینے دینے والے پر لعنت ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو ﷺ قَالَ: لَعَنَ ﷺ وَسَلَّمَ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ [۳].

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے اور رشوت دینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

---

(۱) العلق: ۱، تفهيم القرآن.

(۲) صحيح البخاري: ترجمة الباب، باب الحياء في العلم.

(۳) أبو داود: ۳۵۸۰، أول كتاب القضاء، كراهية الرشوة.

فائدہ: حدیث پاک میں رشوت جس کو بعض علاقوں میں گھونس بھی کہتے ہیں، اس کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ رشوت لینے والے اور دینے والے دونوں کے لیے سخت ترین وعید کا ذکر ہے۔

انسانوں کا رشتہ رشوت سے بہت پرانا ہے۔ رشوت نے نہ جانے کتنی قوموں کو ہلاک و برباد کیا۔ قرآن کریم نے تو خاص طور سے ذکر کیا ہے کہ یہ یہود بے بہبود کی خصلت تھی کہ وہ رشوت لے کر اللہ کے احکام کو چھپاتے تھے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ ﴾: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو لوگ اللہ تعالی کی بھیجی ہوئی کتاب (کے مضامین) کا اخفا کرتے ہیں اور اس کے معاوضہ میں (دنیا کا) متاع قلیل وصول کرتے ہیں، ایسے لوگ اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں[1]۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں: یعنی اللہ کی نافرمانی اور خلق خدا کی گمراہی پر بس نہیں کیا؛ بل کہ اس حق پوشی کے عوض میں جن کو گمراہ کرتے تھے، ان سے الٹا رشوت میں مال بھی لیتے تھے، جس کا نام ہدیہ، نذرانہ اور شکرانہ رکھ چھوڑا تھا۔ حالاں کہ یہ حرام خوری مردار اور خنزیر کے کھانے سے بھی بدتر ہے[2]۔

پھر اسی آیت میں آگے رشوت لینے کا عذاب بھی ذکر کیا گیا ہے کہ گناہ سنگین اور خطرناک ہے؛ اس لیے عذاب بھی شدید اور دردناک ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ ترجمہ: اور اللہ تعالی ان سے نہ تو قیامت میں (لطف کے ساتھ) کلام کریں گے اور نہ (گناہ معاف کر کے) ان کی صفائی کریں گے، اور ان کو سزائے دردناک ہوگی۔

حدیث شریف میں بھی یہی بتایا گیا ہے کہ رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں ملعون ہے اور ملعون عذاب کا مستحق تو ہوتا ہی ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح حق کے

---

(۱) البقرة: ۱۷۴، بیان القرآن۔ (۲) (تفسیر عثمانی)۔

خلاف فیصلہ کرانے کے لیے رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں ملعون ہے، اسی طرح حق کی موافقت کے لیے بھی رشوت لینا اور دینا حرام ہے۔ اور امام ترمذیؒ نے "باب ما جاء فی هدايا الأمراء" کے متصلاً بعد اس حدیث کو ذکر کر کے، یہ اشارہ کر دیا کہ مال دار کے ہدیے اور دعوت وغیرہ بھی اسی قبیل سے ہو سکتے ہیں(۱)۔ ملا علی قاریؒ نے رشوت لینے کو تو کسی بھی صورت میں جائز نہیں کیا ہے، البتہ فرماتے ہیں کہ رشوت صرف ایک صورت میں ہی دی جا سکتی ہے کہ رشوت دیے بغیر اپنا حق نہیں مل سکتا یا رشوت نہ دینے پر اپنے اوپر ظلم کا ڈر اور خوف ہے اور انسان مجبور ہے کہ دیے بغیر چھٹکارا نہیں ہے؛ تو دینے کی اجازت ہے(۲)۔

(۱۹۸) پھل ظاہر ہونے سے پہلے خرید وفروخت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتَّى يَزْهُوَ، وَعَنِ السُّنْبُلِ حَتَّى يَبْيَضَّ، وَيَأْمَنَ الْعَاهَةَ؛ نَهَى الْبَائِعَ، وَالْمُشْتَرِيَ(۳).

ترجمہ: حضرت عبید اللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجور کی بیع سے منع فرمایا، حتی کہ سرخ یا زرد ہو جائے اور بالی (بیچنے سے منع فرمایا) یہاں تک کہ سفید ہو جائے، اور آفت سے محفوظ ہو جائے، آپ ﷺ نے بیچنے والے اور خریدنے والے دونوں کو منع فرمایا ہے۔

فائدہ: آج کی یہ حدیث شریف خاص کر، ان تاجروں کے لیے ہے، جو سیزن میں پھل فروٹ اور اناج وغیرہ خرید وفروخت کے لیے باغوں اور کھیتوں میں جاتے ہیں۔ پھل یا اناج کے ظاہر ہوتے ہی، اس کو خرید لیتے ہیں۔ اس حدیث میں ایسی تجارت پر روشنی ڈالی جائے گی۔ وقت سے پہلے باغات میں پھلوں اور کھیتوں میں اناج بیچنے کے سلسلہ میں احادیث میں کثرت سے ممانعت آئی ہے۔ عام طور پر تجار حضرات پھلوں کو وقت سے قبل ہی خرید لیتے ہیں، جب کہ وہ استعمال کے لائق نہیں

---

(۱) الكوكب الدري: ۱/۳۸٦.
(۲) مرقاة المفاتيح: ۷/۲۹۵.
(۳) صحيح مسلم: ۱۵۳۵، كتاب البيوع.

ہوتا۔ اسی طرح اناج کھیت میں وقت سے پہلے خرید لیتے ہیں اور بیچنے والے بیچ دیتے ہیں۔ یہ ممنوع ہے، ایسی خرید وفروخت کی اجازت نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا منافع مجہول ہے۔ جس وقت تک پھل درخت پر تیار ہوگا۔ اس وقت تک آفات سے وہ بچے گا بھی یا نہیں، چونکہ ٹہنیاں کمزور ہونے کی وجہ سے اس کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہے۔ اسی طرح اناج کھیت میں پکے گا یا نہیں کہ وقت سے پہلے ہی خراب ہو جائے گا دھوپ کی شدت کی وجہ سے یا آندھی پتھر کی وجہ سے؛ تو اس میں مشتری یعنی خریدار کا نقصان ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ خریدی اور بیچی وہ چیز جاتی ہے جو قابل استعمال ہو۔ اناج کا ابھی دودھ بھی نہیں سوکھا خرید لیا اور پھلوں میں ابھی گٹھلی نہیں آئی کہ خرید لیا؛ تو یہ چیزیں ناقابل استعمال ہوئیں؛ اس لیے ان کے خریدنے بیچنے کو منع کیا گیا ہے۔ ان تمام صورتوں میں خرید و فروخت کرنا حرام ہے، صاحب مرقاۃ نے لکھا ہے کہ اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے[1]۔

جب کھجور زرد ہو جائے یا سرخ ہو جائے؛ تو اب وہ آفتوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور استعمال کے قابل ہو جاتا ہے اور یہی حکم تمام پھلوں کا ہے۔ اسی طرح اناج جب سفید ہو جاتا ہے، اس میں سختی اور شدت آجاتی ہے؛ تو آفات سے محفوظ ہو جاتا ہے، اب خرید وفروخت کرنے کی اجازت ہے۔ ناصری۔

(۱۹۹) مومن کا سارا معاملہ ہی خیر ہے

عَنْ صُهَيْبٍ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ»[2].

ترجمہ: حضرت صہیبؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: مومن کا بھی عجیب

(۱) مرقاة المفاتيح: ٦٤/٦.

(٢) صحيح مسلم: ٢٩٩٩، : الزهد والرقائق.

حال ہے، ہر حالت میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔ اور یہ مومن کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہے؛ اگر اس کو خوشی ملی اور شکر کیا، تو اس کے لیے خیر ہے اور اگر پریشانی پیش آئی اور صبر کیا؛ تو اس میں بھی اس کے لیے خیر ہے۔

فائدہ: حضرت صہیبؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تعجب ہے ایمان والوں کے حالات پر کہ آئندہ کے اعتبار سے اس کے سارے معاملات میں خیر ہی خیر ہے، گرچہ فوری طور پر بعض امور میں ظاہری پریشانی ہے، لیکن نتیجہ کے اعتبار سے خیر ہے۔ یہ خصوصیت صرف مسلمانوں کے لیے ہے، دوسروں کے لیے نہیں ہے۔ اگر اس کو کوئی نعمت ملتی ہے، رزق میں کشادگی ہو جاتی ہے، یا عبادت کی توفیق مل جاتی ہے، تو وہ خوش ہوتا ہے اور اس خوشی پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ یہ شکر ادا کرنا اس کے لیے اچھا ہے، اس کی وجہ سے اللہ پاک مزید دیتا ہے۔ اور اگر فقر وفاقہ، یا مرض وغیرہ کی صورت میں کوئی پریشانی آتی ہے؛ تو وہ اس پر صبر کرتا ہے اور صبر کرنا اس کے لیے خیر اور بھلائی ہے؛ کیوں کہ اللہ پاک ہر وقت صابرین کی مدد کرتا رہتا ہے[1]۔

انسانی زندگی خوشی ومسرت، رنج وغم کے مجموعہ کا نام ہے۔ انسان کے حالات بھی یکساں نہیں رہتے ہیں، اس لیے اللہ پاک جس حال میں بھی رکھے صبر وشکر کو لازم پکڑ کر رہنا چاہیے۔ اللہ پاک قرآن عظیم الشان میں فرماتا ہے: ﴿ إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ﴾ ترجمہ: اگر تم کو زخم پہنچ جاوے تو اس قوم کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے، اور ہم ان ایام کو اُن لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہا کرتے ہیں[2]۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ آسانی، خوشحالی، خوشی ومسرت کا موقع ہو؛ تو الحمد للہ کہے۔ پریشانی، فاقہ، بیماری، رنج وغم کا موقع ہو؛ تو صبر کرتے ہوئے اللہ کی مشیت پر راضی

---

(۱) المرقاة: ۱۸۱/۹ (۲) آل عمران: ۱۴۰ بیان القرآن

رہے۔ اللہ پاک دونوں صورتوں میں ہم کو اپنے بے حساب عطا سے نوازے گا۔

(۲۰۰) موت کی تمنا نہ کرو

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ أَصَابَهُ، فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَلْيَقُلِ: اللَّهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي، وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي»[1].

ترجمہ: حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے کوئی کسی مصیبت کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے۔ اور اگر کہنا ضروری ہی ہو؛ تو یوں کہے، اے اللہ جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے، مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے موت بہتر ہو تو مجھے موت دیدے"۔

فائدہ: زندگی اللہ پاک کی ایک عظیم نعمت ہے؛ اس لیے اس پر جو حالات بھی آئیں، ایک مسلمان کے لیے اس میں خیر ہی خیر ہے، جس کی تفصیل ابھی گزری۔ انسانی زندگی پر وسعت و تنگی، خوش حالی و بدحالی اور خوشی و غم کے حالات آتے رہتے ہیں؛ اس لیے ہر حال میں صبر کرنا چاہیے۔ بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے، اگر وہ نیک ہے، تو ممکن ہے کہ نیکی میں اور بڑھ جائے، اور اگر برا ہے تو ممکن ہے کہ اس سے توبہ کرلے[2]۔

اوپر کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مالی مشکلات یا جسمانی تکلیفوں کی وجہ سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے؛ کیوں کہ موت کی تمنا کرنا، مصیبتوں پر صبر نہ کرنے اور راضی بہ رضا نہ رہنے کی علامت ہے۔ ہاں اگر بہت ہی زیادہ مجبور ہے اور اس کی نظر میں مجبوری سے چھٹکارے کا واحد علاج موت میں نظر آرہا ہے، موت کے بغیر اس کو کوئی چارہ کار نظر نہیں آرہا ہے؛ تو صرف موت کی دعا نہ کرے اور مطلق موت نہ مانگے؛ بل کہ اس میں اطاعت و خیر کی شرط لگا کر معاملہ اللہ کے سپرد کردے۔ اپنے آپ کو، اپنی موت و حیات کو اللہ کے حوالہ کردے۔ اور اس طرح دعا کرے، جو اوپر

---

(۱) البخاري: ۵۶۷۱، المرضى، نهي المريض الموت.

(۲) البخاري: ۷۲۳۵، التمني، ما يكره من التمني.

حدیث میں گزری: کہ اے اللہ جب تک زندگی میرے لیے موت سے اچھی ہے، مجھے اس طور پر زندہ رکھ کہ آپ کی طاعت ورضامندی میری معصیت پر غالب رہے اور یہ ایام فتنوں اور پریشانیوں سے خالی رہیں، اور اگر میرے لیے زندگی سے بہتر موت ہے؛ تو موت دے دے۔ اگر تو جانتا ہے کہ معاصی کا غلبہ رہے گا، یا فتنہ کا دور رہے گا، تو موت دیدے[۱]۔

نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر دینی اعتبار سے فتنے میں مبتلا ہونے کا خطرہ اور خوف ہو، تو موت کی تمنا کی جاسکتی ہے۔ بعض سلف نے ایسا کیا ہے، یہ صورت اس حدیث میں داخل نہیں ہے، (اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ میں بھی موت کی تمنا کرنا مندوب ہے) کوئی شخص اگر مرض وفاقہ یا کسی اور دنیوی مشقت کی وجہ سے، موت کی تمنا کررہا ہے تو یہ ممنوع ہے۔ اور یہی بات حضرت شیخ زکریاؒ نے ابن حجر عسقلانی کے حوالہ سے لکھی ہے[۲]۔

(۲۰۱) خودکشی کی سزا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَهُوَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ، يَتَرَدَّى فِيهِ، خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، وَمَنْ تَحَسَّى سَمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَسَمُّهُ فِي يَدِهِ، يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ، خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ، فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ، يَجَأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ، خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا»[۳].

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے پہاڑ سے اپنے آپ کو گرا کر خودکشی کرلی، وہ جہنم کی آگ میں ہوگا اور اس میں ہمیشہ پڑا رہے گا، اور جس نے زہر پی کر خودکشی کرلی، وہ زہر اس کے ساتھ میں ہوگا اور جہنم کی آگ میں وہ اسے اسی طرح ہمیشہ پیتا رہے گا، اور جس نے لوہے کے کسی ہتھیار سے خودکشی کرلی، تو اس کا ہتھیار اس کے ساتھ میں ہوگا، اور جہنم کی آگ میں ہمیشہ کے لیے وہ اسے اپنے پیٹ میں مارتا رہے گا۔

---

(۱) مرقاة المفاتيح: ۵۹/۴.
(۲) شرح النووی: ۹/۱۷ – الابواب والتراجم: ۱۲۰/۶.
(۳) البخاري: ۵۷۷۸، الطب، شرب السم والدواء ۹۰.

فائدہ: اللہ پاک نے انسان کو پیدا کیا اور مختصر زندگی دیکر بھیجا ہے، یہ زندگی بڑی عظیم نعمت ہے۔ اسی نعمت سے دنیا کی ساری نعمتیں جڑی ہوئی ہیں۔ اگر زندگی ہے، تو تمام نعمتیں کام کی ہیں، اگر زندگی نہیں؛ توان نعمتوں کا کیا فائدہ؛ اس لیے زندگی کو نعمت سمجھ کر گزارا جائے۔ اس کے گزارنے کے آداب سیکھے۔ پھر ان آداب کی رعایت کرتے ہوئے زندگی گزارے۔

دنیا میں انسان کو طرح طرح کی مشکلات بھی پیش آئیں گی؛ لیکن وہ دائمی نہیں ہوں گی۔ جب زندگی ہی دائمی نہیں ہے؛ تو زندگی میں پیش آنے والے حادثات و معاملات بھی دائمی نہیں ہیں؛ اس لیے اس سے گھبرانا نہیں ہے، بل کہ اس کا مقابلہ کرنا ہے۔ نہ تو موت کی دعا اور تمنا کرنا ہے، اور نہ ہی خودکشی جیسی قبیح موت کو گلے لگا کر اپنی زندگی ختم کرنی ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا کام کرتا ہے کہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو موت کے گھاٹ اتارتا ہے؛ تو وہ بڑا بدنصیب اور بدبخت ہے۔

اِس حدیث شریف میں خودکشی کرنے والے کے لیے دردناک اور سخت وعید آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرادیا جو اس کی موت کا سبب بنا، یعنی خودکشی کی نیت سے پہاڑ سے کود کر مرگیا، تو وہ شخص جہنم میں ایسے ہی گرتا چلا جائے گا، یعنی ایک لمبی مدت تک گرتا رہے گا ۔ یہی حکم زہر کھا کر مرنے، اور دھار دار چیز سے اپنے آپ کو قتل کرنے کا بھی ہے کہ جہنم میں بھی وہ اس عمل کو کرتا ہی رہے گا۔ اور اگر خودکشی کو جائز اور حلال سمجھ کر کیا تو پھر (کفر کی وجہ سے) وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہے گا[1]۔

(۲۰۲) عجوہ کھجور کی فضیلت

عَنْ سَعْدِ بنِ أَبِي وَقَّاصٍ ﷺ يقولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَنِ اصْطَبَحَ بِسَبْعِ تَمَرَاتِ عَجْوَةٍ، لَمْ يَضُرَّهُ ذَلِكَ الْيَوْمَ سَمٌّ وَلَا سِحْرٌ»[2].

(۱) مرقاة المفاتيح: ۱۱/۷.

(۲) البخاري: ۵۷۷۹، الطب، شرب السُّمِّ والدواء ۹.

ترجمہ: حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرمارہے تھے: جو شخص صبح کے وقت سات عدد عجوہ کھجوریں کھالے، اس کو اس دن نہ زہر نقصان پہنچا سکتا ہے نہ جادو۔

فائدہ: حدیث شریف میں عجوہ کھجور کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی چیزیں بنائی ہیں، انسان کے لیے نعمت ہی ہیں۔ کوئی چیز فائدے سے خالی نہیں، چاہے وہ زہریلا جانور سانپ بچھو ہی کیوں نہ ہو؛ لیکن سب کے فوائد اور خاصیتیں الگ الگ ہیں۔

کھجور اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اس میں عجوہ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ عجوہ نبی کریم ﷺ کی محبوب ترین کھجوروں میں سے ہے۔ مدینہ منورہ — زادها الله شرفًا وكرامةً — کی عمدہ ترین اور لذیذ ترین کھجور ہے، اسی لیے اس کی قیمت بھی دیگر کھجوروں کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ عجوہ جنت کا کھجور ہے، اور اس میں زہر سے شفا ہے[1]۔ مطلب یہ ہے کہ عجوہ صرف نام اور شکل وصورت میں جنت کے عجوہ کے مشابہ ہے، کیوں کہ جنتی کھجور کا مزہ اور لذت تو اور ہی ہوگا جو صرف اہل جنت کو ہی پتہ ہوگا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عجوہ کا درخت حقیقت میں جنت سے ہی آیا ہو۔

ملا علی قاریؒ نے علامہ نوویؒ کا قول ذکر کیا ہے کہ حدیث شریف میں مدینہ طیبہ کے عجوہ کھجور کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح صبح خالی پیٹ میں سات عدد کھجور کھانے کی فضیلت کا بھی ذکر ہے۔ سات کے عدد میں شارع کی کیا حکمت ہے، ہمیں نہیں معلوم۔ صرف اس پر ایمان لانا اور اس کی فضیلت پر اعتقاد رکھنا واجب ہے؛ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ شارع نے نماز کی رکعات کی تعداد اور زکاۃ کی مقدار متعین کی ہے، جس کی حکمت نہیں معلوم ہے، بس ایمان لاکر عمل کرنا ہے[2]۔

(۲۰۳) دنیا کے معاملے میں نیچے والوں کو دیکھو

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى

(۱) الترمذي: ۲۰٦٦، أبواب الطب.

(۲) المرقاة: ۱۰٤/۸.

مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ».

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایسے شخص کو دیکھے جو مال اور صورت میں اس سے بڑھ کر ہے؛ تو اسے ایسے شخص کا دھیان کرنا چاہیے جو اس سے کم درجہ کا ہے۔

فائدہ: اللہ پاک نے انسانوں کو پیدا کیا تو سب کا رنگ و نسل ایک نہیں رکھا۔ انسانوں کے لیے ضروریات کی چیزیں بنائی تو سب کو یکساں طور پر نہیں دیا۔ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ رحم مادر میں ہی اللہ پاک ایک فرشتہ بھیج کر انسان کی تقدیر لکھوا دیتا ہے۔ تو اب ہونا تو یہ چاہیے کہ انسان ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرے؛ لیکن ایسا نہیں ہے؛ کیوں کہ انسان حریص ہے، جہاں اپنے سے اچھی کوئی چیز دیکھی فوراً اس کی حرص جاگ جاتی ہے؛ اس لیے نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں حرص کا علاج بتایا ہے کہ اس طرح کرنے سے اللہ کا شکر بھی ادا ہو جائے گا اور ایک خطرناک بیماری کا علاج بھی ہو جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی ایسے آدمی پر نظر پڑ گئی جو شکل و صورت کے اعتبار سے اس سے زیادہ حسین ہے، یا مال و جاہ اور اولاد میں اس سے بڑھا ہوا ہے، یا کسی بھی اعتبار سے وہ آگے ہے، مثلاً دنیوی زندگی کے عیش و آرائش میں بڑھا ہوا ہے؛ تو اس کو اس پر غمگیں نہیں ہونا چاہیے۔ یہ ساری چیزیں اللہ کی ہیں، اللہ نے جس کو چاہا، جتنا چاہا دیا، اس سے کفران نعمت اور اللہ کے فیصلہ پر اعتراض لازم آتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کو چاہیے کہ وہ ایسے شخص کو دیکھے جو درجہ میں اس سے کم تر ہے؛ تاکہ اس کی کو برداشت کرنا اس کے لیے آسان ہو جائے۔ مزید یہ کہ اللہ پاک کی عطا کردہ موجودہ نعمتوں پر خوش ہو کر اس کا شکر ادا کرے۔ لیکن یہ حکم دنیاوی معاملات کے لیے ہے۔ اگر معاملہ دین و آخرت سے متعلق ہے کہ علم و عمل میں کوئی بڑھا ہوا ہے؛ تو اپنے سے اوپر والوں کو دیکھے، تاکہ فضائل کے حصول میں رغبت اور شوق میں زیادتی ہو[1]۔

---

(۱) عمدة القاري: ۱۱۹/۲۳.

ملا علی قاریؒ نے ایک بات اور کہی ہے کہ اگر اس سے نیچے درجہ کا کوئی موجود نہ ہو تو اس پر بھی اپنے رب کا شکر ادا کرے کہ اللہ نے تھوڑی چیزوں میں مشغول کر کے، دنیا کے جھمیلوں میں مبتلا نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ شبلیؒ جب کسی دنیادار کو دیکھتے تو کہتے: اے اللہ میں تجھ سے دنیا و آخرت میں مغفرت اور عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ امام غزالی سے ان کے کسی شاگرد نے۔ جب اس کو مارا پیٹا گیا تو۔ شکایت کی تو آپ نے فرمایا: شکر ادا کرو؛ اس لیے کہ مصیبتیں اس سے بڑی بھی ہوتی ہیں[1]۔

(۲۰۴) حقیقی بادشاہ اللہ کی ذات ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «يَقْبِضُ اللهُ الأَرْضَ وَيَطْوِي السَّمَاءَ بِيَمِينِهِ، ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا الْمَلِكُ، أَيْنَ مُلُوكُ الأَرْضِ»[2]؟

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں لے لے گا، اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ سے لپیٹ دے گا، پھر فرمائے گا: میں ہوں بادشاہ، آج زمین کے بادشاہ کہاں گئے؟

فائدہ: حدیث شریف میں دو باتوں کا ذکر ہے۔ پہلی بات کہ قیامت کے وقوع میں شک نہیں، آکر رہے گی، دوسری بات یہ کہ اللہ پاک قادر مطلق ہے، جب چاہے دنیا کو فنا کر سکتا ہے۔

روئے زمین پر نہ تو انسان دائمی زندگی لے کر آیا ہے، اور نہ ہی انسان کی ضروریات کی چیزوں کو اللہ پاک نے دوام بخشا ہے۔ تو جب انسان کے اندر دوام نہیں، تو جس زمان و مکان میں انسان زندگی گزارتا ہے اس میں دوام کیسے ہو سکتا ہے۔ ایک نہ ایک دن ساری کائنات کو فنا ہونا ہے۔ یہ زمین و آسمان نیست و نابود ہو جائیں گے۔ مالک الملک اپنی قدرت سے ایک لمحہ میں پوری کائنات کو ختم کر دے گا۔ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ

---

(۱) مرقاة المفاتيح: ۹/۱۲۹

(۲) البخاري: ۶۵۱۹، الرقاق، يقبض الله ... القيامة.

مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ :ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ کی جیسا کہ اس کے قدر کرنے کا حق ہے۔(اس کی قدرت کاملہ کا حال تو یہ ہے کہ) قیامت کے روز پوری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی، اور آسمان اس کے دست راست میں لپٹے ہوئے ہونگے۔ پاک اور بالاتر ہے وہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں[1]۔

علامہ عینیؒ نے حدیث کا مفہوم بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ پاک زمین و آسمان سب کو فنا کردے گا۔ یہی مطلب ہے زمین کو مٹھی میں لینے اور آسمان کو لپیٹنے کا اور پھر اللہ پاک فرمائے گا کہ میں ہوں بادشاہ، کہاں ہیں وہ لوگ جو زمین پر بادشاہی کا دعوی کرتے تھے؟ پھر رب کائنات کا دربار سجے گا، حشر برپا ہوگا۔اور ایک روایت میں ہے کہ جب صور پھونک دیا جائے گا اور اللہ کی ذات کے سوا کوئی نہیں بچے گا؛ تو اللہ پوچھے گا، میں جبار ہوں، آج کس کی بادشاہت ہے؟ تو کوئی بھی جواب نہیں دے گا، پھر اللہ ہی فرمائے گا: اللہ واحد کی بادشاہت ہے، جو قہار ہے[2]۔

(۲۰۵) واقعہ معراج

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضيَ اللهُ عنهُ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَمَّا عُرِجَ بِي رَأَيْتُ إِدْرِيسَ فِي السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ»[3].

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب مجھے معراج کرائی گئی؛ تو میں نے ادریس کو چوتھے آسمان پر دیکھا"۔

فائدہ: حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ کے معراج کا ذکر ہے، معراج کا واقعہ تو ہم اگلی حدیث میں ذکر کریں گے، انشاء اللہ۔ یہاں معراج کے سلسلہ میں دوسری باتیں عرض کی جارہی ہیں۔ وہ یہ ہے کہ "اسرا" اور "معراج" دو الگ الگ چیزیں ہیں؛ لیکن سفر ایک ہی ہے۔ان دونوں کا ثبوت

---

(۱) الزمر: ٦٧، تفهيم القرآن.
(۲) عمدة القاري: ۱۵۲/۲۳.
(۳) الترمذي: ۳۱۵۷، تفسير القرآن، باب ومن سورة مريم.

قرآن و حدیث سے ہے؛ اس لیے دونوں میں سے کسی کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ سورہ کی ابتدا ہی اِس سفر کے واقعہ سے ہوئی ہے۔ قرآن عظیم الشان میں اللہ فرماتا ہے: ﴿ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾: وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندہ (محمد ﷺ) کو شب کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصی تک جس کے گردا گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا، تاکہ ہم ان کو اپنے کچھ عجائبات قدرت دکھلاویں؛ بے شک اللہ تعالی بڑے سننے والے بڑے دیکھنے والے ہیں[1]۔

اللہ پاک نے اس میں سفر معراج کی ابتدا کا ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو مسجد حرام سے بیت المقدس تک کا سفر کرایا گیا، پھر وہاں سے آپ ﷺ حضرت جبریل کے ساتھ سدرۃ المنتہی، یعنی: آسمانوں کے سفر پر روانہ ہوئے۔ چنانچہ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى، عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى، عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَى ﴾: اور انھوں نے (پیغمبر ﷺ نے) اس فرشتہ کو ایک اور دفعہ بھی دیکھا ہے سدرۃ المنتہی کے پاس، اس کے قریب جنت الماوی ہے[2]۔ اِن آیات میں اللہ پاک نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام سفر معراج میں ساتھ تھے۔ نبی کریم ﷺ نے سدرۃ المنتہی کے پاس جبریل کو اپنی اصل صورت میں دیکھا۔ اس کے علاوہ اور بھی بڑے بڑے دیگر عجائبات کا مشاہدہ کرایا گیا۔ ﴿ لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى ﴾[3] معلوم یہ ہوا کہ آپ ﷺ کو معراج ہوئی ہے۔

واقعہ معراج کے سلسلہ میں کوئی حتمی مہینہ یا تاریخ مذکور نہیں ہے۔ بس مشہور ہے کہ رجب کی ستائیسویں شب میں معراج ہوئی۔ لیکن علما نے لکھا ہے کہ اسی کو صحیح مان لینا درست نہیں ہے۔ معراج کے سلسلہ میں علما کے مختلف اقوال ہیں: مولانا صفی الرحمن صاحب مبارک پوریؒ نے چھ اقوال ذکر کیے ہیں: (۱) طبریؒ کے نزدیک جس سال نبوت ملی اسی سال معراج ہوئی۔ (۲) امام نووی اور

---

(۱) بنی إسرائيل: ۱ بيان القرآن.

(۲) النجم: ۱۳ - ۱۵ بيان القرآن.

(۳) النجم: ۱۸.

قرطبی کے نزدیک آپ کی نبوت ملنے کے پانچ سال بعد، یعنی جب آپ پینتالیس سال کے ہوئے، تب معراج ہوئی۔ (۳) نبوت ملنے کے دس سال بعد ۱۰ نبوی میں رجب کی ستائیسویں شب میں معراج ہوئی۔ (۴) ہجرت سے سولہ مہینہ پہلے یعنی رمضان ۱۲ نبوی میں۔ (۵) محرم الحرام ۱۳ نبوی میں معراج ہوئی۔ (۶) ربیع الاول ۱۳ نبوی میں معراج ہوئی۔ پھر انہوں نے پہلے تین اقوال کو جس میں رجب کی ستائیسویں شب بھی شامل ہے رد کر دیا ہے۔ آخر کے تین اقوال کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کوئی ایسی دلیل نہیں ہے کہ کسی ایک کو ترجیح دی جائے[1]۔

سیرۃ المصطفی میں مولانا ادریس کاندھلویؒ تحریر فرماتے ہیں: رہا یہ امر کہ کس مہینہ میں، معراج ہوئی تو اس میں اختلاف ہے۔ ربیع الاول، یا ربیع الاخر، یا رجب، یا شعبان، یا رمضان، یا شوال میں معراج ہوئی، یہ کل چھ اقوال ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ رجب کی ستائیسویں شب میں ہوئی[2]۔ خلاصہ یہ ہوا کہ معراج کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے؛ یہ مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے۔ لیکن چونکہ اس کی تاریخ میں بہت زیادہ اختلاف ہے؛ اس لیے کسی ایک رات کو مخصوص کرنا درست نہیں ہے۔ اور پھر یہ کہ اس کو خاص کر کے اس کے لیے خاص فضیلتیں ثابت کرنا اور اس کو اہتمام سے کرنا، یہ اچھا نہیں ہے۔ ہمیں واہیات سے بچنا چاہیے اور آپ ﷺ کے معراج کے سفر پر ایمان رکھنا چاہیے۔

(۲۰۶) معراج کی تفصیلات

عَنْ ابْنِ عبّاسٍ رضي الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قال: رَأَيْتُ لَيلَةَ أُسْرِيَ بِي مُوسَى رَجُلًا آدَمَ طُوَالًا جَعْدًا، كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ، وَرَأَيْتُ عِيسَى رَجُلًا مَرْبُوعًا مَرْبُوعَ الْخَلْقِ إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ، سَبِطَ الرَّأْسِ، وَرَأَيْتُ مَالِكًا خازِنَ النَّارِ وَالدَّجَّال فِي آيَاتٍ أَرَاهُنَّ اللهُ إِيَّاهُ، فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِن لِقَائِهِ[3].

(۱) الرحیق المختوم: ۱۳۵.
(۲) سیرۃ المصطفی: ۲۸۸/۱.
(۳) البخاري: ۳۲۳۹، بدء الخلق، إذا قال أحدكم آمين.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں: کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: شب معراج میں، میں نے موسی علیہ السلام کو دیکھا تھا، گندمی رنگ، قد لمبا اور بال گھنگریالے تھے، ایسے لگتے تھے جیسے قبیلہ شنوء کا کوئی شخص ہو۔ اور میں نے عیسی (علیہ السلام) کو بھی دیکھا تھا، درمیانہ قد، میانہ جسم، رنگ سرخی وسفیدی لیے ہوئے اور سر کے بال سیدھے تھے۔ اور میں نے جہنم کے داروغہ کو بھی دیکھا اور دجال کو بھی، من جملہ ان آیات کے جو اللہ نے مجھے دکھائی تھیں۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

۔ہم نے موسی علیہ السلام کو کتاب دی تھی۔ سو آپ ان کو ملنے میں کچھ بھی شک نہ کیجیے۔

فائدہ: گزشتہ حدیث میں معراج کے سلسلہ میں کچھ اہم باتیں گزریں ہیں، اب ایک لمبی حدیث ذکر کی جارہی ہے جس میں واقعہ معراج کی تفصیل ہے۔

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری یہ حدیث بیان کیا کرتے تھے: کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میرے گھر کی چھت کھولی گئی، میں اس وقت مکہ میں تھا، پس جبریل علیہ السلام اترے، اور انہوں نے میرا سینہ چاک کیا، پھر اُس کو آب زمزم سے دھویا، پھر وہ سونے کا ایک طشت لائے، جو حکمت وایمان سے بھرا ہوا تھا۔ اور جو کچھ اس طشت میں تھا وہ انہوں نے میرے سینہ میں انڈیل دیا، پھر سینہ برابر کر دیا۔

پھر حضرت جبریل نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لے کر آسمانِ دنیا کی طرف عروج کیا۔ جب میں قریب ترین آسمان تک پہنچا، تو جبریل علیہ السلام نے اس آسمان کے داروغہ سے کہا کھولو، اس نے پوچھا کون؟ کہا جبریل! اس نے پوچھا تمہارے ساتھ کوئی ہے؟ کہا: ہاں میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں۔ اس نے پوچھا کہ کیا ان کو معراج کے لیے بلایا گیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ چناں چہ جب اس نے دروازہ کھول دیا تو ہم آسمان دنیا پر آگئے۔ وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص بیٹھے ہوئے ہیں جن کی داہنی جانب بھی کچھ پرچھائیاں ہیں اور بائیں جانب بھی کچھ پرچھائیاں ہیں۔ جب وہ اپنی داہنی جانب دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور جب بائیں جانب دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے فرمایا: آؤ اچھے آئے ہو،

نیک نبی اور نیک بیٹے! میں نے جبریل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا، یہ آدم ہیں اور دائیں بائیں جو پرچھائیاں ہیں، یہ ان کی اولاد کی روحیں ہیں، جو دائیں طرف ہیں وہ اہل جنت اور جو بائیں طرف ہیں وہ جہنمی ہیں۔ جب وہ اپنی داہنی طرف دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور جب بائیں جانب دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔ اس کے بعد جبریل نے مجھے لیکر دوسرے آسمان کی طرف عروج کیا، اوراس کے داروغہ سے کہا: کھولو، اس نے بھی پہلے آسمان کے داروغہ کی طرح سوالات کیے، پھر دروازہ کھول دیا۔

حضرت انس ؓ نے فرمایا کہ حضرت ابوذر ؓ نے ذکر کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے مختلف آسمانوں میں حضرت آدم، حضرت ادریس، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہم الصلاۃ والسلام سے ملاقات کی۔ ابوذر ؓ نے ہر ایک کا ٹھکانہ نہیں بتایا۔ البتہ اتنا بیان کیا کہ حضور ﷺ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پہلے آسمان پر پایا۔ حضرت ابراہیم ؑ کو چھٹے آسمان پر۔ حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ جب جبریل علیہ السلام حضور ﷺ کو لے کر حضرت ادریس ؑ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے فرمایا: آؤ اچھے آئے ہو، صالح نبی اور صالح بھائی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جواب دیا کہ یہ ادریس ؑ ہیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے بھی نبی صالح اور صالح بھائی کہہ کر استقبال کیا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جبریل نے بتایا کہ موسیٰ ؑ ہیں۔ پھر میں عیسیٰ ؑ تک پہنچا، انہوں نے کہا آؤ اچھے آئے ہو، صالح نبی اور صالح بھائی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جبریل ؑ نے بتایا یہ عیسیٰ ؑ ہیں۔ پھر میں ابراہیم علیہ السلام تک پہنچا۔ انہوں نے بھی استقبال کیا اور کہا: آؤ اچھے آئے ہو، صالح نبی، صالح بیٹے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جواب دیا ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

پھر مجھے جبریل لے کر چڑھے، اب میں اس بلند مقام تک پہنچ گیا، جہاں میں نے قلم کی آواز سنی۔ بس اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس وقت کی نمازیں فرض کی، میں یہ حکم لے کر واپس لوٹا؛ جب موسیٰ تک پہنچا؛ تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کی امت پر اللہ نے کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا پچاس وقت

کی نمازیں ملی ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ واپس اپنے رب کی بارگاہ میں جائیے؛ کیوں کہ آپ کی امت اتنی نمازوں کو ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتی ہے۔ میں واپس چلا گیا، تو اللہ پاک نے اس میں سے ایک حصہ کم کر دیا۔ پھر موسی کے پاس آیا اور کہا کہ ایک حصہ کم کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے فرمایا دوبارہ جائیے، کیوں کہ آپ کی امت اس کی طاقت بھی نہیں رکھتی۔ پھر میں بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوا، پھر ایک حصہ کم ہوا۔ جب موسی کے پاس پہنچا؛ تو انہوں نے کہا: اپنے رب کی بارگاہ میں پھر جائیے؛ کیوں کہ آپ کی امت اس کو بھی برداشت نہیں کر سکے گی۔ پھر میں بار بار آیا گیا، بس اللہ نے فرمایا کہ نمازیں (عمل میں) پانچ ہیں، اور (ثواب میں) پچاس (کے برابر) ہیں، میرے نزدیک بات بدلی نہیں جاتی۔ پھر اس کے بعد موسی کی طرف آیا تو انہوں نے پھر کہا کہ اپنے رب کے پاس جائیے؛ لیکن میں نے کہا کہ مجھے اب اپنے رب سے شرم آتی ہے۔

پھر جبریل مجھے سدرۃ المنتہی تک لے گئے، جس کو کئی طرح کے رنگوں نے ڈھانک رکھا تھا۔ جن کے متعلق مجھے معلوم نہیں ہوا کہ وہ کیا ہیں۔ اس کے بعد مجھے جنت میں لے جایا گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس میں موتیوں کے ہار ہیں اور اس کی مٹی مشک کی ہے۔ (حدیث کا ترجمہ مکمل ہوا)

دوسری حدیثوں میں مکہ سے مسجد اقصی کے سفر کا اور معراج میں جہنم دیکھنے کا ذکر بھی ہے۔ جس کا ذکر آگے کسی حدیث میں آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

(۲۰۷) سب سے پہلے ناحق قتل کا فیصلہ

عَنْ عَبْدِ اللهِ ﷺ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ بِالدِّمَاءِ»[1].

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلا فیصلہ جو لوگوں کے درمیان ہوگا، وہ خون کے بارے میں ہوگا۔

---

(۱) البخاری. ۶۵۳۲، الرقاق، القصاص یوم القیامۃ.

فائدہ: اسلامی تعلیمات میں یہ بتایا گیا ہے کہ کسی کو ناحق قتل کرنا شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے۔ دین اسلام میں جتنی شدت اور تاکید کے ساتھ ناحق خون بہانے اور قتل وغارت گری کی مذمت بیان کی گئی ہے، آج اتنی ہی اس کی مخالفت ہو رہی ہے۔ معمولی معمولی باتوں پر قتل کے واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اب مقدس رشتوں کا بھی پاس ولحاظ نہیں کیا جاتا۔ بھائی بھائی، باپ بیٹا، شوہر بیوی، سب آپس میں دست وگریباں رہتے ہیں اور انجام کار ناحق قتل کا صدور ہوتا ہے۔ اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے! آمین!

اسلام نے تو اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار، دھار دار چیز، لوہے وغیرہ سے بھی اشارہ کرنے کو منع فرمایا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ: "تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے"[1]۔ اللہ پاک قرآن کریم میں فرماتا ہے: ﴿ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴾ ترجمہ: اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے؛ تو اس کی سزا جہنم ہے کہ ہمیشہ اس میں رہنا ہے۔ اور اس پر اللہ تعالی غضبناک ہوں گے، اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیں گے اور اس کے لیے بڑی سزا کا سامان کریں گے[2]۔

ایک روایت میں ہے کہ مقتول قیامت کے دن اپنے سر کو داہنے ہاتھ میں لیے ہوئے اور دوسرے ہاتھ سے قاتل کو پکڑے ہوئے لائے گا۔ اس کی گردن کی رگ سے خون نکل رہا ہوگا۔ اللہ کے عرش کے سامنے وہ کہے گا: اے میرے رب! اِس سے پوچھ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟[3]۔

اس حدیث شریف میں اسی قتل ناحق پر تنبیہ کی گئی ہے کہ دنیا میں جو خون خرابہ اور ناحق قتل وقتال ہو رہا ہے، اللہ پاک سب سے پہلے اسی کا فیصلہ فرمائے گا۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ جو معاملات حقوق العباد سے متعلق ہیں، ان معاملات میں سب سے پہلے قتل ناحق کا فیصلہ کیا جائے گا۔ جو معاملات

---

(۱) صحيح البخاري: ۷۰۷۲ كتاب الفتن.
(۲) النساء: ۹۳ بيان القرآن.
(۳) سنن النسائي: ۳۹۹۹، كتاب تحريم الدم.

حقوق اللہ سے متعلق ہیں، (نماز، روزہ، حج، زکاۃ، وغیرہ) یعنی: جو اللہ کا حق تھا اس کو ادا نہیں کیا، حق تلفی کی؛ تو اس میں سب سے پہلے نماز کی پوچھ ہوگی اور اس کا فیصلہ ہوگا[1]۔

(۲۰۸) زنا و چوری کے وقت آدمی مومن کامل نہیں رہتا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَسْرِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ»[2].

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "زانی جب زنا کرتا ہے، تو وہ مومن نہیں رہتا اور چور جب چوری کرتا ہے، تو وہ مومن نہیں رہتا"۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں دو گناہِ کبیرہ کا ذکر ہے۔ ایک: زنا کرنا کرانا اور دوسرا: چوری کرنا۔ شریعت نے دونوں کی سزائیں متعین کی ہیں۔ ہم ترتیب وار دونوں کو ذکر رہے ہیں۔

اللہ پاک نے مرد و عورت کے رشتہ میں ایک عمومی حرمت قائم کی ہے۔ مرد و عورت کے آزادانہ اور بے باکانہ جنسی میل ملاپ پر اللہ نے پابندی لگادی ہے۔ اس کے دو مقصد ہیں: پہلا مقصد یہ ہے کہ آزادانہ جنسی تعلق کے بجائے شریعت کے متعین کردہ اصول پر جنسی تعلق قائم کرکے، ایک مضبوط و صالح خاندانی نظام کو فروغ دیا جائے۔ دوسرا مقصد بندے کو آزمانا ہے کہ کون حق پرستی کا چاہنے والا ہے اور کون شہوت اور نفس پرستی کا دلدادہ ہے۔ اسی لیے آزادنہ میل ملاپ پر بہت سخت سزائیں شریعت نے متعین کی ہے۔ وہ یہ کہ زانی اور زانیہ اگر شادی شدہ ہے؛ تو سنگسار کرکے مار دیا جائے۔ اگر وہ غیر شادی شدہ ہیں؛ تو سو کوڑے لگائے جائیں۔ یہ تو دنیاوی سزائیں ہیں کہ اگر یہ سزا دے دی گئی اور گنہ گار نے توبہ کرلی؛ تو اب قیامت کے عذاب سے مامون ہوگیا۔ اگر سزا نہیں ملی اور توبہ بھی نہیں کیا؛ تو ایسے لوگوں کی سزا قرآن نے یوں بیان کیا ہے: وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا، يُضَاعَفْ

---

(۱) عمدة القاري: ۲۳/۱٦۸.

(۲) البخاري: ٦۷۸۲، المحدود السارق حين يسرق.

لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ﴾: اور جو شخص ایسا کام کرے گا؛ تو سزا سے اس کو سابقہ پڑے گا کہ قیامت کے روز اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا، اور وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ ذلیل ہو کر رہے گا[1]۔

دوسری چیز: سرقہ۔ جسے ہم چوری کہتے ہیں، اس کا سبب مال و دولت ہے۔ دولت کی حرص وہوس بابا آدم کے زمانے سے ہی انسانوں کی سَرِشت کا حصہ ہے۔ اس کے لیے انسان تمام قسم کے جائز وناجائز وسائل بروے کار لانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اس تگ ودو میں رہتا ہے کہ کیا وسائل اختیار کیے جائیں کہ دولت کا انبار لگ جائے۔ شاید اسی وجہ سے قرآن نے مال و دولت کو فتنہ قرار دیا ہے۔ اور بار بار کہا ہے، تاکہ انسان ان فتنوں سے بچ سکے، جو مال و دولت کی وجہ سے آتے ہیں۔ بسا اوقات حصول دولت کی ہوس انسان کو ایسے راستے پر ڈال دیتی ہے، جو قانون واَخلاقیات میں جرم شمار ہوتے ہیں۔ انھیں جرم میں سے ایک جرم چوری ہے۔ قرآن کریم نے اس کی سزا کا بھی اعلان کیا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، تاکہ دوسرے اس سزا کو دیکھ کر ایسی حرکت نہ کر سکیں۔ ارشاد ہے: ﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللهِ وَاللهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴾: اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، تاکہ ان کو اپنے کیے کا بدلہ ملے، اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہو۔ اور اللہ صاحب اقتدار بھی ہے، صاحب حکمت بھی[2]۔

یہ بات ہمیں سمجھنی چاہیے کہ سزا دینے کا کام عوام کا نہیں ہے؛ بل کہ حاکم وقت کا ہے، اسی لیے جہاں اسلامی حکومت ہے وہاں کم وبیش اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ یہ حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کہ معاملہ کی تحقیق کر کے، ان سزاؤں کو جاری کرے۔ یہ کام عوام کے سپرد نہیں کیا گیا ہے کہ خود سے فیصلہ کر کے سزا دے دے۔

---

(۱) الفرقان: ۶۸-۶۹، بیان القرآن۔

(۲) المائدۃ: ۳۸ آسان ترجمہ قرآن۔

حدیث شریف میں اِن ہی دونوں گناہوں کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ امت کو متنبہ کیا گیا ہے، تاکہ سزا کی نوبت ہی نہ آئے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ زانی اور زانیہ جب زنا کا ارتکاب کرتے ہیں، اسی طرح چور جب چوری کا ارتکاب کرتا ہے؛ توان دونوں گناہوں کے کرتے وقت وہ مومن نہیں رہتا[1]۔ ملا علی قاری ؒ نے فرمایا: مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص اللہ کے عذاب سے مامون نہیں رہتا، یا یہ کہ بندہ اللہ کا مطیع و فرماں بردار نہیں رہتا، یا یہ کہ گناہ کرتے وقت ایمان اس کے دل سے نکل جاتا ہے، اور اس کے سر کے اوپر سایہ کی مانند معلق ہو جاتا ہے۔ جب گناہ چھوڑ دیتا ہے، تو ایمان واپس آجاتا ہے[2]۔

(۲۰۹) انسان کے دو ساتھی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَا مِنْ بَنِي آدَمَ مَوْلُودٌ إِلَّا يَمَسُّهُ الشَّيْطَانُ حِينَ يُولَدُ، فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّيْطَانِ، غَيْرَ مَرْيَمَ وَابْنِهَا». ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ: ﴿ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴾[3].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے ہیں: "ہر انسان کی پیدائش کے وقت شیطان اس کو چھوتا ہے؛ تو بچہ شیطان کے چھونے سے زور سے چیختا ہے، سوائے مریمؑ اور ان کے لڑکے عیسیٰؑ کے" پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ (اس کی وجہ مریم علیہا السلام کی والدہ کی دعا ہے کہ اے اللہ!) میں اسے یعنی مریم اور اس کی اولاد کو شیطان رجیم سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں یہ بتایا گیا ہے کہ بچہ کی پیدائش کے وقت شیطان اس طرح چھوتا ہے کہ بچہ چیخ اٹھتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پیدائش کے وقت شیطان بچہ کے پہلو میں کچوکے لگاتا ہے[4]۔ دوسری روایت حضرت عبد اللہ ابن

---

(۱) عمدة القاري: ۱۳/۴۰.
(۲) مرقاة المفاتيح: ۱/۲۰۹.
(۳) البخاري: ۳۴۳۱، قول الله تعالى ... الكتاب مريم.
(۴) صحيح البخاري: ۳۲۸۶، كتاب بدء الخلق.

مسعودؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ تم میں سے کوئی آدمی ایسا نہیں ہے، جس کا ایک ساتھی جنوں میں سے اور ایک ساتھی فرشتوں میں سے مقرر نہ کیا گیا ہو۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں، میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہے؛ لیکن اللہ پاک نے مجھے اس کے خلاف مدد دے رکھی ہے؛ اور میں اس کے مکر وفریب اور ضلالت سے محفوظ ہوں، یہاں تک کہ وہ مجھ کو نیکی کا ہی حکم کرتا ہے، یعنی: میری رہنمائی کرتا ہے[1]۔

اللہ پاک نے حضرت مریم کے واقعہ کو یوں بیان کیا، فرمایا: ﴿ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴾[2]: (ان کی والدہ نے کہا) اور میں نے اس کا نام رکھا مریم، اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے[3]۔

اسی وجہ سے پیدائش کے بعد بچہ کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہنے کا حکم بھی ہے کہ اذان واقامت سن کر شیطان بھاگتا ہے۔

(۲۱۰) اسلام کا آغاز وانجام

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: « بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا، وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ »[4].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسلام کی ابتدا غربت سے ہوئی اور عنقریب اسلام پہلی حالت پر لوٹ آئیگا۔ جس طرح آغاز ہوا تھا؛ لہذا غربا کے لیے خوش

---

(۱) مسلم: ۲۸۱٤، صفة القيامة /باب تحريش الشيطان.
(۲) ترجمة شيخ الهند، آل عمران: ۳٦.
(۳) اسی لیے شریعت نے میاں بیوی کے ہم بستری کے وقت دعا پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ نبی کریم نے فرمایا کہ جب کوئی اپنی اہلیہ کے پاس آئے تو (ہم بستری سے فارغ ہو کر) یہ دعا پڑھے: بسم الله اللهم جنبنا الشيطان وجنب الشيطان ما رزقتنا: اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں، اے اللہ ہمیں شیطان سے بچا، اور شیطان کو اس چیز سے دور رکھ، جو تو ہمیں عطا فرمائے۔ پھر میاں بیوی کو جو اولاد ملے گی، اسے شیطان نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے۔ صحيح البخاري: ۱٤۱، كتاب الوضوء.
(٤) مسلم: ۱٤٥، الإيمان، بيان أن الإسلام بدأ غريبا.

خبری ہے۔

فائدہ: اسلام محبتوں اور قربانیوں سے پھیلا ہے۔ صحابہ کرام کی زندگی کا جو شخص مطالعہ کرے گا بے اختیار بول پڑے گا کہ انھوں نے راہ خدا میں کتنی مصیبتیں جھیلی ہیں، اور صرف جھیلی ہی نہیں؛ پوری خوش دلی اور جان کی بازی کے ساتھ اپنی پوری زندگی اس میں کھپاڈالیں۔ جو صحابہ کرام "السابقون الاولون" میں سے تھے، ان پر شب وروز کی قربانیوں اور مصیبتوں کے مکمل تیئس برس گزر گئے، مگر ان کے چہرے سے کبھی ان مصیبتوں کی کڑواہٹ نہیں دکھائی دی۔ ان ایمان لانے والوں میں کمزور لوگ تھے، جو اَفرادی اور مالی دونوں اعتبار سے کمزور تھے۔ جس کا ذکر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے شاہ روم ہِرَقل کے سوال کے جواب میں کیا ہے۔ حدیث شریف میں انھیں غربا کے لیے ایک بڑی خوش خبری ہے کہ جب نبی کریم نے نبوت کا دعوی کیا تھا، اور اسلام کا آغاز تھا؛ تو آپ کی دعوت پر لبیک کہنے والے، اسلام کے دامن میں سب سے پہلے پناہ لینے والے اور اسلام کی حفاظت کرنے والے غریب لوگ ہی تھے۔ جنھوں نے غربت کی مار بھی جھیلی، اسلام قبول کرنے کے بعد طرح طرح کی تکلیفیں بھی برداشت کیں اور جب اسلام کی مخالفت شروع ہوئی؛ تو مخالف کے سامنے سینہ سپر ہو کر ڈٹ گئے۔ اسی طرح آخری زمانہ میں بھی ہوگا کہ اسلام میں داخل ہونے والے اور اُس کی حفاظت کرنے والے، غربا ہی ہوں گے۔ اِس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح ابتداءِ اسلام میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی، اسی طرح آخری زمانہ میں بھی ان کی تعداد کم ہو جائے گی؛ جیساکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس طرح سانپ اپنے سوراخ کی طرف سمٹ جاتا ہے، ایمان بھی مدینہ منورہ کی طرف سمٹ کر آجائے گا[1]۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی شروعات بہت کم

---

(۱) صحیح البخاري: ۱۸۷٦۔

لوگوں سے ہوئی تھی۔ یعنی ابتدا میں بہت کم لوگ ایمان لائے، پھر رفتہ رفتہ اسلام پھیلا۔ اسی طرح آخر وقت میں اسلام جیسا تھا، اپنی حالت پر آجائے گا۔ یعنی بہت کم لوگ اسلام پر باقی رہیں گے [1]۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: غرباکے لیے خوش خبری ہے۔ یعنی ایسے مسلمانوں کے لیے خوش خبری ہے، جنھوں نے اسلام کے شروع زمانہ میں اپنے آپ کو آزمائش میں مبتلا کر کے، تکلیفوں پر صبر کیا اور اسلام کی ہر طرح مدد کی یا جو آئندہ زمانہ میں ایسا کریں گے، ان سب کو جنت کی خوش خبری ہے [2]۔

شعبان المعظم

(۲۱۱) ماہ شعبان کی فضیلت

عن أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رضي الله عنه قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! لَمْ أَرَكَ تَصُومُ شَهْرًا مِنَ الشُّهُورِ مَا تَصُومُ مِنْ شَعْبَانَ. قَالَ: « ذَلِكَ شَهْرٌ يَغْفُلُ النَّاسُ عَنْهُ بَيْنَ رَجَبٍ وَرَمَضَانَ، وَهُوَ شَهْرٌ تُرْفَعُ فِيهِ الْأَعْمَالُ إِلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ، فَأُحِبُّ أَنْ يُرْفَعَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ »[3].

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے آپ کو شعبان کے علاوہ کسی مہینے میں اس طرح روزہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ وہ مہینہ ہے کہ جس سے لوگ غافل ہیں، رجب اور رمضان کے درمیان یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس میں بندوں کے اعمال اللہ ﷻ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں؛ چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل پیش ہو تو میں روزے سے ہوں۔

فائدہ: اسلام اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔ اِس اصول کے مد نظر نفلی عبادتیں بھی اتنی ہی محمود ہیں، جن کے ساتھ آدمی اپنے جسم وجان، عزیز واقارب اور ماتحتوں کے حقوق ادا کر سکے۔ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نفلی روزوں کے سلسلہ میں آپ ﷺ کا کوئی

(۱) المنهاج شرح صحيح مسلم: ۱۵۳/۲.
(۲) مرقاة المفاتيح: ۳۶۲/۱.
(۳) النسائي: ۲۳۵۷، الصيام، صوم النبي بأبي هو وأمي.

متعین معمول نہیں تھا۔ ماہ شعبان کے روزے کثرت سے رکھتے تھے؛ بل کہ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ پورے مہینہ روزہ رکھتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ شعبان کے اکثر ایام آپ ﷺ روزہ رکھتے تھے(۱)۔

(۲۱۲) روزہ اور ملکوتی صفت

عنْ عَائِشَةَ ﷺ قَالَتْ: لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ يَصُومُ شَهْرًا أَكْثَرَ مِنْ شَعْبَانَ؛ فَإِنَّهُ كَانَ يَصُومُ شَعْبَانَ كُلَّهُ، وَكَانَ يَقُولُ: «خُذُوا مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِيقُونَ؛ فَإِنَّ اللهَ لَا يَمَلُّ حَتَّى تَمَلُّوا». (۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں روزہ نہیں رکھتے تھے۔ آپ ﷺ پورے شعبان روزہ رکھتے تھے اور فرماتے تھے: "اتنا ہی عمل اختیار کرو، جتنے کی تم طاقت رکھتے ہو؛ اس لیے کہ اللہ پاک نہیں تھکے گا، یہاں تک کہ تم ہی تھک جاؤ گے"۔

فائدہ: انسان میں دو صفتیں پائی جاتی ہیں: ایک صفتِ ملکیت، دوسری صفتِ حیوانیت۔ انسان کی ترقی جب پہلی صفت میں ہوتی ہے؛ تو وہ فرشتوں کے مقام کو پہنچ جاتا ہے؛ بل کہ آگے بڑھ جاتا ہے۔ جب انسان دوسری صفت (حیوانیت) کو اختیار کرتا ہے؛ تو حیوانوں کے مشابہ ہو جاتا ہے؛ بل کہ اس سے بھی گر جاتا ہے۔ انسانیت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ پہلی صفت میں ترقی کرے اور اس کے لیے کوشش کرے۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ ترقی کی راہ ڈھونڈتا ہے؛ لیکن ترقی خواہ مادی ہو یا روحانی، محنت سے حاصل ہوتی ہے۔ فرض عبادات تو انسان کی روحانیت کے لیے کافی ہے؛ لیکن اس روحانیت کو اعلی درجہ پر پہنچانے کے لیے انسانوں کو نفلی عبادت اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، اور اسی کی ایک کڑی روزہ ہے۔ روزے کی وجہ سے روحانیت میں ترقی ہوتی ہے اور قوت حیوانیہ و شہوانیہ کا زور ٹوٹتا ہے؛ اسی لیے نبی کریم ﷺ کثرت سے نفلی روزے رکھا کرتے تھے۔ اور صحابہ کرامؓ کو ان کی ترغیب بھی دیا کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر چیز کی زکاۃ ہے، اور جسم کی

---

(۱) جیسا کہ حدیث نمبر: ۲۱۲ میں آرہا ہے۔ انھیں روزوں میں سے ایک روزہ جو عوام و خواص میں مشہور و مقبول ہے، وہ ہے پندرہویں شعبان کا روزہ۔ جس کا ذکر ان شاءاللہ حدیث نمبر: ۲۲۴ میں آئیگا۔

(۲) البخاري: ۱۹۷۰، الصوم، باب صوم شعبان.

حدیث الیوم
زکاۃ روزے رکھنا ہے[۱]۔ احادیث نبویہ کی روشنی میں، سالانہ نفلی روزوں کی کل تعداد ایک سو اکتالیس

ہے۔

حدیث شریف میں بیان کیا گیا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ شعبان سے زیادہ کسی مہینہ میں بھی آپ ﷺ روزے نہیں رکھتے تھے۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ روزے کا اہتمام ماہ شعبان میں کیا کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان اللہ کا مہینہ ہے[۲]۔

(۲۱۳) بے جا سوال وجواب ہلاکت کا سبب ہے

عن أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ يُحَدِّثُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوهُ، وَمَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ فَافْعَلُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ؛ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَثْرَةُ مَسَائِلِهِمْ، وَاخْتِلَافُهُمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ»[۳].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: آپ ﷺ فرماتے ہیں: جب میں تم کو کسی کام سے منع کروں؛ تو اس سے احتراز کرو اور جب کسی کام کے کرنے کا حکم کروں؛ تو طاقت کے مطابق اس پر عمل کرو؛ کیوں کہ تم سے پہلے لوگ زیادہ سوالات کرنے اور انبیاء سے اختلاف رکھنے کی وجہ سے ہلاک و برباد ہو گئے۔

فائدہ: اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرماں برداری کا نام شریعت اور اسلام ہے۔ قرآن و حدیث میں بار بار تاکید کی گئی ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت وفرماں برداری کرو، جو حکم کریں اس پر عمل کرو۔ جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔ قرآن عظیم الشان میں اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿ **وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ**

(۱) ابن ماجه برقم: ۱۷٤٥، الصيام، الصوم زكاة الجسد.
(۲) جمع الجوامع: ۱۳۳۱٥، عن عائشة رضي الله عنها.
(۳) مسلم: ۱۳۳۷، الفضائل، باب توقيره ﷺ.

:اور رسول ﷺ تم کو جو کچھ دیا کریں، وہ لے لیا کرو، اور جس چیز سے تم کو روکیں تم رک جایا کرو، اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے[1]۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔ ڈرتے رہو کہیں رسول ﷺ کی نافرمانی کی صورت میں، اللہ پاک کوئی سخت عذاب نہ مسلط کردے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: کہ آپ کا مقصد یہ ہے کہ زیادہ سوال نہیں کرو کہ انھیں سوالات کی وجہ سے اور سوالات کے جوابات ملنے کے بعد، اس پر عمل نہ کرنے اور انبیاء کی مخالفت کی وجہ سے پہلی امتیں ہلاک و برباد ہوگئیں۔ مثلاً: یہود نے حضرت موسیٰؑ سے سوالات پر سوالات کیے کہ ہم اللہ کو دیکھیں گے، من وسلویٰ پر صبر نہیں ہوتا دوسرا کھانا چاہیے، اسی طرح بچھڑا والے معاملے میں سوالات کی کثرت اور پھر ان کے جوابات ملنے پر عمل کرنے میں ٹال مٹول، یہ ان کی ہلاکت کا سبب بنا[2]۔

(۲۱۴) اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے فوائد

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺأَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «قَالَ اللهُ: أَنْفِقْ يَا ابْنَ آدَمَ، أُنْفِقْ عَلَيْكَ»[3].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے آدم کی اولاد! خرچ کرو، تمہارے اوپر خرچ کیا جائے گا۔

فائدہ: اسلام دین برحق ہے۔ اللہ پاک کا پسندیدہ دین ہے، اس دین کے علاوہ کسی اور دین کی اللہ کے یہاں کوئی حیثیت ووقعت نہیں؛ وہ اپنے ماننے والوں کی ہر طرح سے رہنمائی کرتا ہے۔ پیدائش سے لے کر موت تک کے تمام احکام اس میں موجود ہیں۔ وہ احکام خواہ واجبات کے قبیل سے ہوں یا نوافل کے قبیل سے، جانی و مالی ہر دو طرح کے احکام موجود ہیں۔ انھیں میں سے ایک حکم انفاق ہے، یعنی اللہ کے لیے اللہ کے راستے میں خرچ کرنا۔ شریعت میں انفاق فی سبیل اللہ کی بڑی اہمیت اور

---

(۱) الحشر: ۷، بیان القرآن.
(۲) المرقاة: ۴۲۱/۵.
(۳) البخاري: ۵۳۵۲، النفقات، فضل النفقة على الأهل.

فضیلت آئی ہے۔ قرآن وحدیث میں جگہ جگہ ایمان والوں کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ چناں چہ سورۂ بقرہ کے شروع میں ہی فلاح وکامیابی والے لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے، اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے والوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴾: (اور جو کچھ دیا ہے ہم نے ان کو، اس میں سے خرچ کرتے ہیں)۔ خرچ کرنے سے مراد صرف مال خرچ کرنا نہیں ہے؛ بل کہ اللہ نے جو بھی نعمتیں دی ہیں، ان کو اللہ کے لیے خرچ کرنا، مثلاً: اللہ نے علم کی نعمت ودولت عطا فرمائی ہے، تو اللہ کے لیے دوسروں کو سکھانا، مسائل بتانا، کپڑے دیے ہیں، تو اللہ کے لیے دوسروں کو پہنانا۔ غرض یہ کہ تمام نعمتوں میں سے اللہ کے لیے خرچ کرنا مراد ہے۔

ایک حدیث قدسی ہے، اللہ پاک فرماتا ہے: اے ابن آدم! دنیا میں جو فانی مال تمہارے پاس ہے، آخرت میں بلند درجات حاصل کرنے کے لیے اس کو خرچ کرو کہ دنیا کا مال فانی ہے، اور آخرت کی نعمتیں کبھی نہ ختم ہونے والی ہیں۔ جیسا کہ اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ﴾[1]: اور جو کچھ تمہارے پاس (دنیا میں) ہے، وہ ختم ہو جائے گا، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ دائم رہے گا۔ پھر باقی ودائم کو چھوڑ کر فانی وزائل کو پسند کرنا، کہاں کی عقل مندی ہے۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ جو نعمتیں میں نے تم کو دی ہیں، ان میں سے لوگوں کو دو تاکہ اس کی وجہ سے میں تم کو دنیا اور آخرت میں دوں[2]۔

(۲۱۵) اللہ کے لیے محبت کرنے والوں کا مقام

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: أَيْنَ الْمُتَحَابُّونَ بِجَلَالِي، الْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي، يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي»[3].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "اللہ پاک قیامت کے دن

(۱) النحل: ۹۶.
(۲) المرقاۃ: ۳۱۸/۴.
(۳) مسلم: ۲۵۶۶، البر والصلة، فضل الحب فی اللہ.

فرمائے گا کہاں ہیں وہ لوگ جو میری بزرگی کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ آج کے دن میں انھیں اپنا سایہ عطا کروں گا۔ اور آج کے دن میرے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہیں"۔

فائدہ: حدیث شریف میں اللہ کی خاطر، اس کی رضا کے لیے آپس میں جوڑ پیدا کرنے والے اور محبت کرنے والے کی فضیلت کا ذکر ہے۔ اور اس حدیث کے ذریعہ امت کو آپسی محبت اور بھائی چارہ بنانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ محبت و بھائی چارگی ایسی چیز ہے کہ جس کی انسان تو کیا حیوان کو بھی ضرورت ہے، وہ بھی ایسے لوگوں سے مانوس ہوتا ہے جو اس کے ساتھ اچھے سے پیش آتا ہو۔

اسلام میں اس محبت کی بہت اہمیت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جیسے ہی مدینہ پاک میں قدم رکھا، سب سے پہلا کام یہ کرایا کہ انصار و مہاجرین میں آپسی اخوت و بھائی چارگی، اور محبت و مودت کرائی، اور امت کو بھائی چارگی کا درس دیا۔ چناں چہ روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ کا مطلب یہ ہے کہ مہاجرین جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے، تو مہاجرین انصار کا بغیر کسی رشتہ کے وارث ہوتا تھا۔ اس اخوت کی بنا پر جو نبی کریم ﷺ نے ان کے درمیان بھائی بندی قائم کر دی تھی۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا(۱) ۔ اس اخوت و بھائی چارگی نے ایسی مثال قائم کی کہ آج تک دنیا اس کی نظیر نہیں پیش کر سکی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بہت کم مدت اور تھوڑی تعداد کے باوجود وہ کام کر دکھایا، جو بعد میں کثرت تعداد کے باوجود بھی کسی سے نہ ہو سکا۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے اللہ کے لیے دیا، اور اللہ ہی کے لیے منع کر دیا، اور اللہ کے لیے محبت اور نفرت کیا، اور اللہ کے لیے نکاح کیا، تو اس کا ایمان مکمل ہو گیا(۲)۔

حدیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ پاک قیامت کے دن لوگوں کی موجودگی میں، ایسے بندوں کو — جو آپسی محبت و اخوت سے زندگی گزارتے تھے — عزت افزائی کے لیے بلائے گا۔ فرمائے گا کہاں ہیں وہ

---

(۱) صحیح البخاری: ۲۲۹۲، کتاب الکفالۃ.
(۲) الترمذی: ۲۵۲۱، القیامۃ والرقائق والورع.

لوگ جو میری رضا و عظمت کے لیے ہر حال میں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ آج میں ان کو اپنی حفاظت کے سایہ میں جگہ دوں گا، آج میں ان کو میدان حشر کی گرمی سے بچاؤں گا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایسے لوگ عرش کے نیچے یاقوت کی کرسی پر بیٹھے ہوئے ہوں گے، اس دن اللہ کے سایہ کے علاوہ کوئی اور سایہ نہیں ہوگا[1]۔

(۲۱۶) اللہ کے نزدیک مصیبت زدہ کا مقام

عَنْ أَنَسٍ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا أَرَادَ اللهُ بِعَبْدِهِ الْخَيْرَ عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا، وَإِذَا أَرَادَ اللهُ بِعَبْدِهِ الشَّرَّ أَمْسَكَ عَنْهُ بِذَنْبِهِ حَتَّى يُوَافِيَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»[2].

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالی اپنے کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے، تو اس کو دنیا میں ہی جلدی سزا دے دیتا ہے۔ اور جب وہ اپنے بندے کے ساتھ شر کا ارادہ فرماتا ہے؛ تو گناہ کی وجہ سے اس کو سزا دینے سے رک جاتا ہے، یہاں تک کہ قیامت کے دن اس کو پوری سزا دیتا ہے۔

فائدہ: حدیث شریف میں دو اہم سبق دیے گئے ہیں: ایک تو یہ کہ دنیا و آخرت کی رسوائی سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان ایسا کام نہ کرے جو ذلت و رسوائی کا سبب بنے۔ دوسرا سبق یہ ہے کہ دنیا میں پیش آنے والی مصیبتوں اور پریشانیوں میں بھی خیر کا پہلو رہتا ہے کہ اس سے آخرت کی سزا کم یا ختم ہو جاتی ہے۔ ایسے بھی دنیا کی جو تکالیف ہیں، اللہ تعالی اپنے خاص الخاص بندے کو ہی اس میں مبتلا کرتا ہے۔ اللہ کے نزدیک انبیاء سے زیادہ محبوب اور خاص کون ہو سکتا ہے۔ لیکن جتنے انبیاء آئے سب پریشانیوں اور مصیبتوں میں گرفتار ہوئے۔ چنانچہ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! کون لوگ سب سے زیادہ مصیبتوں میں مبتلا ہوتے ہیں؟ تو

---

(۱) مرقاة: ۲۱۱/۹

(۲) الترمذي: ۲۳۹۶، الزهد، الصبر على البلاء.

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا کہ انبیاء، پھر جو ان کے قریب ہیں، پھر جو ان کے قریب ہیں۔ انسان اپنے دین کے اعتبار سے مصیبتوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ اگر پکا دیندار ہو تو پریشانیاں زیادہ اور سخت ہوتی ہیں۔ اور اگر دینی اعتبار سے کچھ کمزوری ہے؛ تو اسی اعتبار سے آزمائش آتی ہے[1]۔

ملا علی قاریؒ حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب اللہ پاک کسی بندے کے لیے خیر کا معاملہ فرماتا ہے، تو دنیا میں ہی اس کو آزمائش اور پریشانیوں میں مبتلا کر دیتا ہے؛ کیوں کہ آخرت کا عذاب بہت خطرناک اور دیرپا ہے۔ اور جب کسی بندے کے لیے شر کا فیصلہ فرمالیتا ہے، تو اس کو عذاب دینے سے رک جاتا ہے، جس کا وہ گناہوں کی وجہ سے مستحق تھا، یہاں تک کہ اس کو گناہ کی وجہ سے پورا پورا بدلہ قیامت کے دن دیا جائے گا۔ یعنی معاف نہیں ہوگا[2]۔

(۲۱۷) خواب میں حضور ﷺ کی زیارت

عن أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَسَيَرَانِي فِي الْيَقَظَةِ، وَلَا يَتَمَثَّلُ الشَّيْطَانُ بِي»[3].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: جس نے خواب میں مجھے دیکھا، تو عنقریب وہ مجھے بیداری میں دیکھے گا اور شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا ہے۔

فائدہ: ایک بار آقا ﷺ پر درود شریف پڑھ لیجیے! اللّٰھمّ صل علی محمّدٍ وعلی آله وصحبه وسلم تسلیمًا۔ حدیث شریف میں آپ ﷺ کو خواب میں دیکھنے کا ذکر ہے۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ضروری ہے کہ خواب میں نبی اکرم ﷺ کو اس شکل میں دیکھا جائے، جس شکل میں آپ ﷺ دنیا میں موجود رہے ہیں؛ کیوں کہ ممکن ہے کہ شیطان کسی بزرگ کی شکل بنا کر مغالطہ میں

---

(۱) الترمذي: ۲۳۹۸، الزهد، الصبر على البلاء.
(۲) المرقاة: ۳٦/٤.
(۳) البخاري: ٦٩٩۳، التعبير، من رآى النبي ، ا.

ڈال دے کہ وہ محمد ﷺ ہیں۔ جب کہ وہ صورت آپ ﷺ کی نہ ہو؛ بل کہ کسی اور کی ہو؛ کیوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا ہے۔ اِسی لیے اِس حدیث کے بعد محمد ابن سیرینؒ کا قول مذکور ہے کہ یہ اُس صورت میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کی ہی شکل میں دیکھا جائے۔ چناں چہ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت کی ہے، تو ابن عباسؓ نے پوچھا کہ تو نے جس کو دیکھا ہے، اس کا حلیہ بیان کر؛ تو اس آدمی نے کہا کہ حضرت حسن بن علیؓ سے شکل ملتی تھی۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تو نے صحیح خواب دیکھا ہے[1]۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا عنقریب وہ بیداری میں بھی میری زیارت کرے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے خواب میں آپ ﷺ کے زمانہ میں آپ کی زیارت کی، اور کسی وجہ سے ہجرت نہ کر سکا، یا ملاقات نہ ہو سکی؛ تو اللہ پاک اس کو ہجرت کرادے گا۔ اور شرف ملاقات سے نواز دے گا[2] ۔ گویا کہ حالت بیداری میں دیدار کی صورت آپ ﷺ کی حیات طیبہ تک تھی۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد، بیداری کی زیارت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس لیے اب صرف خواب کی زیارت ہی باقی ہے، دوسری کوئی زیارت نہیں ہوگی۔

اور میرے نزدیک اس جملہ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا، عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا۔ یعنی: اللہ پاک اس کو مدینہ میں قبر اطہر کی زیارت کرائے گا۔ اور وہ وہاں پر براہ راست درود و سلام پیش کرے گا۔ اور آپ ﷺ اس کا جواب مرحمت فرمائیں گے۔ یہ صورت بھی ملاقات اور زیارت کے ہی حکم میں ہے۔

---

(۱) فتح الباري: ۱۲/۴٦٤.
(۲) عمدة القاري، ۲٤/۲۰۳

(۲۱۸) فتنوں کی رات

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ ﷺ قَالَتْ: اسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقَالَ: «سُبْحَانَ اللهِ، مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتَنِ؟ وَمَاذَا فُتِحَ مِنَ الْخَزَائِنِ؟ أَيْقِظُوا صَوَاحِبَاتِ الْحُجَرِ، فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ»(۱).

ترجمہ: ام المومنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات نبی کریم ﷺ بیدار ہوئے اور فرمایا: "سبحان اللہ! آج رات کتنے فتنے اتارے گئے اور کتنے خزانوں کے دروازے کھولے گئے؛ حجرے والیوں کو بیدار کرو؛ بہت سی عورتیں دنیا میں کپڑے پہننے والی آخرت میں ننگی ہوں گی۔

فائدہ: حدیث شریف سے تین باتوں کا علم ہوا: پہلی بات، یہ کہ مال کی وجہ سے فتنوں کا ظہور ہوتا ہے، چنانچہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ﴾: (اور جان رکھو تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں سامان آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس اجر دینے کے لیے بہت کچھ ہے)(۲)۔

دوسری بات یہ کہ جب انسان مال کی وجہ سے یا کسی بھی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو، تو اس کو عبادت میں مشغول ہو کر، اللہ سے لو لگانا چاہیے۔

تیسری بات یہ کہ بے پردگی والا کپڑا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ایک رات نبی کریم ﷺ نے کچھ دیکھا اور پریشان ہو کر بیدار ہو گئے۔ اللہ کی بڑائی بیان کرتے ہوئے کہا: سبحان اللہ! آج رات کتنے فتنے نازل ہوئے، اور کتنے ہی خزانوں کے دروازے کھولے گئے، کوئی ہے جو گھر والیوں کو جگائے؟ ان (ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن) کو جگا دے تاکہ وہ نماز پڑھیں۔ اور اللہ کی طرف سے جو رحمت کے خزانے اترے ہیں، ان میں سے حاصل کریں، اور جو فتنے اور عذاب نازل ہوئے ہیں ان سے بچنے کی دعاء کریں، اس سے پناہ مانگیں بہت

(۱) البخاري: ۱۱۵، العلم، باب العلم والعظة بالليل.

(۲) الأنفال: ۲۸، تفهيم القرآن.

ساری عورتیں یا انسان ایسے ہیں جو دنیا میں رنگ برنگے انواع واقسام کی زینت کے کپڑے پہننے والے ہوں گے، لیکن آخرت میں حساب وکتاب کے وقت ان کے پاس کپڑے نہیں ہوں گے[1]۔

عینیؒ فرماتے ہیں کہ آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورتیں جو باریک کپڑا پہنتی ہیں، جس سے جسم کی کھال نظر آتی ہے۔ قیامت کے دن ان کو ننگا کر کے عذاب دیا جائے گا۔ اور باریک پتلا کپڑا پہننے والی عورتیں آخرت میں نیکی سے خالی ہوں گی۔ اس حدیث کے پیش نظر ہم تمام لوگوں کو چاہیے کہ اپنے گھر میں لباس شرعی کا ماحول بنائیں؛ کیوں کہ یہ بلا ہمارے زمانہ میں عام ہو گئی ہے[2]۔ اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین!

(۲۱۹) بڑوں کی خدمت کا صلہ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الخَلَاءَ فَوَضَعْتُ لَهُ وَضُوءًا، قَالَ: «مَنْ وَضَعَ هَذَا؟» فَأُخْبِرَ، فَقَالَ: «اللَّهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ»[3].

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ بیت الخلاء میں داخل ہوئے؛ تو میں نے آپ ﷺ کے لیے وضو کا پانی رکھ دیا، (جب آپ ﷺ باہر تشریف لائے) تو پوچھا کہ: کس نے رکھا ہے؟ بتایا گیا: تو آپ ﷺ نے اس طرح دعا دی: اے اللہ اس کو دین کی سمجھ عطا فرما۔

فائدہ: خدمت ایک عبادت ہے، خدمت خلق نبی کریم ﷺ کا بہت خاص وصف تھا، آپ ﷺ نے بڑے بوڑھے کی خدمت، اور بچوں و عورتوں پر شفقت کی تعلیم دی ہے۔ انھیں تعلیم کا نتیجہ تھا کہ حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے یہ خدمت انجام دی، اور اس خدمت کے نتیجہ میں آپؓ کو "حبر الامت اور مفسر قرآن" کا لقب ملا۔ آپ قرآن شریف کے بہت بڑے ماہر عالم ہوے۔ کسی نے سچ کہا ہے: بزرگوں کی خدمت کرو یہاں تک کہ خود بزرگ بن جاؤ۔

---

(۱) المرقاة: ۲۶۹/۳.
(۲) عمدة القاري: ۲۵۹/۲.
(۳) البخاري: ۱۴۳، الوضوء، وضع الماء عند الخلاء.

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ایک بار نبی کریم ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے، تو حضرت ابن عباسؓ جو آپ کے چچازاد بھائی ہیں، آپ ﷺ کے وضو کے لیے باہر پانی رکھ دیا۔ فارغ ہو کر جب آپ ﷺ بیت الخلاء سے نکلے، تو دیکھا کہ وضو کے لیے پانی رکھا ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ پانی کس نے رکھا ہے؟ ام المومنین حضرت میمونہؓ جو حضرت ابن عباسؓ کی خالہ تھیں، انہوں نے بتایا کہ عبد اللہ ابن عباسؓ نے رکھا ہے۔ آپ ﷺ خوش ہو گئے، اور خوش ہو کر یہ دعاء دی۔ اللَّهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ: اے اللہ! اِس کو دین کی سمجھداری عطا فرما دے، دین کا ماہر بنا دے! اسی دعاء کی برکت سے آپ حبر الامت بنے۔

حدیث شریف سے چند باتوں کا علم ہوا۔ بغیر عالم کے کہے، یا بتائے اس کی خدمت کرنا جائز ہے۔ اگر کوئی کسی بھی طرح کی خدمت یا مدد کر دے؛ تو دعا کے ذریعہ بدلہ دینا مستحب ہے۔ خادم کا پانی اٹھا کر دینا جائز ہے۔ مخدوم خادم سے بڑا ہو، خادم بڑا نہ ہو[1]۔

اللہ پاک ہم سب لوگوں کو اپنے بزرگوں اور علماء کی قدر دانی نصیب فرمائے اور ان کی نصرت وخدمت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

(۲۲۰) قضائے حاجت کے آداب

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْغَائِطَ فَلَا يَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا يُوَلِّهَا ظَهْرَهُ، شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا»[2].

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کو آئے، تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرے اور نہ قبلہ کو اپنے پیچھے کرے، بل کہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ یا پیٹھ کرے۔

---

(۱) عمدة القاري: ۲/۱۰۸.

(۲) البخاري: ۱٤٤، الوضوء، لا تستقبل القبلة ...

فائدہ: حدیث شریف میں قضائے حاجت کا ایک ادب بیان کیا گیا ہے۔ نوویؒ نے بہت تفصیل سے احادیث کی روشنی میں بیت الخلا کے آداب بیان کیے ہیں۔ ہم ان کی کتاب سے مختصراً چند آداب ذکر کرتے ہیں۔

آداب: جب بیت الخلا جانے کا ارادہ ہو تو مستحب یہ ہے کہ جس چیز پر اللہ کا نام ہو اس کو باہر چھوڑ دے۔ داخل ہونے سے قبل اللہ کا نام لے، یعنی یہ دعا پڑھے: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الخُبُثِ وَالخَبَائِث. اور جب بیت الخلاء سے نکلے تو یہ دعا پڑھے: غُفْرَانَكَ، الحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الأَذَى وَعَافَانِي. داخل ہوتے وقت پہلے بایاں پیر داخل کرے اور نکلتے وقت پہلے دایاں پیر باہر نکالے۔ (اگر گھر میں بیت الخلا نہ ہو تو) حاجت پوری کرنے کے لیے آبادی سے دور جائے۔ قبلہ کی طرف نہ چہرہ کرے نہ پیٹھ کرے۔ نرم جگہ پر حاجت پوری کرے؛ تا کہ پیشاب کی چھینٹ نہ پڑے۔ حاجت بیٹھ کر پوری کرے۔ سوراخ میں پیشاب یا پاخانہ نہ کرے۔ راستے کے سایے اور بہتے ہوئے پانی میں حاجت پوری نہ کرے کہ یہ لعنت ملامت کا سبب ہے؛ لوگ گالیاں دیتے ہیں۔ باغات اور پھلوں کے گرنے کی جگہ پر نہ بیٹھے۔ درمیان میں گفتگو کرنا منع ہے۔ چھینکنے والے کا جواب، آذان، اور سلام کا جواب دینا ممنوع ہے۔ قضائے حاجت کے لیے بائیں پیر پر سہارا دیکر بیٹھنا چاہیے۔ بیت الخلا میں زیادہ وقت نہ لگائے۔ استنجاء کے بعد کھنکھارے، تا کہ پیشاب کا قطرہ نکل جائے۔ غسل خانہ، وضو خانہ، اور دیگر استعمال کی جگہ پر استنجا نہ کرے۔ استنجا میں ہڈی وغیرہ کا استعمال نہ کرے۔ کھلے سر بیت الخلا میں داخل نہ ہو۔ ننگے پاؤں استنجا کے لیے نہ جائے۔ اپنی شرم گاہ کو نہ دیکھے۔ استنجا سے فارغ ہو کر ہاتھ مٹی سے رگڑ کر دھوئے۔ مٹی کا ڈھیلا اور پانی دونوں استعمال کرے۔ دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرے[1]۔

---

(۱) المجموع شرح المہذب: ۲۹۴/۱، ۳۲۰۔

(۲۲۱) حضور ﷺ کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے

عن أبي هُرَيْرَةَ ﷺ أنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ اطاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ الله، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللهَ، وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ عَصَى أَمِيرِي فَقَدْ عَصَانِي»(۱).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، جس نے میرے امیر کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی۔

فائدہ: یہ حدیث شریف قرآن کریم کی درج ذیل دو آیتوں سے مستفاد ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ﴾: اے ایمان والو اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی(۲)۔ دوسری جگہ ارشاد باری ہے: ﴿ وَأَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴾: اور تم اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو، اور احتیاط رکھو، اور اگر اعراض کروگے تو یہ جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچادینا ہے(۳)۔

حدیث شریف سے یہ معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور امیر کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے، اور رسول ﷺ کے واسطے سے اللہ کی اطاعت ہے۔ اسی طرح رسول ﷺ کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے، اور امیر کی نافرمانی بھی نبی کریم ﷺ کی نافرمانی کے واسطے سے اللہ کی نافرمانی ہے۔ اس لیے امیر کی فرماں برداری پر زور دیا گیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اگر کالا حبشی جس کے اعضاء کٹے ہوئے ہوں، وہ بھی امیر ہو، اور تم کو اللہ کی کتاب سے حکم دیتا ہو، تو اس کی سنو اور اطاعت کرو(۴)۔

---

(۱) البخاري: ۷۱۳۷، الأحكام، قول الله أطيعوا ... .
(۲) النساء: ۵۹، بيان القرآن.
(۳) المائدة: ۹۲، بيان القرآن.
(۴) مسلم: ۱۸۳۸، الإمارة، وجوب طاعة الأمراء.

لیکن امیر کی اطاعت وفرماں برداری صرف طاعات میں ہے، معصیت میں نہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سمع وطاعت اس وقت تک ضروری اور واجب ہے، جب تک کہ گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔ اگر گناہ کا حکم دیا تو پھر اطاعت نہیں ہے[1]۔

(۲۲۲) تنہا سفر کی ممانعت

عن عَمْرِو بنِ شُعيبٍ عن أبيهِ عن جدِّهِ قال: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الرَّاكِبُ شَيْطَانٌ، وَالرَّاكِبَانِ شَيْطَانَانِ، وَالثَّلَاثَةُ رَكْبٌ»[2].

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک سوار (تنہا سفر کرنے والا) ایک شیطان ہے، دو سوار (دو مسافر) دو شیطان ہیں اور تین سوار (تین مسافر) ایک جماعت ہے۔

فائدہ: دنیا دار الاسباب ہے، ضرورت پڑنے پر کبھی کبھی ہر انسان کو باہر جانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ کبھی انسان اپنی ذاتی ضرورت سے باہر جاتا ہے اور کبھی شرعی ضرورت سے باہر جاتا ہے۔ اگر ایسی ضرورت پیش آگئی تو کیا کرنا چاہیے؟ اِسی کا ذکر حدیث پاک میں ہے۔ حدیث شریف میں تنہا سفر کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ سفر خواہ جہاد کا ہو، حج کا ہو، یا اس کے علاوہ کوئی بھی سفر ہو؛ اس کے آداب احادیث کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک ادب اس حدیث میں مذکور ہے۔ باقی آدابِ سفر حدیث نمبر: ۲۲۳ کے ضمن میں آئیں گے، ان شاء اللہ۔

تنہا سفر نہ کرنے کی حکمت ملا علی قاریؒ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ اگر مسافر تنہا سفر کرتا ہے؛ تو اس کی جماعت فوت ہوگی؛ ضرورت کے وقت کوئی مدد کرنے والا نہیں ہوگا؛ دوران سفر موت کا امکان بھی ہے؛ تو اگر سفر کے دوران انتقال کر گیا؛ تو غسل تکفین و تجہیز کون کرے گا؟ اور اپنے مال کے سلسلہ

(۱) البخاري: ۲۹۵۵، الجهاد والسير، السمع والطاعة.

(۲) أبو داود: ۲۶۰۷، الجهاد، في الرجل يسافر وحده.

میں کس کو وصیت کرے گا؟اسی لیے تین آدمی کے ساتھ سفر کرنے کو جماعت کہا گیا ہے۔

اگر دو مسافر ہیں؛ تو دو شیطان ہیں؛ یعنی یہاں بھی ضرورت پوری نہیں ہو پا رہی ہے؛ کیوں کہ اگر ایک مر گیا، بیمار ہو گیا؛ تو دوسرے کو اکیلے پریشانی ہو گی؛ اس لیے کہ اس کی مدد کرنے والا کوئی تیسرا موجود نہیں ہے۔ اگر تین ہیں، تو سب ایک دوسرے کی مدد کریں گے، نماز بھی باجماعت ادا ہو گی۔ سفر کا لطف بھی لیں گے۔ اللہ پاک کی مدد اور نصرت بھی ہو گی؛ کیوں کہ اللہ نے جماعت پر اپنی مدد اور نصرت کا وعدہ فرمایا ہے اور جماعت کا اطلاق تین اور اس سے زیادہ پر ہوتا ہے (۱)۔

(۲۲۳) سفر میں امیر ضرور بنائیں

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ، فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ»(۲).

ترجمہ: حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تین آدمی سفر میں نکلیں؛ تو ان میں سے ایک کو امیر بنالیں۔

فائدہ: اس حدیث میں بھی سفر کا ایک ادب بیان کیا گیا ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ اگر سفر میں تین آدمی ہیں، یعنی: پوری جماعت ہے، جیسا کہ حدیث نمبر: ۲۲۲ میں گزرا ہے؛ تو ان تینوں میں سے ایک کو امیر بنالیا جائے۔ یہی حکم دو مسافروں کا بھی ہے کہ ان میں سے ایک کو امیر بنالیا جائے اور امیر اس کو بنایا جائے گا، جو ان میں سے افضل ہو۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے؛ تاکہ ان کے درمیان آپسی نا اتفاقی نہ ہو، اگر نا اتفاقی اور اختلاف ہو جائے؛ تو امیر کی اتباع کر کے نا اتفاقی دور کی جاسکے (۳)۔

اب یہاں ہم آداب سفر بیان کرتے ہیں: امام نوویؒ نے آداب سفر کی تعداد باسٹھ لکھی ہے اور اس پر مدلل گفتگو کی ہے؛ لیکن ہم ان میں سے بتوفیق اللہ بعض اہم کا ذکر کر رہے ہیں۔

---

(۱) المرقاة: ۷/۴۱۹.

(۲) أبو داود: ۲۶۰۸، الجهاد، يسافرون يؤمرون أحدهم.

(۳) المرقاة: ۷/۴۲۰.

(۱) سفر کرنے سے پہلے مشورہ کرنا۔ (۲) سفر کرنے سے قبل دو رکعات نفل پڑھ کر استخارہ کرنا۔ (۳) جب ارادہ پکا ہو جائے؛ تو تمام گناہوں سے توبہ کرنا، (حقوق العباد ادا کرنا، جہاں تک ہو سکے قرض ادا کرنا، وصیت وغیرہ کرنا)۔ (۴) والدین کو راضی کر کے سفر کرنا، اگر بیوی ہے تو شوہر کو خوش کر کے اجازت لینا۔ (۵) اپنا رفیق سفر ایسے آدمی کو بنانا، جو نیکی میں رغبت رکھتا ہو، برائیوں سے بھاگتا ہو اور نیکیوں میں مدد کرتا ہو، اگر عالم ہو تو زیادہ اچھا ہے۔ (۶) جمعرات یا پیر کے دن صبح کے وقت سفر کرنا۔ (۷) گھر سے نکلتے وقت دوگانہ ادا کرنا۔ پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون، دوسری میں سورۃ الاخلاص پڑھنا۔ (۸) اپنے خاندان والوں اور دوست واحباب کو الوداع کہنا، ہر شخص یہ کہے: أَسْتَوْدِعُكَ اللهَ دِينَكَ وَأَمَانَتَكَ وَ خَوَاتِيمَ عَمَلِكَ. (۹) گھر سے نکلنے سے قبل کچھ صدقہ کرنا۔ (۱۰) گھر سے نکلتے وقت: بِسْمِ اللهِ، تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ. پڑھنا۔ (۱۱) جب سواری پر چڑھنے لگے تو بسم اللہ کہے، جب بیٹھ جائے تو الحمد للہ کہے، اور جو دعائیں یاد ہیں، یعنی ذکر واذکار وغیرہ کرے، اور تین بار تکبیر یعنی اللہ اکبر کہہ کر یہ دعا پڑھے: سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ. (۱۲) سفر میں کم از کم تین آدمی ساتھ ہوں۔ (۱۳) ان میں سے جو افضل ہو ان کو امیر بنا لیا جائے۔ (۱۴) اپنے ساتھ کتے وغیرہ کو نہ لے۔ (۱۵) جانور پر سفر کے وقت اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔ (اور آج کل یہی حکم گاڑی کا ہے کہ اگر دو کی گنجائش ہے؛ تو تیسرے کو نہ بیٹھائے، یعنی زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔ جانور یا کسی بھی سواری کو آرام دے)۔ (۱۶) اپنے رفیق سفر کی ہر ممکن مدد کرے اور اس کا خیال رکھے۔ (۱۷) سفر کے دوران ڈرائیور اور غلام کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے۔ (۱۸) سفر کے دوران جب بلندی پر چڑھے تو اللہ اکبر اور جب بلندی سے نیچے کی طرف آئے تو سبحان اللہ کہے۔ (۱۹) جب منزل پر پہنچ جائے، تو یہ دعا پڑھے: اللّٰهم إني أسألك خَيْرَهَا وَخَيْرَ أَهْلِهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ أَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا. (۲۰) سفر کے دوران

دعائیں قبول ہوتی ہے؛اس لیے خوب دعا کرے۔(۲۱)اگر سفر میں کسی کا خوف ہو تو یہ دعا پڑھے: اللّٰهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ فِي نُحُورِهِمْ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شُرُورِهِم. (۲۲)ضرورت پڑنے پر خادم کی بھی خدمت کرنا۔ (۲۳) حتی الامکان باوضو رہنا اور وقت پر نماز کا اہتمام کرنا۔(۲۴)جب تھوڑی بہت دیر کے لیے کہیں رکے؛ تو وہاں اللہ کی مخلوق سے پناہ کی دعا کرے۔(۲۵) جب سفر سے لوٹے اور اپنا گاؤں یا شہر نظر آجائے،تو یہ دعا پڑھے: آئِبُونَ تَائِبُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ. (۲۶) صبح یا شام کے وقت اپنے گھر والے کے پاس پہنچے اور پہنچنے سے قبل اطلاع کرادے۔(۲۷)بغیر ضرورت کے عورت تنہا سفر نہ کرے[۱]۔

(۲۲۴)شعبان کی پندرہویں شب کی فضیلت

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «يَطَّلِعُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى خَلْقِهِ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَيَغْفِرُ لِعِبَادِهِ إِلَّا لِاثْنَيْنِ: مُشَاحِنٍ وَقَاتِلِ نَفْسٍ»[۲].

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو ابن عاص—رضی اللہ عنہ—سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالی شعبان کی پندرہویں شب میں، اپنی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اپنے بندوں کی بخشش فرماتا ہے، سوائے دو آدمیوں کے: ایک کینہ رکھنے والا اور دوسرا خودکشی کرنے والا"۔

فائدہ: شعبان کی پندرہویں شب—جسے ہم عرف عام میں شب براءت کہتے ہیں—کی فضیلت حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی مذکور ہے جو مختلف الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ابن ماجہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب شعبان کی پندرہویں شب ہو تو رات میں نماز پڑھو اور دن میں روزہ رکھو؛اِس لیے کہ اِس شب میں اللہ پاک غروب آفتاب ہوتے ہی آسمان دنیا کی طرف متوجہ ہو کر کہتا ہے: کوئی استغفار کرنے والا ہے کہ میں اس کی مغفرت کروں؟ کوئی رزق کا متلاشی ہے کہ میں اس کو رزق دوں؟ کوئی پریشان حال ہے کہ میں اس کو عافیت دوں؟ کوئی ایسا ہے؟

---

(۱) المجموع شرح المهذب: ۱۳۱/۱.

(۲) مسند أحمد: ٦٦٤٢، مسند عبد الله بن عمرو.

کوئی ایسا ہے؟ یہاں تک کہ طلوع فجر ہو جاتی ہے[1] ۔اس حدیث کو علما نے "ضعیف" کہا ہے۔اوپر جو حدیث گزری ہے، وہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ابن ماجہ کی ہی ایک دوسری روایت ہے جس پر "حسن" کا حکم لگایا ہے۔وہ وہی حدیث ہے جو اوپر متن میں گزری ہے، صرف فرق یہ ہے کہ وہاں خودکشی کرنے والے کا ذکر تھا، اور اس حدیث میں مشرک کا ذکر ہے کہ دو شخص کی اللہ پاک مغفرت نہیں فرمائے گا، ایک مشرک کی اور دوسرا بغض و کینہ رکھنے والا[2]۔ ایک روایت میں ہے کہ پندرہویں شعبان کی شب میں نبی کریم ﷺ جنت البقیع گئے تھے[3]۔

حضرت مفتی تقی عثمانی حفظہ اللہ فرماتے ہیں: حقیقت یہ ہے کہ دس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ایسی احادیث مروی ہیں، جن میں اِس رات کی فضیلت بیان کی گئی ہے؛ لہذا جس رات کی فضیلت کے سلسلہ میں دس صحابہ کرام کی روایات ہوں، اس کو بے بنیاد اور بے اصل کہنا بالکل غلط ہے۔امت مسلمہ میں جو خیر القرون ہیں، یعنی صحابہ کرام، تابعین، اور تبع تابعین کا دور اس میں بھی اس رات کی فضیلت سے فائدہ اٹھانے کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔

اِس رات میں ایک اور عمل ہے، جو ایک روایت سے ثابت ہے۔وہ عمل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جنت البقیع میں تشریف لے گئے تھے۔ساری حیات طیبہ میں رسول اکرم ﷺ سے پندرہویں کی شب میں ایک بار جنت البقیع جانا ثابت ہے، اس لیے اگر کوئی ایک آدھ بار سنت کی نیت سے چلا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

ایک مسئلہ شب براءت کے بعد والے دن، یعنی پندرہ شعبان کے روزہ کا ہے؛ سارے ذخیرۂ احادیث میں اس روزے کے بارے میں صرف ایک روایت ہے؛ کہ شب براءت کے بعد والے دن روزہ رکھو۔لیکن یہ روایت ضعیف ہے، لہذا اس روایت کی وجہ سے پندرہ شعبان کے روزہ کو سنت قرار

---

(۱) ابن ماجة: ۱۳۸۸، إقامة الصلاة والسنة فيها.
(۲) سنن ابن ماجة: ۱۳۹۰، نفس المصدر.
(۳) الترمذي: ۷۳۹، الصوم عن رسول الله ﷺ.

دینے سے پرہیز کرنا چاہیے[۱]۔

(۲۲۵) دین کی خاطر پہاڑوں پر جانا

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ، وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ»[۲].

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ دن قریب ہے کہ جب مسلمان کا سب سے بہترین مال اس کی بکریاں ہوں گی، جنہیں لے کر وہ پہاڑ کی چوٹیوں اور برساتی وادیوں میں چلا جائے گا، تاکہ فتنوں سے اپنے دین کی حفاظت کر سکے۔

فائدہ: دین اللہ پاک کی بہت بڑی نعمت ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ انسان صحیح دین پر ہو۔ انبیاء علیہم السلام سے لے کر صحابہ وتابعین اور اکابرین تک، سبھی دین کے سلسلہ میں فتنہ اور آزمائش میں مبتلا ہوئے؛ لیکن سبھی نے فتنوں اور آزمائشوں کا مقابلہ کیا۔ جن کے اندر اس سے مقابلہ کی گنجائش اور طاقت نہ ہو، اس کے لیے دوسری صورت حدیث شریف میں مذکور ہے۔

حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ وہ وقت بہت ہی قریب ہے جب کثرت سے فتنوں کا ظہور ہوگا، اور وہ لوگ جن کو اپنا دین پیارا ہے، اپنے دین کی حفاظت کے لیے آبادی پر بیابانوں اور جنگلوں کو ترجیح دیں گے اور پہاڑ کی چوٹیوں پر پہنچ کر اپنے دین وایمان کی حفاظت کریں گے۔ اس وقت انسان تمام مال ومتاع کو جس میں دشواری اور پریشانی ہوتی ہے چھوڑ دے گا۔ انسان صرف ایسی چیزیں اختیار کرے گا، جس میں خیر وبرکت اور منافع زیادہ ہے۔ اسی لیے حدیث میں کہا گیا کہ مسلمان کا سب سے بہترین مال بکریاں ہوں گی، کہ اس میں زیادہ کلفت اور پریشانی نہیں ہے۔ بہت سیدھا سادھا جانور ہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے میں دشواری نہیں ہوتی ہے۔

---

(۱) اصلاحی خطبات: ۴/۲۲۷-۲۳۷۔

(۲) البخاري: ۱۹، الإيمان، من الدين الفرار من الفتن.

رہی بات غیر فتنہ کے زمانہ میں گوشہ نشینی اختیار نے کا حکم: تو نوویؒ اور اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ شہر نہ چھوڑا جائے؛ کیوں کہ اس سے بہت سارے فائدے وابستہ ہیں، مثلاً: شعائرِ اسلامی کا احیاء ہے، مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو دینی تعلیم دینے کا مسئلہ ہے، اسی طرح مریضوں کی عیادت، جنازہ کی مشایعت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور حاجت مندوں کی مدد و نصرت وغیرہ۔ اور صرف شہر میں رہنے والا شخص ہی ان امور پر قادر ہے؛ لہٰذا شہر اور آبادی میں رہنا چاہیے۔ علامہ عینیؒ کی رائے یہ ہے کہ اختلاط سے صرف شرور و فتن کا ہی ظہور ہوتا ہے؛ اس لیے عدم اختلاط میں ہی فائدہ ہے؛ لہٰذا گوشہ نشینی اختیار کر سکتا ہے[1]۔

(۲۲۶) گھر والوں کی مدد کرنا

عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رضي الله عنها مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصْنَعُ فِي بَيْتِهِ؟ قَالَتْ: كَانَ يَكُونُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ - تَعْنِي خِدْمَةَ أَهْلِهِ - فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ[2].

ترجمہ: اسود بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ اپنے گھر کا سب کام، یعنی اپنے گھر والوں سے متعلق ہر خدمت انجام دیتے تھے، پھر جب نماز کا وقت آتا؛ تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔

فائدہ: نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کے اتنے گوشے ہیں کہ اگر سارے گوشوں کو بیان کیا جائے؛ تو اس کے لیے کئی ضخیم کتابوں کی ضرورت ہوگی۔ اسود بن یزید نخعیؒ کہتے ہیں: کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ آپ ﷺ گھر میں تشریف فرما ہوتے تھے تو کیا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا گھر کا سب کام کرتے تھے، مثلاً گھر میں صفائی کا خیال، کپڑے وغیرہ سینے کی ضرورت، یا کھانا پکانے میں مدد کرنا، یہ سب کام نبی کریم ﷺ کرتے تھے، لیکن ان تمام کام کے

(١) عمدة: ١/٢٦٦.

(٢) البخاري: ٦٧٦، الأذان، من كان في حاجة أهله.

باوجود آپ ﷺ کی نماز باجماعت نہیں چھوٹتی تھی، یعنی آپ ﷺ اپنے گھر والوں کے ساتھ حسن معاشرت کا معاملہ فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دیتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: «خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي»[1]. اس حسن معاشرت کے باوجود بھی عبادات کی ادائیگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، اذان ہونے کے بعد گھر والوں کے کام کے معاملہ میں بالکل اجنبی ہو جاتے تھے، سارے کام کاج چھوڑ کر، مسجد کا رخ کرتے تھے۔

حدیث شریف میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اپنا کام خود کرنا چاہیے اور گھر والوں کی مدد بھی کرنی چاہیے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ نماز قضا کر دی جائے؛ بل کہ نماز اور سارے عبادات اپنے وقت پر ادا کیے جائیں؛ کیوں کہ یہ ایسا حق ہے کہ اس کے سامنے سارے نفلی حقوق العباد بے کار ہیں۔ نماز میں تاخیر کی دو صورتیں لکھی ہیں۔ ایک یہ کہ بھوک لگی ہو اور دستر خوان پر کھانا چن دیا گیا ہو اور جماعت چھوٹنے کا خطرہ بھی نہ ہو؛ تو پہلے کھانا کھالے، لیکن جماعت نہیں چھوٹنی چاہیے۔

نماز میں تاخیر کی دوسری صورت یہ ہے کہ استنجا، پیشاب پاخانہ کا شدید تقاضہ ہو؛ تو پہلے فارغ ہو جائے پھر نماز پڑھے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لاَ صَلاَةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ، وَلاَ هُوَ يُدَافِعُهُ الأَخْبَثَانِ[2]. نبی کریم ﷺ کی حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کھانا حاضر ہو اور نمازی کھانا کھانا چاہتا ہو، اسی طرح استنجا کا تقاضہ ہو؛ تو ان صورتوں میں نماز مؤخر کی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر کسی نے ایسا نہیں کیا؛ بل کہ استنجا کے تقاضہ کے ساتھ نماز پڑھ لی؛ تو ایسا کرنا مکروہ ہے البتہ نماز صحیح ہو جائے گی[3]۔

(۲۲۷) غرور و تکبر کی سزا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي فِي حُلَّةٍ تُعْجِبُهُ نَفْسُهُ، مُرَجِّلٌ جُمَّتَهُ، إِذْ خَسَفَ اللهُ بِهِ، فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»[4].

---

(۱) الترمذي: ۳۸۹۵، المناقب، في فضل ازواج النبي ﷺ.
(۲) مسلم: ۵۶۰، المساجد ومواضع الصلاة.
(۳) المنهاج شرح النووي: ۵/۴۳.
(۴) البخاري: ۵۷۸۹، اللباس، من جر ثوبه من الخيلاء.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک شخص ایک جوڑا پہن کر کبر و غرور میں مست، سر کے بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے اتراتا ہوا جا رہا تھا کہ اللہ پاک نے اسے زمین میں دھنسا دیا، اب وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔

فائدہ: اسلام ایک کامل اور مکمل مذہب ہے، جس نے زندگی کے ہر میدان میں انسانوں کی مکمل رہنمائی کی ہے۔ اسلامی تعلیمات اور رہنمائی کا ایک اہم باب اخلاقیات کے قبیل سے ہے۔ اخلاقی برائیوں میں سے ہر برائی کی مذمت قرآن و حدیث میں مذکور ہے۔ انھیں برے اخلاق میں سے ایک بہت ہی برا وصف: کبر اور غرور ہے، یہ ایک خطرناک اور مہلک مرض ہے، جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔ اس وصف کے حامل شخص کی آخرت برباد ہو جاتی ہے۔ کبر و غرور میں مبتلا ہونے کی بہت ساری وجہیں ہیں۔ ان میں سے ایک وجہ عمدہ اور اچھے کپڑے پہن کر فخر کرنا ہے۔ حدیث پاک میں اللہ کی نعمتوں پر شکر نہ کر کے فخر و غرور کرنے والے کے لیے شدید وعید مذکور ہے۔

نبی کریم ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا واقعہ اس حدیث میں ذکر کیا ہے کہ ایک شخص خوب اچھا عمدہ قسم کا نفیس جوڑا پہن کر، اپنے زلف کو سنوار کر اتراتے ہوئے اکڑ کر چل رہا تھا کہ اللہ پاک نے اس کی پکڑ فرمائی، اور اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک یونہی دھنستا رہے گا۔

حدیث شریف میں اس واقعہ کے وقوع کا کوئی زمانہ مذکور نہیں ہے کہ کس زمانہ میں یہ پیش آیا۔ اسی لیے شارح بخاری علامہ شمس الدین الکرمانی المتوفی: ۷۸۶ ہجری نے کہا ہے کہ اگر یہ واقعہ اس امت کا ہے؛ تو مطلب یہ ہے کہ آئندہ اس کا کبھی وقوع ہوگا، یعنی ۷۸۶ ہجری تک واقع نہیں ہوا تھا (اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے!) یا ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں آپ ﷺ نے سابقہ امت کے کسی فرد کا واقعہ ذکر کیا ہو، اسی لیے بعض علما نے اس شخص کا نام قارون بتایا ہے، جس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِينَ﴾: پھر ہم نے اس قارون کو اور اس کے محل سرا کو — اس کی

شرارت بڑھ جانے سے۔زمین میں دھنسادیا، سو کوئی ایسی جماعت نہ ہوئی جو اس کو اللہ کے عذاب سے بچالیتی، اور نہ وہ خود ہی اپنے آپ کو بچاسکا[1] ۔ بعض حضرات نے اس کا نام ہیزن لکھا ہے، جو فارس کا رہنے والا تھا[2]۔ کبر، غرور اور فخر وغیرہ خواہ مال کی وجہ سے ہو، یا علم اور حسب ونسب وغیرہ کی وجہ سے، ہر حال میں سب قابلِ مذمت اور آخرت کی بربادی کا سبب ہے؛ اس لیے اس کو قریب بھی نہ آنے دینا چاہیے۔

(۲۲۸) امارت وحکومت ندامت وپشیمانی کا سبب ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُونَ عَلَى الْإِمَارَةِ، وَسَتَكُونُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَنِعْمَ الْمُرْضِعَةُ، وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ»[3].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یقیناً تم لوگ امارت کی لالچ کروگے، اور یہ قیامت کے دن تمہارے لیے ندامت کا سبب بنے گی، پس کیا ہی اچھی ہے دودھ پلانے والی اور کیا ہی بری ہے دودھ چھڑانے والی۔

فائدہ: یہ حدیث شریف بہت ہی اہم ہے۔اِس میں یہ بتایا گیا ہے کہ عہدہ کی لالچ اور اُس کو طلب کرنا اچھا نہیں ہے۔ حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ میرے بعد عنقریب ایسا وقت آئے گا کہ تم حکومت طلب کروگے اور امیر بننے کی خواہش کروگے؛ لیکن قیامت کے دن حساب وکتاب کے وقت جب جواب دینے سے عاجز آجاؤگے؛ تو اس وقت ندامت اور پشیمانی ہوگی۔ اس لیے حکومت وامارت کیا ہی اچھی چیز ہے، جب وہ آتی ہے، اور کیا ہی بری ہے جب وہ جاتی ہے ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جب حکومت اور سرداری آتی ہے؛ تو بہت اچھی لگتی ہے۔اس کی مثال حدیث پاک میں دودھ پلانے والی سے دی گئی ہے، اور جب حکومت وسرداری چھن جاتی ہے؛ تو وہی حکومت بری سے بری تر ہو جاتی ہے، جس

---

(۱) القصص: ۸۱، بیان القرآن.
(۲) عمدة القاري: ۲۱/۴۵۷.
(۳) البخاري: ۷۱۴۸، الأحكام، ما يكره من الحرص.

کی مثال دودھ چھڑانے والی سے دی گئی ہے۔

علامہ بدر الدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ کسی بھی طرح کے عہدہ اور امارت کی خواہش کرنا اچھی چیز نہیں ہے، اور یہ ممانعت اس وقت ہے جب کہ وہ مستحق ہو، اور اگر مستحق نہیں ہے تب تو بہت ہی برا ہے۔ حدیث پاک میں امارت کا لفظ عام ہے خواہ عہدہ بڑا ہو یا چھوٹا، اس کو طلب کرنے کی خواہش اچھی نہیں ہے؛ کیوں کہ کسی بھی عہدہ کا حق ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی نے اس کا حق ادا نہیں کیا، انصاف اور دیانت داری سے کام نہیں کیا؛ تو یہ عہدہ قیامت کے دن رسوائی کا سبب بنے گا۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عہدہ کی دو کیفیت بیان فرمائی: پہلی کیفیت: فرمایا کہ کیا ہی اچھی ہے دودھ پلانے والی، یعنی عہدہ اور امارت میں مال وجاہ، لذتیں اور آسائشیں سب کچھ ہیں، اس لیے یہ بہت اچھی لگتی ہے۔ دوسرا پہلو اور کیفیت یہ ہے کہ وہ اچھی چیز نہیں ہے؛ جس کو کہا گیا کہ کیا ہی بری ہے دودھ چھڑانے والی؛ کیوں کہ بعد میں یا تو عہدہ سے معزول کر دیا جاتا ہے، یا عہدہ پر رہتے ہوئے مارا جاتا ہے۔ مزید لعنت ملامت سننا پڑتا ہے اور آخرت میں جو پکڑ ہوگی وہ الگ ہے[1]۔

امارت اور عہدے کی تمنا صرف ایک صورت میں درست ہے۔ کہ وہ شخص عہدے کا سب سے زیادہ مستحق ہو اور عہدہ طلب نہ کرنے کی صورت میں ایسے اناڑی کے ہاتھ میں عہدہ جانے کا خطرہ ہے جو اس کا اہل نہیں، جس کی وجہ سے ناانصافیاں عام ہو جائیں گی، تو ایسی صورت میں وہ عہدہ کی خواہش کر سکتا ہے، تاکہ وہ عدل قائم کر سکے۔ چناں چہ ایک حدیث میں ہے کہ امارت اس شخص کے لیے کتنا اچھا ہے جو اس کا حق ادا کر سکے اور کتنا برا ہے جس نے اس کو بغیر حق کے لیا۔

نوویؒ فرماتے ہیں: ولایت اور عہدہ سے بچنے کے لیے یہ حدیث اصل عظیم کی حیثیت رکھتی ہے، خاص طور سے وہ لوگ جو امارت وولایت کی ذمہ داری ادا کرنے سے قاصر ہوں، اور رہا حسرت

---

(۱) عمدة القاري: ۲۴/۲۶۸.

وندامت، تو یہ ان کے لیے ہے جو اس کا حق دار نہیں ہے، یا حق دار تو ہے؛ لیکن عدل نہیں کرتا، تو اللہ پاک قیامت میں اس کو رسوا کرے گا[۱]۔ اسی وجہ سے اکابرین امارت وولایت قبول کرنے سے منع فرماتے تھے اور خود بھی اس سے بچتے تھے۔ اور منع کرنے کی صورت میں جو تکلیف ہوتی تھی اس پر صبر کرتے تھے[۲]۔

(۲۲۹) خضاب لگانے کا حکم

عن أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى لَا يَصْبُغُونَ فَخَالِفُوهُمْ»[۳].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: یہود ونصاریٰ خضاب نہیں کرتے؛ لہٰذا تم ان کی مخالفت کرو۔

فائدہ: حدیث شریف میں یہود ونصاریٰ کی مخالفت میں خضاب لگانے کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا کہ یہود ونصاریٰ اپنے بالوں میں خضاب نہیں لگاتے؛ اس لیے ان کی مخالفت کرو اور اپنے سفید بالوں میں خضاب کرو؛ لیکن کالا خضاب نہ ہو۔

نوویؒ نے فرمایا ہے کہ بالوں میں خضاب لگانے سے مراد سر اور داڑھی کے سفید بالوں کو زعفران یا لال رنگ سے رنگنا ہے۔ کالا خضاب ممنوع ہے۔ علما نے لکھا ہے کہ کالے خضاب کی ممانعت نہی تحریمی، یعنی حرام ہے، الا یہ کہ دشمن کو خوف دلانے کے لیے جہاد میں کالا خضاب استعمال کر سکتے ہیں[۴]۔ کالے خضاب کی ممانعت میں ایک روایت ابو داؤد نے ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اخیر زمانہ میں بعض لوگ ایسے ہوں گے جو اپنے بالوں میں سیاہ خضاب لگائیں گے جس

---

(۱) صحيح البخاري: ٦٦٠، كتاب الاذان.
(۲) المنهاج شرح مسلم: ١٧٠/١٢.
(۳) البخاري: ٣٤٦٢، أحاديث الأنبياء، عن بني إسرائيل.
(٤) دليل الفالحين على شرح رياض الصالحين: ٤٢١/٤.

طرح کبوتر کا سینہ ہوتا ہے، وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائیں گے[1]۔

ایک روایت میں ہے کہ ابو قحافہ رضی اللہ عنہ، جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے والد ہیں، کو فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، تو ان کے بال ثغامہ۔ایک قسم کا سفید گھاس یا سفید پھول۔کی طرح سفید تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس کو کسی چیز سے بدل دو، اور سیاہی سے بچو۔[2] نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ بوڑھے مرد و عورت کے لیے زرد و لال خضاب مستحب ہے اور کالا خضاب نبی کریم ﷺ کے فرمان: «اجتنبوا السواد». کی وجہ سے اصح اور مختار قول کے مطابق حرام ہے[3]۔

(۲۳۰) قزع ممنوع ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى صَبِيًّا قَدْ حُلِقَ بَعْضُ شَعْرِهِ وَتُرِكَ بَعْضُهُ، فَنَهَاهُمْ عَنْ ذَلِكَ، وَقَالَ: «احْلِقُوهُ كُلَّهُ أَوِ اتْرُكُوهُ كُلَّهُ»[4].

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بچہ کو دیکھا کہ اس کے کچھ بال مونڈے ہوئے تھے اور کچھ بال چھوڑے ہوئے تھے؛ تو آپ ﷺ نے اس عمل سے منع فرمایا اور کہا کہ اس کو پورا مونڈ دو یا پورا چھوڑ دو۔

فائدہ: تہذیب، شائستگی و وقار کی شریعت میں بہت اہمیت ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں تہذیب و شائستگی اختیار کرنے کا حکم ہے۔ جس حالت میں انسان غیر مہذب لگتا ہے، اس سے منع کیا گیا ہے۔ یہ حدیث شریف بھی اُسی قبیل سے ہے۔ اِس روایت میں نبی کریم ﷺ نے قزع سے منع فرمایا ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے قزع سے منع فرمایا ہے۔ عبید اللہ کہتے ہیں کہ میں نے نافع سے پوچھا کہ

(۱) أبو داؤد: ۴۲۱۲، الترجل، ما جاء في خضاب السواد.
(۲) مسلم: ۲۱۰۲، كتاب اللباس والزينة.
(۳) المنهاج شرح النووي: ۶۹/۱۴.
(۴) أبو داود: ۴۱۹۵، الترجل، الصبي له ذؤابة.

قزع کیا ہے؟ پھر عبید اللہ نے اشارہ سے بتایا کہ نافع نے کہا کہ بچہ کا سر منڈاتے وقت کچھ بال یہاں چھوڑ دے اور کچھ وہاں چھوڑ دے[1]۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ سر کے بعض حصہ کا مونڈ دینا ہی قزع ہے۔ بعض علما کے نزدیک سر کے مختلف حصوں سے بال مونڈنا قزع کہلاتا ہے۔اِس طرح بال کٹوانے سے بچنا واجب ہے۔ علما کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ قزع مکروہ ہے، سوائے مجبوری کی حالت کے۔ مجبوری کی حالت کا مطلب یہ ہے کہ علاج و معالجہ کے لیے کیا جائے تو اجازت ہے۔ قزع سے ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ اس میں فطری تخلیق کو بگاڑنا پایا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایسا کرنے والا آوارہ اور شریر لوگوں کی طرح دکھتا ہے۔ یہ عمل یہود و نصاری کے طریقوں میں سے ہے۔اِس حکم میں بچے، بچیاں اور بڑے بوڑھے سب شامل ہیں؛ اس لیے سب کو اس سے بچنا بے حد ضروری ہے[2]۔

(۲۳۱) ایک جوتا پہن کر چلنے کی ممانعت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا يَمْشِي أَحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ، لِيُحْفِهِمَا أَوْ لِيُنْعِلْهُمَا جَمِيعًا»[3].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص صرف ایک پاؤں میں جوتا پہن کر نہ چلے، دونوں پاؤں کو ننگا رکھے یا دونوں میں جوتا پہنے۔

فائدہ: روئے زمین پر اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو کامل اور اکمل ہے۔ انسان کی ایک چھوٹی سی ضرورت اور ایک ادنی سے ضرر کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ ایک ایک چیز کے آداب اور اس کے طریقے بتائے اور سکھائے گئے ہیں۔ اس حدیث میں بھی ایک ادب کی تعلیم دی گئی ہے کہ جوتے کس طرح پہنے جائیں۔ اتارے تو دونوں پیر سے اتارے اور پہنے تو دونوں پیر میں پہنے۔ ایک میں جوتا پہننا اور

---

(۱) صحيح البخاري: ٥٩٢٠ كتاب اللباس.
(۲) المنهاج شرح النووي: ٨٦/١٣.
(۳) البخاري: ٥٨٥٦، اللباس، لا يمشي في نعل واحد.

دوسرے کو خالی رکھنا مکروہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مُرُوّت اور ادب کے خلاف ہے۔ ممکن ہے کہ پاؤں لڑکھڑا جائے اور گر کر زخمی ہو جائے۔ یہی حکم ایک پاؤں میں موزہ پہننے کا بھی ہے۔ اس سے بھی منع کیا گیا ہے (۱)۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے، اس کو ایک جوتا پہن کر نہ چلنا چاہیے، یہاں تک کہ اس کا تسمہ درست کر لے اور ایک موزہ پہن کر بھی نہ چلے اور بائیں ہاتھ سے نہ کھائے (۲)۔ جوتا اور چپل کے بارے میں اس کے علاوہ بھی آداب ہیں، جو اس طرح ہیں۔ جوتا پہنتے وقت پہلے دائیں پیر میں پہنے اور اتارتے وقت پہلے بایاں پیر کا اتارے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دایاں پیر بائیں سے افضل ہے۔ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ اگر کسی نے پہلے بائیں پیر میں جوتا پہن لیا؛ تو اس نے سنت کی مخالفت کر کے برا کیا۔ بعض علما فرماتے ہیں کہ اگر ایسا کر لیا ہے، تو جوتا اتار کر، پھر سے پہلے دائیں پیر میں پہنے، یہ مستحب ہے (۳)۔

نوویؒ نے اس باب میں تین احادیث ذکر کیا ہے؛ اور فرمایا کہ حدیث سے تین مسائل سمجھ میں آئے۔ ایک: یہ کہ ہر وہ کام جو عظمت، زینت اور نظافت کے قبیل سے ہو، اس میں دائیں سے شروع کرنا مستحب ہے، جیسے جوتے، موزے کپڑے، پہننا، سر مونڈنا، بغل کے بال، ناخن وغیرہ کاٹنا، اسی طرح مسجد میں داخل ہونا اور بیت الخلا سے نکلنا وغیرہ۔ دوسرا: یہ کہ ہر وہ کام جو پہلے کا عکس ہو، جیسے جوتے، موزے اور کپڑے وغیرہ اتارنا، اسی طرح مسجد سے نکلنا، بیت الخلا میں داخل ہونا، استنجا کرنا وغیرہ؛ میں بائیں کو پہلے استعمال کرنا مستحب ہے۔ تیسرا: بغیر کسی عذر کے ایک جوتے یا ایک موزے میں چلنا منع ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ یہ صورت وقار کے خلاف ہے، جوتے پہنا شخص دوسروں سے اعلی ہوتا ہے، اور ایک جوتے میں چلنے سے بسا اوقات نقصان ہوتا ہے (۴)۔

---

(۱) المرقاة: ۸/۲۲۶.
(۲) أبو داؤد: ۴۱۳۷ كتاب اللباس.
(۳) تكملة فتح الملهم: ۱۰/۱۲۲.
(۴) المنهاج شرح النووي: ۱۴/۶۴.

(۲۳۲) سفید بال اکھاڑنے کی ممانعت

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَنْتِفُوا الشَّيْبَ؛ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَشِيبُ شَيْبَةً فِي الإِسْلَامِ إِلَّا كَانَتْ لَهُ نُورًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ». وَفِي رِوَايَةٍ: «إِلَّا كَتَبَ اللهُ لَهُ بِهَا حَسَنَةً، وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةً»[1].

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سفید بال نہ اکھاڑو؛ اسلئے کہ جس مسلم کا کوئی بال حالت اسلام میں سفید ہوا ہو، تو وہ اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگا۔ دوسری روایت میں ہے: کہ اس کے بدلے اللہ تعالی اس کیلیے ایک نیکی لکھے گا اور ایک گناہ مٹادے گا۔

فائدہ: بال کی سفیدی جو بڑھاپے کی وجہ سے ہو، اللہ پاک کی بہت بڑی نعمت ہے، ایسا شخص باوقار کہلاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِس کی زیادتی کی دعا فرمائی تھی۔ امام مالکؒ نے ایک روایت ذکر کی ہے، حضرت سعید ابن المسیبؒ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ سب سے پہلے شخص ہیں، جنہوں نے مہمان کی ضیافت کی، وہ پہلے آدمی ہیں، جنہوں نے ختنہ کرایا، وہ پہلے آدمی ہیں، جنہوں نے مونچھ بنائی، اور جنہوں نے سب سے پہلے بڑھاپا یعنی سفیدی دیکھی، تو فرمایا: اے رب یہ کیا ہے؟ اللہ پاک نے فرمایا: اے ابراہیم "وقار" ہے؛ تو ابراہیمؑ نے کہا کہ اللہ اس وقار میں زیادتی فرما[2]۔

حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے بال کی سفیدی دیکھی؛ تو پوچھا اے رب اِس تبدیلی میں کیا حکمت ہے؟ تو اللہ پاک نے فرمایا: یہ وقار ہے، بردباری ہے، اِس پر سارے اچھے عادات مرتب ہوتے ہیں۔ تو ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اے اللہ اس میں زیادتی فرما[3]۔

حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ ایک نائی آپ ﷺ کی حجامت بنا رہا تھا، تو اس کو آپ ﷺ کی داڑھی مبارک میں سفید بال نظر آئے، اس نے چاہا کہ اس کو اکھاڑ دے؛ تو آپ ﷺ نے ہاتھ سے اس

---

(۱) أبو داود: ۴۲۰۲، الترجل، باب في نتف الشيب.

(۲) موطأ مالك: ۲۶۶۸، في السنة في الفطرة.

(۳) أوجز المسالك: ۱۶/۲۸۴۔

کو روک دیا، اور پھر یہ حدیث ارشاد فرمائی۔ آگے فرماتے ہیں کہ بال اکھاڑنا حجام کے لیے اور حجامت بنوانے والے کے۔لیے، یعنی دونوں کے لیے مکروہ ہے۔ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی وجہ سے جس میں صراحت سے سفید بال اکھاڑنے کی ممانعت ہے، سفید بال اکھاڑنے کو حرام قرار دیا جائے تو بعید نہیں۔یہ حکم عام ہے داڑھی، مونچھ، سر اور بھنو وغیرہ کے بال داخل ہیں۔اسی طرح اِس حکم میں مرد وعورت سب شامل ہیں[1]۔

(۲۳۳) مسجد میں خرید وفروخت کا حکم

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الشِّرَاءِ وَالْبَيْعِ فِي الْمَسْجِدِ، وَأَنْ تُنْشَدَ فِيهِ ضَالَّةٌ، وَأَنْ يُنْشَدَ فِيهِ شِعْرٌ، وَنَهَى عَنِ التَّحَلُّقِ قَبْلَ الصَّلَاةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ[2].

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں خرید وفروخت کرنے، اور گمشدہ چیزوں کا اعلان کرنے اور اس میں شعر وشاعری کرنے سے منع فرمایا ہے، اور جمعہ کے دن جمعہ کی نماز سے پہلے حلقہ لگا کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

فائدہ: مسجد عبادتوں، ذکر واذکار، اور تلاوتِ قرآن کے لیے ہے، نہ کہ تجارت وکاروبار یا دیگر دنیوی کام اور ضرورتوں کے لیے؛ اس لیے حدیث شریف میں خریدنے، بیچنے وغیرہ کی ممانعت کی گئی ہے؛ کیوں کہ اس میں مذکور چاروں میں سے کسی چیز کا تعلق بھی خالص عبادت سے نہیں ہے۔

پہلی چیز: خرید وفروخت کرنا ہے۔ چناں چہ بعض علما اس حدیث کی بنا پر مسجد میں خرید و فروخت کے ناجائز ہونے کے قائل ہیں۔ امام طحاویؒ کی رائے یہ ہے کہ مسجد میں اتنی کثرت سے خرید وفروخت کرنا کہ مسجد کی ہیئت ہی ختم ہو جائے اور بازار کی سی کیفیت ہو جائے، ممنوع ہے۔ اگر متفرق

(۱) حاشیة بذل المجهود: ۱۲/۲۲۹.

(۲) أبو داود: ۱۰۷۹، الصلاة، التحلق يوم الجمعة.

طور پر کبھی کبھار کسی نے ایسا کر لیا؛ تو مضائقہ نہیں ہے۔

دوسری چیز: گم شدہ چیزوں کا اعلان کرنا ہے۔ یہ بھی مسجد کے آداب و احترام کے خلاف ہے، اس لیے ممنوع ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں گم شدہ چیزوں کا اعلان کرے تو کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تم کو یہ سامان نہ ملائے، کیوں کہ مسجدیں اعلان کے لیے نہیں بنائی گئیں ہیں[1]۔

تیسری چیز: شعر وشاعری کرنا ہے۔ مسجد میں شعر وشاعری کرنا، یا شعر پڑھنا ممنوع ہے۔ لیکن شعر سے مراد ایسے اشعار ہیں، جن میں تفاخر اور بے جا تمادح، یا کسی اچھے اور نیک آدمی کی ہتک عزت اور مذمت ہو تو ایسے اشعار پڑھنا منع ہے۔ لیکن اگر اشعار میں دین واسلام کی مدح و تعریف ہو یا حکمت کی باتیں اور مکارم اخلاق کا ذکر ہو؛ تو کوئی حرج نہیں، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت حسان بن ثابت آپ ﷺ کے سامنے مسجد نبوی میں اشعار پڑھا کرتے تھے۔

چوتھی چیز: جمعہ سے قبل مسجد میں حلقہ لگا کر بیٹھنا منع ہے۔ اِس کی کئی وجہیں ہیں: ایک تو یہ کہ مسجد عبادت کی جگہ ہے، آپس میں حلقہ لگا کر اور بیٹھ کر باتیں کرنے کی جگہ نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن لوگ پہلے ہی کثرت سے آجاتے ہیں، حلقہ لگا کر بیٹھنے سے مصلیوں کو پریشانی ہوگی، جگہ تنگ ہو جائے گی، اگر کئی جگہ لوگوں نے جگہ گھیر کر حلقے بنا لیے؛ تو صفوں کی جگہ ہی نہیں رہے گی۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگ خطبہ نہیں سنیں گے، باتوں میں مشغول رہیں گے[2]۔

(۲۳۴) کاہنوں کے پاس جانے کا حکم

عَنْ صَفِيَّةَ عَنْ بَعْضِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ؛ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً»[3].

---

(۱) ابو داؤد: ۴۷۳، کراهية إنشاد الضالة في المسجد.

(۲) بذل المجهود: ۵/۹۰-۹۶.

(۳) مسلم: ۲۲۳۰، السلام، تحريم الكهانة وإتيان الكهان.

ترجمہ: حضرت صفیہ بنت ابو عبید (زوجہ حضرت عبد اللہ بن عمر) سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ایک زوجہ مطہرہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص کاہن کے پاس آیا اور اس سے کچھ پوچھا؛ تو اس کی نماز چالیس دن تک قبول نہیں ہوگی"۔

فائدہ: کہانت یعنی غیب کی خبریں جاننے کا دعویٰ کرنا اور لوگوں کو غیب کی خبریں دینا، توحید کے منافی ہے۔ کاہن در حقیقت کافر و مشرک ہوتا ہے؛ کیوں کہ وہ جنات کا تقرب اور خوشنودی حاصل کر کے، ان کی خدمات حاصل کرتا ہے اور وہ اس کو بعض پوشیدہ باتیں بتا جاتے ہیں، پھر وہ کاہن لوگوں کو بتاتا ہے۔ مختلف احادیث میں کاہنوں کے پاس آکر اس سے معلومات لینے اور اس کی تصدیق کرنے والے پر بہت شدید وعید آئی ہے۔ امام احمد ابن حنبلؒ نے ایک حدیث ذکر کی ہے کہ، "جو کاہن یا عراف کے پاس آیا، اور اس نے اس کی بات کی تصدیق کی، جو کاہن یا عراف نے کہا ہے؛ تو اس نے اس چیز کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے" یعنی قرآن پاک کا منکر ہے[1]۔

کہانت کی کئی قسمیں ہیں اور سب ممنوع ہیں۔ اسلام نے سب کی تکذیب کی ہے اور کاہنوں کی تصدیق اور اس کی اتباع کرنے سے روکا ہے۔ حدیث شریف میں مذکور "کاہن سے پوچھنے" کا مطلب ہے اُس کی بات ماننا اور تصدیق کرنا، جیسا کہ ابھی مسند احمد کے حوالہ سے گزرا۔ ایسے شخص کا حکم حدیث پاک میں یہ آیا کہ چالیس دن تک اس کو نماز کا ثواب نہیں ملے گا۔ فرض تو ذمہ سے ساقط ہو جائیگا؛ لیکن اللہ پاک اس کو قبول نہیں فرمائے گا۔ حدیث شریف میں چالیس دنوں کی قید اس لیے لگائی کہ اتنے دنوں میں حالتوں میں تبدیلی آجاتی ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ چالیس دنوں کی قید ایک راز ہے، اس میں کیا حکمت ہے یہ اللہ ہی جانتا ہے[2]۔

کاہن اور عرّاف کے پاس آنے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ وہ ایک سچ میں سو جھوٹ ملا کر بولتا ہے۔ چناں چہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی اس سلسلہ میں موجود ہے: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

(۱) مسند أحمد: ۹۵۳۶، مسند أبو هريرة.

(۲) تكملة فتح الملهم: ۱۰/۳۴۰.

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کاہن ہم سے کچھ بتاتے تھے، تو ہم اس کو درست پاتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سچ بات کو جن اچک لیتا ہے اور اپنے دوست کے کان میں ڈالتا ہے اور وہ سو جھوٹ اس میں ملا دیتا ہے[1]۔

علامہ نوویؒ نے قاضی عیاضؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عرب میں کاہن تین طرح کے ہوتے تھے۔ ایک یہ کہ انسان کسی جن یا شیطان کو اپنا دوست بنالیتا تھا، جو آسمان کی باتیں سن کر اپنے دوست کو خبر کردیتا تھا، نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔ دوسرے یہ کہ جن اپنے دوستوں کو کرۂ ارض پر دور یا نزدیک میں جو باتیں پوشیدہ ہیں وہ بتادیتا ہے۔ اور تیسری قسم مُنَجِّم کی ہے؛ کہ اللہ پاک نے بعض لوگوں کے اندر ایسی قوت دی ہوتی ہے، کہ ستاروں کو دیکھ کر معلومات حاصل کرلیتے ہیں لیکن اس میں زیادہ تر جھوٹ ہوتا ہے۔ ان سب کو کہانت کہا جاتا ہے۔ شریعت نے سب کی تکذیب کی ہے اور ان کے پاس آنے اور ان کی تصدیق کرنے سے منع کیا ہے[2]۔

(۲۳۵) شعبان کے آخری دو دنوں کے روزے کا حکم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا يَتَقَدَّمَنَّ أَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ رَجُلٌ كَانَ يَصُومُ صَوْمَهُ فَلْيَصُمْ ذَلِكَ الْيَوْمَ»[3].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص رمضان سے ایک دو دن پہلے روزے نہ رکھے، مگر وہ شخص جو پہلے سے ہی ان دنوں کے روزے رکھنے کا عادی ہو، وہ اس دن کا روزہ رکھ لے۔

فائدہ: اسلام کے ابتدائی دور میں نبی کریم ﷺ نے یہود و نصاری کی موافقت کا حکم دیا تھا؛ کیوں کہ وہ لوگ آسمانی اور خدائی مذہب کے ماننے والے تھے۔ لیکن بعد میں ان کی مخالفت کا حکم دیا

---

(۱) مسلم: ۲۲۲۸، السلام، تحريم الكهانة.
(۲) المنهاج شرح مسلم: ۹۱/۱۴.
(۳) البخاري: ۱۹۱۴، الصوم، لا تقدم رمضان ...

جانے لگا کہ اعمال میں ان کی مخالفت کرو؛ کیوں کہ یہود و نصاری اسلام کے دشمن ہیں۔ یہ حکم جو اِس حدیث میں دیا گیا ہے، اسی قبیل سے ہے۔ نصاریٰ کی عادت تھی کہ ان پر جو فرض تھا، فساد عقیدہ کی وجہ سے اُس میں اِس طور پر زیادتی کر دیتے تھے کہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ کیا فرض ہے، کیا نفل۔ پھر نفل کو بھی فرض ہی سمجھنے لگتے تھے۔ اِنہیں گمراہیوں کے در آنے کی وجہ سے اور گمراہیوں سے بچانے کی وجہ سے مسلمانوں کو منع کر دیا گیا کہ ایسا نہ کرو کہ شعبان کا روزہ رمضان کے روزے میں مل جائے اور یہ شبہ ہو کہ رمضان کا ہی روزہ ہے۔ اِسی وجہ سے بعض علماء نے فرمایا کہ آخر کے دنوں میں روزہ رکھنا حرام ہے۔ اگر کوئی شخص معمول کا روزہ رکھ رہا ہو، مثلاً آخر کے دنوں میں جمعرات یا پیر کا روزہ اس نے رکھا، جو اس کا معمول تھا؛ تو یہ جائز ہے، ورنہ حرام ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ حکم امت کی آسانی کیلئے ہے اور ممانعت کراہت کے قبیل سے ہے۔ اگر ان دنوں میں روزہ رکھنے سے کمزوری اور ضعف ہوتا ہو جس کی وجہ سے رمضان کے روزے میں دشواری آئے، تو ان ایام میں روزہ رکھنا منع ہے ورنہ بلا کراہت جائز ہے[1] ۔ ایک دوسری روایت میں شعبان کے آخری پندرہ دنوں میں روزہ رکھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب شعبان کا آدھا مہینہ باقی رہ جائے تو روزہ نہ رکھو[2]۔

(۲۳۶) اللہ کے نام پر مانگنے والے کو دیدو

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللهِ فَأَعِيذُوهُ، وَمَنْ سَأَلَ بِاللهِ فَأَعْطُوهُ، وَمَنْ دَعَاكُمْ فَأَجِيبُوهُ، وَمَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ، فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا مَا تُكَافِئُونَهُ فَادْعُوا لَهُ حَتَّى تَرَوْا أَنَّكُمْ قَدْ كَافَأْتُمُوهُ»[3].

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمر کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ

(۱) عمدة القاري: ۱۰/۴۲۶.
(۲) الترمذي: ۷۳۸، كتاب الصوم.
(۳) أبو داود: ۱۶۷۲، الزكاة، باب عطية من سأل بالله.

کے نام پر پناہ طلب کرے؛ تو اس کو پناہ دو، جو شخص اللہ کے نام پر تجھ سے کچھ مانگے، اس کو دو، جو شخص تمہاری دعوت کرے، اسے قبول کرو اور جو شخص تم پر احسان کرے اس کا بدلہ دو، اگر اس کا بدلہ چکانے کی طاقت نہ ہو؛ تو اس کے لیے دعاءِ خیر کرتے رہو، یہاں تک کہ تم محسوس کرو کہ اس کا بدلہ ہو گیا۔

فائدہ: حدیث میں چار باتوں کا ذکر ہے، اور چاروں باتیں احسان کے قبیل سے ہیں، انسانوں کو چاہیے کہ اپنے معاشرے کو اس حدیث کے مطابق بنائے۔ پہلی بات یہ ہے کہ پناہ طلب کرنے والے کو پناہ دینا چاہیے۔ یعنی اگر کوئی اللہ کا واسطہ دے کر تم سے اپنی جان ومال کی حفاظت مانگے، خواہ تمہارے یا کسی اور کے شر سے تو اس کی پریشانی دور کرو اس کی حفاظت کرو، اس کو پریشان نہ کرو۔

دوسری بات یہ کہ اللہ کے واسطے مانگنے والے کی حاجت کو ضرور پورا کرو، اس کو منع نہ کرو؛ کیوں کہ اس نے اللہ کا واسطہ دیا ہے۔ اِس کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ کے نام کی تعظیم کا لحاظ کرتے ہوئے اس کو کچھ نہ کچھ دے دیا جائے۔ اگرچہ ایک روایت میں ہے کہ "اللہ کے وسیلے اور واسطے سے سوائے جنت کے کچھ نہ مانگا جائے"[1]۔

تیسری بات: دعوت قبول کرنا ہے؛ یعنی اگر کوئی دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرنی چاہیے، اور پہلے گزر چکا ہے کہ دعوت سے مراد صرف کھانے کی دعوت نہیں ہے، بلکہ کسی بھی جائز کام کے لیے بلائے تو اس کی دعوت کو قبول کرے، اِس شرط کے ساتھ کہ کوئی عذر شرعی مانع نہ ہو۔

چوتھی بات: اگر کوئی تم پر کسی بھی طرح کا چھوٹا یا بڑا احسان کرے تو اس کے بدلہ تم بھی اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرو۔ اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ﴾: (نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے)۔ اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو احسان چکانے کا جو اقل درجہ ہے اس کو اختیار کرے؛ اور وہ ہے اپنے محسن کے لیے دعاء خیر کرنا، اور خوب دعا کرنا یہاں تک کہ ایسا محسوس ہونے لگے کہ بدلہ ادا ہو گیا۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ، اگر کوئی احسان کرے تو اس کو جزاک اللہ

(۱) أبو داود، ۱٦۱۷، كراهة المسئلة بوجه الله.

کہے، اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو گویا کہ اس نے اس کا حق ادا کر دیا چاہے اس کا احسان کتنا ہی بڑا ہو[1]۔

(۲۲۳۷) سب سے برا نام

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضِيَ اللهُ عنهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أَخْنَعَ اسْمٍ عِنْدَ اللهِ رَجُلٌ تَسَمَّى مَلِكَ الْأَمْلَاكِ[2].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ ذلیل اور برا نام اللہ تعالیٰ کے پاس اس شخص کا ہے، جس کا نام ملک الاملاک ہو۔

فائدہ: پہلے گزر چکا ہے کہ پیدائش کے بعد ساتویں دن نام رکھ کر عقیقہ کیا جائے گا۔ لیکن نام رکھتے وقت یہ خیال کرنا ہے کہ نام اچھا ہو، اس کا معنی اچھا ہو، انبیاء اور صحابہ کرامؓ کے نام کے مطابق ہو۔ اللہ پاک کے صفاتی ناموں پر نام رکھا گیا ہو؛ لیکن اللہ پاک کے صفاتی ناموں میں سے بعض نام ایسے ہیں جن کو رکھنے کی ممانعت ہے۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: مگر اس میں تفصیل یہ ہے کہ اسماء حسنیٰ میں سے بعض نام ایسے بھی ہیں، جن کو خود قرآن و حدیث میں دوسرے لوگوں کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اور بعض وہ ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے لیے استعمال کرنا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے؛ تو جن ناموں کا استعمال غیر اللہ کے لیے قرآن و حدیث سے ثابت ہے، وہ نام تو اوروں کے لیے بھی استعمال ہو سکتے ہیں۔ اور اسماء حسنیٰ میں سے وہ نام جو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں، وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں، ان کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا ناجائز و حرام ہے[3]۔

اس حدیث میں بھی ایسے نام رکھنے کی ممانعت آئی ہے، جس سے اللہ کے مقابل نام ہونے کا

---

(۱) مرقاة المفاتيح: ۳۷۵/٤.
(۲) صحيح مسلم: ۲۱٤۳، الآداب، تحريم التسمي ... .
(۳) معارف القرآن: ٤/۱۳۲.

شبہ ہو۔ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے اپنا نام شاہان شاہ (شہنشاہ) جس کو عربی میں ملک الاملاک کہتے ہیں؛ رکھا یا کسی دوسرے نے یہ نام رکھ دیا، اور وہ شخص اس پر راضی رہا؛ تو ایسا شخص اس نام کی وجہ سے اللہ کے نزدیک بہت مبغوض ہے۔ شاہان شاہ، فارسی لفظ ہے، جس کے معنی بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ ملک الاملاک کی تفسیر حضرت سفیان ثوریؒ نے شہنشاہ سے ہی کی ہے اور یہ اشارہ کیا ہے کہ یہ ممانعت صرف اِس نام کے ساتھ خاص نہیں ہے؛ بل کہ اس کے مثل جتنے بھی نام ہیں لفظاً یا معنی کے اعتبار سے، خواہ عربی ہوں یا عجمی اس وعید میں سب داخل ہیں (۱)۔

ابن حجرؒ نے کچھ ایسے عربی ناموں کی نشاندہی کی ہے، جو ممنوع ہیں مثلاً: خالق الخلق، احکم الحاکمین، سلطان السلاطین اور امیر الامراء وغیرہ۔ اسی طرح وہ نام بھی جو اللہ تعالی کے ساتھ مخصوص ہیں؛ مثلاً: رحمان، قدوس، جبار وغیرہ یہ اسماء غیر اللہ کے لیے جائز نہیں ہیں (۲)۔

(۲۳۸) اللہ سے مانگنے کا طریقہ

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلْيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ، وَلَا يَقُولَنَّ: اللهُمَّ إِنْ شِئْتَ فَأَعْطِنِي. فَإِنَّهُ لَا مُسْتَكْرِهَ لَهُ»(۳).

ترجمہ: حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تم میں سے کوئی دعاء کرے؛ تو اللہ تعالی سے عزم و حوصلہ کے ساتھ مانگے۔ اور ہر گز یہ نہ کہے کہ اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے عطا فرما، کیوں کہ اللہ پر کوئی زبردستی کرنے والا نہیں"۔

فائدہ: حدیث شریف میں اللہ سے مانگنے اور دعا کرنے کا ایک ادب بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی مشیت پر اپنی دعا کو معلق نہ کیا جائے؛ بلکہ عزم کے ساتھ دعاء کی جائے، اور دعا کرتے ہوئے اللہ سے حسن ظن رکھا جائے (۴)۔ دعا کرتے وقت جن آداب کی رعایت ضروری ہے، ان میں سے چند یہ ہیں۔

---

(۱) فتح الملهم: ۱۰/۱۸۷.
(۲) فتح الباري: ۱۰/۶۸۸.
(۳) البخاري: ۶۳۳۸، الدعوات، ليعزم المسألة.
(۴) فتح الباري: ۱۱/۱۶۰.

(۱) دعاء کی شروعات اللہ کی تعریف اور نبی کریم ﷺ پر درود سے ہو، اور اسی پر ختم ہو۔
(۲) دعاء ہر حال میں کی جائے، تنگ دستی اور خوشحالی دونوں حالت میں۔ (۳) اپنے لیے، اولاد و مال اور گھر والے کے لیے بد دعا نہ کرے۔ (۴) درمیانی آواز سے دعاء کرے۔ (۵) دعا میں عاجزی اور تضرع ہو۔ (۶) دعا میں گریہ وزاری کا اہتمام کرے۔ (۷) اللہ کے اسماء و صفات کا بار بار ذکر کر کے دعا کرے، اللہ کی ذات و صفات کا وسیلہ اختیار کرے۔ (۸) اپنے گناہوں کا اقرار کرے اور دعا کے دوران اس پر ندامت کا اظہار کرے۔ (۹) دعا کے الفاظ میں تکلف نہ کرے۔ (۱۰) ایک ہی حاجت کا ذکر کم از کم تین بار کرے۔ (۱۱) قبلہ رو ہو کر دعا کرے۔ (۱۲) دعا کرتے وقت دونوں ہاتھ اٹھائے۔ (۱۳) دعا سے قبل وضو کر لے۔ (۱۴) اللہ کے خوف سے دعا میں روئے۔ (۱۵) اللہ کے سامنے اپنی بے بسی ظاہر کرے۔ (۱۶) اگر دوسرے کے لیے دعا کر رہا ہے؛ تو پہلے اپنے لیے کرے۔ (۱۷) دعا میں حد سے تجاوز نہ کرے۔ (۱۸) گناہوں سے توبہ کرے اور جس پر ظلم کیا ہے اس سے معافی تلافی کرے۔ (۱۹) اپنے ساتھ اپنے والدین کے لیے بھی دعا کرے۔ (۲۰) تمام مومنین و مومنات کے لیے بھی دعا کرے۔ (۲۱) صرف اللہ سے ہی مانگے [۱]۔

اللہ پاک سے جو مانگنا ہے، جتنا مانگنا ہے، مانگیے، سب ملے گا۔ اللہ تعالی کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے: اس کے پاس اتنا ہے کہ دنیا ختم ہو جائے، مگر اللہ کے پاس سے اس کی رحمت و مغفرت اور ضروریات انسان ختم نہیں ہو سکتی۔ اللہ سب کو دیتا ہے؛ لیکن اس کے خزانہ میں کمی نہیں ہوتی۔ حدیث قدسی ہے: حضرت ابو ذرؓ نبی کریم ﷺ سے اور آپ ﷺ اللہ پاک سے روایت کرتے ہیں: اے میرے بندے! اگر تمہارے اول و آخر اور انس و جن (یعنی آدمؑ سے لیکر قیامت تک کہ تمام انس و جن) ایک ٹیلے پر کھڑے ہو جائیں اور مجھ سے مانگیں؛ تو میں ہر انسان کو اس کی مانگی ہوئی چیز دوں گا اور

(۱) شروط الدعاء وموانع الاجابة: ۳۷.

میرے پاس کچھ بھی کم نہیں ہوگا، سوائے اتنا کہ جو سوئی پر پانی لگتا ہے سمندر میں ڈالنے کے بعد [1]۔

(۲۳۹) نیا چاند دیکھنے کی دعا

عن طَلْحَةَ بنِ عُبَيْدِ اللهِ ﷺ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَأَى الْهِلَالَ قَالَ: اللّٰهُمَّ أَهْلِلْهُ عَلَيْنَا بِالْيُمْنِ وَالْإِيمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ، رَبِّي وَرَبُّكَ اللهُ» [2].

ترجمہ: حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب چاند دیکھتے تو یوں دعا فرماتے: اے اللہ اِس کو ہم پر امن وایمان اور سلامتی واسلام کے ساتھ طلوع فرما، اے چاند! میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔

فائدہ: چاند اور سورج اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے امت کو یہ تعلیم دیا کہ نشانیوں کے ظاہر ہوتے وقت اور حالات بدلتے وقت دعا کرنا مستحب ہے۔ تین دن تک کے نئے چاند کو عربی میں ہلال کہتے ہیں، اس کے بعد قمر کہلاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا معمول تھا کہ جب نیا چاند دیکھتے؛ تو اوپر حدیث میں مذکور دعا پڑھتے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! اس ماہ میں ہم امن وایمان اور سلامتی کے ساتھ رہیں، تمام آفات سے ہماری حفاظت فرما، اور احکام اسلام پر ہم جمے رہیں اس کی توفیق دے۔ پھر نبی اکرم ﷺ چاند کو مخاطب کر کے فرماتے: میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ اس میں ان لوگوں کا رد بھی مطلوب ہے جو چاند اور سورج کو اپنا رب سمجھ کر پوجتے ہیں [3]۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب چاند دیکھتے، تو یہ دعاء پڑھتے: «هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ، هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ، هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ، آمَنْتُ بِالَّذِي خَلَقَكَ». تین بار پڑھتے، پھر، الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي ذَهَبَ بِشَهْرِ كَذَا، وَجَاءَ بِشَهْرِ كَذَا پڑھتے [4]۔ مطلب یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو ایک مہینہ کو لے گیا اور دوسرے کو لایا۔ دارمی کی روایت میں پہلی دعاء میں کچھ اضافہ ہے، حضرت

(١) مسلم: ٢٥٧٧، البر والصلة والآداب، تحريم الظلم.
(٢) الترمذي: ٣٤٥١، الدعوات، ما يقول عند رؤية الهلال.
(٣) مرقاة المفاتيح: ٣٤٢/٥.
(٤) ابو داود: ٥٠٩٢، أول كتاب الأدب.

ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ چاند دیکھتے تو یوں پڑھتے: اللہ اکبر، اللّٰهُمَّ أَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ، وَالتَّوْفِيقِ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضَى، رَبُّنَا وَرَبُّكَ اللهُ (۱).

امام احمد نے بھی ایک دعاء ذکر کی ہے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب چاند دیکھتے تو کہتے تھے: اللهُ اکبر، الْحَمْدُ لِلّٰهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ هَذَا الشَّهْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ الْقَدَرِ، وَمِنْ سُوءِ الْمَحْشَرِ (۲).

(۲۴۰) رمضان کے روزوں کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ» (۳).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: جس شخص نے ایمانی تقاضے کے تحت، ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے، اس کے پہلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

فائدہ: ماہ مبارک ہم پر سایہ فگن ہو چکا ہے؛ اس لیے ہم آج نبی کریم ﷺ کا وہ خطبہ پیش کر رہے ہیں جو آپ ﷺ نے شعبان کے آخری دن دیا تھا، اس میں رمضان کے فضائل مذکور ہیں جو سند کے اعتبار سے تو ضعیف ہے، مگر اس کے مضامین مختلف احادیث میں آئے ہیں جو صحیح ہیں۔

اوپر مذکور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس نے رمضان کے دنوں میں ایمان کے ساتھ (اور ایمان کا مطلب یہ ہے کہ روزہ کے فرض ہونے کا اعتقاد ہو، اور روزہ رکھنے پر ثواب ملنے کا یقین ہو) اور اخلاص کے ساتھ ثواب کی نیت سے روزہ رکھا، لوگوں کے دکھانے کے لیے یا ان کے ڈر کی وجہ سے نہیں، اور روزے کے درمیان اپنے آپ کو جھوٹ اور غیبت وغیرہ سے بچایا؛ تو روزہ کی برکت سے اللہ پاک اس کے صغیرہ گناہ معاف فرمادیں گے۔ لیکن کبیرہ کی معافی کی امید نہیں چھوڑنی چاہیے۔ اللہ سے

---

(۱) سنن الدارمي: ۱۷۲۹، كتاب الصوم.
(۲) مسند أحمد: ۲۲۷۹۱.
(۳) البخاري: ۳۸، الإيمان، صوم رمضان إيمانا.

حسن ظن رکھتے ہوئے کبیرہ کی معافی کی بھی امید ہونی چاہیے[1]۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شعبان کی آخری رات میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

اے لوگو! تمھارے اوپر ایک بہت بڑا مہینہ آگیا ہے، بہت مبارک مہینہ ہے، اِس مہینہ میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اللہ تعالی نے اِس ماہ کے روزے کو فرض قرار دیا ہے۔ اور اس کی راتوں میں قیام، یعنی: تراویح کو نفل قرار دیا ہے؛ جو شخص اِس مہینہ میں کوئی نیکی کرے، اللہ کا قرب حاصل کرے، تو وہ ایسا ہے جیسے دوسرے مہینوں میں فرض ادا کیا ہو۔ اور جس نے اس ماہ میں ایک فرض ادا کیا، وہ ایسا ہے جیسے دوسرے مہینوں میں ستر فرض ادا کیے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے، اور صبر کا ثواب تو جنت ہی ہے۔ اور یہ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی و غم خواری کا مہینہ ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں مؤمن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ اگر اس مہینہ میں کوئی شخص کسی روزہ دار کا روزہ کھلوائے —افطار کرائے— تو وہ اُس کے گناہوں کی مغفرت اور اس کی گردن کو دوزخ سے بچانے کا ذریعہ ہے، اور اس کے لیے بھی اتنا ہی اجر ہے جتنا روزہ دار کا اجر ہے، بغیر روزہ دار کے ثواب میں کمی واقع ہوئے۔ اور یہ ثواب اللہ تعالی اس آدمی کو بھی دے گا جو کسی روزہ دار کو دودھ کی لسی سے افطار کرائے، یا ایک کھجور کھلا دے، یا ایک گھونٹ پانی پلا دے۔ اور جس شخص نے کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھلایا، تو اللہ پاک میرے حوض سے اس کو پانی پلائے گا، پھر اسے پیاس نہ لگے گی، یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اور یہ مہینہ ایسا ہے کہ اس کا اول عشرہ اللہ کی رحمت ہے، اس کا درمیانی عشرہ مغفرت ہے، اور اس کا آخری عشرہ دوزخ سے رہائی ہے۔ اور چار چیزوں کی اس میں کثرت رکھا کرو! دو چیزیں ایسی ہیں کہ تم ان کے ذریعہ اپنے پروردگار کو راضی کر سکو گے، اور دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے تمھیں چھٹکارہ ہی نہیں— یعنی ضرور کرنی ہیں— وہ دو چیزیں جن سے تم اپنے پروردگار کو خوش کر سکو گے: کلمۂ

(۱) مرقاة المفاتيح: ۳۸۸/٤.

طیبہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دینا، اور استغفار کی کثرت ہے۔ اور وہ دو چیزیں جن سے چھٹکارا نہیں: اللہ پاک سے جنت کا سوال کرنا اور جہنم سے پناہ مانگنا ہے [۱]۔

آیئے! ہم اللہ کے روبرو عہد کرتے ہیں کہ رمضان شریف کے پورے روزے رکھیں گے، رمضان کریم کے جو تقاضے ہیں، ان پر عمل کریں گے۔ اللہ پاک ہمیں رمضان کے تقاضے کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین!

رمضان المبارک

(۲۴۱) روزے کا آغاز و اختتام

عن أبي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ، وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ، فَإِنْ غُبِّيَ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ»[۲].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: چاند دیکھ کر روزہ شروع کرو اور چاند دیکھ کر ہی روزہ موقوف کرو۔ اگر ابر چھا جائے؛ تو شعبان کے تیس دن پورے کرو۔

فائدہ: حدیث شریف میں بتایا گیا کہ جب رمضان کا چاند دیکھ لو؛ تو روزہ رکھنا شروع کردو، اور جب شوال کا چاند دیکھ لو تو روزہ رکھنا بند کردو اور عید الفطر مناؤ۔ اگر بادل، گرد و غبار یا موسم کے ابر آلود ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے؛ تو شعبان کے مہینہ کے تیس دن پورے کرو، پھر رمضان کا روزہ شروع کرو۔ یہی صورت رمضان میں ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ موقوف کرو اور اگر ابر کی وجہ سے شوال کا چاند نظر نہ آئے تو رمضان کے تیس روزے مکمل کرو پھر عید الفطر مناؤ[۳]۔

رمضان کریم کا روزہ، ارکان اسلام میں سے تیسرا رکن ہے۔ اللہ پاک نے اس میں بڑے

---

(۱) جمع الجوامع للسیوطي: ۲۷٦۲۷.
(۲) البخاري: ۱۹۰۹، الصوم، قول النبي إذا رأيتم الهلال.
(۳) مرقاة المفاتيح: ٤/٤٠٤.

فائدے رکھے ہیں۔ جن میں دو سب سے بڑے فائدے یہاں ذکر کیے جاتے ہیں: ایک فائدہ تو یہ ہے کہ روزہ رکھنے کی وجہ سے نفس امارہ کی اصلاح ہوتی ہے، اس کو سکون ملتا ہے، اس کی شدت ختم ہوتی ہے، اور تمام اعضا مثلا: آنکھ، زبان، کان اور خواہش نفسانی وغیرہ ضعف کی وجہ سے سست اور ڈھیلے ہو جاتے ہیں، جس کی بنا پر گناہ کی خواہش کم یا ختم ہو جاتی ہے۔

دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ روزوں کی وجہ سے دل کی کدورتیں اور گندگیاں صاف ہو جاتی ہیں، دل کے اندر جو گندگیاں آتی ہیں، ان کا سبب لایعنی اور فضول باتیں، آنکھ، کان اور دیگر اعضاء کا غلط استعمال ہے۔ جب دل کی صفائی ہو جاتی ہے؛ تو پھر انسان اچھے کام کر کے اعلیٰ درجات حاصل کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے فوائد ہیں جن کو ملا علی قاریؒ نے تحریر کیا ہے[1]۔

صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ کی نیت سے کھانے پینے اور خواہش نفسانی سے رکنے کا نام روزہ ہے، اگر غروب آفتاب سے ایک منٹ پہلے بھی کچھ کھا پی لیا؛ تو روزہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح پورے دن مذکورہ چیزوں سے تو بچے رہے لیکن روزہ کی نیت نہیں کی؛ تو بھی روزہ نہیں ہوگا۔

روزہ پچھلی امتوں پر بھی فرض کیا گیا تھا۔ یہ خصوصیت صرف ہمارے لیے نہیں ہے۔ ہاں اِس مخصوص مہینہ میں پورے مہینہ کا روزہ ہمارے ساتھ خاص ہے۔ حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ سورۂ بقرہ، آیت نمبر: ۱۸۳ کے ذیل میں فرماتے ہیں: روزے کی فرضیت کا حکم مسلمانوں کو ایک خاص مثال سے دیا گیا ہے، حکم کے ساتھ یہ بھی ذکر فرمایا کہ یہ روزے کی فرضیت کچھ تمہارے ساتھ خاص نہیں، پچھلی امتوں پر بھی روزے فرض کیے گئے تھے۔ اس میں روزے کی خاص اہمیت بھی معلوم ہوتی ہے اور مسلمانوں کی دل جوئی و دل جمعی کا بھی اہتمام کیا گیا کہ روزہ اگرچہ مشقت کی چیز ہے، مگر یہ مشقت تم سے پہلے بھی لوگ اٹھاتے آئے ہیں۔ اور طبعی بات ہے کہ مشقت میں بہت سے لوگ مبتلا

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۳۸۵/۴ ، مختصرا.

ہوں تو وہ ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے[1]۔

(۲۴۲) تراویح کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ[2].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے رمضان کی راتوں میں ایمان کے تقاضے سے، ثواب کی امید رکھتے ہوئے، قیام کیا، اس کے سابقہ گناہوں کی مغفرت کردی جاتی ہے۔

فائدہ: حدیث شریف میں تراویح کی نماز کا ذکر ہے۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو صلاۃ تراویح کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔ تراویح کی نماز سنت ہے، اجتہادی اور اجماعی مسئلہ ہے۔ لیکن مسلمانوں کے مابین اتفاق واتحاد فرض اور واجب ہے؛ جو قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ آج کل ہمارے کچھ احباب تراویح کی تعداد رکعات کے سلسلہ میں ایک دوسرے کو لعن طعن کرتے ہیں؛ اس وجہ سے مسلمانوں کے درمیان اتحاد واتفاق پارہ پارہ ہو رہا ہے جو کہ فرض ہے۔ بھلا سوچیے تو سہی کہ سنت میں جھگڑنا جو فرض کے ختم ہونے کا سبب بنے کہاں کی عقل مندی ہے؟!

بعض حضرات کہتے ہیں کہ تراویح صرف آٹھ رکعت ہے اور تین وتر ہے؛ دلیل دیتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے رمضان کے نوافل کے بارے میں پوچھا گیا تو حضرت عائشہ نے جواب دیا: آپ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے[3]۔ ہو سکتا ہے وہ اپنے نظریہ میں درست ہوں، لیکن جمہور علما کی رائے اس سے مختلف ہے، اور ان کے پاس بھی دلائل ہیں، کیوں کہ یہاں پر رمضان اور غیر رمضان دونوں کا ذکر ہے اور تراویح صرف رمضان میں پڑھی جاتی

(۱) معارف القرآن: ۱۰/۴۴۲۔
(۲) البخاري: ۲۰۰۹، صلاة التراويح، فضل من قام.
(۳) صحيح البخاري: ۱۱۴۷، التهجد.

ہے، غیر رمضان میں نہیں پڑھی جاتی۔امام بخاریؒ نے بھی باب باندھا ہے کہ "یہ باب رمضان اور غیر رمضان میں نبی کریم ﷺ کے قیام کے سلسلے میں" لیکن اگر پھر بھی ان حضرات کو اصرار ہے تو وہ آٹھ ہی پڑھیں۔دوسرے لوگوں کو یہ حق نہیں ہے کہ آٹھ پڑھنے والوں پر لعن وطعن کریں اور نہ آٹھ پڑھنے والوں کو یہ حق ہے کہ بیس رکعات تراویح پڑھنے والے کو گالی گلوج اور سنت کا مخالف کہیں۔

تراویح بیس رکعات ہے، اس پر اجماع امت نقل کیا ہے۔

ابو اسحاق شیرازی، متوفی: ۴۷۶ھ فرماتے ہیں: اور سنت مؤکدہ میں سے قیام رمضان بھی ہے اور وہ دس سلام کے ساتھ بیس رکعات ہیں۔اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ قیام رمضان کی ترغیب دیتے تھے۔لیکن لازم قرار نہیں دیتے تھے؛ چنانچہ آپ ﷺ فرماتے ہیں:"من قام رمضان ایمانا واحتسابا...الخ، اور افضل یہ ہے کہ بیس رکعات جماعت سے پڑھی جائے۔اِس سلسلہ میں نص موجود ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو ابی ابن کعبؓ کے پاس جمع کیا، انہوں نے لوگوں کو تراویح پڑھائی۔ہمارے بعض احباب نے تنہا پڑھنے کو افضل کہا ہے؛ کیوں کہ چندرات نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی، صحابہ کرام نے بھی ان کے ساتھ پڑھی، پھر چھوڑ دیا اور باقی دنوں اپنے گھر پر پڑھی۔

علامہ نوویؒ نے اپنی کتاب (المہذب) کی اِن مذکورہ عبارتوں کی شرح سے قبل عنوان لگایا ہے: فرعٌ في مذاهب العلماء في عدد ركعات التراويح. اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں: ہمارا مذہب یہ ہے کہ وتر کے علاوہ تراویح بیس رکعات دس سلاموں کے ساتھ ہے، اور وہ پانچ ترویحات ہیں، اور ایک ترویحہ دو سلاموں کے ساتھ چار رکعات ہیں؛ یہ ہمارا مذہب ہے۔یہی مذہب امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں اور امام احمد ابن حنبل اور داود ظاہری۔ رحمهم الله -وغیرہم کا ہے۔اور قاضی عیاض نے بھی جمہور علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔امام مالکؒ کے یہاں چھتیس کی تعداد کا ذکر بھی ہے۔

ہمارے احباب نے بیس رکعات کے لیے اُس حدیث سے استدلال کیا ہے، جس کو امام بیہقیؒ نے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حضرت سائب بن یزیدؓ نے فرمایا: کہ وہ سب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان شریف میں بیس رکعات پڑھتے تھے۔ حضرت یزید بن رومان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطابؓ کے زمانہ میں لوگ تئیس (۲۳) رکعات پڑھتے تھے۔ بیہقیؒ نے فرمایا کہ دونوں روایتوں کو جمع کیا جائے گا؛ اس طور پر کہ وہ لوگ بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔ بیہقیؒ نے حضرت علیؓ سے بھی رمضان میں بیس رکعات قیام کے سلسلہ میں روایت ذکر کی ہے[1]۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے بھی بیس رکعات کو سنت مؤکدہ کہا ہے[2]۔

دیکھیے ابو اسحاق شیرازیؒ نے اپنی کتاب (المہذب) میں اور نوویؒ نے اپنی کتاب شرح (المہذب) میں آٹھ رکعات تراویح کا ذکر کہیں نہیں کیا؛ البتہ ایک جگہ چالیس اور ایک جگہ چھتیس رکعات کا ذکر کیا ہے، پھر اس کا جواب بھی دیا ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ آٹھ رکعات کا تصور ان بزرگوں کے یہاں نہیں تھا، اور نہ ہی آٹھ کے بارے میں معلومات تھی، البتہ چھتیس اور چالیس کا علم تھا۔ ان عبارتوں سے یہ معلوم ہوا کہ بیس رکعات ہی سنت ہے، اور اسی پر اجماع ہے۔ اگر کوئی اِس کو تسلیم نہیں کرتا ہے؛ تو نہ کرے، آٹھ پڑھتا ہے؛ تو آٹھ ہی پڑھے اور جو بیس پڑھتا ہے وہ بیس ہی پڑھے؛ لیکن آپس میں لعن وطعن، اختلاف وانتشار اور گالی گلوج سے بچے۔ رمضان تو عبادتوں اور ریاضتوں کا مہینہ ہے، اسی لیے تراویح کی نماز کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ تو عبادتوں میں مشغول نہ ہو کر لایعنی میں پڑنا اچھا نہیں۔ اللہ پاک ہم مسلمانوں کو صحیح سمجھ دے۔ آمین!

حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے رمضان کی راتوں کو عبادتوں سے زندہ رکھا یا نماز تراویح ادا کی، اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس پر یقین رکھتے ہوئے کہ تراویح اللہ کے تقرب کا ذریعہ

---

(۱) المجموع شرح المہذب: ۷۸۹/۱-۷۸۸۔

(۲) رد المحتار: ۴۹۳/۲-۴۹۵۔

ہے، اور اس نے یہ امید کیا کہ وہ جو عبادت کر رہا ہے، تراویح پڑھ رہا ہے، اللہ کے پاس اس کا اجر ہے؛ یعنی اخلاص کے ساتھ ثواب کی نیت سے تراویح پڑھی، تو اللہ پاک اس کے گذشتہ گناہ معاف فرمادے گا۔ ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالی ہمارے ہر طرح کے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔

(۲۴۳) روزہ داروں کے لیے خصوصی دروازہ

عَنْ سَهْلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّ فِي الجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ: الرَّيَّانُ، يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ، يُقَالُ: أَيْنَ الصَّائِمُونَ؟ فَيَقُومُونَ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ، فَإِذَا دَخَلُوا أُغْلِقَ فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ أَحَدٌ»[1].

ترجمہ: حضرت سہل بن سعدؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں ایک دروازہ ہے جس کو "ریان" کہا جاتا ہے، قیامت کے دن اس سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے، ان کے علاوہ اس میں کوئی داخل نہیں ہوگا۔ پکارا جائے گا: روزہ دار کہاں ہیں؟ تو وہ کھڑے ہو جائیں گے، ان کے سوا اس دروازے سے کوئی داخل نہیں ہو پائے گا۔ جب یہ لوگ داخل ہو جائیں گے، تو اسے بند کر دیا جائے گا، پھر کوئی اس سے اندر نہ جا سکے گا۔

فائدہ: اللہ کا شکر اور اس کا بڑا احسان ہے کہ برکتوں بھرا مہینہ آچکا ہے۔ ہم ایسے مہینے میں داخل ہو چکے ہیں، جس میں ہر لمحہ رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اللہ پاک ہمیں رمضان کی برکتیں سمیٹنے کا موقع دے رہا ہے۔ اگر ہم نے رمضان المبارک کے تقاضوں کو پورا کیا؛ تو اللہ پاک نے ہمارے لیے "ریان" نام کا دروازہ خاص کر رکھا ہے، جس سے ہم جنت میں جائیں گے، ان شاء اللہ۔

جنت میں بہت سارے دروازے ہیں۔ جنت کے آٹھ دروازے تو مشہور ہیں۔ چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں جنت کے چار دروازوں کا ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے: باب الصلاۃ، باب الجہاد، باب الریان، اور باب الصدقۃ[2]۔

---

(۱) صحیح البخاري: ۱۸۹۶، الصوم، الريان للصائمين.

(۲) صحیح البخاري: ۱۸۹۷، الصوم، الريان للصائمين

علامہ عینیؒ نے اور بھی دروازوں کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً باب محمد، اسی کو باب الرحمۃ اور باب التوبہ بھی کہتے ہیں۔ جب سے اس دروازہ کو اللہ نے بنایا ہے کبھی بند نہیں ہوا ہے۔ قیامت کے قریب جب سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا؛ تو ہمیشہ کے لیے یہ دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ باب الزکاۃ، باب الحج، باب العمرۃ، اسی طرح غصہ پی جانے والے کا دروازہ بھی الگ ہے، باب الضحی یعنی چاشت پڑھنے والے کا دروازہ، اسی طرح باب الایمن ہے جس سے وہ لوگ جنت میں جائیں گے جن کا حساب و کتاب نہیں ہوگا[1]۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جنت کے کئی دروازوں میں سے ایک دروازہ "رَیّان" ہے، جو صرف روزہ داروں کے لیے ہے۔ اس سے روزہ دار ہی جنت میں داخل ہوں گے۔ اس دروازہ سے کوئی دوسرا نہ پہلے داخل ہوگا نہ بعد میں۔

(۲۴۴) روزہ کا بدلہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ، إِلَّا الصَّوْمَ؛ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ[2].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: انسان کا ہر عمل اس کے لیے ہے سوائے روزہ کے؛ کیوں کہ روزہ میرے لیے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، اور روزے دار کے منھ کی بو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ اچھی ہے۔

فائدہ: روزہ بہت اہم عبادت ہے۔ روزے کی حالت کا ایک ایک پل بہت قیمتی ہے۔ پورے مہینہ انوار و برکات کی بارش ہوتی ہے۔ کتب احادیث رمضان شریف کی فضیلتوں سے بھری پڑی ہیں۔ ان شاءاللہ آگے ہم چند فضائل علیحدہ علیحدہ ذکر کریں گے۔ ان میں سے دو فضیلتوں کا ذکر اس حدیث شریف میں مذکور ہے۔ اس حدیث کو حدیث قدسی کہتے ہیں۔ چناں چہ یہی روایت بخاری

---

(۱) عمدۃ القاری: ۳۹۰/۱۰

(۲) صحیح البخاري: ۵۹۲۷، اللباس، یذکر في المسك.

"كتاب الصوم، باب: هل يقول: إني صائم إذا شتم" میں ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ پاک فرماتا ہے: کہ انسان کا ہر نیک عمل خود اسی کے لیے ہے، مگر روزہ کہ وہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ اور روزہ گناہوں کے لیے ایک ڈھال ہے، روزہ دار فحش گوئی نہ کرے اور نہ شور مچائے، اگر کوئی شخص اس کو گالی دے یا لڑنا چاہے؛ تو اس کا جواب صرف یہ ہو کہ میں روزہ سے ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالی کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ روزہ دار کو دو خوشیاں حاصل ہوں گی (ایک تو جب) وہ افطار کرتا ہے؛ تو خوش ہوتا ہے اور (دوسرے) جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا؛ تو اپنے روزے کا ثواب پاکر خوش ہوگا[1]۔

روزہ کی دوسری فضیلت جو اس حدیث میں مذکور ہے وہ یہ کہ روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ اللہ تعالی اس بو سے خوش ہوتا ہے؛ کیوں کہ روزے دار کے مُنہ کی بو، روزہ کی وجہ سے ہے اور روزہ اللہ کے لیے ہے[2]۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: اللہ نے روزے کی نسبت اپنی طرف اس لیے کی کہ اس میں ریا کا عمل دخل نہیں ہوتا؛ کیوں کہ یہ پوشیدہ عمل ہے یا اس لیے کہ اس کا بدلہ اور ثواب اللہ پاک خود دے گا۔ اور مراد کثرتِ ثواب کو بیان کرنا ہے، اس لیے کہا کہ روزہ میرے لیے ہے۔ اور منہ کی بو کے پسندیدہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک بہت زیادہ مقبول ہے، یعنی جس طرح تمہارے نزدیک مشک کی خوشبو مقبول ہے، اسی طرح اللہ کے نزدیک روزے دار کے منہ کی بو ہے، بل کہ مشک کی خوشبو سے بھی اس کا درجہ بڑھا ہوا ہے[3]۔

اور منہ کی بو سے مراد پیٹ سے نکلنے والی وہ بو ہے جو معدہ کے خالی ہونے کی وجہ سے نکلتی

---

(۱) صحيح البخاري: ۱۹۰۴، كتاب الصوم.
(۲) مرقاة المفاتيح: ۱/ ۳۸۹.
(۳) عمدة القاري: ۲۲/ ۹۵.

ہے، اس سے وہ بدبو مراد نہیں جو دانت یا منہ صاف نہ کرنے پر نکلتی ہے؛ اس لیے رمضان میں خاص کر ہر نماز کے وقت مسواک کا اہتمام کرنا چاہیے۔

(۲۴۵) رمضان کی برکتیں

عن أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ، فُتِحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ، وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِينُ»(۱).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب رمضان کا مہینہ آتا ہے؛ تو آسمان کے تمام دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو زنجیروں سے جکڑ دیا جاتا ہے۔

فائدہ: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جیسے ہی رمضان کا مہینہ شروع ہوتا ہے، آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ دروازے کھولنے سے مراد یہ ہے کہ تواتر کے ساتھ کثرت سے اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اور کثرت سے طاعت کا ظہور ہوتا ہے۔ اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان ایسے کاموں سے رکا رہتا ہے، جو جہنم میں داخل ہونے کا سبب بنتے ہیں؛ کیوں کہ انسان روزوں کی برکت سے کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے، اور صغیرہ گناہ تو روزے سے معاف ہوتے ہی ہیں۔ شیطانوں کو پنجروں میں قید کر دیا جاتا ہے، سرکش شیاطین باندھ دیے جاتے ہیں، یا انسان شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رہتا ہے؛ کیوں کہ روزہ قوت حیوانیہ کو ختم کر دیتا ہے جو انسان کو گناہوں پر ابھارتی ہے۔ اور قوت عقلیہ طاقت ور ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے انسان نیکیوں کی طرف راغب ہوتا ہے(۲)۔

ایک روایت حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو ایک پکارنے والا پکارتا ہے: اے بھلائی کے چاہنے والے! آگے بڑھ اور

---

(۱) البخاري: ۱۸۹۹، الصوم، هل يقال رمضان أو ... ؟

(۲) مرقاة المفاتيح: ۴/ ۳۸۰

اے برائی کے چاہنے والے! رک جا اور اللہ پاک کی طرف سے بہت سے بندوں کو جہنم سے رہائی دی جاتی ہے، اور ایسا ہر رات ہوتا ہے"[1]۔ اللہ پاک ہم سب کو رمضان کے تقاضے پر عمل کرنے والا اور رمضان کریم کے حق کو ادا کرنے والا بنائے۔ آمین!

(۲۴۶) تہجد کی نماز

عن عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنهَا: كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ: مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا. قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ؟ فَقَالَ: «يَا عَائِشَةُ! إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي»[2].

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (رات میں) گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ خواہ رمضان کا مہینہ ہوتا یا کوئی اور۔ پہلے آپ ﷺ چار رکعت پڑھتے، ان کی خوبی اور لمبائی کا کیا پوچھنا! پھر آپ ﷺ چار رکعت اور پڑھتے ان کی خوبی اور لمبائی کا کیا پوچھنا! پھر تین رکعتیں پڑھتے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ وتر پڑھنے سے پہلے ہی سو جاتے ہیں؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کہ عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں، میرا دل نہیں سوتا۔

فائدہ: حدیث شریف تہجد کے متعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے بھی اس کو کتاب التہجد میں ذکر کیا ہے۔ بخاریؒ نے اسے کتاب صلاۃ التراویح اور کتاب المناقب میں بھی ذکر کیا ہے۔ یعنی بخاریؒ نے اس حدیث کو تین جگہوں پر ذکر کیا ہے۔ یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس حدیث میں تہجد کی نماز کا ذکر ہے۔ کتاب صلاۃ التراویح میں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ عبادت کی کثرت اور تراویح کی زیادتی کی وجہ سے رمضان میں، تہجد نہیں چھوٹتی تھی، نہ کم ہوتی تھی۔ یعنی

---

(۱) الترمذي: ٦٨٢، الصوم عن رسول الله ﷺ.

(۲) البخاري: ١١٤٧، التهجد، قيام النبي بالليل في ...

رمضان اور غیر رمضان پورے بارہ ماہ آپ ﷺ تہجد کی نماز آٹھ رکعات اور وتر تین رکعات پڑھتے تھے۔ مطلب یہ کہ یہ آپ ﷺ کے پورے سال کا معمول تھا۔

رمضان کریم میں آپ ﷺ کی عبادتوں میں زیادتی ہو جاتی تھی۔ آپ ﷺ کی سخاوت بڑھ جاتی۔ آپ ﷺ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور دعاؤں میں گریہ وزاری بڑھ جاتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رمضان شروع ہوتا؛ تو آپ ﷺ کمر کس لیتے؛ یعنی عبادت کے لیے ہمہ وقت اپنے کو فارغ رکھتے (۱)۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ رمضان میں عبادتوں کا اضافہ ہو جاتا تھا، جس میں تراویح اور صدقہ کا اضافہ خاص طور پر تھا۔ حدیث نمبر: (۲۴۴) پر تراویح کے سلسلے میں کچھ باتیں گزری تھیں۔ علامہ نوویؒ نے اس کو سنت مؤکدہ اور اجماع امت قرار دیا تھا۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ بھی فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین کی اکثریت کے مواظبت اور پابندی کرنے کی وجہ سے تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ بیس تراویح پر مداومت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوئی اور صحابۂ کرام نے اس کو پابندی سے ادا کیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں کی۔ یعنی صحابہ کا اجماع ہو گیا۔ پھر اس کو سنت کیسے نہیں کہا جا سکتا؛ جب کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم پر میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا واجب ہے، اس کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ تراویح بیس رکعات ہے، یہی جمہور علماء کا قول بھی ہے اور اسی پر پوری دنیا میں عام لوگوں کا عمل ہے (۲)۔

اس کے باوجود میرا یہ کہنا ہے کہ اس میں تشدد نہیں ہونا چاہیے۔ بیس رکعات والے بیس ہی مانیں اور پڑھیں، آٹھ رکعات والوں کو اگر بیس میں شبہ ہے؛ تو آٹھ ہی مان کر اسی پر عمل کریں۔ تراویح سنت ہے اور رمضان کی ایک زائد عبادت ہے جو جتنا پڑھے گا ثواب ملے گا۔ لیکن ایک دوسرے کو برا

---

(۱) صحيح البخاري: ۲۰۲٤، فضل ليلة القدر.

(۲) رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۹۳-۴۹۴.

بھلا کہنے سے رمضان کے مہینے میں بچیں۔ اللہ ہمیں سنت نبوی اور منشاء نبوی کو سمجھنے والا بنائے۔ آمین!

(۲۴۷) افطار کرانے فضیلت

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئًا(۱).

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: جس نے کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرایا، تو اس کو اس روزے دار کے برابر اجر ملے گا، بغیر اس روزہ دار کے ثواب میں سے کچھ کم کیے ہوئے۔

فائدہ: شارح ترمذی مولانا عبد الرحمن مبارک پوریؒ فرماتے ہیں کہ جس نے افطار کے وقت روزہ دار کو کھلایا؛ تو افطار کرانے والے اور کرنے والے دونوں کو برابر ثواب ملے گا۔ اور بیہقی کے حوالہ سے روایت نقل کی ہے کہ جس نے روزہ دار کو افطار کرایا؛ تو اس کے گناہوں کی مغفرت اور جہنم سے خلاصی کا ذریعہ ہے، دونوں کو برابر ثواب ملے گا اور افطار کرانے والے کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ صحابی نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے پاس اتنا نہیں ہوتا کہ ہم افطار کرا سکیں، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ پاک یہ ثواب اس کو عطا فرماتا ہے، جو ایک گھونٹ لسی، کھجور یا پانی سے افطار کرائے اور جس نے روزہ دار کو پیٹ بھر کھلایا؛ تو اللہ پاک اس کو میرے حوض سے ایسا پانی پلائے گا کہ جنت میں داخل ہونے کے وقت تک پیاس نہیں لگے گی(۲)۔

اس لیے ابھی موقع غنیمت ہے، چوں کہ ماہ مبارک چل رہا ہے اور اس حدیث پر عمل کرنے کا اچھا موقع ہے، اس لیے ہم کوشش کریں کہ روزانہ کوئی نہ کوئی ہمارے دستر خوان پر افطار کرے اور کھانا کھائے؛ تاکہ یہ ہماری مغفرت اور دخول جنت کا سبب بن جائے۔ اور ہمیں بھی نبی کریم ﷺ کے حوض سے پانی پینا نصیب ہو جائے۔ بعض لوگ اس حدیث پر عمل کرنے کے لیے غلط طریقہ اختیار

---

(۱) الترمذي: ۸۰۷، الصوم، ما جاء في فضل ....

(۲) تحفة الأحوذي: ۹۷۹/۱.

کرتے ہیں کہ افطار پارٹی کا اہتمام کرتے ہیں، جس میں ریاء اور نام و نمود ہوتا ہے۔ اس سے ثواب تو نہیں ہوگا، البتہ گناہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے ایسی پارٹی کا اہتمام کرنے سے خود بچیں اور دوسروں کو بھی بچنے کی تلقین کریں۔ اللہ پاک ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین!

(۲۴۸) تین آدمی کی دعا رد نہیں ہوتی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ: الصَّائِمُ حَتَّى يُفْطِرَ، وَالْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ يَرْفَعُهَا اللهُ فَوْقَ الْغَمَامِ، وَيَفْتَحُ لَهَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ، وَيَقُولُ الرَّبُّ: وَعِزَّتِي لَأَنْصُرَنَّكِ وَلَوْ بَعْدَ حِينٍ»[1].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تین آدمی ہیں کہ ان کی دعاء رد نہیں ہوتی: ایک افطار کے وقت روزہ دار کی دعاء، دوسرے عادل بادشاہ کی دعاء، تیسرے مظلوم کی دعاء، جس کو اللہ پاک بادلوں سے اوپر اٹھا لیتے ہیں اور آسمان کے دروازے اس کے لیے کھول دیے جاتے ہیں۔ اور پروردگار کہتا ہے: میں تیری ضرور مدد کروں گا گرچہ کچھ دیر ہو جائے۔

فائدہ: تمام اذکار و عبادات میں دعا اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ بندہ اللہ سے مانگے یہ اللہ کو بہت پسند ہے؛ چناں چہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: «لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللهِ مِنَ الدُّعَاءِ»[2]. اللہ کے نزدیک دعاء سے زیادہ مکرم اور محبوب کوئی چیز نہیں ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ پاک اس پر ناراض ہوتا ہے[3]۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے باب الاحسان میں ذکر و دعاء کو دس قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ ان میں سے پانچویں قسم: فائدہ اور نیکی طلب کرنا، اور مضرّت و برائیوں سے پناہ چاہنا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ومنها: سُؤَالُ مَا يَنْفَعُهُ فِي بَدَنِهِ أَوْ نَفْسِهِ بِاعْتِبَارِ خَلْقِهِ، أَوْ بِاعْتِبَارِ حُصُولِ السَّكِينَةِ

---

(۱) الترمذي: ۳۵۹۸، الدعوات، سبق المفردون.

(۲) الترمذي: ۳۳۷۰، الدعوات، ما جاء في فضل الدعاء.

(۳) الترمذي: ۳۳۷۳، ابواب الدعوات.

أَوْ تَدْبِيرِ مَنْزِلِهِ وَمَالِهِ، وَجَاهِهِ وَتَعَوّذِهِ عَمَّا يَضُرُّهُ كَذٰلِكَ[1]. ذکر و عبادت میں سے ایک ان چیزوں کا سوال کرنا ہے جو اس کے لیے مفید ہیں؛ اس کے بدن کے لیے، اس کے اہل و عیال، مال و جاہ کے مرتبہ کے اعتبار سے، اور ان چیزوں سے اس کا پناہ مانگنا جو اس کو نقصان پہنچانے والی ہے۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ تین لوگوں کی دعاء اللہ پاک جلدی قبول فرماتا ہے، کیوں کہ دعاء کرنے والے نیک ہوتے ہیں اور گریہ وزاری سے دعاء کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک روزہ دار ہے، افطار کے وقت اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ دوسرا شخص امام عادل، یعنی انصاف کرنے والا حاکم جب وہ دعاء کرتا ہے، تو اللہ پاک اس کی دعا کو بھی رد نہیں فرماتا۔ حاکم کی ایک گھڑی جس میں اس نے انصاف کیا ہو، ساٹھ گھنٹوں کی نفلی عبادت سے بہتر ہے۔ تیسرا شخص مظلوم ہے کہ اس کی دعا اور بد دعا بھی رد نہیں ہوتی۔ ان تینوں کی دعاؤں کو اللہ پاک بادل سے اوپر اٹھالیتا ہے، اور اللہ پاک ان دعاؤں کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیتا ہے۔ یعنی اللہ پاک جلدی قبول فرمالیتا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے: میری عزت کی قسم، میں تیری ضرور مدد کروں گا، اگرچہ کچھ دیر ہو جائے۔ مطلب یہ کہ تمہارا حق ضائع نہیں کروں گا، نہ تیری دعاء کو رد کروں گا، گرچہ کچھ زیادہ وقت گزر جائے؛ کیوں کہ میں حلیم ہوں، جلدی عذاب وعقاب نہیں دیتا۔ ہو سکتا ہے کہ بندہ ظلم چھوڑ دے، گناہوں سے باز آجائے، مظلوم کو راضی کر لے اور توبہ واستغفار کرلے۔ معلوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے؛ لیکن چھوڑتا نہیں ہے[2]۔

لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ عام طور پر اس وقت ہم افطار کی تیاریوں میں لگے رہتے ہیں بازاروں میں گھوم رہے ہوتے ہیں، دعا کی فرصت نہیں ملتی۔ اسی طرح گھر کی عورتوں کو بھی اس کا موقع نہیں ملتا، وہ طرح طرح کا پکوان بنانے میں لگی رہتی ہیں۔ ہم آج سے یہ ارادہ کرلیں کہ ہم سب لوگ افطار

---

(۱) حجة الله البالغة: ۱۳۳/۲، بتحقيق محمد سالم هاشم.

(۲) مرقاة المفاتيح: ۱۲۹/۵۔

سے دس منٹ پہلے تمام کام سے فارغ ہو کر دعا کا اہتمام کریں گے۔ ان شاء اللہ

(۲۴۹) رمضان کا عمرہ حج کے برابر

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً»[1].

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: رمضان میں عمرہ ادا کرنا حج کے برابر ہے۔

فائدہ: رمضان مبارک عبادتوں کا مہینہ ہے؛ اس لیے عبادت کی جتنی بھی قسمیں ہیں، ان میں سے جب جس کا وقت بھی میسر ہو جائے، اس کو خوب اہتمام سے کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ رمضان ہی کی برکت ہے کہ ایک عبادت کا ثواب ستر سے سات سو گنا تک ملتا ہے۔ اس مہینہ میں نیکیوں کے مواقع بہت ہیں اور عبادت کے لیے فارغ وقت بھی خوب ملتا ہے۔ اس مہینہ کا سودا بہت سستا ہے، جو جتنا کر لے اتنا ہی فائدہ میں رہے گا۔ انہیں عبادتوں میں سے عمرہ کرنا بھی ہے۔

حدیث شریف میں یہ بتایا گیا کہ رمضان المبارک میں عمرہ ادا کرنا، حج ادا کرنے کے برابر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رمضان میں عمرہ کرنا، ثواب کے اعتبار سے حج کے برابر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ رمضان میں عمرہ کرنا، میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس پر حج فرض ہو، وہ حج کو نہ جا کر رمضان میں عمرہ کر لے اور سمجھے کہ اس نے حج ادا کر لیا۔ اس سے حج ادا نہیں ہوگا؛ کیوں کہ حج فرض ہے اور عمرہ نفلی عبادتوں میں سے ہے۔ اس حدیث شریف کا مقصد عمرہ کی ترغیب دینا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عبادات کے فضائل میں زیادتی، اوقات اور ایام کی فضیلت کے اعتبار سے ہوتی ہے[2]۔

اللہ پاک نے اگر کسی کو مال دیا ہے؛ تو ایک بار رمضان شریف کا عمرہ بھی کر لے۔ یہ بھی یاد

(۱) سنن ابن ماجة: ۲۹۹٤، المناسك، العمرة في رمضان.
(۲) مرقاة المفاتيح: ٥/٤٢٤.

رہے کہ آج کل ہمارے یہاں بار بار عمرہ کرنا ایک فیشن ہو گیا ہے۔ پڑوسی بھوکا اور ننگا ہے، عزیز واقارب پریشان ہیں، ہم عمرے پر عمرے کیے جارہے ہیں اور فخریہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اب تک اتنے عمرے کر لیے یا سال میں اتنے عمرے ہو جاتے ہیں۔ تو یاد رکھیے ایسے عمرے سے فائدہ ہونے والا نہیں ہے۔ ایسا عمرہ کرنے سے افضل ہے کہ ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کی جائے۔ خالق کائنات ہماری ایسی عبادتوں کا محتاج نہیں کہ جہاں مخلوق محتاج اور ضرورت مند ہو، اور عابد غیر ضروری عمل میں پیسہ خرچ کرے۔ ہاں اگر آپ ان کی ضرورت پوری کر رہے ہیں، تو پھر آپ دس عمرے کریں، شوق سے کریں، اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ رمضان شریف کی برکت سے رمضان کے عمرہ کا ثواب بڑھا دیا جاتا ہے، اور جتنا ثواب حج کا ملتا ہے اتنا ہی عمرہ کا ملتا ہے۔

(۲۵۰) سفر میں روزہ رکھنے کا حکم

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا نُسَافِرُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ، وَلَا الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ[۱].

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ (رمضان میں) سفر کیا کرتے تھے۔ (سفر میں بعض روزہ سے ہوتے اور بعض بے روزے ہوتے) لیکن روزہ دار بے روزہ دار پر اور بے روزہ دار روزہ دار پر کسی قسم کی عیب جوئی نہیں کیا کرتے تھے۔

فائدہ: امام مسلمؒ نے بھی یہ حدیث حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کی ہے: کہ ہم رمضان شریف کی ۱۶/ تاریخ کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ جہاد کو نکلے، ہم میں سے بعض آدمیوں نے روزہ رکھا اور بعض نے روزہ نہیں رکھا۔ اور روزے دار نے افطار کرنے والوں کو عیب نہ لگایا، اور نہ افطار کرنے والے نے روزہ دار کو عیب لگایا[۲]۔

---

(۱) البخاري: ۱۹٤۷، الصوم، لم يعب أصحاب النبي ...

(۲) مسلم: ۱۱۱٦، الصيام/ البخاري: ۱۹٤۷.

سفر کی حالت میں روزہ ترک کر کے دوسرے دنوں میں اس کی قضاء کرنے کی اجازت ہے۔ شریعت نے رخصت دی ہے کہ حالت سفر میں روزہ چھوڑا جا سکتا ہے؛ کیوں کہ سفر کے دوران زیادہ کمزوری آجاتی ہے، جو پریشانی کا سبب ہوتی ہے۔ چناں چہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر (غزوہ فتح) میں تھے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص پر لوگوں نے سایہ کر رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ایک روزہ دار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سفر میں روزہ رکھنا اچھا کام نہیں ہے[1]۔

سفر کی حالت میں نبی کریم ﷺ نے خود اس پر عمل کر کے عملاً امت کو تعلیم دی کہ سفر کی حالت میں روزہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے (غزوۂ فتح مکہ میں) مدینہ سے مکہ کے لیے سفر شروع کیا تو آپ ﷺ روزہ سے تھے۔ جب آپ عسفان پہنچے تو پانی منگوایا اور اسے اپنے ہاتھ سے (منہ تک) اٹھایا؛ تا کہ لوگ دیکھ لیں پھر آپ ﷺ نے روزہ توڑ دیا یہاں تک کہ مکہ پہنچ گئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے (سفر میں) روزہ رکھا بھی ہے اور نہیں بھی رکھا ہے؛ اس لیے جس کا جی چاہے روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے نہ رکھے[2]۔

لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ سفر دشوار کن ہو۔ اگر سفر میں سہولت ہے، جیسے آج کل جہاز کا سفر، ٹرین اور بس میں اے سی کا سفر ہو تو پھر روزہ رکھنا ہی افضل اور بہتر ہے۔ چناں چہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے پاس اچھی سواری ہو اور وہ اس کو بخیر وعافیت منزل تک پہنچادے تو چاہیے کہ وہ رمضان کا روزہ رکھے جہاں بھی رمضان آجائے[3]۔ لیکن یہ امر استحبابی ہے۔ اگر کوئی شخص نہیں رکھتا ہے؛ تو اسے لعن وطعن نہیں کیا جائے گا؛ البتہ اسے بعد میں قضاء کرنی ہوگی۔ یہ واضح

---

(۱) صحیح البخاري: ۱۹۴٦ کتاب الصوم.
(۲) صحیح البخاري: ۱۹٤۸، الصوم.
(۳) أبو داود: ۲٤۱۰، الصوم، باب: من اختار الصوم.

رہے کہ سفر سے مراد سفر شرعی ہے، جس میں نماز بھی قصر ہو جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سفر جہاد میں روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔ عام سفر میں اگر مشقت نہ ہو؛ تو روزہ رکھنا بہتر ہے اور اگر مشقت ہو تو روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔

(۲۵۱) سحری میں برکت ہے

عَنْ أَنَسِ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «تَسَحَّرُوا، فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَةً»(۱).

ترجمہ: حضرت انس ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سحری کھاؤ کہ سحری میں برکت ہوتی ہے۔

فائدہ: آپ ﷺ نے فرمایا کہ سحری کھاؤ یعنی سحری کے وقت کچھ نہ کچھ کھالو، خواہ ایک گھونٹ پانی ہی کیوں نہ ہو۔ ایک روایت میں ہے: "سحری میں برکت ہے؛ لہذا اس کو نہ چھوڑو، اگرچہ کوئی ایک گھونٹ پانی ہی پی لے، اس لیے کہ اللہ پاک اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمتیں بھیجتے ہیں(۲)۔ اور حدیث شریف میں جو حکم دیا گیا ہے وہ حکم استحبابی ہے، یعنی سحری کھانا مستحب ہے۔ برکت سے مراد یہ ہے کہ سنت کو بجالانے کی وجہ سے اجر عظیم ملتا ہے اور روزہ رکھنے کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ علامہ ابن ہمامؒ نے فرمایا کہ برکت سے مراد یہ ہے کہ سحری کے ذریعہ سے کل کے روزہ پر قوت حاصل کرو۔ اور اس سلسلہ میں نص موجود ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "دن میں آرام کے ذریعہ سے رات کے قیام پر مدد طلب کرو اور سحری کھا کر دن کے روزہ (کی مشقت) پر مدد چاہو"(۳)۔ یا اس سے مراد ثواب کی زیادتی ہے، جو نبی کریم ﷺ کی سنتوں کی اتباع کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان سحری کھانے کا

(۱) صحيح البخاري: ۱۹۲۳، الصوم، بركة السحور.
(۲) مسند أحمد: ۱۱۰۸۶، مسند أبو سعيد الخدري.
(۳) جمع الجوامع للسيوطي: ۳۰۰۶.

فرق ہے[۱]۔ اہل کتاب کے یہاں رات کو سونے کے بعد کھانا حرام تھا، اور ابتداء اسلام میں ہمارے یہاں بھی یہی حکم تھا؛ لیکن بعد میں اہل کتاب کی مخالفت کا حکم دیا گیا؛ اس لیے سحری کو مشروع قرار دیا گیا۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے اور اہل کتاب کے درمیان سحری کا فرق ہے[۲]۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مومن کی اچھی سحری کھجور ہے[۳]۔ مطلب یہ ہے کہ روزہ کی ابتداء سحری سے ہوتی ہے۔ اس میں کھجور کھائے؛ تو دو برکتیں جمع ہو گئیں۔ سحری خود برکت اور کھجور میں بھی برکت اور روزے کی انتہاء افطار بھی کھجور پر ہو؛ تو ابتداء اور انتہا دونوں میں برکت ہی برکت ہوئی۔ الحمد للہ![۴]

نوویؒ نے اس کے علاوہ سحری کھانے کا ایک اور فائدہ لکھا ہے کہ جب سحری کے لیے اٹھے گا تو چوں کہ یہ وقت بہت اہم اور بابرکت ہے، اللہ پاک کی رحمتیں اس وقت بندوں پر خاص طور سے ہوتی ہے۔ اس وقت میں بندہ ذکر و دعاء میں مشغول ہوگا، اس کی دعائیں اور استغفار قبول ہوں گی۔[۵]

(۲۵۲) بے حیثیت روزہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ»[٦].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر (روزہ رکھ کر بھی) کوئی شخص جھوٹ بولنا اور دغا بازی کرنا نہ چھوڑے؛ تو اللہ تعالی کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔

فائدہ: مسلمانوں پر اللہ پاک کی جانب سے ہونے والی بے شمار نعمتوں میں سے ایک اہم

---

(١) مرقاة المفاتيح: ٥/٤١٦.
(٢) مسلم: ١٠٩٦، الصيام، باب فضل السحور.
(٣) أبو داؤد: ٢٣٤٥، كتاب الصوم.
(٤) مرقاة المفاتيح: ٥/٤٢٨.
(٥) المنهاج شرح النووي: ٧/١٨٣.
(٦) البخاري: ١٩٠٣، الصوم، من لم يدع قول ... الصوم.

نعمت ماہ رمضان ہے۔ سال میں ایک بار اللہ پاک یہ نعمت عطا فرماتا ہے؛ تاکہ اس میں بندہ اپنے کالے کرتوت کو، کالے اعمال کو سفیدی میں بدل سکے۔ اپنے گناہوں کے پہاڑ کو توبہ اور عمل صالح کے ذریعہ ختم کروا کر ڈھیروں نیکیاں جمع کر سکے۔ جب یہ اتنی بڑی نعمت ہے؛ تو ہمیں اس کی قدر کرنی چاہیے۔ رمضان المبارک کے تقاضے پر عمل کرنا چاہیے۔ رمضان کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنا پورا وقت اللہ کی اطاعت میں لگایا جائے، اور اپنے آپ کو اپنے وقت کو معصیت سے حتیٰ کہ لایعنی باتوں اور کاموں سے بھی دور رکھا جائے، ورنہ پھر روزہ روزہ ہی نہیں رہے گا؛ بل کہ فاقہ کی ایک صورت ہو جائے گی۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ روزہ کی حالت میں جھوٹ نہ بولو، کسی کے ساتھ دھوکہ نہ کرو وغیرہ وغیرہ۔ جس نے رمضان کے مہینہ میں روزہ رکھ کر جھوٹ بولا، جھوٹی گواہی دی، غیبت کی، بہتان لگایا، لعنت ملامت کی یا اس کے علاوہ کوئی بھی گناہ کا کام کیا جس سے بچنا واجب اور ضروری ہے؛ تو اللہ پاک کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کھانا پینا چھوڑ کر بھوکا رہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کھانا پینا تو جائز امور میں سے ہے، اس کو چھوڑ دیا، اور گناہ جو کہ ناجائز ہے اس کو وہ کر رہا ہے، تو ایسے بھوکے رہنے کا فائدہ نہیں، ایسے شخص کا روزہ بھی کسی کام نہیں[1]۔ اللہ پاک ہم سب لوگوں کو عمل کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

(۲۵۴) رمضان میں حضور ﷺ کی سخاوت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ، وَكَانَ أَجْوَدَ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ، وَكَانَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِي رَمَضَانَ حَتَّى يَنْسَلِخَ، يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ، فَإِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ[2].

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ سخاوت اور خیر

(۱) مرقاة المفاتيح: ۴/۲۸ا۔

(۲) البخاري: ۱۹۰۲، الصوم، أجود ..... رمضان.

کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخی تھے اور آپ ﷺ کی سخاوت اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتی تھی جب جبرئیل آپ ﷺ سے رمضان میں ملتے۔ جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ سے رمضان شریف کی ہر رات میں ملتے یہاں تک کہ رمضان گزر جاتا۔ نبی کریم ﷺ جبرئیل سے قرآن کا دور کرتے تھے۔ جب جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ سے ملتے؛ تو آپ ﷺ چلتی ہوا سے بھی زیادہ سخی ہو جایا کرتے تھے۔

فائدہ: رمضان عبادتوں، سخاوتوں اور غم خواری کا مہینہ ہے۔ نبی کریم ﷺ اس پورے مہینہ کو اسی طرح گزارتے تھے جس طرح آپ ﷺ نے امت کو گزارنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ کے اعمال جو رمضان میں ہوتے تھے، ان میں سے ایک عمل کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے میں بڑے سخی تھے۔ رمضان میں آپ ﷺ بہت سخاوت کرتے تھے اور لوگوں کو خوب نفع پہنچاتے تھے۔ رمضان بابرکت مہینہ ہوتا ہے اور اس میں نیکی کرنا افضل ہے۔ جب حضرت جبریل سے آپ کی ملاقات ہوتی تھی، تو آپ کی سخاوت اور بڑھ جاتی تھی۔ رمضان میں یہ معمول تھا کہ حضرت جبریل آپ ﷺ سے روزانہ ملاقات کرتے تھے؛ اس لیے پورے مہینہ آپ ﷺ کی سخاوت جاری رہتی تھی اور سخاوت کا یہ عالم ہوتا کہ آپ ﷺ کی سخاوت وفیاضی باد نسیم سے بھی بڑھ جاتی۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اِس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں: وہ یہ کہ اس میں ہر وقت سخاوت اور کثرت سخاوت کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ رمضان اور خاص طور سے نیک لوگوں سے ملاقات کے وقت زیادتی کا سبق دیا گیا ہے۔ اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ نیک اور صاحب فضل وکمال لوگوں کی ملاقات وزیارت، اور ان کے ساتھ مصاحبت وگفتگو پسندیدہ اور مستحب عمل ہے، بشرطیکہ ان کو تکلیف نہ ہو۔ اسی طرح رمضان کریم میں تلاوت قرآن کی کثرت اور قرآن کریم یا دیگر شرعی علوم پڑھنا، پڑھانا اور اس کا دور کرنا بھی مستحب ہے۔ یہ بات بھی معلوم ہوا کہ رمضان کریم میں تلاوت

قرآن تمام طرح کے اذکار و تسبیحات سے افضل ہے۔[1]

(۲۵۴)افطار میں عجلت خیر کا سبب

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ[2].

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ میری امت کے لوگوں میں اس وقت تک خیر باقی رہے گی، جب تک وہ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے۔

فائدہ: حدیث شریف میں آیا ہے کہ: روزہ دار کو دو خوشیاں حاصل ہوں گی (ایک تو جب) وہ افطار کرتا ہے؛ تو خوش ہوتا ہے اور (دوسرے) جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا تو اپنے روزے کا ثواب پاکر خوش ہوگا[3]۔ اس خوشی کو حاصل کرنے میں جلدی کرنی چاہیے۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جب افطار کا وقت ہو جائے، تو افطار میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ حدیث قدسی میں اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: میرے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب میرے نزدیک وہ ہے جو افطار میں جلدی کرنے والا ہو[4]۔ طیبیؒ نے ذکر کیا ہے کہ اللہ کا محبوب اور پسندیدہ ہونے کی وجہ شاید یہ ہو کہ اس میں سنت کی اتباع، بدعت سے اجتناب اور یہود و نصاری کی مخالفت ہے۔ اس امت کی افضیلت میں سے ہے کہ حدیث پر عمل کرنے والا اللہ کا محبوب ہوتا ہے۔ اس کی طرف دوسری حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ دین اس وقت تک غالب رہے گا، جب تک لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے؛ کیوں کہ یہود و نصاریٰ افطار میں تاخیر کیا کرتے تھے۔

افطار جلدی کرنے میں کیا حکمت ہے؟ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ دین اسلام میں آسانی اور سہولت ہے، دشواری نہیں ہے؛ اس لیے تعجیل کا حکم دیا گیا ہے تاکہ روزے کا عمل آسان رہے۔ برخلاف اہل کتاب کے کہ انہوں نے اپنے لیے سختی اختیار کی؛ تو اللہ پاک نے ان پر سخت

---

(۱) عمدة القاري: ۱/۱۴۰.

(۲) البخاري: ۱۹۵۷، كتاب الصوم، باب تعجيل الإفطار.

(۳) صحيح البخاري: ۱۹۰٤.

(٤) الترمذي: ۷۰۰، الصوم، ما جاء في تعجيل الصوم.

احکامات نازل فرمائے اور پھر وہ عمل نہ کرسکے اور معتوب ہوگئے[۱]۔

روزہ افطار کا وقت غروب شمس ہے، جب یقینی طور پر ثابت ہو جائے یا دو عادل گواہ کہہ دے کہ غروب ہو گیا، دو نہ ہوں تو ایک عادل گواہ بھی کہہ دے تو کافی ہے۔ اس حدیث میں ان لوگوں کا بھی رد ہے، جو افطار کرنے کے لیے تاروں کے ظاہر ہونے کا انتظار کرتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ افطار میں جلدی کرنا بقاءِ خیر کا سبب ہے[۲]۔

(۲۵۵) بغیر عذر کے روزہ نہ رکھنا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ، وَلَا مَرَضٍ لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ، وَإِنْ صَامَهُ»[۳].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس نے جان بوجھ کر، بلا کسی عذر شرعی اور بیماری کے روزہ نہ رکھا؛ تو پورے سال کا روزہ بھی اس کا بدل نہیں ہو پائے گا، اگرچہ وہ پورے سال روزہ سے رہے۔

فائدہ: روزہ ارکان اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔ اسلام کی بنیاد جن پانچ چیزوں پر ہے، ان میں سے ایک رمضان شریف کا روزہ ہے۔ تو جس طرح دیگر ارکان فرض، ضروری اور واجب ہیں اور بغیر عذر کے نہ چھوڑے جاسکتے ہیں نہ قضاء کئے جاسکتے ہیں۔ اِسی طرح رمضان شریف کا روزہ بھی بغیر کسی عذر کے نہیں چھوڑا جاسکتا۔ بل کہ دیکھا جائے تو روزے کے احکام سخت ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ بہت اہم عبادت ہے، سال بھر میں صرف ایک بار ایک مہینہ کے لیے یہ عبادت آتی ہے۔

اس حدیث شریف میں بتایا گیا کہ بغیر رخصت شرعی (جیسے سفر، بیماری، یا بڑھاپا وغیرہ ہے کہ جس میں شریعت روزہ نہ رکھنے کی اجازت دیتی ہے)۔ کسی نے جان بوجھ کر روزہ نہ رکھا، تو اس

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۴/۴۲۲.
(۲) فتح الباری: ۴/۲۳۵.
(۳) الترمذي: ۷۲۳، الصوم، ما جاء في الإفطار متعمدًا.

چھوڑے ہوئے روزے کے ثواب کا مقابلہ قضاء اور نوافل روزوں کے ذریعہ نہیں کیا سکتا، اگر چہ کوئی زندگی بھر روزہ ہی رکھتا ہے۔ لیکن اس کی قضاء تو بہر حال رکھنی ہوگی۔[1]

خلاصہ یہ ہوا کہ سفر شرعی (کم از کم ۴۸ میل کا سفر) ہو یا ایسا مرض کہ جس میں روزہ رکھنے سے نقصان کا اندیشہ ہو؛ تو یہ شرعی عذر ہیں۔ اس میں روزہ چھوڑا جاسکتا ہے، پھر اس کی قضا کریں گے، کفارہ نہیں ہے۔ اور اگر بغیر شرعی عذر کے روزہ شروع سے رکھا ہی نہیں؛ تو قضاء تو واجب ہے ہی، لیکن رمضان کا ثواب اس کو نہیں ملے گا؛ اگر چہ ساری عمر روزہ رکھ کر گزار دے۔ اور اگر روزہ رکھ کر بغیر کسی عذر کے جان بوجھ کر توڑ دیا؛ تو اب اس کے ذمہ کفارہ لازم ہے، یعنی قضا کے علاوہ ایک روزے کے بدلے دو ماہ کا مسلسل روزہ رکھے۔ اگر ایک ہی رمضان کے دو یا کئی روزے توڑے؛ تو ایک ہی کفارہ کافی ہے۔ اگر دو مختلف رمضان کے روزے ہیں؛ تو الگ الگ کفارہ ادا کرنا ضروری اور واجب ہے۔ اس صورت میں ایک کفارہ کافی نہیں ہوگا۔

(۲۵۶) روزہ ڈھال ہے

عن عُثمانَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «الصَّوْمُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ، كَجُنَّةِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْقِتَالِ»[2].

ترجمہ: حضرت عثمان ابن ابو العاص سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: روزہ ڈھال ہے، جس طرح تم میں سے کسی کے پاس جنگ کی ڈھال ہوتی ہے۔

فائدہ: یہ حدیث شریف مختلف الفاظ کے ساتھ تقریباً حدیث کی تمام کتابوں میں ہے۔ بخاری میں ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روزہ دوزخ سے بچنے کے لیے ایک ڈھال ہے؛ اس لیے (روزہ دار) فحش اور جہالت کی باتیں نہ کرے۔ اگر کوئی شخص اس سے لڑے یا اسے گالی دے؛ تو

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۴/۱۱۹.

(۲) النسائی: ۲۲۳۲، الصیام.

اس کا جواب صرف یہ ہونا چاہئے کہ میں روزہ دار ہوں، (یہ الفاظ) دو مرتبہ (کہہ دے)۔[1]

اِن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ روزہ ڈھال ہے، بچاؤ اور حفاظت کا ذریعہ ہے، جس طرح انسان جنگ اور لڑائی کی حالت میں، تیر و تلوار اور گولی وغیرہ سے اپنے آپ کو ڈھال کے ذریعہ بچاتا ہے، اسی طرح روزہ دنیا میں گناہوں سے اور آخرت میں عذاب سے روزہ دار کو بچاتا ہے۔ انسان روزہ کی حالت میں گناہوں سے بچتا ہے، گناہ نہیں کرتا؛ اس لیے جہنم سے بچ کر، جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

بخاری وغیرہ کی روایت میں ہے کہ روزے کی حالت میں فحش بات نہ کرے نہ اپنی بیوی سے دل لگی کی ایسی باتیں کرے جو قربت سے پہلے کی جاتی ہے۔ شور وغل اور لہو ولعب سے احتیاط کرے؛ تاکہ روزہ دار کا تمام اعضاء کا روزہ ہو جائے؛ یعنی جس طرح روزہ دار کے لیے، کھانا، پینا اور میاں بیوی کا آپس میں ملنا منع ہے، اسی طرح لغو اور بے کار کام سے دیگر اعضاء کو بچانا بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی لڑائی جھگڑا، یا گالی گلوج شروع کردے، تو اس کے ساتھ نہ جھگڑے؛ بل کہ اس کو یہ کہہ دے کہ بھائی میں روزہ دار ہوں، میرا جھگڑنا، گالی گلوج کرنا نہ میرے لیے صحیح ہے اور نہ تمہارے لیے۔[2]

اس حدیث میں مختلف الفاظ آئے ہیں: ان تمام روایتوں کو ذکر کرنے کے بعد، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: "روزہ جہنم سے ڈھال ہے" کا مطلب یہ ہے کہ روزہ شہوات سے روکتا ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں: روزہ گناہوں سے یا جہنم سے یا دونوں سے بچاتا ہے۔[3] خلاصہ یہ ہوا کہ رمضان شریف میں اور خاص کر روزہ کی حالت میں، اپنے اعضاء کو تمام لایعنی چیزوں سے بھی بچایا جائے، تاکہ روزے کے تقاضہ پر عمل ہو سکے؛ کیوں کہ اللہ پاک نے روزے کا مقصد بیان فرمایا ہے: لعلکم تتقون: تاکہ تم مجھ سے ڈرو، تقوی اختیار کرو۔ اللہ ہمیں عمل کی توفیق دے۔ آمین!

---

(۱) صحیح البخاري: ۱۸۹٤.
(۲) مرقاة المفاتیح: ٤/۳۹۰.
(۳) عمدة القاري: ۲۸۲/۱۰.

(۲۵۷) آخری عشرے کا اعتکاف

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عنهَا، أنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ، ثُمَّ اعْتَكَفَ أَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ.[۱]

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی وفات تک برابر رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرتے رہے اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اعتکاف کرتی رہیں۔

فائدہ: اعتکاف اسلام میں ایک اہم عبادت کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ عبادت کا ایسا منفرد طریقہ ہے جس میں بندہ دنیا سے، آل واولاد، گھر والوں اور دوست واحباب سے بالکل الگ تھلگ ہو کر، اللہ پاک کے گھر میں صرف اس کی پاک ذات میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ روزہ پہلی امتوں پر بھی فرض تھا، اسی طرح یہ مخصوص عبادت یعنی اعتکاف بھی پہلی امتیں کیا کرتی تھیں۔ چناں چہ اللہ پاک نے حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کو معتکفین کے لیے بیت اللہ کو صاف ستھرا رکھنے کی تاکید فرمائی تھی۔ اللہ پاک قرآن عظیم الشان میں فرماتا ہے: وَعَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ* اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو یہ تاکید کی کہ: تم دونوں میرے گھر کو ان لوگوں کے لیے پاک کرو جو یہاں طواف کریں اور اعتکاف میں بیٹھیں اور رکوع اور سجدہ بجالائیں[۲] معلوم یہ ہوا کہ اعتکاف کی تاریخ بہت پرانی ہے۔

علماء نے اعتکاف کی تین قسمیں بیان کی ہیں: ایک اعتکاف واجب جیسے نذر کا اعتکاف۔ دوسرا اعتکاف سنت، جیسے رمضان کے آخر عشرہ کا اعتکاف۔ تیسرا مستحب جو ان دونوں کے علاوہ ہے۔ مثلاً کسی کام سے مسجد میں گئے؛ تو جب تک رکے اعتکاف کی نیت کرلی۔[۳]

---

(۱) صحيح البخاري: ۲۰۲۶، الاعتكاف.
(۲) البقرة: ۱۲۵ آسان ترجمہ قرآن.
(۳) المرقاة: ٤/٥٢٣.

مرد کے لیے اعتکاف کی جگہ مسجد ہے یعنی مرد کے لیے مسجد میں ہی اعتکاف مسنون ہے۔
عورتوں کے لیے اعتکاف کی جگہ ان کے گھر کا وہ حصہ ہے، جس کو انھوں نے نماز کے لیے خاص کر رکھا ہے۔امام بخاریؒ نے ایک روایت ذکر کی ہے، جس کا مفہوم اور خلاصہ یہ ہے کہ حضرت حفصہؓ نے نبی کریم ﷺ سے اجازت لے کر، اپنا خیمہ (اعتکاف کرنے کے لیے)، مسجد نبوی میں لگایا۔ پھر حضرت زینبؓ نے دیکھا تو انہوں نے بھی لگالیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ کا خیمہ بھی تھا۔ آپ ﷺ نے جب تین خیمے دیکھے؛ تو ناراضگی کا اظہار فرمایا اور اپنا اعتکاف بھی ختم فرمادیا۔[1] عینیؒ نے یہاں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں کا اعتکاف مسجد میں درست نہیں ہے۔ ورنہ آپ ﷺ ناراض نہ ہوتے۔[2]

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ جو اعتکاف کا ارادہ کرے، اسے چاہیے کہ اکیسویں کی شب غروب آفتاب سے قبل مسجد میں پہنچ جائے اور عید کی رات میں غروب آفتاب کے بعد نکلے۔ مگر افضل یہ ہے کہ عید کی رات میں بھی مسجد میں ہی قیام کرے اور عید کی نماز پڑھ کر گھر واپس ہو[3]۔

(۲۵۸) کھجور سے افطار

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ عَلَى رُطَبَاتٍ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ رُطَبَاتٌ فَعَلَى تَمَرَاتٍ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ حَسَا حَسَوَاتٍ مِنْ مَاءٍ[4].

ترجمہ: حضرت انس ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نماز پڑھنے سے پہلے چند رطب کھجوروں سے افطار کرتے تھے۔ اگر رطب کھجوریں نہ ہوتیں؛ تو پکی ہوئی کھجوروں سے افطار کرتے تھے اور اگر یہ بھی نہ ہوتیں؛ تو آپ ﷺ چند گھونٹ پانی پی کر افطار کر لیتے تھے۔

فائدہ: حدیث نمبر: ۲۵۴ میں افطار جلدی کرنے کے سلسلہ میں فضیلت گزر چکی ہے۔

(۱) صحيح البخاري: ۲۰۳۳، الاعتكاف.
(۲) عمدة القاري: ۲۱۹/۱۱.
(۳) المجموع شرح المهذب: ۱۵۰۹/۲.
(٤) أبو داود: ۲۳۵٦، الصوم، باب ما يفطر عليه.

ابوداؤد شریف کی ایک روایت ہے، سلمان ابن عامرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی افطار کرے؛ تو اسے کھجور سے افطار کرنا چاہیے؛ کیوں کہ اس میں برکت ہے۔ اگر کھجور نہ ملے؛ تو پانی سے کیوں کہ وہ پاک کرنے والا ہے۔ (۱)

حضرت انسؓ کی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ مغرب کی نماز سے پہلے افطار کرلیا کرتے تھے، پھر نماز پڑھتے تھے۔ افطار کرتے وقت کچی کھجور سے افطار کرتے تھے۔ اگر وہ بھی نہ ملتی؛ تو پھر چند گھونٹ پانی سے روزہ کھول لیتے تھے۔ اس میں حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ روزہ کھولتے وقت سب سے پہلے وہ چیز پیٹ میں نہ جائے جو آگ پر پکی ہو۔ ابویعلی نے ایک روایت ذکر کی ہے کہ نبی کریم ﷺ تین کھجوروں سے افطار کرنا پسند کرتے تھے یا ایسی چیز سے جو آگ پر نہ بنی ہو۔ (۲)

ان ساری باتوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ اگر رطب کھجور ہے؛ تو اس سے روزہ افطار کیا جائے، ورنہ سوکھی کھجور، چھوارہ سے افطار کیا جائے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو پانی سے افطار کیا جائے۔ ورنہ ایسی چیز سے جو آگ پر نہ پکی ہو؛ مثلا: پھل فروٹ؛ اور اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو جو موجود ہو اس سے روزہ کھول لے۔

(۲۵۹) بیس دنوں کا اعتکاف

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ فِي كُلِّ رَمَضَانٍ عَشْرَةَ أَيَّامٍ، فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ اعْتَكَفَ عِشْرِينَ يَوْمًا(۳).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر سال رمضان میں دس دن کا اعتکاف کیا کرتے تھے۔ لیکن جس سال آپ ﷺ کا انتقال ہوا، اس سال آپ ﷺ نے بیس دن کا اعتکاف کیا تھا۔

فائدہ: اعتکاف کے سلسلہ میں کچھ باتیں حدیث نمبر: ۲۵۷ میں گزرچکی ہیں؛ وہاں بتایا

(۱) ابوداؤد: ۲۳۵۵ کتاب الصوم.
(۲) المرقاة: ۴/۴۲۴، کنز العمال برقم: ۱۸۰۷۶، ومسند أبو يعلى برقم: ۳۳۰۵.
(۳) البخاري: ۲۰۴۴، الاعتکاف، الاعتکاف ... رمضان.

گیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات تک آخر عشرہ کا اعتکاف کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد، ازواج مطہرات نے بھی اس طریقہ کو جاری رکھا۔ اِس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوا کہ بیس دن کا اعتکاف بھی سنت ہے؛ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت طیبہ رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں، دس دن ہی اعتکاف کرنے کی تھی؛ اسی لیے فقہاء نے رمضان کے آخری دس دنوں کے اعتکاف کو سنت قرار دیا ہے۔ بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے مہینہ کا اعتکاف کیا۔

جتنی چیزیں روزے کی حالت میں ممنوع ہیں، وہ ساری چیزیں اعتکاف کی حالت میں بھی ممنوع ہیں۔ اعتکاف کی حالت میں اُن سب کے علاوہ بھی مزید پابندیاں ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بغیر ضرورت شدیدہ کے مسجد سے نکلنا بھی منع ہے، مثلاً جنازہ میں شرکت، مریض کی عیادت وغیرہ میں جانا منع ہے۔ تفصیل علماء کرام سے معلوم کرلیں۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ آپ نے جس سال وفات پائی، بیس دن اعتکاف کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا تھا کہ اب وقت موعود قریب ہے۔ آئندہ اعتکاف نہیں ملے گا؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش ہوئی کہ اعتکاف کا عمل زیادہ کرلیا جائے۔ اس سے یہ مقصود تھا کہ امت جان جائے کہ آخری عمر میں اللہ سے ملنے کے وقت اعمال حسنہ اور عبادت کی کثرت مسنون ہے۔ آگے تحریر فرماتے ہیں کہ ابن بطال نے اعتکاف کو سنت مؤکدہ کہا ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی کے ساتھ اعتکاف کیا ہے۔ لیکن خود علامہ عینیؒ کی رائے یہ ہے کہ کسی کام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مواظبت کرنا، وجوب ثابت کرتا ہے، اس لیے ان کے نزدیک سنت مؤکدہ واجب کے درجہ کی ہے۔[1]

(۲۶۰) آخری عشرے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ

(۱) عمدۃ القاری: ۲۳۱/۱۱۔

مِئْزَرَهُ، وَأَحْيَا لَيْلَهُ، وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ.(۱)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جب (رمضان کا) آخری عشرہ آتا؛ تو نبی کریم ﷺ اپنا تہبند مضبوط باندھتے (یعنی اپنی کمر پوری طرح کس لیتے) اور ان راتوں میں (عبادت کے لئے) آپ خود بھی جاگتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگایا کرتے تھے۔

فائدہ: حدیث شریف میں رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں نبی کریم ﷺ کی کیا کیفیت ہوتی تھی، اس کا ذکر ہے۔ آپ ﷺ عبادتوں کے حریص تھے۔ جس وقت آپ کو نبوت نہیں ملی تھی، اس وقت بھی آپ ﷺ ہفتوں تک غار حرا میں رہ کر، عبادتوں میں مشغول رہتے تھے۔ یہ تو آپ ﷺ کا ایک معمول تھا۔ جب رمضان کے دس دن بچ جاتے تھے، تو آپ ﷺ عبادت کے اندر زیادتی کرتے، اہتمام بڑھادیتے، رات رات بھر عبادتوں میں گزار دیتے تھے، گھر والوں کو جگاتے تھے، ان کو عبادت کرنے کی ترغیب دیتے تھے اور سب کچھ چھوڑ کر عبادتوں میں منہمک ہوجاتے تھے۔ آپ ﷺ ان دس دنوں میں گھر والوں کی طرف بھی توجہ نہیں دیتے تھے، ان کی ضروریات پہلے ہی پوری فرمادیتے تھے۔(۲)

اب ہم ذرا اپنے ارد گرد کے ماحول پر نظر ڈالیں۔ اولا تو ہم خود بیدار نہیں ہوتے اور اگر بیدار ہوتے ہیں؛ تو ہمارا جوان طبقہ پوری رات کرکٹ، کیرم اور موٹر سائیکل کی ریس کرتا نظر آتا ہے۔ ہمارے بوڑھے چوک چوراہے اور نکڑ پر سحری تک گپ لڑاتے ہیں، پھر سو جاتے ہیں۔ اللہ ہم سب کو صحیح سمجھ دے اور رمضان کی اِن مبارک ساعتوں کی قدر کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین!

(۲۶۱) ممنوعات اعتکاف

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ: السُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ أَلَّا يَعُودَ مَرِيضًا، وَلَا يَشْهَدَ جِنَازَةً، وَلَا يَمَسَّ امْرَأَةً وَلَا يُبَاشِرَهَا، وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ إِلَّا لِمَا لَا بُدَّ مِنْهُ، وَلَا اعْتِكَافَ إِلَّا بِصَوْمٍ، وَلَا اعْتِكَافَ

(۱) البخاري: ۲۰۲۴، فضل ليلة القدر.

(۲) مرقاة المفاتيح: ۴/۵۱۵، عمدة القاري: ۱۱/۲۰۵.

إِلَّا فِي مَسْجِدٍ جَامِعٍ. [1]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ معتکف کے لیے ضروری ہے کہ وہ مریض کی عیادت نہ کرے، نہ نماز جنازہ میں حاضر ہو، نہ عورت سے صحبت کرے، نہ اس سے ملے، نہ کسی کام کے لیے مسجد سے باہر نکلے، مگر ضرورت کی وجہ سے اور روزہ کے بغیر اعتکاف نہیں ہوتا اور اعتکاف جامع مسجد میں ہوتا ہے۔

فائدہ: جتنی بھی عبادتیں ہیں، تمام عبادتوں کے اصول وضوابط مقرر ہیں۔ کچھ مامورات ہیں؛ تو کچھ ممنوعات ہیں۔ اِس حدیث شریف میں اُن ممنوعات کا ذکر ہے، جن سے معتکف کو بچنا چاہیے۔ اعتکاف کرنے والا اگر ان چیزوں میں سے کسی چیز کا مرتکب ہو؛ تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ معتکف کے لیے لازم ہے کہ اِن مذکورہ باتوں پر وہ عمل کرے۔ پہلی بات یہ کہ جان بوجھ کر مسجد سے باہر جاکر، مریض کی عیادت نہ کرے۔ اگر کسی ضرورت سے وہ نکلا ہے، تو چلتے چلتے عیادت کرلے، وہاں نہ ٹھہرے، تو اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ معتکف مسجد کے باہر قصداً یا بلا قصد جنازہ میں شرکت نہ کرے۔ اعتکاف کرنے والا شہوت کے ساتھ اعتکاف کی حالت میں، اپنی بیوی سے بوس وکنار نہ کرے اور نہ اس کو چھوئے اور نہ اس سے ہمبستری اور صحبت کرے۔ معتکف کو چاہیے کہ مسجد سے کسی دینی یا دنیوی ضرورت کے لیے بھی نہ نکلے۔ ہاں اگر ایسی ضرورت پیش آگئی کہ باہر نکلے بغیر چارہ نہیں، جیسے پیشاب وپاخانہ کے لیے نکلنا، تو یہ درست ہے، بر خلاف کھانے پینے کے کہ یہ ایسی ضرورت ہے کہ مسجد میں بھی پوری کی جاسکتی ہے۔ اور اعتکاف بغیر روزہ کے صحیح نہیں ہوتا؛ کیوں کہ ایسی کوئی روایت نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بغیر روزے کے اعتکاف کیا ہو۔ اعتکاف جامع مسجد میں صحیح ہوتا ہے اور جامع مسجد سے مراد وہ مسجد ہے، جس مسجد میں پنج وقتہ نماز جماعت کے ساتھ ہوتی ہو، اس میں اعتکاف کرنا درست اور ٹھیک ہے۔

افضل اعتکاف: اعتکاف کی افضلیت میں بھی درجات ہیں۔ سب سے افضل اعتکاف مسجد

---

(۱) أبو داود: ۲٤۷۳، الصيام، المعتكف يعود المريض.

حرام کا اعتکاف ہے۔ پھر مسجد نبوی کا اعتکاف، پھر مسجد اقصیٰ کا اعتکاف، پھر جامع مسجد کا اعتکاف جس میں جمعہ ہوتا ہو، اور آخر میں ایسی مسجد کا اعتکاف جس میں پنج وقتہ نماز باجماعت ہوتی ہو[1]۔

(۲۶۲) شب قدر کی تعیین کیوں اٹھالی گئی؟

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُخْبِرَنَا بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَتَلَاحَى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَقَالَ: «خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَتَلَاحَى فُلَانٌ وَفُلَانٌ فَرُفِعَتْ، وَعَسَى أَنْ يَكُونَ خَيْرًا لَكُمْ، فَالْتَمِسُوهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ»[2]۔

ترجمہ: حضرت عبادہ ابن صامتؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمیں شب قدر کی خبر دینے کے لیے تشریف لارہے تھے کہ دو مسلمان آپس میں جھگڑا کرنے لگے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں آیا تھا کہ تمہیں شب قدر بتادوں؛ لیکن فلاں فلاں نے آپس میں جھگڑا کر لیا۔ پس اس کا علم اٹھالیا گیا اور امید یہی ہے کہ تمہارے حق میں یہی بہتر ہو گا۔ پس اب تم اس کی تلاش (آخری عشرہ کی) نو یا سات یا پانچ (کی راتوں) میں کیا کرو۔

فائدہ: رمضان المبارک کے آخر عشرہ کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ اس میں ایک ایسی رات ہے جو بڑی قدر و منزلت والی رات ہے۔ اس رات کو ہم "لیلۃ القدر" یا "شب قدر" سے جانتے ہیں۔ قرآن وحدیث میں اس رات کے بے شمار فضائل و برکات مذکور ہیں۔ چنانچہ اللہ پاک قرآن عظیم الشان میں فرماتا ہے: إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ، وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ، لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ، تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ، سَلَامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ: بے شک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے۔ اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شب قدر کیسی چیز ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس رات میں فرشتے اور روح القدس اپنے پروردگار کے حکم

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۴/ ۵۳۰.

(۲) البخاري: ۲۰۲۳، فضل ليلة القدر، رفع ... الناس.

سے ہر امر خیر کو لے کر اترتے ہیں۔ سراپا سلام ہے، وہ شب طلوع فجر تک رہتی ہے [۱]۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اِس رات کو شب قدر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس رات میں فرشتے لوگوں کے مقدرات (رزق، موت، وحیات وغیرہ جو اس سال میں آسمان سے نازل ہونے والے ہیں) کو لکھتے ہیں [۲]۔

امت محمد ﷺ پر یہ رات بہت بڑی نعمت ہے، پہلی امتوں کے پاس یہ رات نہیں تھی۔ اگر انسان صرف اس ایک نعمت کو پالیتا ہے تو دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔ یہ رات مسلمانوں کو کیوں دی گئی؟ اور سورۃ القدر کے نزول کا سبب کیا ہوا؟ علامہ عینیؒ نے کئی واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بار بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ وہ اللہ کے راستہ میں ایک ہزار سال تک جہاد کرتا رہا۔ یہ سن کر مسلمانوں کو تعجب ہوا، تو اللہ پاک نے سورۃ القدر نازل فرمائی یعنی شب قدر عطا فرمایا، جو ایک ہزار سال کے جہاد کے ثواب سے اچھا ہے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ پہلے زمانہ میں شمسون نام کے نبی تھے، انھوں نے اللہ کے راستے میں ایک ہراز مہینہ تک کافروں سے جہاد کی، نہ کپڑے اتارے نہ ہتھیار اتارے، صحابہؓ نے سنا تو کہا کہ کاش ہماری عمر بھی لمبی ہوتی، تو ہم بھی اس کی طرح قتال کرتے، اس کے بعد سورۃ القدر نازل ہوئی اور رسول اللہ نے صحابہ کرامؓ کو خبر دی کہ شب قدر اُن ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جس میں شمسون نبی نے جہاد کیا تھا۔ اِس رات میں فرشتے اور جبریل اُن تمام معاملات کو لے کر نازل ہوتے ہیں، جس کا فیصلہ اللہ نے آئندہ سال کے آنے تک کر دیا ہے۔ وہ رات پوری کی پوری سلامتی اور خیر ہی خیر ہے۔ اس رات میں شر نام کی کوئی چیز نہیں ہے [۳]۔

(۲۶۳) شب قدر کن راتوں میں؟

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنهَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ

(۱) سورۃ القدر: بیان القرآن.
(۲) مرقاۃ: ۵۰۷/۴.
(۳) عمدۃ القاری: ۱۹۰/۱۱.

فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ»[1].

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ڈھونڈو۔

فائدہ: شب قدر سے متعلق کچھ باتیں اس سے پہلی حدیث میں گزر چکی ہیں۔ اِس حدیث میں اور اس سے پہلی والی حدیث میں بھی، اس رات کو رمضان کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں ڈھونڈنے کا حکم دیا گیا ہے۔ شب قدر کی تلاش کا حکم استحبابی ہے۔ یعنی شب قدر کو تلاش کرنا شرعا مستحب ہے۔ لیکن اس کی فضیلت کے پیش نظر راقم کی یہ رائے ہے کہ اپنے ذمہ اس کو ضروری سمجھ کر شب قدر کی تلاش کا اہتمام کرنا چاہیے۔

ایک سوال یہ ہے کہ شب قدر صرف رمضان کے ساتھ ہی خاص ہے یا پورے سال میں کبھی بھی ہوسکتی ہے؟ اس سلسلہ میں مختلف آراء کتابوں میں موجود ہیں۔ عینیؒ نے تقریباً بیس اقوال ذکر کیے ہیں۔ جن میں مشہور تین ہیں: پہلا یہ ہے کہ رمضان المبارک کے پورے مہینے میں شب قدر کبھی بھی ہوسکتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ رمضان کا آخری عشرہ، اور یہ قیامت تک اخیر عشرہ میں ہی ہوگی۔ تیسرا قول یہ ہے کہ شب قدر پورے سال میں کبھی بھی ہوسکتی ہے۔ یعنی شب قدر پورے سال گھومتی رہتی ہے۔ صحابۂ کرام میں سے حضرت عبد اللہ ابن مسعود، عبد اللہ ابن عباس اور عکرمہ رضی اللہ عنہم کا یہی نظریہ ہے۔

پھر جو حضرات آخر عشرہ میں ہی شب قدر کے وقوع کے قائل ہیں جیسا کہ مشہور بھی ہے، ان کے بھی مختلف اقوال ہیں: ابو سعید الخدری اکیسویں شب کے قائل ہیں، عبد اللہ بن انیس تیئسویں شب کو شب قدر مانتے ہیں اور حضرت عبد اللہ ابن عباس اور صحابۂ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت کے نزدیک ستائیسویں شب شب قدر ہے۔ حضرت بلالؓ کے یہاں چوبیسویں کی رات شب قدر ہے اور

---

(۱) البخاري: ۲۰۱۷، فضل ليلة القدر.

بعض حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پورے رمضان میں وقوع شب قدر کے قائل ہیں۔ حضرت عبد اللہ ابن زبیر کے نزدیک سترہویں شب اور حضرت علیؓ کے نزدیک انیسویں شب ہے[1]۔ لیکن اکثر روایات چوں کہ اخیر عشرہ کی طاق راتوں کے سلسلہ میں ہے؛ اس لیے علماء نے لکھا ہے کہ پورے آخری عشرہ میں شب قدر تلاش کرنی چاہیے۔

لیکن راقم کی رائے یہ ہے کہ ہم مسلمانوں میں تین قسم کے لوگ ہیں: پہلی قسم علماء، زہاد اور عباد، ان حضرات کو تو پورے سال ہی شب قدر تلاش کرنی چاہیے۔ دوسری قسم خواص مسلمان، ان کو پورے رمضان شب قدر کی تلاش کا اہتمام کرنا چاہئے۔ تیسری قسم عوام کی ہے ان کو رمضان کے آخر عشرہ میں شب بیداری کر کے لیلۃ القدر تلاش کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم!

(۲۶۴) شب قدر میں عبادت کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَمَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»[2].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی شب قدر میں ایمان کے ساتھ اور حصول ثواب کی نیت سے عبادت میں کھڑا ہو اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے اور جس نے رمضان کے روزے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے رکھے، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

فائدہ: حدیث میں شب قدر کی نوافل اور رمضان کے روزے کا ذکر ہے۔ روزے کے سلسلہ میں بعینہ یہ حدیث پہلے حدیث نمبر: ۲۴۰ میں گزر چکی ہے۔ حدیث کا پہلا جز ہے کہ جس نے شب قدر میں قیام کیا، یعنی نوافل کا اہتمام کیا۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر میں نوافل پڑھا اس

---

(۱) عمدة القاري: ۱۱/۱۹۳.

(۲) البخاري: ۱۹۰۱، الصوم، من صام ... واحتسابًا.

یقین کے ساتھ کہ شب قدر کا وجود ہے، اور اللہ پاک کے پاس اس میں قیام کرنے کا ثواب ہے؛ تو اللہ پاک اس کے گزشتہ گناہ معاف فرمادیں گے۔ یہاں گناہ سے مراد صغائر ہیں۔ اگر صغیرہ گناہ ہے ہی نہیں؛ تو درجات کی بلندی کا سبب بنتا ہے۔ خواہ اس نے شب قدر پایا ہو کہ نہ پایا ہو[1]۔

شب قدر کے سلسلے میں اس سے پہلے دو حدیثیں گزر چکی ہیں۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اخیر عشرہ میں شب قدر تلاشنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ راتوں میں بیدار ہو کر، ذکر و اذکار اور نوافل کا اہتمام کرے، چاہے ایک گھنٹہ ہی سہی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شب قدر صبح صادق تک رہتی ہے۔ اور اس سے بھی آسان طریقہ یہ ہے کہ اعتکاف کر لیا جائے؛ چناں چہ اعتکاف کا ایک مقصد شب قدر کی تلاش بھی ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا۔ پھر ترکی خیمہ میں دوسرے عشرہ کا اعتکاف فرمایا کہ جس کے دروازہ پر ایک چٹائی لٹکی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے اس چٹائی کو ہٹایا اور اپنا سر باہر نکال کر، لوگوں سے بات کی اور فرمایا میں نے عشرۂ اوّل میں اس رات کو تلاش کرنے کے لیے اعتکاف کیا۔ پھر میں نے درمیانی عشرہ کا اعتکاف کیا؛ چناں چہ میرے پاس کوئی آیا، اور مجھ سے کہا گیا کہ یہ آخری عشرہ میں ہے۔ اس لیے تم میں سے جو چاہے وہ پھر سے اعتکاف کرے۔ چناں چہ سب آدمیوں نے آپ کے ساتھ اعتکاف کیا[2]۔

شب قدر میں نوافل کا اہتمام کرنے کا اس حدیث میں حکم دیا گیا ہے اور اس کو صغائر کی معافی کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ اس کا آسان طریقہ آخر عشرہ کا اعتکاف ہے، ورنہ کم از کم آخری عشرہ کی طاق راتیں تو بیدار ہو کر، نوافل اور عبادات میں گزارنی ہی چاہیے۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۳۸۸/۴.

(۲) مسلم: ۱۱۶۷، الصیام، فضل لیلۃ القدر.

(۲۶۵)اخیر عشرہ میں حضور ﷺ کا عمل

عن عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهِ[1].

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ رمضان کے اخیر عشرہ میں اس قدر کوشش کرتے تھے کہ اس قدر کوشش دیگر ایام میں نہیں کرتے تھے۔

فائدہ: رمضان کے پورے دنوں کو آپ ﷺ عبادتوں کے لیے خاص کر لیتے تھے، اور آخر عشرہ میں عبادتوں میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ شب قدر کو تلاش کرنے میں مبالغہ فرماتے تھے یا تو اطاعت و عبادت میں حد درجہ کوشش کرتے تھے؛ تاکہ شب قدر پا سکیں اور وقت کو غنیمت سمجھتے ہوئے، ان اوقات میں طاعت کا اہتمام کرتے تھے۔ یہ اہتمام آپ ﷺ دوسرے دنوں میں نہیں فرماتے تھے[2]۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب آخر عشرہ آتا تھا؛ تو آپ ﷺ عبادتوں کے لیے کمر بستہ ہو جاتے تھے اور راتوں کو عبادتوں کے ذریعہ زندہ رکھتے۔ آپ ﷺ اپنے گھر والوں کو بھی عبادتوں کے لیے جگاتے تھے[3]۔

شب قدر کی مخصوص دعاء بھی حدیث میں مذکور ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اِس کے علاوہ دوسری دعاء نہیں کر سکتے؛ البتہ یہ دعاء بہت ہی جامع ہے۔ کیوں کہ اس میں مآل اور انجام کے اچھے ہونے کی دعاء ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے نبی کریم ﷺ سے شب قدر میں پڑھنے کے لیے دعاء کا سوال کیا: تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دعاء مانگو: اللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي[4]

اب ذرا ہم اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں کہ ہم شب قدر کس طرح گزارتے ہیں اور ہم کس

---

(۱) مسلم: ۱۱۷۵، الاعتکاف، الاجتهاد ... رمضان.

(۲) مرقاة المفاتيح: ۵۱۵/۴.

(۳) صحيح البخاري: ۲۰۲۴.

(۴) الترمذي: ۳۵۱۳، ابواب الدعوات.

طرح شب قدر تلاش کرتے ہیں۔ عام طور پر پورے رمضان ہمارے احباب روزانہ ایک نیا پکوان اور نیا ہوٹل تلاش کرتے ہیں اور سحر وہاں کرنے کا اپنا شوق پورا کرتے ہیں۔ پھر جو وقت بچتا ہے، اس کو موٹر سائیکل ریسنگ میں صرف کر کے جو سوتے ہیں تو دس بجے کے بعد بیدار ہوتے ہیں۔ پھر اسی پلاننگ میں جٹ جاتے ہیں کہ آئندہ رات کیا کرنا ہے۔ ہماری بہنوں کو بھی فرصت نہیں ملتی ہے۔ چوں کہ رمضان شریف میں ان کا ایک محبوب مشغلہ آجاتا ہے اور وہ ہے مارکیٹنگ اور شوپنگ کرنا، اور جو وقت بچے اس میں طرح طرح کے پکوان بنانا۔ اس طور پر یہ رمضان المبارک کا پورا مہینہ ہم سے چلا جاتا ہے۔ اللہ پاک ہم سب لوگوں کو صحیح سمجھ دے اور رمضان کے تقاضے پر عمل کرنے والا بنائے۔ آمین!

(۲۶۶) صدقۃ الفطر کے احکام

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: فَرَضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ، أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، عَلَى الصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ، وَالْحُرِّ وَالْمَمْلُوكِ[1].

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صاع جَو یا ایک صاع کھجور کا صدقہ فطر، چھوٹے، بڑے، آزاد اور غلام سب پر فرض قرار دیا۔

فائدہ: حدیث شریف میں صدقۂ فطر کی ادائیگی کا ذکر ہے۔ صدقہ وزکاۃ: اسلام کا دوسرا رکن ہے۔ قرآن کریم میں نماز کے بعد زکاۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ زکاۃ: جس طرح مال پر فرض اور واجب ہے، اسی طرح بدن اور جسم پر بھی واجب ہے۔ جس کو صدقۃ الفطر، زکاۃ الفطر، فطرہ، زکاۃ الصوم، صدقۃ رمضان، وصدقۃ الرؤس اور زکاۃ الابدان بھی کہتے ہیں۔ لیکن دونوں زکاۃ میں فرق ہے۔ مال کی زکاۃ صاحب نصاب پر بالاتفاق فرض ہے؛ لیکن صدقہ فطر ائمۂ ثلاثہ کے یہاں فرض ہے اور ہمارے یہاں واجب ہے۔ اسی طرح صدقہ فطر کی اہمیت امام شافعیؒ کے یہاں اتنی ہے کہ

---

(۱) البخاري: ۱۵۱۲، الزكاة، صدقة الفطر ... والكبير.

صاحب مال کے لیے مالک نصاب ہونا ضروری نہیں؛ جب کہ ہمارے یہاں جس پر زکاۃ فرض ہے، اسی پر صدقہ فطر واجب ہے۔ البتہ زکاۃ کی ادائیگی میں جو دیگر شرائط ہیں وہ ضروری نہیں۔

صدقۂ فطر کی فرضیت رمضان/۲ ہجری میں ہوئی۔ یہ حکم غلام، آزاد، مرد وعورت، بوڑھا، جوان، بچہ سب کے لیے ہے۔ یعنی صدقۂ فطر سب کے ذمہ واجب ہے۔ یہاں تک کہ جو بچہ عید کی رات میں پیدا ہوا ہے، اس کی طرف سے بھی صدقۃ الفطر ادا کیا جائے گا۔ بچہ اور غلام کی طرف سے اس کا ولی اور آقا ادا کرے گا۔ بچہ جو نابالغ و غریب ہے، اس کی طرف سے اس کا باپ اور غلام کی طرف سے اس کا آقا صدقۂ فطر ادا کرے گا[1]۔

رمضان المبارک کے بعد فوراً صدقۃ الفطر کو مقرر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اس میں روزہ داروں کے لیے گناہوں سے پاکیزگی اور ان کے روزوں کی تکمیل ہے۔ نیز مالداروں کے گھروں میں فراوانی اور ہر قسم کی سہولتیں ہوتی ہیں۔ عید کے موقع پر ان کے گھر والے اچھے لباس پہنتے ہیں؛ لیکن غریبوں کے گھروں میں غربت کی وجہ سے عید کا دن بھی رمضان المبارک کی طرح ہی رہتا ہے۔ اس لیے صدقہ فطر مشروع کیا گیا۔ صدقۂ فطر عید سے پہلے پہلے ادا کردیا جائے؛ تاکہ فقراء و مساکین کی ضرورتیں پوری ہوسکیں۔ اس کی تفصیل حدیث شریف میں موجود ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے زکاۃ الفطر مقرر کیا؛ روزہ دار کو لغو اور بے ہودہ باتوں کے گناہوں سے پاک کرنے کے لیے اور مساکین کو کھانا کھلانے کے لیے؛ تو جس نے نماز سے قبل ادا کردیا وہ صدقہ مقبول ہے اور جس نے نماز عید کے بعد ادا کیا، وہ دیگر صدقات کی طرح ایک صدقہ ہے[2]۔

---

(۱) عمدة القاري: ۹/۱۵۵.

(۲) أبو داود: ۱۶۰۹، كتاب الزكاة، باب زكاة الفطر.

(۲۶۷)صدقۃ الفطر کی ادائیگی کا بہتر وقت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: فَرَضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ، وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثَى، وَالصَّغِيرِ وَالْكَبِيرِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدَّى قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ.(۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو فرض قرار دیا ہے۔ غلام، آزاد، مرد، عورت، چھوٹے اور بڑے تمام مسلمانوں پر۔ آپ ﷺ کا حکم یہ تھا کہ نماز (عید) کے لیے جانے سے پہلے یہ صدقہ ادا کر دیا جائے۔

فائدہ: مختصر حدیث پہلے گزر چکی ہے۔اس حدیث کے تحت ہم چند مسائل ذکر کر رہے ہیں: ہر وہ مسلمان جو نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو، اس پر صدقہ فطر واجب ہے۔ جس شخص کے پاس اپنے استعمال اور ضروریات سے زائد اتنی چیزیں ہیں کہ اگر ان کی قیمت لگائی جائے، تو ساڑھے باون تولے چاندی کی مقدار ہو جائے؛ تو یہ شخص صاحب نصاب کہلائے گا اور اس پر صدقہ فطر واجب ہے۔ اس کو اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا ہوگا۔ اگر نابالغوں کا اپنا مال ہو، تو اس میں سے ادا کیا جائے۔ جن لوگوں نے سفر یا بیماری کی وجہ سے یا ویسے ہی غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے روزے نہیں رکھے، ان پر بھی صدقہ فطر واجب ہے۔ جو بچہ عید کی رات طلوعِ صبح صادق سے پہلے پیدا ہوا، اس کا صدقہ فطر بھی لازم ہے۔ اگر صبح صادق کے بعد پیدا ہوا ہے؛ تو اس کی طرف سے واجب نہیں۔ جو شخص عید کی رات صبح صادق سے پہلے مر گیا، اس کا صدقہ فطر نہیں ہے۔

عید کے دن عید گاہ جانے سے قبل صدقہ فطر ادا کر دینا بہتر ہے۔ لیکن اگر پہلے نہیں کیا؛ تو بعد میں بھی ادا کرنا جائز ہے۔ صدقہ فطر ہر شخص کی طرف سے پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہے یا اتنی ہی قیمت کی دوسری چیز بھی دے سکتا ہے۔ ایک آدمی کا صدقہ فطر ایک سے زیادہ فقیروں اور

(۱) البخاري: ۱۵۰۳، الزكاة، فرض صدقة الفطر.

محتاجوں کو دینا جائز ہے۔ کئی آدمیوں کا صدقہ فطر ایک محتاج کو بھی دینا درست ہے۔

جو لوگ صاحب نصاب نہیں ہیں ان کو اگر فطرہ دیا جائے؛ تو ادا ہو جائے گا۔ فطرہ اپنے حقیقی بھائی، بہن، چچا، پھوپھی وغیرہ کو بھی دیا جاسکتا ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کو صدقۂ فطر نہیں دے سکتے۔ اسی طرح ماں باپ اولاد کو، اور اولاد ماں باپ، دادا، دادی کو صدقۂ فطر نہیں دے سکتے۔ صدقۂ فطر کا کسی محتاج فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے؛ اس لیے صدقہ فطر کی رقم مسجد میں لگانا یا کسی اور اچھائی کے کام میں لگانا بھی درست نہیں[1]۔

(۲۶۸) اِس امت کے فرعون کا قتل

عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ أَتَى أَبَا جَهْلٍ وَبِهِ رَمَقٌ يَوْمَ بَدْرٍ فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ: هَلْ أَعْمَدُ مِنْ رَجُلٍ قَتَلْتُمُوهُ؟[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ بدر کی لڑائی میں وہ ابو جہل کے قریب سے گزرے۔ ابھی اس میں تھوڑی سی جان باقی تھی۔ اس نے ان سے کہا اس سے بڑا کوئی اور شخص ہے جس کو تم نے مارا ہے؟

فائدہ: حدیث شریف غزوۂ بدر سے متعلق ہے۔ غزوۂ بدر چوں کہ رمضان المبارک سن دو ہجری میں ہوا تھا۔ اسی مناسبت سے یہاں یہ حدیث لکھی جا رہی ہے۔ اس غزوہ میں حضرت معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما نے ابو جہل کو مار گرایا تھا۔ اس وقت حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اس کو کہا کہ تو ابو جہل ہے؟ اللہ نے تجھ کو ذلیل و رسوا کیا۔ اس نے کہا کہ تعجب کی کیا بات ہے اس آدمی سے جس کو تم نے قتل کیا؟ تم نے سب سے بڑے اور رئیس شخص کو قتل کیا ہے؛ مجھ سے بڑا کوئی ہے جس کو تم نے قتل کیا ہو[3]۔

---

(۱) فتاویٰ عالمگیری: ۱۹۱-۱۹۳، الباب الثانی فی صدقة الفطر — آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۸۹/۵۔

(۲) البخاري: ۳۹۶۱، المغازي، باب قتل أبي جهل.

(۳) عمدة القاري: ۱۲۲/۱۷۔

غزوۂ بدر تاریخ اسلام کا وہ عظیم الشان غزوہ ہے، جس کے واقعات چودہ سو سال بعد بھی مسلمانوں کے ایمان کو تازہ کر دیتے ہیں۔ یہ اسلام اور کفر کے درمیان پہلی فیصلہ کن جنگ تھی۔ تیرہ سال تک کفار مکہ نے نبی کریم ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے۔ ان کا خیال تھا کہ مٹھی بھر یہ بے سروسامان مسلمان بھلا ان کی طاقت کے سامنے کیسے ٹھہر سکتے ہیں۔ لیکن قدرت کو تو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اللہ کی خاص مدد و نصرت سے صرف تین سو تیرہ مسلمانوں نے اپنے سے تین گنا بڑے لشکر کو، اُس کی تمام تر مادی طاقت و قوت کے ساتھ تہ وبالا کر دیا۔ اِسی غزوہ میں اُس وقت کا فرعون ابو جہل جہنم رسید ہوا۔

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کے ہمراہ ۸/رمضان المبارک کو مدینہ پاک سے نکلے۔ مدینہ شریف میں حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنایا۔ اس غزوہ میں تین عَلَم تھے: ایک حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ، دوسرا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور تیسرا کسی انصاری صحابہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا[1]۔

مولانا صفی الرحمان رحمہ اللہ مبارک پوری فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تین سو دس سے کچھ اوپر مہاجرین وانصار صحابۂ کرام، جو ۳۱۳ یا ۳۱۴ یا ۳۱۷ تھے، کے ساتھ بے سروسامانی کے عالم میں، ایک یا دو گھوڑے اور ستر اونٹ لے کر، اس وقت نکلے جب قریش مکہ پوری تیاری کے ساتھ اسلام کے نام لیواؤں کو ختم کرنے نکلے تھے۔ ان کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی۔ ان کے یہاں روزانہ ۹ یا ۱۰ اونٹ ذبح ہوتے تھے۔ ۱۷/رمضان المبارک (۲) ہجری جمعہ کی رات میں، یہ معرکہ پیش آیا۔ اس جنگ میں فتح ونصرت مسلمانوں کے حصہ میں آئی۔ فللہ الحمد والشکر![2]

اس غزوہ کی تاریخ سے یہ سبق ملتا ہے کہ دین کا کوئی بھی کام اگر اعلاء دین کی نیت سے کیا جاتا ہے، تو اللہ پاک اپنی مدد اور نصرت بھیجتا ہے۔

---

(۱) سیرۃ ابن هشام: ۳۲۵، دار ابن الجوزي.

(۲) الرحيق المختوم: ۱۹۰.

(۲۶۹) رمضان کے آخری رات کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رسول الله ﷺ: «يُغْفَرُ لَهُمْ فِي آخِرِ لَيْلَةٍ». قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَهِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ؟ قَالَ: «لَا، وَلَكِنَّ الْعَامِلَ إِنَّمَا يُوَفَّى أَجْرَهُ إِذَا قَضَى عَمَلَهُ»[1].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: رمضان کی آخری رات میں روزے داروں کی بخشش کی جاتی ہے۔ کہا گیا کہ یا رسول اللہ! کیا وہ رات شب قدر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں؛ لیکن کام کرنے والے کو اس کی مزدوری دی جاتی ہے، جب وہ اپنا کام پورا کرلے۔

فائدہ: آج شاید رمضان المبارک کا آخری دن ہو، اور کل عید الفطر ہو، عید الفطر کی رات تو اہم ہے ہی جیسا کہ اس حدیث میں ہے؛ لیکن عید الفطر کا دن بھی روزے داروں کے لیے خوشی کا دن ہے کہ اللہ پاک عید گاہ سے لوٹنے سے قبل ہی ان کی مغفرت فرمادیتا ہے۔

اِس حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روزہ دار کی مغفرت رمضان کے آخر رات میں کردی جاتی ہے۔ یہ حدیث طویل ہے، میں نے آخر کا حصہ نقل کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رمضان المبارک میں پانچ خصوصیتیں ایسی ہیں جو صرف میری امت کو دی گئیں۔ پہلی خصوصیت یہ ہے کہ روزے دار کے منھ کی بو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ افطار کے وقت فرشتے اُن کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ پاک روزانہ ان کے لیے جنت کو سنوارتا اور مزین کرتا ہے۔ چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ سرکش شیاطین اِس ماہ میں قید کردیے جاتے ہیں اور پانچویں خصوصیت اِس حدیث میں مذکور ہے۔

آخری خصوصیت جو حدیث میں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کی آخری رات میں اللہ پاک امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی مغفرت کاملہ فرمادیتا ہے۔ جب صحابہ کرام نے سنا؛ تو پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ آخری رات لیلۃ القدر ہے کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، یعنی اگر لیلۃ القدر ہو

---

(۱) مسند أحمد: ۷۹۱۷.

بھی تو یہ مغفرت کا سبب نہیں ہے۔ وہ رات شب قدر بھی ہو سکتی ہے، نہیں بھی ہو سکتی ہے؛ اس مغفرت کا سبب یہ ہے کہ کام کرنے والے کو جب وہ کام مکمل کر کے فارغ ہو جائے؛ تو اس کو اس کی پوری مزدوری دیدی جاتی ہے۔ اور بندہ چوں کہ اپنے کام؛ یعنی روزہ سے فارغ ہو چکا ہے؛ اس لیے اس کی مزدوری مغفرت ہے(۱)۔

اللہ پاک ہم سب کی مغفرت فرمائے، رمضان کی عبادتوں کو قبول فرمائے اور ان عبادتوں میں جو کمیاں و کوتاہیاں ہو گئی ہیں، انھیں معاف فرمائے۔ آمین!

(۲۷۰) عید کے دو دن

عَنْ أَنَسٍ ﷺ قَالَ: قَدِمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَدِينَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُونَ فِيهِمَا، فَقَالَ: مَا هَذَانِ الْيَوْمَانِ؟ قَالُوا: كُنَّا نَلْعَبُ فِيهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللهَ قَدْ أَبْدَلَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا: يَوْمَ الْأَضْحَى وَيَوْمَ الْفِطْرِ(۲).

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے—تو دیکھا—ان کے لیے—سال میں— دو دن مقرر ہیں جن میں وہ کھیل کود کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: یہ دو دن کیسے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ ہم زمانہ جاہلیت میں، ان دو دنوں میں کھیلا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ پاک نے ان دونوں کے بدلہ میں، تمھیں ان دونوں سے بہتر دن عطا فرمائے ہیں؛ یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر۔

فائدہ: ماہِ رمضان المبارک اب ہم سے رخصت ہو چکا ہے۔ اللہ پاک ہمارے روزوں اور تراویح کے ساتھ دیگر تمام اعمال صالحہ کو قبول فرمائے۔ آمین! رمضان کریم کے روزوں کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ پورے مہینہ جس طرح ہم نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ کو اپنایا ہے اور ان پہ عمل کرتے ہوئے، جائز کام یعنی کھانا، پینا، بیوی سے ملنا وغیرہ چھوڑے رکھا اور ساتھ ہی تمام ممنوعات سے بچے رہے، بالکل یہی صفت ہماری ذات میں اس طرح پیوست ہو جائے کہ پورے

(۱) مرقاة المفاتيح: ٤٠١/٤.

(۲) أبو داود: ١١٣٤، الصلاة، باب صلاة العيدين.

گیارہ ماہ کو، ہم اسی طرح گزارنے والے بن جائیں۔

عید الفطر روزے داروں کے لیے بدلہ لینے کا دن ہے۔ عید کے دن اللہ پاک روزہ رکھنے کا بدلہ دیتا ہے۔ مگر یہ وہ بدلہ نہیں ہے، جس کا اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ہم ہی اس کا بدلہ دیں گے۔ وہ بدلہ تو بعد میں ملے گا۔ یہاں جس بدلہ کا ذکر ہے، وہ "مغفرت" ہے۔ چناں چہ ایک روایت میں ہے کہ جب عید کا دن ہوتا ہے؛ تو اللہ پاک ان کی وجہ سے فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے فرشتو! اس مزدور کا کیا بدلہ ہے، جس نے اپنا کام پورا کر لیا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! اس کا بدلہ یہ ہے کہ اس کے عمل کی مزدوری دے دی جائے۔ اللہ فرماتا ہے: اے فرشتو! میرے بندوں اور بندیوں نے میرا فرض جو ان پر تھا ادا کیا ہے، پھر وہ اپنے گھروں سے —— عید گاہ کی طرف —— دعاء کے لیے نکلے ہیں، مجھے قسم ہے اپنی عزت و بزرگی، اپنی سخاوت و بلندی اور اپنے بلند مرتبہ کی، میں ان کی دعاء ضرور قبول کروں گا۔ پھر اللہ فرماتا ہے کہ اپنے گھروں کو جاؤ، میں نے تم سب کو بخش دیا، تمہاری برائیوں کو نیکی سے بدل ڈالا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ اپنے گھروں کو اس حال میں لوٹتے ہیں کہ ان کی بخشش ہو چکی ہوتی ہے[1]۔

شوال المکرم

(۲۷۱) شوال کے چھ روزے کی فضیلت

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ صَامَ رَمَضَانَ، ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ، كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ»[2].

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے؛ تو یہ صیام دہر کے برابر ہے۔

---

(۱) شعب الایمان: ۳۷۱۷، في ليلة العيد ويومها.

(۲) مسلم: ۱۱۶٤، الصيام، استحباب ... شوال.

فائدہ: رمضان شریف کا بابرکت مہینہ گزر چکا ہے۔ اس ماہ مبارک کی جس طرح ہمیں قدر کرنی چاہیے تھی، ہم نے نہیں کی۔ اللہ پاک ماہ مبارک میں کیے ہوئے اعمال کو قبول فرمائے اور آئندہ اس ماہ کریم کی قدر دانی نصیب فرمائے۔ آمین! پہلے گزر چکا ہے کہ بندوں سے اگر فرائض میں کمی کوتاہی ہوئی ہوگی؛ تو اس کمی کوتاہی کو نوافل سے پورا کیا جائے گا۔ تو ابھی ہم نے رمضان المبارک کا روزہ رکھا ہے۔ اللہ سے امید قوی ہے کہ ان شاء اللہ ہمارے یہ روزے ضرور قبول ہوں گے اور ان میں جو کمیاں رہ گئی ہوں گی۔ اللہ انھیں بھی ضرور معاف فرمائے گا۔ اب ان فرض روزوں کے بعد، نفل روزوں کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے۔ ہر مہینے کچھ نہ کچھ روزے مشروع ہیں۔ ان میں سے ہر جمعرات اور پیر کا روزہ، ہر ماہ ایام بیض کے روزے اسی طرح عاشورہ اور عرفہ کا روزہ مشروع ہے۔ انہیں نوافل میں سے شوال کے چھ روزے بھی ہیں۔ ان روزوں کو چھ عیدی بھی کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں اِسی شش عیدی روزے کا ذکر ہے۔ ان روزں کی بڑی فضیلت ہے۔ اِن روزوں کے رکھنے کے دو فائدے ہیں: ایک تو یہ کہ رمضان کے فرض روزے میں جو کوتاہی کمی ہوگئی ہوگی، اللہ اس کے ذریعہ سے پوری فرمائے گا۔ دوسرا فائدہ حدیث شریف میں مذکور ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر اس کے بعد چھ دنوں کے روزے شوال میں رکھے، خواہ لگاتار رکھے، یا وقفہ کر کے رکھے، ہر دو صورت میں صیامِ دھر، یعنی پوری زندگی روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا۔ جو شخص ان روزوں کو لگاتار رکھنے کی طاقت رکھتا ہے، اس کے لیے افضل یہ ہے کہ عید کے بعد متصلاً لگاتار رکھے۔ ابن ماجہؒ نے یہی حدیث حضرت ثوبان مولی رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے۔ اس میں اس طرح ہے کہ جس نے عید الفطر کے بعد چھ روزے رکھے؛ تو اس نے گویا پورے سال روزے رکھے۔ پھر

راوی نے اس کی تفسیر کی ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس ملتا ہے۔[1] تو پورے سال کا اس طور پر روزہ ہوگا کہ رمضان کے تیس روزے دس مہینے کے ثواب کے برابر ہوئے اور شوال کے چھ روزے دو مہینے کے ثواب کے برابر ہوئے۔ اس طرح رمضان کے روزے کے بعد، جس نے شوال کے چھ روزے رکھے؛ گویا کہ اس نے کل بارہ مہینے کے روزوں کا ثواب حاصل کر لیا[2]۔

علامہ نوویؒ نے بھی شرح مسلم میں یہی بات لکھی ہے کہ افضل و مستحب یہ ہے کہ عید کے بعد متصلاً چھ روزے رکھے جائیں؛ لیکن اگر کسی نے وقفے سے رکھا، یا مہینہ کے آخر میں رکھا؛ تو یہ بھی صحیح ہے اور رکھنے والے کو فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ پھر ایک کا ثواب دس گنا ملنے والی بات بھی لکھی ہے[3]۔ پوری زندگی روزے کا ثواب اس طور پر ہے کہ اگر ہر سال پابندی سے عید کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے، تو ہر سال پورے سال کے روزے کا ثواب ملا۔ اس طور پر اگر کسی بھی سال ناغہ نہیں ہوا؛ تو پوری زندگی روزہ رکھنے کا ثواب ملا۔

(۲۷۲) شوہر کی موجودگی میں نفل روزے کا حکم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «لَا تَصُومُ الْمَرْأَةُ وَبَعْلُهَا شَاهِدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ»[4].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر شوہر گھر پر موجود ہے؛ تو کوئی عورت اس کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ نہ رکھے۔

فائدہ: ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ طبرانی میں حدیث ہے کہ شوہر کا بیوی کے اوپر ایک حق یہ ہے کہ بغیر شوہر کی اجازت کے نفل روزہ نہ رکھے۔ اگر روزہ رکھتی ہے، تو قبول نہیں ہوگا۔ اور فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں ممانعت نفلی روزوں کے ساتھ خاص ہے، رمضان کا روزہ مراد نہیں ہے۔ اسی طرح غیر رمضان میں، واجب روزے بھی اس ممانعت میں شامل ہیں، یعنی اگر شوہر کے پاس

(١) ابن ماجة: ١٧١٥، كتاب الصيام.
(٢) مرقاة المفاتيح: ٤/٤٧٦.
(٣) المنهاج شرح النووي: ٨/٤٩.
(٤) البخاري: ٥١٩٢، النكاح، صوم ... تطوعا.

وقت کم ہو، تو اس صورت میں بیوی واجب روزے نہیں رکھے گی۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس کا سبب یہ بتایا ہے کہ شوہر کو اپنی بیوی سے کسی بھی وقت فائدہ اٹھانے کا حق ہے، اور یہ حق فوراً واجب ہے۔ یعنی جب شوہر کی خواہش ہو بیوی کے لیے ضروری ہے کہ اس کی خواہش پوری کرے۔ اور جو حق واجب ہے اس کو نفل کی وجہ سے ترک نہیں کیا جا سکتا ہے، اور نہ مؤخر کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر شوہر نے روزہ کی حالت میں اس سے جماع کر لیا، تو شوہر کو اجازت ہے اور بیوی کا روزہ فاسد ہو جائے گا، اگرچہ شوہر کے لیے بہتر ہے کہ ایسا نہ کرے۔ معلوم ہوا کہ نفلی عبادت سے زیادہ ضروری شوہر کی فرماں برداری اور اس کے حقوق ہیں؛ اس لیے کہ یہ واجب ہیں، اور واجب کو ادا کرنا مقدم ہے، نفل ادا کرنے سے [1]۔ شوہر کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ بخاری شریف کی ایک روایت سے لگایا جا سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جب شوہر اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ آنے سے (ناراضگی کی وجہ سے) انکار کر دے؛ تو فرشتے صبح تک اس پر لعنت بھیجتے ہیں [2]۔

(۲۷۳) بدظنی سے بچنا اور بچانا

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ مَعَ إِحْدَى نِسَائِهِ، فَمَرَّ بِهِ رَجُلٌ، فَدَعَاهُ، فَجَاءَ فَقَالَ: «يَا فُلَانُ، هَذِهِ زَوْجَتِي فُلَانَةُ». فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَنْ كُنْتُ أَظُنُّ بِهِ، فَلَمْ أَكُنْ أَظُنُّ بِكَ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ»[3].

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی ایک زوجہ مطہرہ کے ساتھ تھے کہ ایک شخص سامنے سے گزرا۔ آپ ﷺ نے اس کو بلایا اور فرمایا: "اے فلاں! یہ میری فلاں بیوی ہے۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ! اگر میں کسی پر گمان کرتا بھی تو آپ پر گمان کرنے والا نہیں ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: شیطان انسان کے بدن میں خون کی طرح پھرتا ہے۔

---

(۱) فتح الباري: ۲۹۴/۹

(۲) البخاري: ۵۱۹۳، النكاح، إذا باتت ... فراش زوجها.

(۳) مسلم: ۲۱۷٤، السلام، بيان أنه ... خاليا بامرأة.

فائدہ: بد ظنی اور سوئے ظنی بہت خطرناک بیماری اور بڑا گناہ ہے۔ اِس گناہ نے کتنے ہنستے کھیلتے گھر کو اجاڑ دیا ہے اور نہ جانے کتنے خاندان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام مسلمانوں کے درمیان اخوت و محبت کے روابط کو مستحکم اور مظبوط کرنے کا خواہاں ہے؛ چناں چہ اس نے ہر اس چیز کی دعوت دی، جس سے اخوت و محبت مستحکم ہو اور ہر اس چیز سے منع کیا، جس سے آپس میں نا اتفاقی اور رنجش ہو۔ انہیں ممنوعات میں سے بد گمانی بھی ہے۔ قرآن و حدیث میں سختی کے ساتھ اس سے روکا گیا ہے۔ کسی عارف کا قول ہے کہ تہمت کی جگہوں سے بچو؛ کیوں کہ تہمت کی ابتداء بھی بدگمانی سے ہوتی ہے۔ لیکن آج کل یہ وبا عام ہو گئی ہے کہ لوگ حسن ظن تو آج جانتے ہی نہیں ہیں، صرف بد گمانی ہی جانتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس حدیث پر عمل کر کے، اس بد گمانی کے ختم کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی ضرورت سے تنہائی میں اپنے محرم کے ساتھ بات چیت کرنے کی نوبت آگئی اور کسی نے دیکھ لیا، تو اُس کو بتادینا چاہیے کہ یہ میری فلاں ہے، تاکہ اس کو بد گمانی نہ ہو۔ محرم کی قید اس لیے لگائی کہ غیر محرم سے تنہائی اختیار کرنا ہی حرام ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس شخص کو بلا کر، اس بد گمانی کو دور کرنے کے لیے یہ فرمایا کہ یہ میری فلاں بیوی ہے۔ بخاری و مسلم کی دیگر روایتوں میں ان زوجہ مطہرہ کا نام حضرت صفیہ لکھا ہے۔ جب صحابیؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! میں بد گمانی کرنے والا آدمی نہیں ہوں اور اگر کرتا بھی تو آپ پر نہیں کر سکتا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے یہ ڈر ہوا کہ شیطان تمہارے دلوں میں فساد نہ ڈال دے۔[1]

(۱) صحیح البخاری: ۲۰۳۵، الاعتکاف.

(۲۷۴)امام سے پہلے سر اٹھانے کی سزا

عن أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَمَا يَخْشَى أَحَدُكُمْ أَوْ لَا يَخْشَى أَحَدُكُمْ، إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ أَنْ يَجْعَلَ اللهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ، أَوْ: يَجْعَلَ اللهُ صُورَتَهُ صُورَةَ حِمَارٍ»[1].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کیا تم میں وہ شخص جو (رکوع یا سجدہ میں) امام سے پہلے اپنا سر اٹھالیتا ہے، اس بات سے نہیں ڈرتا کہ کہیں اللہ پاک اس کا سر گدھے کے سر کی طرح بنادے یا اس کی صورت کو گدھے کی سی صورت بنادے۔

فائدہ: نماز میں سر اٹھانے کی ضرورت رکوع کے بعد بھی ہوتی ہے اور سجود کے بعد بھی۔ یہ حدیث مطلق ہے؛ اس لیے دونوں صورتیں اس میں داخل ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے امت پر شفقت کرتے ہوئے یہ حکم دیا ہے کہ ایسی حرکت امام کی اقتداء میں نہ کی جائے؛ اِس پر ثواب وعقاب کا دار ومدار ہے۔ حدیث پاک میں ایسے شخص کے لیے جو امام سے پہلے اپنا سر اٹھالیتا ہے، شدید وعید ہے۔ ابن مسعود اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا قول ان لوگوں کے سلسلہ میں یہ ہے کہ ایسے شخص کی نماز تو ہو جائے گی؛ لیکن اس شخص نے نہ تنہا نماز پڑھی؛ کیوں کہ وہ امام کے پیچھے تھا اور نہ جماعت سے نماز پڑھی؛ کیوں کہ اس نے اقتداء نہیں کی۔ بہر حال جمہور کے نزدیک نماز ادا ہو جائے گی۔ دوسرے بعض علماء کے نزدیک نماز میں امام سے سبقت کرنے کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر بھی ہو سکتی ہے؛ کیوں کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں مسخ انفرادی، یعنی انفرادی طور پر شکل وصورت کے مسخ ہونے کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک حدیث میں ہے کہ آخری زمانہ میں، اِس امت میں مسخ، خسف اور قذف کا عذاب نازل ہوگا۔ البتہ یہ عذاب اجتماعی طور پر امت کو نہیں دیا جائے گا۔ دوسرے بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے مراد حماقت اور بے وقوفی ہے کہ وہ شخص نہایت ہی احمق اور بے وقوف ہے، جو امام سے پہلے

---

(۱) البخاري: ٦٩١، الأذان، اسم ..... حمار.

نماز میں سر اٹھالیتا ہے۔ کچھ دوسرے بعض علماء نے یہ فرمایا کہ قیامت کے دن ایسا شخص گدھے کی صورت میں اٹھایا جائے گا۔[۱]

ملا علی قاریؒ نے ایک عبرت آموز واقعہ بھی ذکر کیا ہے کہ دمشق میں ایک بڑے شیخ تھے۔ ایک طالب علم ان سے حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس سفر کر کے پہنچا۔ شاگردوں اور استاذ کے درمیان ہمہ وقت پردہ حائل رہتا۔ طلبہ اپنے استاذ کو نہیں دیکھ پاتے تھے۔ بہت طویل مدت کے بعد استاذ نے ایک بار پردہ ہٹایا، تو شاگرد نے دیکھا کہ ان کی صورت گدھے جیسی ہے۔ پوچھنے پر استاذ نے فرمایا کہ بیٹا! امام سے پہلے سر اٹھانے سے بچنا۔ جب میں نے یہ حدیث پڑھی؛ تو میں نے اس کو ناممکن ومحال سمجھ کر آزمایا، تو اللہ پاک نے میری شکل بدل دی، جو آج تم دیکھ رہے ہو[۲]۔

(۲۷۵) گرگٹ کو مارنے کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ قَتَلَ وَزَغَةً فِي أَوَّلِ ضَرْبَةٍ فَلَهُ كَذَا وَكَذَا حَسَنَةً، وَمَنْ قَتَلَهَا فِي الضَّرْبَةِ الثَّانِيَةِ فَلَهُ كَذَا وَكَذَا حَسَنَةً، لِدُونِ الْأُولَى، وَإِنْ قَتَلَهَا فِي الضَّرْبَةِ الثَّالِثَةِ فَلَهُ كَذَا وَكَذَا حَسَنَةً، لِدُونِ الثَّانِيَةِ»[۳].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "جو شخص گرگٹ کو پہلی دفع میں مار ڈالے؛ تو اس کو اتنا اتنا ثواب ملے گا، جو دوسری مرتبہ میں مارے، اس کو بھی اتنا اتنا ثواب ملے گا؛ مگر پہلے والے سے کم اور جو تیسرے بار میں مارے اس کو بھی اتنا اتنا ثواب ملے گا مگر دوسرے والے سے کم۔

فائدہ: شریعت مطہرہ کا کوئی بھی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ اس حدیث شریف میں گرگٹ مارنے کا ثواب بیان کیا گیا ہے۔ بخاری شریف میں گرگٹ کو مارنے کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گرگٹ اس آگ کو پھونک مار کر دہکاتا تھا جس میں نمرود نے

---

(۱) عمدة القاري: ۲۳۲/۵.
(۲) مرقاة المفاتيح: ۱۹۹/۳.
(۳) مسلم: ۲۲۴۰، السلام، استحباب قتل الوزغ.

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈالا تھا۔[1]

اِس حدیث شریف میں ثواب کی تعداد کا ذکر نہیں ہے۔ مطلق آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلی بار میں مار ڈالنے پر اتنا اتنا یعنی بہت ساری نیکیاں ملیں گی۔ ایک دوسری روایت میں صراحت ہے کہ پہلی بار میں مار ڈالنے پر سو نیکیوں کا ثواب ملے گا، دوسری بار میں مار ڈالنے پر اس سے کم اور تیسری بار میں مارنے پر اس سے بھی کم۔ ایک اور دوسری روایت میں ستر نیکیوں کا ذکر ہے۔[2]

نووی ؒ فرماتے ہیں کہ اہل زبان متفق ہیں کہ وہ موذی حشرات الارض میں سے ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو مار ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ پہلی بار اور پہلی وار میں مارنے پر جو ثواب کی زیادتی بیان کی گئی ہے، اس کا مقصد گرگٹ کے مارنے کا شوق دلانا اور اس کی ترغیب دینا ہے۔[3]

سنن ابن ماجہ نے ایک تفصیلی روایت آئی ہے۔ حضرت سائبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ حضرت عائشہؓ کے یہاں گئیں؛ تو دیکھا کہ نیزہ رکھا ہوا ہے۔ حضرت سائبہؓ نے پوچھا: اے ام المؤمنین! اِس سے کیا کرتی ہیں؟ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ گرگٹ مارتی ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے ہم کو بتایا ہے کہ جب ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا؛ تو زمین کے تمام جانور آگ بجھا رہے تھے، سوائے گرگٹ کے، کہ وہ آگ میں پھونک مار رہا تھا؛ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کو مارنے کا حکم دیا ہے۔[4]

مفتی تقی عثمانی صاحب مد ظلہ فرماتے ہیں کہ گرگٹ کی طبیعت کی خباثت اور اس کی رذالت بیان کرنے کے لیے آپ ﷺ نے یہ واقعہ بیان فرمایا ہے۔ اس کے قتل کا حکم اس لیے دیا کہ وہ موذی جانور ہے۔ قتل کا حکم اِس لیے نہیں دیا کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ میں پھونک ماری تھی؛ کیوں کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے کی گرگٹ کے گناہ کی سزا اس دور کے گرگٹ کو نہیں دی جا سکتی ہے؛ لہذا مارنے کے حکم کا سبب اُس کا ایذا پہنچانا ہے۔ البتہ ضمناً حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ بھی شامل

---

(۱) صحیح البخاری: ۳۳۵۹، احادیث الانبیاء.

(۲) صحیح مسلم: ۲۲۳۶.

(۳) المنهاج شرح النووی: ۱۴/۲۰۱.

(۴) سنن ابن ماجة: ۳۲۳۱، الصيد، باب قتل الوزغ.

ہے[1]۔ خلاصہ یہ ہوا کہ گرگٹ پر کہیں نظر پڑے؛ تو کوشش کرنی چاہیے کہ ایک ہی وار میں اس کو مار دے۔ اگر ایک وار میں نہ مار سکا؛ تو دوسرے یا تیسرے وار میں مار ہی دے اور ثواب کا مستحق ہو جائے۔

(۲۷۶) سوتے وقت آگ بجھانے کا حکم

عَنْ ابنِ عُمرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا تَتْرُكُوا النَّارَ فِي بُيُوتِكُمْ حِينَ تَنَامُونَ»[2].

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب سونے لگو؛ تو گھر میں آگ نہ چھوڑو۔

فائدہ: یہ حدیث امت پر شفقت کے قبیل سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حدیث میں سوتے وقت کا ایک ادب بیان فرمایا ہے کہ سوتے وقت چراغ یا آگ کو جلتے ہوئے نہیں چھوڑنا چاہیے؛ سونے سے پہلے چراغ، یا چولہے کی آگ کو بجھا دینا چاہیے۔ ایک دوسری روایت میں ہے: مدینہ منورہ میں رات کے وقت ایک گھر جل گیا۔ نبی کریم ﷺ سے اس کے متعلق کہا گیا: تو آپ ﷺ نے فرمایا: آگ تمہاری دشمن ہے؛ اس لیے جب سونے لگو تو اسے بجھا دیا کرو۔[3] ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (سوتے وقت) برتن ڈھک لیا کرو، دروازے بند کر لیا کرو اور چراغ بجھا لیا کرو؛ کیوں کہ یہ چوہا بعض اوقات چراغ کی بتی کھینچ لیتا ہے اور گھر والوں کو جلا دیتا ہے۔[4]

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے اِس ارشاد میں دینی و دنیوی مصلحت یعنی جان و مال کو ضائع ہو جانے سے بچانا ہے۔ کیوں کہ اِن دونوں کی حفاظت کا شریعت میں حکم دیا گیا ہے۔[5] لیکن یہ حکم کھلی ہوئی آگ کے لیے ہے، خواہ چولہے کی آگ ہو یا چراغ ہو۔ امام نوویؒ نے صراحت کی ہے کہ جو

---

(۱) تكملة فتح الملهم: ۱۰/۳۵۰.
(۲) البخاري: ۶۲۹۳، الاستئذان، لاتترك ... عند النوم.
(۳) صحيح البخاري: ۶۲۹۴، كتاب الاستئذان.
(٤) نفس المصدر: ٦٢٩٥.
(٥) عمدة القاري: ٢٢/٤١٠.

آگ نقصان نہ پہنچائے، جس سے کوئی خطرہ نہ ہو، وہ اس حکم میں داخل نہیں ہے۔[1]

بہر حال سوتے وقت چراغ اور آگ بجھانے کا حکم دینے کی حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ آگ انسان کی دشمن ہے۔ چوہا وغیرہ آگ کی بتی کو کھینچ کر نقصان پہنچا سکتا ہے۔

(۲۷۷) ناپ تول میں کمی کرنے کا حکم

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنه قَالَ: لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ كَانُوا مِنْ أَخْبَثِ النَّاسِ كَيْلًا، فَأَنْزَلَ اللهُ سُبْحَانَهُ {وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ} فَأَحْسَنُوا الْكَيْلَ بَعْدَ ذٰلِكَ[2].

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے؛ تو یہاں کے لوگ ناپ تول میں سب سے برے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ﴿وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ﴾ نازل فرمائی۔ تب انہوں نے ناپ تول اچھا کر لیا۔

فائدہ: حدیث شریف میں ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے بہت ہی سخت وعید مذکور ہے۔ اللہ پاک نے سورہ مطففین کی آیات شریفہ میں ایسے لوگوں پر سخت پھٹکار لگائی ہے، جو معاملات، کاروبار اور لین دین کرتے وقت ناپ تول میں کمی بیشی کرتے ہیں۔ اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ * الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ * وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ * أَلَا يَظُنُّ أُولَئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ * لِيَوْمٍ عَظِيمٍ * يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ترجمہ: بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی؛ جب لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں؛ کیا ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے کہ وہ ایک بڑے سخت دن میں زندہ کر کے اٹھائے جاویں گے، جس دن تمام آدمی رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے[3]۔

علامہ آلوسیؒ نے ترمذی و مسند احمد وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

---

(۱) فتح الباري: ۱۱/۱۰۰۔

(۲) ابن ماجة: ۲۲۲۳، التجارات، التوقي في الكيل.

(۳) المطففين /۱-۶ بیان القرآن.

فرمایا: "ویل" جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔ کافر چالیس سال میں اس کی تہہ تک پہنچے گا۔[1] ناپ تول میں کمی وبیشی کرنا بہت ہی بری خصلت ہے۔ یہ خصلت دنیا میں بھی عذاب خداوندی کا سبب ہے اور آخرت کا عذاب تو الگ رہا۔ یہ خبیث خصلت حضرت شعیب علیہ السلام کے قوم میں پائی جاتی تھی اور اللہ نے ان پر سخت عذاب نازل فرمایا تھا۔ اللہ پاک قرآن عظیم الشان میں فرماتا ہے: ﴿وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ترجمہ: اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو بھیجا، انھوں نے فرمایا: اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے۔ تو تم ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو، اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو۔ اور روئے زمین میں بعد اس کے کہ درستی کردی گئی، فساد مت پھیلاؤ یہ تمہارے لیے نافع ہے، اگر تم تصدیق کرو۔[2] اتنا واضح حکم آنے کے بعد بھی انھوں نے شعیب کی ایک بات بھی نہ مانی اور آپس میں کہنے لگے کہ اس کی بات بالکل نہ ماننا۔ تو اللہ پاک نے ان پر اپنا عذاب نازل فرمادیا۔ اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ﴾[3]: (بس ان کو زلزلہ نے آپکڑا سو اپنے گھر میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے)۔

(۲۷۸) فجر کی نماز باجماعت پڑھنے کی فضیلت

عن جُنْدَبِ بْنِ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللهِ فَلَا يَطْلُبَنَّكُمُ اللهُ مِنْ ذِمَّتِهِ بِشَيْءٍ، فَيُدْرِكَهُ فَيَكُبَّهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ»[4].

ترجمہ: حضرت جندب ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد

---

(۱) روح المعانی، جلد:۱۵.
(۲) الأعراف /۸۵، بیان القرآن.
(۳) الاعراف: ۹۱.
(٤) مسلم: ٦٥٧، المساجد ومواضع الصلاة.

فرمایا: جس شخص نے صبح کی نماز پڑھی؛ تو وہ اللہ کی حفاظت اور پناہ میں ہے، اور اللہ پاک اپنے ذمہ میں سے کسی چیز کا مطالبہ تم سے نہیں کرے گا، مگر اس کو پکڑ کر جہنم میں ڈال دے گا۔

فائدہ: حدیث شریف میں فجر کی نماز باجماعت ادا کرنے والے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ علماء نے حدیث کے دو مطلب بیان کیے ہیں: ایک یہ کہ جس نے فجر کی نماز باجماعت ادا کی؛ تو وہ شخص اللہ کی حفاظت اور نگرانی میں چلا جاتا ہے اور جو شخص اللہ کی حفاظت اور ذمہ داری میں چلا گیا، تو ایسے شخص کو ستانا نہیں چاہیے۔ اگر کوئی ستائے گا تو گویا کہ اللہ کی محفوظ کردہ اور ذمہ میں لیے ہوئے چیز میں رخنہ اندازی کر رہا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ معاف نہیں فرمائے گا، اللہ پاک اس کو سزا دے گا۔ اور سزا کیا ہے؟ حدیث میں آیا کہ پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جس نے نماز فجر پڑھی، وہ اللہ کے امان میں چلا گیا؛ لہٰذا اب وہ صبح کی نماز نہ چھوڑے، ورنہ وہ امان جو اللہ کے ذمہ ہے، ختم ہو جائے گا۔ پھر اللہ پاک تم سے اس کے بارے میں پوچھے گا اور سزا دے گا[1]۔

راقم کے نزدیک اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فجر کا وقت غفلت کا وقت ہوتا ہے اس لیے جس نے فجر کی نماز باجماعت پڑھ لی گویا کہ وہ تمام نمازیں باجماعت پڑھنے کا اہتمام کرے گا۔ اور جس نے ساری نمازیں باجماعت پڑھ لی اس کے اللہ کی حفاظت میں جانے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ اس لیے اب اس کے بعد کسی بھی طرح سے اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور اس کا اہتمام کرے کہ کوئی نماز فوت نہ ہو، خاص کر فجر کی نماز تو بالکل نہ چھوڑے، اللہ کی نافرمانی سے حتی المقدور بچے اور اگر نافرمانی ہو جائے تو فوراً توبہ واستغفار کے ذریعہ اپنے آپ کو سنبھال لے، ورنہ اللہ پاک بازپرس فرمائے گا اور عذاب دے گا۔

ایک روایت میں عشاء و فجر کی نماز پڑھنے کی فضیلت اس طرح آئی ہے کہ جس نے عشاء اور فجر کی نماز باجماعت پڑھی؛ تو اس کو پوری رات نفلیں پڑھنے کا ثواب ملے گا۔[2]

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۳۰۱/۲۔ (۲) الترمذي: ۲۲۱ أبواب الصلاۃ.

(۲۷۹) اللہ پاک بندے کی توبہ کا منتظر رہتا ہے

عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْسُطُ يَدَهُ بِاللَّيْلِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ النَّهَارِ، وَيَبْسُطُ يَدَهُ بِالنَّهَارِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ اللَّيْلِ، حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا»[۱].

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں: کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ پاک رات میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے؛ تاکہ دن کے گنہ گار توبہ کرلیں اور دن میں پھیلاتا ہاتھ ہے؛ تاکہ رات کے گنہ گار توبہ کرلیں، یہاں تک کہ آفتاب مغرب سے طلوع ہونے لگے"۔ یعنی قیامت کے قریب تک اللہ پاک ایسا کرتا رہے گا۔

فائدہ: توبہ واستغفار کی اہمیت پہلے کئی حدیثوں کے تحت گزر چکی ہے۔ اللہ پاک بندوں کو خود کہتا ہے، کہ توبہ کرو، اور انتظار فرماتا ہے کہ میرا بندہ کب میرے در پر آکر معافی تلافی کرتا ہے۔ چناں چہ اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللهِ تَوْبَةً نَصُوحًا عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾ ترجمہ: اے ایمان والو تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو، امید ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ معاف کردے گا، اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جس دن کہ اللہ تعالیٰ نبی کو اور جو مسلمان ان کے ساتھ ہیں ان کو رسوا نہ کرے گا۔ ان کا نور ان کے داہنے اور ان کے سامنے دوڑتا ہوگا، یوں دعا کرتے ہونگے کہ اے ہمارے رب، ہمارے لیے ہمارے اس نور کو اخیر تک رکھیے، اور ہماری مغفرت فرمادیجیے، آپ ہر شے پر قادر ہیں[۲]۔

دوسری جگہ اللہ فرماتا ہے: ﴿ وَتُوبُوا إِلَى اللهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ اور

(۱) مسلم: ۲۷۵۹، التوبة، قبول التوبة من الذنوب.
(۲) التحریم: ۸، بیان القرآن.

مؤمنو! سب کے سب اللہ سے توبہ کرو، توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے[1]۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ پاک نے بندوں سے اعلان کر دیا ہے کہ توبہ کرو کامیابی اسی میں ہے۔ اور اللہ پاک توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہے۔ رات و دن کی کوئی قید نہیں ہے۔ جس وقت بھی بندہ توبہ کرتا ہے، اللہ پاک خوش ہوتا ہے اور توبہ قبول کر لیتا ہے۔ قبولیت توبہ کا یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا اور قیامت کے قریب جب سورج مشرق کے بجائے مغرب سے نکلنے لگے گا، جو کہ قیامت کی ایک علامت ہے، تب قبولیت کا یہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ جیسا کہ حدیث نمبر: ۲۴۳ میں گزرا، کہ جنت میں ایک دروازہ ہے جس نام باب الرحمۃ، باب محمد اور باب التوبہ بھی ہے۔ اللہ نے جب سے اس دروازہ کو بنایا ہے، کبھی بند نہیں ہوا، قیامت کے قریب بند ہو جائے گا، پھر کبھی نہیں کھلے گا۔ اس لیے بندہ کو چاہیے کہ فرصت کو غنیمت جان کر، اس وقت کے آنے سے پہلے پہلے توبہ کر لے۔

طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام باسط ہے اور حدیث شریف میں جو "یبسط یدہ" آیا ہے وہ اسی سے ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کو پھیلاتا ہے۔ اِس سے مراد اللہ کی سخاوت اور رحمت کی وسعت ہے کہ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے، اور اس کی سخاوت ایسی ہے کہ وہ بکثرت گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔ جب بندہ توبہ کرتا ہے؛ تو اللہ پاک خوشی میں ہاتھ پھیلاتا ہے اور ہاتھ پھیلانے کا مطلب یہ ہے کہ راضی ہو جاتا ہے۔[2]

(۲۸۰) کتے کی سیرابی سے زانیہ کی بخشش

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَنَّ امْرَأَةً بَغِيًّا رَأَتْ كَلْبًا فِي يَوْمٍ حَارٍّ يُطِيفُ بِبِئْرٍ، قَدْ أَدْلَعَ لِسَانَهُ مِنَ الْعَطَشِ، فَنَزَعَتْ لَهُ بِمُوقِهَا، فَغُفِرَ لَهَا»[3].

---

(۱) النور: ۳۱، تفهيم القرآن.

(۲) طيبي شرح مشكاة المصابيح: ٥/١٠٦.

(۳) مسلم: ٢٢٤٥، السلام، فضل .... وإطعامها.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ: ایک فاحشہ نے گرمی کے دن میں، ایک کتا دیکھا کہ کنواں کے گرد چکر لگا رہا تھا اور اپنی زبان پیاس کی وجہ سے باہر نکال رکھی تھی۔ اس عورت نے اپنے موزے سے اس کے لیے پانی نکالا (اور اس کو پلا دیا)؛ تو اللہ نے اس کو بخش دیا۔

فائدہ: پہلے ایک حدیث گزری ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے کام کو بھی معمولی اور حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ تفصیل کے لیے حدیث نمبر تیس دیکھیے۔ ادنی سا کام، جس کو لوگ حقیر سمجھ کر نہیں کرتے ہیں اور کرنے والے کو بھی حقیر سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی کام مخلوق کے فائدے کے لیے ہے، اس کا تعلق کسی نہ کسی حد تک دین سے ہے، تو اللہ کے نزدیک اس کام کا مرتبہ اور کام کرنے والے کا مرتبہ بہت بلند ہے۔

حدیث پاک میں مثال دے کر بتایا گیا ہے کہ پانی پلانا وہ بھی کتے کو، بظاہر ایک معمولی عمل ہے؛ لیکن اللہ کے نزدیک اس عمل کی اتنی اہمیت ہے کہ اللہ پاک نے اس عمل کی وجہ سے ایک زانیہ کی مغفرت فرمادی۔ اس قسم کے متعدد واقعات رونما ہو چکے ہیں۔ بخاری نے بھی اِس واقعہ کو ذکر کیا ہے۔ یہاں اس حدیث میں ایک زانیہ فاحشہ عورت کا ذکر ہے۔ مسلم شریف کی دوسری روایت ہے کہ راستہ میں ایک شخص کو پیاس لگی؛ تو اس نے پانی تلاش کیا، اس کو کنواں ملا، وہ اس میں اترا اور پانی پی کر باہر آیا؛ تو اس کی نظر ایک کتے پر پڑی، اس نے سوچا کہ جس طرح پیاس مجھ کو لگی تھی، اس کو بھی لگی ہے۔ وہ دوبارہ کنویں میں گیا اور اپنے چمڑے کے موزے میں، پانی بھر کر، اس کتے کو پلایا؛ تو اللہ پاک نے اس عمل کی وجہ سے اس شخص کی مغفرت فرمادی۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! جانوروں (کی خدمت) میں بھی ہمیں اجر ملتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر جان دار کی خدمت کرنے میں اجر ہے[1]۔

اِس حدیث کی شرح میں علماء کرام نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل کے کسی مرد اور

---

(۱) مسلم: ۲۲۴۴، السلام، فضل ساقي البهائم.

عورت کا ہے۔اِس حدیث میں مغفرت سے مراد گناہ صغیرہ ہے کہ اللہ پاک اس عمل کی وجہ سے صغیرہ گناہوں کو معاف فرمادے گا۔یہ اصول قرآن عظیم الشان میں بھی، موجود ہے۔اللہ پاک فرماتا ہے: اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ[1]:(در حقیقت نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں)۔یا مغفرت سے مراد مغفرتِ کاملہ بھی ہو سکتی ہے؛کیوں کہ اللہ پاک کی رحمت بہت وسیع اور عام ہے،اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی وجہ سے اس کو بالکل معاف کر دیا ہو۔اور حدیث کا ظاہر یہی تقاضہ کرتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ پاک جب اتنے چھوٹے اور معمولی عمل سے خوش ہو کر،بندہ کی مغفرت کر دیتا ہے؛تو ہم گناہوں کی جرءت کریں! معاذ اللہ![2]

رہی بات یہ کہ بڑے گناہ تو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے،تو ان اعمال کی وجہ سے مغفرت کا ہونا کیسے ممکن ہے؟اس کا ایک جواب تو اوپر گزرا کہ اللہ کی رحمت وسیع اور کامل ہے اور اختیار اس کے پاس ہے۔راقم کی رائے میں مغفرت کاملہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس عمل کی وجہ سے اللہ پاک کبائر کے مرتکب کو توبہ کی توفیق عطا فرمادے اور پھر توبہ کر کے،وہ اپنی مغفرت کروالے۔

(۲۸۱)رحمت خداوندی کی وسعت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ مَا عِنْدَ اللهِ مِنَ الْعُقُوبَةِ مَا طَمِعَ بِجَنَّتِهِ أَحَدٌ، وَلَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ مَا عِنْدَ اللهِ مِنَ الرَّحْمَةِ مَا قَنَطَ مِنْ جَنَّتِهِ أَحَدٌ»[3].

ترجمہ:ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:اگر مؤمن کو ان عذاب کے بارے میں معلوم ہو جائے،جو اللہ کے پاس ہے؛تو اس کی جنت کی تمنا کوئی نہ کرے،اور اگر کافر آدمی کو اللہ کی رحمتوں کے بارے میں معلوم ہو جائے،جو اس کے پاس ہے،تو وہ اللہ کی جنت سے کبھی ناامید نہ ہو۔

فائدہ:حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ پاک کی رحمت کی کثرت ووسعت

---

(۱) سورة هود: ١١٤.

(۲) تكملة فتح الملهم: ۳۵۷/۱۰.

(۳) مسلم: ۲۷۵۵، سعة رحمة الله تعالى، كتاب التوبة.

کو بیان کیا ہے۔ اسی طرح اللہ پاک کے عذاب وعقاب کو ذکر کیا ہے؛ تاکہ بندۂ مومن اس کی رحمت کی وجہ سے مغرور نہ ہو، دھوکہ میں نہ پڑ جائے اور اس کے عذاب سے بے خوف نہ ہو جائے، اور کافر اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو جائے۔

اللہ پاک کی صفات غیر متناہی ہیں، خواہ صفات جلالی ہوں یا جمالی۔ اللہ پاک قرآن عظیم الشان میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿ نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ * وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ﴾: اے نبی میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت در گزر کرنے والا اور رحیم ہوں * مگر اس کے ساتھ میرا عذاب بھی نہایت دردناک ہے[1]۔ معلوم یہ ہوا کہ مؤمن کو اگر معلوم ہو جائے کہ سخت ترین عذاب اللہ کے پاس ہے، تو اللہ کے خوف سے کانپ جائے گا اور جنت کی تمنا چھوڑ کر، جہنم سے بچنے کی فکر کرے گا۔ اسی طرح کافر اللہ کی بے پایاں مہربانی دیکھ کر، اللہ کی رحمت سے پر امید ہو جائے گا۔ حدیث کا مفہوم یہ ہوا کہ انسان کے اندر خوف خدا اور رحمت خداوندی کی امید دونوں جمع ہونی چاہیے کہ اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہے اور اس کے رحم وکرم سے پر امید بھی رہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر قیامت کے دن آواز لگائی جائے اور اعلان کیا جائے کہ صرف ایک ہی آدمی جنت میں جائے گا، تو میں امید کرتا ہوں کہ وہ میں ہوں گا۔ اسی طرح اگر یہ اعلان کیا جائے کہ صرف ایک ہی شخص جہنم میں جائے گا، تو مجھے ڈر ہے کہ وہ میں ہی ہوں گا؛ اس لیے انسان کو خوف اور امید کے درمیان رہنا چاہیے۔ بعض عارف نے فرمایا ہے کہ زندگی میں خوف خدا غالب رہنا چاہیے، اور مرنے کے وقت رحمت خداوندی کی امید غالب ہونی چاہیے[2]۔

(۲۸۲) دنیا اور عورتوں سے بچو

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ،

---

(۱) الحجر: ۴۹-۵۰ تفہیم القرآن۔

(۲) مسلم: ۲۲۴٤، السلام، فضل ساقي البهائم.

وَإِنَّ اللهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا، فَيَنظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ، فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ، فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ»[1].

ترجمہ: حضرت ابو سعید الخدریؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بلاشبہ دنیا میٹھی اور ہری بھری ہے۔ اور اللہ پاک تم کو اس میں نائب بنانے والا ہے؛ تاکہ وہ دیکھے کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو؛ لہذا (اے لوگو) دنیا سے بچتے رہنا اور عورتوں سے بچ کر رہنا، بلاشبہ بنی اسرائیل کا سب سے پہلا فتنہ عورتوں کی وجہ سے پیش آیا تھا"۔

فائدہ: دنیا میٹھی اور سرسبز و شاداب کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح انسانی طبیعت کا میلان شیرینی کی طرف ہوتا ہے اور سبزہ آنکھوں کو بھاتا ہے، بالکل اسی طرح دنیا کی طرف دل مائل ہوتا ہے اور دنیا آنکھوں کو بھاتی اور دل کو لبھاتی ہے۔ دنیا حقیقت میں تو اللہ تعالی کی ہے اور اللہ ہی اس کا مالک وخالق ہے۔ مگر اللہ پاک تم کو اس دنیا کے استعمال کرنے کے لیے اپنا نائب اور وکیل بنایا ہے، تاکہ وہ جانچے کہ تم کس طرح دنیا میں تصرف کرتے ہو۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک نے تمھیں ان لوگوں کے بعد بھیجا، جو تم سے پہلے تھے، اور جو انعامات ان پر کیے وہی انعامات تم پر کیے؛ تاکہ آزمایا جائے کہ تم نے ان کے حالات سے کتنا عبرت حاصل کیا اور کس طرح تصرف کرتے ہو۔

دنیا سے بچنے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے مال وجاہ پر فریفتہ نہ ہونا؛ کیوں کہ اس کو بقاء اور دوام نہیں، وہ فنا ہونے والی ہے، اگر حلال ہے تو حساب ہوگا اور اگر حرام ہے تو عذاب ہوگا۔ اور عورتوں سے بچنے اور ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کی وجہ سے حرام اور ممنوع کی طرف میلان نہ ہو، گناہ کے مرتکب ہو کر عذاب کے مستحق نہ ہو جاؤ؛ کیوں کہ عورت فتنہ میں مبتلا کرنے والی ہے۔ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس فتنہ میں جب بنی اسرائیل کا ایک شخص مبتلا ہوا، تو اللہ پاک نے اپنی مدد و نصرت ہٹالی۔ ملا علی قاریؒ نے حدیث کی تشریح کے بعد اس فتنہ کو تحریر کیا ہے، جو

---

(۱) مسلم: ۲۷۴۲، الرقاق، باب أكثر أهل الجنة الفقراء.

طویل ہے، ہم مختصراً یہاں لکھتے ہیں۔

بنی اسرائیل کے زمانہ میں ایک شخص کا نام بلعام تھا۔ وہ اسم اعظم جانتا تھا اور مستجاب الدعوات تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ ملک شام کے علاقہ: "کنعان" میں جہاد کی غرض سے گئے۔ تو بلعام کی قوم اس کے پاس آئی کہ موسیٰ اور بنی اسرائیل کے لیے بد دعاء کرو کہ وہ یہاں سے بھاگ جائیں۔ شروع میں بلعام نے انکار کر دیا کہ نبی کے خلاف بد دعاء قبول ہی نہیں ہو گی اور ہماری دنیا و آخرت دونوں برباد ہو جائے گی۔ جب انھوں نے بہت ضد کی؛ تو کہا کہ استخارہ کر کے بتاتا ہوں۔ استخارہ کے بعد پھر اس نے پیغمبر اور مسلمانوں کے خلاف بد دعاء کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر قوم کے لوگوں نے بلعام کو بڑے بڑے تحائف دیے اور بہت بضد ہوئے۔ آخر کار بلعام نے بد دعاء کرنے کا ارادہ بنا لیا اور جب بد دعاء کی؛ تو اس کے منہ سے اپنی قوم کے لیے ہی بد دعاء نکلی۔ پھر اس کی زبان سینے تک لٹک گئی (اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے)۔ آخر بلعام نے کہا کہ جو ہونا تھا سو ہوا، اپنی عورتوں کو بنی اسرائیل میں بھیج کر زنا کرواؤ، تم غالب ہو جاؤ گے۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیا، اللہ نے فوراً عذاب نازل فرمایا، اپنی نصرت ہٹالی اور اسی وقت بنی اسرائیل کے ستر ہزار آدمی ہلاک ہو گئے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کا پوتا جس کا نام فنحاص تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا محافظ تھا۔ اس نے اس شخص کو اور اس عورت کو قتل کیا اور دعاء کی کہ اے اللہ اِن دونوں کی نافرمانی کی وجہ سے ہمیں ہلاک نہ فرما؛ چناں چہ عذاب رک گیا[1]۔

(۲۸۳) نبی کریم ﷺ کی سادگی

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: كَانَ فِرَاشُ رَسُولِ اللهِ ﷺ مِنْ أَدَمٍ وَحَشْوُهُ مِنْ لِيفٍ[2].

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ کا بستر

(۱) مرقاة المفاتيح: ٦/٢٤٢.

(٢) البخاري: ٦٤٥٦، الرقاق، كيف كان ... وأصحابه.

چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

فائدہ: ابھی حدیث نمبر: ۲۸۲ کے ضمن میں گزرا کہ دنیا دھوکے کی جگہ ہے۔ انسان دنیا کی خوبصورتی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ مال، اولاد اور جاہ و منصب وغیرہ سب دنیا ہے۔ اُس کی وجہ سے انسان آزمائشوں میں مبتلاء کیا جاتا ہے؛ چناں چہ اللہ پاک قرآن عظیم الشان میں فرماتا ہے: ﴿ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴾ ترجمہ: اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں سامان آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس اجر دینے کے لیے بہت کچھ ہے[1]۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴾: اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد (مراد اس سے پوری دنیا ہے)، اللہ کی یاد (اور اطاعت) سے (مراد اس سے پورا دین ہے) غافل نہ کرنے پاویں۔ یعنی دنیا میں ایسے منہمک نہ ہو جانا کہ دین میں خلل پڑنے لگے۔[2] اتنی ساری وعیدیں ہونے کے بعد، انسانی زندگی کا تقاضا ہے کہ اس کو سادگی سے گزارا جائے، گرچہ دنیا کے انبار موجود ہوں۔

نبی کریم ﷺ کے پاس کیا کمی تھی! جبریل علیہ السلام نے آکر کہا تھا کہ اگر حکم ہو؛ تو پہاڑ کو آپ کے لیے سونا بنا دوں؛ لیکن آپ ﷺ نے انکار فرمادیا۔ ایک حکم پر صحابہ کرام اپنا سارا مال لا کر خدمت اقدس میں پیش کر دیتے تھے؛ لیکن آپ ﷺ نے ان کو کبھی اپنے لیے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا۔ آپ دنیا پر قادر تھے، مگر پوری زندگی خود بھی زہد و قناعت اختیار کیا، گھر والوں کو بھی تاکیدی حکم فرمایا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو بھی اس پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا بستر مبارک، جو گدے کی شکل کا تھا، وہ چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کے درخت کی چھال اور اس کے پتے بھرے ہوئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ

---

(۱) الأنفال: ۲۸، تفهيم القرآن.

(۲) سورة المنافقون: ۹، بيان القرآن.

آپ ﷺ کا تکیہ جس پر آپ ﷺ ٹیک لگاتے تھے، چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی[۱]۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اِس قسم کی حدیث ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے زہد کو بیان کیا جائے؛ دنیاوی لذتوں اور آسائشوں سے آپ ﷺ کی دوری کو بیان کیا جائے؛ تاکہ امت کے لیے عمل کرنا آسان ہو۔ امت کے لیے بھی مستحب ہے کہ آپ ﷺ کی اقتدا کرے اور آپ ﷺ کے عادات واخلاق کو اپنائے[۲]۔

(۲۸۴) جنت و جہنم میں داخل ہونے والے لوگ

عَنْ أُسَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «قُمْتُ عَلَى بَابِ الجَنَّةِ، فَكَانَ عَامَّةَ مَنْ دَخَلَهَا المَسَاكِينُ، وَأَصْحَابُ الجَدِّ مَحْبُوسُونَ غَيْرَ أَنَّ أَصْحَابَ النَّارِ قَدْ أُمِرَ بِهِمْ إِلَى النَّارِ، وَقُمْتُ عَلَى بَابِ النَّارِ فَإِذَا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا النِّسَاءُ»[۳].

ترجمہ: حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو اس میں داخل ہونے والوں میں اکثریت غریبوں کی تھی اور مال دار روک دیے گئے تھے؛ البتہ جہنم والوں کو جہنم میں جانے کا حکم دے دیا گیا تھا اور جہنم کے دروازے پر کھڑا ہوا؛ تو دیکھا کہ اس میں داخل ہونے والی زیادہ تر عورتیں تھیں۔

فائدہ: حدیث شریف میں تین قسم کے لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلی قسم جنتیوں کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جنت میں دیکھا کہ عام طور پر مساکین کو جنت میں داخل کیا گیا ہے۔ جو محتاج و فقیر ہیں، ان کے پاس مال ہے ہی نہیں کہ وہ حساب وکتاب کے الجھن میں پھنسیں گے۔ چناں چہ ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن فقراء مہاجرین، اغنیاء و مالداروں سے چالیس

(۱) صحیح مسلم: ۲۰۸۲، اللباس، التواضع فی اللباس.
(۲) المنهاج شرح النووی: ۴۹/۱۴.
(۳) صحیح البخاری: ۵۱۹۶ کتاب النکاح.

سال پہلے جنت میں جائیں گے[1]۔

دوسری قسم مال داروں کی ہے، کہ ابھی ان سے حساب وکتاب جاری ہے۔ حساب میں کامیاب ہونے کے بعد، ان کے بارے میں فیصلہ ہوگا، البتہ بعض اغنیاء کو جہنم میں داخل کیا جاچکا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں عیش وعشرت والی زندگی گزارنے والوں کو حساب وکتاب کے لیے روک لیا جائے گا اور وہ مال کی کثرت اور لذات دنیا کے حصول کے سبب پریشانیوں میں ہوں گے۔

تیسری قسم عورتوں کی ہے کہ اکثر عورتیں جہنم میں جائیں گی۔ چناں چہ روایت میں ہے کہ ایک بار آپ ﷺ نے عید کے خطبہ کے دوران عورتوں کو مخاطب کرکے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو! میں نے تم میں سے اکثر کو جہنم میں دیکھا ہے۔ عورتوں نے کہا کیوں یارسول اللہ ﷺ! کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کثرت سے گالی گلوچ، لعن وطعن کرتی ہو اور شوہر کی نافرمانی کرتی ہو[2]۔ تو عورتوں کا گالی گلوچ کرنا اور شوہروں کی نافرمانی کرنا، جہنم میں جانے کا سبب ہے۔ اور اگر مرد بھی گالی گلوج کریں؛ تو وہ بھی جہنم میں جائیں گے[3]۔

(۲۸۵) مومن وکافر کے لیے دنیا کی حیثیت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ، وَجَنَّةُ الْكَافِرِ»[4].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔

فائدہ: ”دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ قید خانہ کے مشابہ ہے؛ کیوں کہ ایمان والا دنیا میں محنت ومشقت برداشت کرتا ہے اور خواہشات نفس وبرائیوں سے اپنے آپ کو دور رکھتا ہے، اغیار طرح طرح سے پریشان کرتے اور ستاتے ہیں۔

---

(۱) صحيح مسلم: ۲۹۷۹، الزهد والرقائق.
(۲) صحيح البخاري: ۳۰۴، كتاب الحيض.
(۳) عمدة القاري: ۲۰/۲۶۳.
(۴) مسلم: ۲۹۵۶، الزهد والرقائق، الدنيا سجن المؤمن.

نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہر مؤمن دنیا میں مقید ہے۔ وہ خواہشات جو حرام وناپسندیدہ ہیں، ان سے مسلمانوں کو روک دیا گیا ہے اور اس کو اطاعت خداوندی کا مکلف بنایا ہے۔ پھر جب بندۂ مؤمن مرتا ہے، تو ان پابندیوں اور پریشانیوں سے چھٹکارا پاجاتا ہے۔ دنیا میں خواہشات سے بچنے کی وجہ سے جو اسے نقصان ہوا تھا، اس کا بدلہ اللہ پاک اس کو دائمی نعمت اور آرائش وزیبائش کی صورت میں دیتا ہے، جو اللہ نے اس کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ اس کے برخلاف کافر کے لیے دنیا ہی سب کچھ ہے۔ آخرت میں کچھ نہیں ملے گا اور دائمی عذاب اور ہیشگی کی ذلت ہوگی[1]۔

حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہوا کہ دنیا مسلمانوں کے لیے پریشانیوں اور مصیبتوں کا گھر ہے، جس میں دین ودنیا: ہر دو اعتبار سے پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور کافروں کے لیے عیش وآرائش کی جگہ ہے؛ لیکن آخرت میں معاملہ الٹا ہوگا کہ وہاں اہل ایمان عیش وآرام میں ہوں گے اور کافر سخت عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

یہ قید خانہ مسلمانوں کے حق میں بہتر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر غیر ایمان والوں کی طرح دنیا کو مسلمانوں کے لیے عیش وآرم کا گھر بنادیا جاتا؛ تو اب تک مسلمان ہلاک ہوگئے ہوتے۔ اس کی نظیر آج کے زمانہ میں دیکھنے کو مل رہی ہے۔ وہ ممالک جہاں دنیا کی ریل پیل ہے، حکمراں مسلم ہیں، وہ ممالک چاروں طرف سے دشمن کے نرغے میں ہیں اور کب ان پر اللہ کا عذاب آجائے معلوم نہیں؛ کیوں کہ یہ دنیا ہلاکت کا سبب ہے اور پہلی قومیں اس کی وجہ سے ہلاک ہوچکی ہیں۔ چناں چہ ایک حدیث میں ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تمہارے اوپر فقر کا خوف نہیں ہے کہ تم فقیر ہوجاؤگے؛ بل کہ ڈر اس بات کا ہے کہ دنیا تم پر کشادہ ہوجائے گی، جیسا کہ تم سے پہلی قوم پر ہوئی تھی۔ پھر تم اس دنیا میں ویسے ہی پڑجاؤگے جیسے وہ پڑے تھے اور یہ دنیا تم کو بھی ویسے ہی ہلاک کردے گی جیسا اس نے

---

(۱) المنهاج شرح النووي: ۱۸/۸۳.

ان کو ہلاک کیا تھا[۱]۔

(۲۸۶) جنگِ اُحد کا ذکر

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ: «هٰذَا جِبْرِيلُ آخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهِ، عَلَيْهِ أَدَاةُ الْحَرْبِ»[۲].

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے غزوۂ اُحد کے موقع پر فرمایا: یہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، وہ اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے اور ہتھیار پہنے ہوئے۔

فائدہ: ماہ شوال میں کئی اہم واقعات رونما ہوئے ہیں۔ ان میں سے دو مشہور واقعہ، غزوۂ بنو قینقاع، اور غزوہ احد ہیں۔ یہاں غزوۂ اُحد کا مختصر حال ذکر کیا جارہا ہے۔

غزوۂ اُحد اور بدر میں بل کہ تمام ہی غزوے میں اللہ پاک نے مسلمانوں کی مدد و نصرت فرمائی ہے۔ غزوۂ اُحد کے بارے میں اِس حدیث شریف میں آیا کہ نبی کریم ﷺ نے جنگ احد کے دن فرمایا کہ جبریل علیہ السلام ہتھیار سے لیس ہو کر، اپنے گھوڑے پر سوار ہیں اور ہماری صف میں، ہمارے ساتھ مل کر مشرکین مکہ سے جہاد کر رہے ہیں۔ اللہ پاک نے اِس غزوہ کا ذکر قرآن عظیم الشان کی اِن آیات میں کیا ہے: ﴿ وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴾: اور اے پیغمبر! مسلمانوں کے سامنے اس موقع کا ذکر کرو جب تم صبح سویرے اپنے گھر سے نکلے تھے، اور مسلمانوں کو جنگ کے لیے جابجا مامور کر رہے تھے، اللہ ساری باتیں سنتا ہے اور وہ نہایت باخبر ہے[۳]۔

غزوہ احد کا مختصر قصہ سیرۃ ابن ہشام سے اختصار کے ساتھ ذکر کیا جارہا ہے۔

قریش جب بدر سے شکست کھا کر، مکہ واپس ہوئے تو معلوم ہوا کہ ابو سفیان کا تجارتی قافلہ بعافیت مکہ پہنچ گیا ہے اور تجارت کا پورا سامان مع منافع کے محفوظ ہے۔ چناں چہ یہ لوگ غزوہ بدر کی

---

(۱) مسلم: ۲۹۶۱ كتاب الزهد والرقائق.

(۲) البخاري: ۴۰۴۱ كتاب المغازي، باب غزوة أحد.

(۳) آل عمران: ۱۲۱ تفهيم القرآن.

ہزیمت اور ذلت کا بدلہ لینے کے لیے ایک جگہ جمع ہوئے۔ جس میں ابو سفیان، عکرمہ ابن ابو جہل، صفوان ابن امیہ جیسے سرداران قریش موجود تھے۔ یہ مشورہ ہوا کہ اصل سرمایہ اور اصل مال ان لوگوں کو دے دیا جائے، جن کا مالِ تجارت ہے اور منافع سے رسول اللہ ﷺ کے خلاف لڑائی کی تیاری کی جائے؛ تاکہ بدر میں مارے گئے اشراف قریش کا بدلہ لیا جاسکے۔

پھر قریش نے تین ہزار کا لشکر جمع کیا، جن میں سات سو زِرہ پوش، دو سو گھوڑ سوار، تین ہزار اونٹ ساتھ لیا اور پوری تیاری کے ساتھ، پانچ شوال/۳ ہجری کو مکہ سے نکلے اور اپنی عورتوں کو بھی ساتھ لے لیا، تاکہ وہ بھاگنے والوں کو غیرت دلا کر لڑائی پر آمادہ کریں۔ حضرت عباسؓ نے یہ تمام حالات دیکھ کر، ایک قاصد کو خط لے کر مدینہ روانہ کر دیا کہ تین دن کے اندر یہ خط مدینہ پہنچادے۔ اسی شب آپ ﷺ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں ایک مضبوط زرہ میں ہوں اور ایک گائے ہے جو ذبح کی جارہی ہے، جس کی تعبیر یہ ہے کہ مدینہ طیبہ مضبوط زرہ کی طرح ہے اور ذبح بقر سے مراد، اصحاب النبی ﷺ کا شہید ہونا ہے۔ ادھر قاصد نے پہنچ کر آپ ﷺ کو خط دے دیا۔ چناں چہ یہ خبر ملتے ہی آپ ﷺ نے دو صحابی کو خبر لینے کے لیے بھیجا کہ کتنی فوج ہے؟ جب صحیح تعداد کا علم ہو گیا؛ تو آپ ﷺ نے اکابر صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا، صحابہ کرام کی رائے یہ ہوئی کہ مدینہ ہی میں رہ کر مقابلہ کیا جائے، اور یہی رائے آپ ﷺ کی تھی۔ مگر نوجوانوں اور بعض اکابر صحابہ نے اصرار کیا کہ اے اللہ کے رسول ہم ایسے موقع کے انتظار میں تھے اور دعاء کر رہے تھے۔ اب اللہ نے موقع عنایت فرمایا ہے، ہم اُن کفار سے مدینہ کے باہر لڑیں گے اور ان کو قتل کریں گے یا شہید ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ نے جب ان نوجوانوں کو شوق شہادت سے لبریز پایا؛ تو فیصلہ کیا کہ مدینہ سے باہر اُحد میں لڑائی ہوگی؛ چناں چہ جمعہ کے دن جمعہ کی نماز پڑھائی اور صحابہ کرام کو تیار ہونے کا حکم دیا۔

عصر کی نماز سے فارغ ہو کر حجرہ میں تشریف لے گئے، پیچھے سے ابو بکر و عمرؓ بھی آگئے۔ باہر

سعد بن معاذ و اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما نے لوگوں کو سمجھایا کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ سے باہر نکلنے پر مجبور کیا ہے۔ آپ ﷺ پر وحی آتی رہتی ہے، بہتر ہے کہ آپ ﷺ کو ان کی منشا پر چھوڑ دیا جائے۔ اتنے میں آپ ﷺ دو زرہوں سے مسلح ہو کر باہر تشریف لے آئے۔ صحابۂ کرام نے معذرت کی کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم سے غلطی ہو گئی۔ آپ ﷺ کی مرضی کے خلاف ہم نے اصرار کیا۔ آپ ہمیں معاف فرمادیں اور اپنی رائے پر عمل فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی نبی کے لیے جائز نہیں ہے کہ ہتھیار پہن کر اس کو اتار دے، جب تک کہ وہ اللہ کے دشمنوں سے لڑ نہ لے۔ اب اللہ کے نام پر نکلو اور میری بات مانو۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ابن سلول کی بھی رائے یہی تھی کہ مدینہ منورہ میں رہ کر ہی یہ غزوہ ہو؛ اسی لیے راستہ سے اپنے ایک تہائی متبعین کو لے کر وہ واپس ہو گیا کہ جب میری بات نہیں مانی گئی؛ تو ہم مرنے کیوں جائیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: "أبعدكم الله أعداءَ الله، فسيُغني الله عنكم نبيه"[1]. (بقیہ آئندہ حدیث میں، ان شاء اللہ)۔

(۲۸۷) احد پہاڑ کی فضیلت

عَنْ أَنَسٍ ﷺ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «هَذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ»[2].

ترجمہ: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ (احد) پہاڑ ہے، وہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

فائدہ: اس حدیث شریف میں احد پہاڑ کی فضیلت کا ذکر ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ پہاڑ جو کہ بے جان مخلوق ہے، آقا ﷺ سے وہ بھی محبت کرتا ہے؛ اس لیے نبی کریم ﷺ بھی اس سے محبت کرتے تھے۔ یہ وہی پہاڑ ہے جہاں غزوۂ احد ہوا تھا۔ جس کا ذکر ابھی گزشتہ حدیث میں ہوا۔

چناں چہ ۱۱ شوال المکرم جمعہ کے دن عصر بعد ایک ہزار صحابہ کی جماعت لے کر مدینہ سے

---

(۱) سيرة ابن هشام: ۱۸/٤، دار ابن الجوزي، القاهرة.

(۲) البخاري: المغازي، أحد يحبنا ونحبه، برقم: ٤٠٨۳.

روانہ ہوئے۔ مدینہ سے باہر نکل کر آپ ﷺ نے اپنی فوج کا جائزہ لیا اور کمسن صحابی، جن کی عمر پندرہ سال سے کم تھی، ان کو مدینہ واپس کر دیا۔ ان کم سنوں میں ایک رافع بن خدیجؓ تھے۔ شوق شہادت میں انھوں نے یہ ہوشیاری کی کہ انگوٹھے کے بل تن کر کھڑے ہو گئے؛ تاکہ لمبے نظر آئیں۔ آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔

جب احد کے قریب پہنچے؛ تو بدبخت عبد اللہ ابن ابی تقریبا (۳۰۰) ساتھیوں سمیت نکل گیا۔ اب آپ ﷺ کے ساتھ صرف سات سو صحابۂ کرام رہ گئے۔ ان میں صرف سو صحابہ زرہ پوش تھے۔ قبیلۂ اوس و خزرج میں سے بھی بعض لوگوں نے عبد اللہ ابن ابی کی طرح واپسی کا ارادہ کیا، مگر اللہ نے ان کی مدد فرمائی اور وہ رک گئے۔ اُن کے ہی بارے میں آل عمران کی آیت نمبر (۱۲۲): ﴿ إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتَانِ مِنكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ﴾ نازل ہوئی۔

کفار قریش نے اپنے لشکر کے چار حصے کیے: ایک کے کمانڈر خالد بن ولید، دوسرے پر عکرمہ ابن ابی جہل، تیسرے پر صفوان ابن امیہ، بعض نے کہا کہ عمرو بن عاص اور چوتھے پر عبد اللہ ابن ابی ربیعہ کمانڈر تھے۔ بعد میں یہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین!

لڑائی شروع ہوئی، کفار کی طرف سے سب سے پہلے ابو عامر میدان میں آیا اور مبارزت طلب کیا۔ قبیلۂ اوس نے جواب دیا جس کو سن کر وہ واپس ہو گیا۔ اس کے بعد طلحہ ابن ابی طلحہ میدان میں آیا، اس کو حضرت علی نے قتل کر دیا۔ پھر عثمان ابن ابی طلحہ آیا، حضرت حمزہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد ابو سعد ابن ابی طلحہ آیا، حضرت سعد ابن ابی وقاص نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے قریش کے بائیس سردار مارے گئے۔

ابو دجانہؓ جن کو نبی کریم ﷺ نے اپنی تلوار اس شرط پر دی تھی کہ اس کا حق ادا کریں، بہت بہادری سے کفار کے صفوں کو چیرتے جاتے تھے، جو سامنے آجاتا تھا اس کو ختم کر دیتے تھے، یہاں تک

کہ بالکل آخری صف میں پہنچ گئے اور سامنے ابوسفیان کی بیوی ہندہ آگئی۔ ابودجانہ نے تلوار اٹھایا کہ اس کو قتل کردے، پھر چھوڑ دیا، بعد میں فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوگئیں۔

حضرت حمزہؓ کی بہادری سے لوگ بہت پریشان تھے، جبیر بن مطعم کے غلام وحشی ابن حرب نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔ یہ بھی بعد میں مسلمان ہوگئے۔ یہ وہی وحشی ہیں کہ جنہوں نے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کو بھی قتل کیا۔ حالت کفر میں ایک خیر الناس کو قتل کیا اور اسلام میں ایک شر الناس کو۔ بہر حال مجموعی طور پر مسلمان غالب آگئے تھے۔ قریش کے قدم میدان جنگ سے اکھڑ چکے تھے اور وہ بدحواس ہوکر بھاگ رہے تھے۔ ان کی عورتیں بھی پہاڑوں کی طرف بھاگنے لگیں اور مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہوگئے[1]۔ بقیہ آئندہ حدیث میں۔

(۲۸۸) حضورؐ کے دندان مبارک کی شہادت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ عَلَى قَوْمٍ فَعَلُوا بِنَبِيِّهِ - يُشِيرُ إِلَى رَبَاعِيَتِهِ - اشْتَدَّ غَضَبُ اللهِ عَلَى رَجُلٍ يَقْتُلُهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَبِيلِ اللهِ»[2].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا غضب اس قوم پر انتہائی سخت ہوا، جس نے اس کے نبی کے ساتھ یہ کیا۔ آپ ﷺ کا اشارہ آگے کے دندان مبارک (کے ٹوٹ جانے) کی طرف تھا۔ اللہ تعالیٰ کا غضب اس شخص (ابی بن خلف) پر انتہائی سخت ہوا، جسے اس کے نبی نے اللہ کے راستے میں قتل کیا۔

فائدہ: غزوہ احد میں نبی کریمؐ کے دندان مبارک شہید ہوگئے تھے۔ آپؐ کا چہرہ انور زخمی ہوگیا تھا اور خون جاری تھا۔ حضرت فاطمہؓ نے چٹائی جلا کر راکھ رکھی تب خون بند ہوا۔ حضرت سہل ابن سعد فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زخموں کو کس نے دھویا

(۱) ابن هشام: (۴۲۰). (۲) البخاري: ۴۰۷۳، للمغازي، ما أصاب ... يوم أحد.

تھا اور کون ان پر پانی ڈال رہا تھا اور جس دوا سے آپ ﷺ کا علاج کیا گیا۔ انھوں نے بیان کیا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی خون کو دھو رہی تھیں۔ علی رضی اللہ عنہ ڈھال سے پانی ڈال رہے تھے۔ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ پانی ڈالنے سے خون اور زیادہ نکلا آ رہا ہے؛ تو انہوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لے کر جلایا اور پھر اسے زخم پر چپکا دیا، جس سے خون کا آنا بند ہو گیا۔ اسی دن نبی کریم ﷺ کے آگے کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک بھی زخمی ہو گیا تھا اور خَود سر مبارک پر ٹوٹ گئی تھی۔

خیر! گذشتہ حدیث شریف میں یہ بات بتایا گیا تھا کہ غزوۂ احد میں کفار کی ہزیمت ہوئی، مسلمانوں کا غلبہ ہوا اور وہ مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ لیکن اچانک لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا۔ مسلمانوں کو بظاہر شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ وجہ یہ ہوئی کہ جنگ شروع ہونے سے قبل نبی کریم ﷺ نے پچاس تیر اندازوں کو ایک چھوٹے سے دَرّہ (پہاڑ کی گھاٹی) پر، حفاظت کے لیے مقرر کر دیا تھا۔ ان کا امیر عبد اللہ ابن جبیرؓ کو بنایا تھا اور یہ تاکید کی تھی کہ مسلمان مریں یا جییں، غالب ہوں یا مغلوب، کسی بھی حال میں اس جگہ کو نہیں چھوڑنا ہے۔ انھوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کو فتح ہو گئی اور سب لوگ غنیمت جمع کر رہے ہیں، تو یہ سبھی ان کے ساتھ شامل ہو کر غنیمت جمع کرنے لگے۔ ان کے امیر حضرت عبد اللہ ابن جبیرؓ نے بہت منع کیا، مگر ان لوگوں نے نہ مانا۔ ان کا کہنا تھا کہ اب تو فتح ہو گئی ہے۔

اس جگہ پر صرف عبد اللہ ابن جبیر اور ان کے دس ساتھی رہ گئے۔ نبی کریم ﷺ اور امیر کے حکم کی خلاف ورزی کرنا تھی کہ یہ فتح شکست میں بدل گئی۔ خالد ابن ولید (جو اس وقت مسلمان نہیں تھے اور کفار کے کمانڈر تھے) نے اس دَرّہ کو خالی دیکھ کر، پیچھے سے حملہ کر دیا، جس میں حضرت عبد اللہ ابن جبیرؓ مع دس صحابہ کرامؓ کے شہید ہو گئے۔

مشرکین کے اِس اچانک حملے سے مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور دشمنان، رسول

اللہ ﷺ کے قریب آ گئے۔ آپ ﷺ کے پاس صرف چند جاں نثار صحابہ آپ کی حفاظت کے لیے موجود تھے۔ حضرت مصعب ابن عمیرؓ آپ کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت مصعب چوں کہ آپؐ کے مشابہ تھے؛ اس لیے شیطان نے یہ افواہ اڑا دی کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ قتل ہو گئے۔ اچانک اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی، آپ ﷺ کا قدم مبارک ذرہ برابر بھی نہیں ڈگ مگایا۔ جب ہجوم آپ کی طرف آیا؛ تو آپؐ نے فرمایا کہ کون ہے، جو ان کو مجھ سے ہٹائے اور جنت میں میرا رفیق بنے؟ سات انصاری صحابی آپؐ کے پاس موجود تھے، ساتوں نے باری باری لڑ کر جام شہادت نوش فرمایا۔ عتبہ ابن ابی وقاص نے ایک تیر پھینکا جس سے آپ کے نیچے کے دو دانت ٹوٹ گئے، جس کا اس حدیث میں ذکر ہے۔ عبد الله بن قَمِئَه نے آپؐ پر ایسا زبردست حملہ کیا کہ چہرہ انور زخمی ہو گیا اور خَوْد ٹوٹ کر آپ کے چہرے میں گھس گیا۔ آپؐ کے چہرہ سے خون بہتا جا رہا تھا۔ آپؐ پوچھتے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے، جس نے اپنے پیغمبر کا چہرہ خون آلود کیا۔

آپ ﷺ نے بعض سرداران قریش کے لیے بددعاء بھی فرمائی، جس پر سورہ آل عمران کی آیت نمبر (۱۲۸) : لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ نازل ہوئی۔ اس طور پر غزوہ احد کا اختتام ہوا۔

اس پورے غزوہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ شروع میں مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا اور بعد میں نبی کریم ﷺ کی نافرمانی کی وجہ سے یہ فتح شکست میں بدل گئی اور ستر صحابہ کرام جن میں اکثر انصار تھے شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ایک قبر میں دو دو، تین تین شہدا دفن کئے گئے تھے[1]۔

(۲۸۹) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ،

(۱) سیرۃ ابن هشام، حوالہ سابق۔

لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَاباً مِنْهُ، ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ»(۱).

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمانؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، ضرور بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو، ورنہ بہت جلد اللہ پاک تم پر اپنا کوئی عذاب بھیج دے گا، پھر تم اللہ سے دعائیں مانگو گے؛ تو دعائیں قبول نہیں کی جائیں گی۔

فائد: اللہ پاک نے انسانوں کی رہنمائی، اُس کی اصلاح کے لیے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و رسل کو دنیا میں بھیجا کہ وہ شرک و بدعت، ضلالت و گمراہی میں ڈوبی ہوئی انسانیت کو راہ راست پر لا سکیں۔ اس سلسلہ کی آخری کڑی ہمارے آقا و مولا جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ نبوت و رسالت کا سلسلہ آپؐ پر ختم ہو چکا۔ آپ ﷺ کے بعد نہ کوئی نبی آیا ہے، نہ آئے گا اور نہ کوئی رسول ہوگا۔ جو بھی آئے گا، وہ سب ہمارے پیارے نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا امتی ہوگا۔ اور آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جو نزول ہوگا، وہ بھی پیارے نبی محمد ﷺ کی امتی کی حیثیت سے ہوگا۔ نبی کریم ﷺ ایک محسن و مربی اور معلم و داعی بن کر تشریف لائے، جس طرح آپؐ کی ذات و صفات اعلیٰ ہیں، اسی طرح آپؐ کی امت بھی ایک عظیم امت ہے، قرآن نے اس امت کو امت وسط کا لقب دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد احسان، تعلیم و تربیت اور دعوت و تزکیہ تھا۔ یہ ساری چیزیں اساس اسلام میں سے ہیں۔ اسلام کی بقاء و تحفظ کے لیے بنیاد ہیں۔ انھیں بنیاد میں سے ایک اہم بنیاد جو امت کے سپرد کیا گیا ہے، وہ ہے دعوت دین۔ دعوت دین کا مطلب صرف یہ نہیں کہ نماز کی دعوت دے دی اور بس، یعنی صرف یہی دعوت دین نہیں ہے؛ بل کہ دعوت دین، امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے، جس میں دین کے سارے شعبے آگئے۔ یہ کام امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی بقاء

---

(۱) الترمذي: ۲۱۶۹، الفتن، ما جاء في ... عن المنكر.

وقیام کے لیے اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی کو آج اصلاح معاشرہ، کہتے ہیں۔ لیکن اب یہ اصلاح معاشرہ صرف جلسے جلوس تک ہی سمٹ کر رہ گیا ہے۔

حدیث شریف میں "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" (بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکتے) کی فکر نہ کرنے والے کو سخت وعید سنائی گئی ہے کہ اگر یہ کام نہ کیا اور اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے؛ تو اللہ کا عذاب آجائے گا، پھر تمہاری دعائیں بھی قبول نہیں ہوں گی۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کو قسم کھا کر تاکید کے ساتھ یہ حکم کر رہے ہیں کہ دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنا ہوگا: یا تو حکم کے مطابق عمل کرو، اور اصلاح معاشرہ میں لگ جاؤ، تبلیغ دین کو حرز جان بنالو، یا پھر عذاب بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ جب تک دعوت کے کام میں، اصلاح معاشرہ میں لگے رہو گے، عذاب سے محفوظ رہو گے۔ جہاں اِس مقدس کام کو چھوڑا، تو عذاب کا نزول یقینی ہے۔ عذاب کی صورت کیا ہوگی؟ اللہ پاک دشمن مسلط کر دے گا، ظالم حکمراں مسلط کرے دیے جائیں گے، طرح طرح کی پریشانیاں آئیں گی۔ پھر ہم جب دعائیں کریں گے؛ تو اللہ پاک ہماری دعاؤں کو رد فرمادے گا۔ یہ عذاب عام ہوگا، عالم، جاہل، نیک وبد سب شامل ہوں گے۔ چناں چہ ایک روایت میں ہے: ام المؤمنین زینب بنت جحش نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! ہم میں نیک وصالح لوگ ہوں گے، پھر بھی ہم ہلاک کر دیے جائیں گے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں جب فسق و فجور کی کثرت ہو جائے گی[1]۔

(۲۹۰) زیارت قبر کی ترغیب

عن بُريدةَ ﷺ قالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُورُوهَا، فَإِنَّ فِي زِيَارَتِهَا تَذْكِرَةً»[2].

---

(۱) دليل الفالحين على رياض الصالحين: ۱/۱۸۷۔

(۲) أبو داود: ۳۲۳۵، الجنائز، باب في زيارة القبور.

ترجمہ: حضرت بریدہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: میں نے تم کو قبرستان جانے سے منع کر دیا تھا؛ لیکن اب وہاں جایا کرو؛ اس لیے کہ قبر کی زیارت سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

فائدہ: حدیث شریف میں قبرستان جانے اور قبر کی زیارت کرنے کی اجازت دی جارہی ہے؛ بلکہ ترغیب دی جارہی ہے کہ زیارت کیا کرو۔ شروع میں نبی کریم ﷺ نے قبر کی زیارت کرنے سے منع فرمادیا تھا۔ پھر بعد میں آپ ﷺ نے فرمایا: کہ قبر کی زیارت کیا کرو۔ وجہ یہ ہے کہ اس سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ ایک حدیث شریف میں اور صراحت ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: کہ میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا، پھر مجھے بتایا گیا کہ زیارت قبور سے دل نرم ہوتے ہیں، آنکھیں روتی ہیں اور آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے؛ اس لیے تم قبرستان جایا کرو[1]۔

ان احادیث کے پیش نظر علماء نے لکھا ہے کہ زیارت قبور مرد و عورت دونوں کے لیے جائز ہے؛ بل کہ اس حدیث کی بنا پر بعض اہل علم نے کہا ہے کہ زندگی میں ایک بار تو قبرستان جانا واجب ہے۔ لیکن عورتوں کو قبرستان جانے کی اجازت اس وقت ہے جب وہ فتنے سے محفوظ ہوں۔ اور اگر فتنے کا اندیشہ ہے؛ تو پھر مکروہ تحریمی ہے، جو کہ حرام کے قریب ہے۔ فتنے سے محفوظ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قبرستان جانے میں شوہر کی حق تلفی نہ ہو، زیب و زینت نہ اختیار کرے، قبرستان میں جاکر رونا دھونا، بے صبری کا مظاہرہ کرنا، ماتم کرنا، وغیرہ نہ ہو؛ کیوں کہ اگر یہ باتیں ہوں گی؛ تو پھر آخرت کی یاد اور موت کی یاد کیسے تازہ ہوگی؟ اس لیے ایسی صورت میں عورتوں کا جانا مکروہ تحریمی ہے[2]۔

(۲۹۱) غزوۂ بنو قینقاع

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ قَالَ: لَمَّا أَصَابَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرَيْشًا يَوْمَ بَدْرٍ، وَقَدِمَ الْمَدِينَةَ جَمَعَ الْيَهُودَ فِي سُوقِ بَنِي قَيْنُقَاعَ فَقَالَ: «يَا مَعْشَرَ يَهُودَ، أَسْلِمُوا قَبْلَ أَنْ يُصِيبَكُمْ

(۱) مسند احمد: ۱۳۴۸۷، مسند انس ابن مالك.

(۲) بذل المجهود: ۱۰/۵۲۷.

مِثْلُ مَا أَصَابَ قُرَيْشًا»(۱).

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر میں قریش پر فتح حاصل کرلی اور آپ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے؛ تو یہودیوں کو بنی قینقاع کے بازار میں جمع کیا اور فرمایا: اے یہود کی جماعت! اسلام قبول کرلو قبل اس کے کہ تمہارا بھی وہی حشر ہو جو قریش کا ہو چکا ہے۔

فائدہ: یہ حدیث مختصر ہے۔ پوری حدیث غزوے کی تفصیل کے ضمن میں آرہی ہے۔ غزوے کا واقعہ پڑھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشیں فرمالیں کہ جہاد وقتال میں بغیر کسی سبب کے مسلمانوں کی طرف سے کبھی بھی پہل نہیں ہوئی، نہ اس وقت ایسا ہوا، نہ آج اور نہ آئندہ کبھی ایسا ہوگا۔ مسلمانوں نے ہمیشہ دفاعی پوزیشن اختیار کی ہے۔ جب مسلمانوں کو ستایا گیا اور پریشان کیا گیا، ان کو قتل کیا گیا اور ان کو ان کے گھروں سے بے گھر کیا گیا، تب مسلمانوں نے اقدام کیا۔ اب اصل واقعہ کچھ اختصار کے ساتھ سیرۃ ابن ہشام اور الرحیق المختوم سے لکھا جارہا ہے۔

مدینہ کے قریب ہی بنو قینقاع رہتے تھے۔ یہود کے تین بڑے قبیلے: بنو قینقاع، بنو النضیر اور بنو قریظہ وہاں آباد تھے۔ اس کے علاوہ انصار کے قبیلوں میں بھی یہود تھے۔ ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے یہودیوں کے قبائل سے معاہدہ کرلیا تھا کہ وہ ہمارے خلاف نہیں لڑیں گے؛ بل کہ ہمارے ساتھ رہ کر دفاع کریں گے۔ مسلمان ان کی اور وہ مسلمانوں کی حفاظت کریں گے۔ لیکن غزوۂ بدر کے بعد سب سے پہلے بنو قینقاع نے عہد شکنی کی۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک عرب عورت ان کے بازار میں کسی ضرورت سے گئی، ابن ہشام میں ہے کہ وہ لوگ اس کا چہرہ دیکھنا چاہتے تھے، اس عورت نے انکار کردیا۔ ایک سنار نے شرارت کی اور اس کو پیچھے سے ننگا کردیا اور سب ہنسنے لگے۔ وہ خاتون چلائی؛ تو ایک عرب نے آکر اس سنار کو قتل کردیا۔ پھر یہود جمع ہو گئے اور انھوں نے اس مسلمان کو قتل کردیا۔ خیر مسلمانوں اور یہودیوں میں لڑائی ٹھن گئی۔ آپ ﷺ آئے اور ملامت کی اور پھر وہی کلمات فرمائے جو اوپر حدیث

(۱) أبو داود: ۳۰۰۱، الخراج، كيف كان ... من المدينة.

میں ہے کہ اسلام لے آؤ ورنہ پچھتاؤ گے۔ یہودیوں نے جواب دیا کہ جنگ بدر کی فتح پر مغرور نہ ہونا۔ وہ تمہاری قوم تھی لڑنا نہیں جانتی تھی۔ اگر ہم سے سابقہ پڑا تو معلوم ہو جائے گا کہ لڑنے والے کیسے ہوتے ہیں؟ یہ کہہ کر انہوں نے معاہدہ توڑ دیا۔

نبی ﷺ نے واپس آکر مدینہ منورہ پر ابولبابہ ابن المنذر کو امیر بنایا اور بنو قینقاع کی طرف نکل گئے۔ پندرہ دن تک ان کا محاصرہ کیے رکھا۔ رئیس المنافقین نے منت ساجت کی کہ یا رسول اللہ ان کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ کیا جائے! آخر میں بنو قینقاع پر رعب طاری ہو گیا اور بلا شرط رسول اللہ ﷺ کے حکم پر رضامندی ظاہر کی۔ آپ ﷺ نے ان کو قتل نہیں کیا۔ لیکن مدینہ سے نکل جانے کا حکم فرمایا۔ ان کے مال میں سے تین قوس، تین ذرہ، تین تلواریں اور تین نیزے آپ ﷺ نے لیے اور خمس لے کر بقیہ محمد ابن سلمہ کے حوالہ کر دیا اور واپس مدینہ تشریف لے آئے[1]۔

(۲۹۲) جنت کمزوروں اور جہنم سرکشوں کے لیے ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: احْتَجَّتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ، فَقَالَتِ الْجَنَّةُ: يَدْخُلُنِي الضُّعَفَاءُ وَالْمَسَاكِينُ. وَقَالَتِ النَّارُ: يَدْخُلُنِي الْجَبَّارُونَ وَالْمُتَكَبِّرُونَ. فَقَالَ لِلنَّارِ: أَنْتِ عَذَابِي، أَنْتَقِمُ بِكِ مِمَّنْ شِئْتُ. وَقَالَ لِلْجَنَّةِ: أَنْتِ رَحْمَتِي، أَرْحَمُ بِكِ مَنْ شِئْتُ[2].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت اور جہنم نے مکالمہ کیا، بس جنت نے کہا: میرے اندر کمزور اور مسکین و غریب لوگ آئیں گے۔ اور دوزخ نے کہا: میرے اندر سرکش اور متکبر لوگ آئیں گے۔ پھر اللہ نے دوزخ سے فرمایا: تو میرا عذاب ہے۔ میں تیرے ذریعہ سے جس سے چاہتا ہوں بدلہ لیتا ہوں اور جنت سے فرمایا: تو میری رحمت ہے۔ میں تیرے ذریعہ جس پر چاہتا ہوں مہربانی کرتا ہوں۔

فائدہ: اللہ پاک نے جنت اور جہنم کو بولنے کی قدرت عطا فرمائی اور ان دونوں نے آپس

(۱) سيرة ابن هشام: ٤٠٩، الرحيق المختوم: ٢١٨.

(٢) الترمذي: ٢٥٦١، صفة الجنة، احتجاج الجنة والنار.

میں گفتگو کی۔ حدیث شریف میں اس مکالمہ کا ذکر ہے۔ دونوں نے یہ چاہا کہ دوسرے پر سبقت حاصل کریں۔ چناں چہ جنت نے جہنم سے کہا کہ میرے اندر اکثر وہ لوگ داخل ہوں گے۔ جو دنیا میں لوگوں کی نظروں میں کمزور اور حقیر تھے؛ لیکن اللہ کے نزدیک ان کے درجات بہت بلند تھے۔ جنت کی یہ بات سن کر جہنم نے بھی اپنی بڑائی جتائی اور کہا: اوہو! تمہارے اندر کمزور لوگ ہوں گے، ہمارے پاس آنے والے تو طاقت ور ہوں گے، ظالم و جابر اور متکبر ہوں گے، ہمارے پاس تو ان لوگوں کا ٹھکانہ ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں کی نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔ اللہ پاک نے جب ان کا یہ مکالمہ سنا؛ تو جہنم سے فرمایا کہ تو میرا عذاب ہے، تیرے ذریعہ سے نافرمانوں میں سے جس کو چاہوں گا عذاب دوں گا اور جنت سے فرمایا: تو میری رحمت ہے تیرے ذریعہ سے جس پر چاہوں گا نرمی و مہربانی کروں گا۔ بخاری و مسلم نے بھی کچھ زیادتی کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو بھرنا ہے، جہنم تو اس وقت تک نہیں بھرے گی جب تک اللہ پاک اپنا قدم مبارک اس پر نہیں رکھ دیں گے؛ اس وقت وہ بولے گی بس بس، اور وہ بھر جائے گی۔ اس کا بعض حصہ بعض کی طرف سمٹ جائے گا۔ اور اللہ پاک اپنے مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں فرمائے گا۔ جنت کے لیے اللہ پاک ایک مخلوق پیدا فرمائے گا اور اس سے جنت کو بھر دے گا [1]۔

اللہ پاک جہنم کو بھرنے کے لیے اپنا قدم اس میں رکھیں گے، حدیث شریف میں اللہ کے پیر کا ذکر ہے۔ ہمیں صرف اور صرف اس پر ایمان لانا ہے کہ اس طرح کیا جائے گا۔ اس معاملے میں بحث و مباحثہ کرنا کہ اللہ کا پیر کہاں سے آیا، کیسے آیا، کیسا ہے، یہ سب حرام ہے۔ اس میں بحث و مباحثہ سے بچنا چاہیے۔ ورنہ ایمان بھی خطرہ میں پڑ سکتا ہے۔ اللہ پاک حفاظت فرمائے۔ آمین [2]!

---

(۱) صحیح البخاري: ۴۸۵۰، کتاب التفسیر.

(۲) تکملة فتح الملهم: ۱۲/۱۶۱.

(۲۹۳) بھلائی کی رہنمائی کرنے کا فائدہ

عن أبي مسعودٍ ﷺ قال: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ»(۱).

ترجمہ: حضرت ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو نیکی کا راستہ بتلادے، اس کو نیکی کرنے والے کے برابر ہی ثواب ملتا ہے۔

فائدہ: حدیث شریف میں یہ ضابطہ بیان کیا گیا کہ جو انسان کسی بھلائی یا خیر کے کام کی طرف اپنے قول، فعل، اشارے یا عمل سے رہنمائی کرے؛ تو اس کو بھی اتنا ہی ثواب دیا جائے گا، جتنا اس خیر کے کام کرنے والے کو ملے گا۔ حدیث شریف میں نیکی اور ثواب کے کام کی طرف راہنمائی کرنے والی کی فضیلت کا بیان ہے اور نیکی کی طرف رہنمائی کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی سواری سے عاجز ہونے کا عذر پیش کیا کہ میری سواری تھک گئی ہے، چل نہیں سکتی۔ آپ ﷺ مجھے کوئی سواری عطا فرمادیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس تو کچھ ہے نہیں، کہ میں تم کو کوئی سواری دوں۔ ایک صاحب نے کہا کہ یا رسول اللہ میں اس کو ایک ایسے مال دار مسلمان کی رہنمائی کر دیتا ہوں، جو ان کو سواری دے دیں گے جیسے: حضرت عثمان غنیؓ اور عبد الرحمن ابن عوفؓ؛ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کہ کسی خیر و بھلائی جیسے حصول علم یا اعمال صالحہ کی طرف اپنے قول و فعل یا اشارہ و کنایہ سے یا لکھ کر، کسی بھی طرح کی رہنمائی کی، تو رہنمائی کرنے والے کو اتنا ہی اجر ملے گا، جتنا کہ نیکی کرنے والے کو ملتا ہے اور نیکی کرنے والے کے ثواب میں سے کچھ بھی کم نہیں کیا جائے گا(۲)۔ الحمد للہ۔

---

(۱) مسلم: ۱۸۹۳، الإمارة، فضل إعانة ... سبيل الله.

(۲) مرقاة المفاتيح: ۱/۴۲۱.

(۲۹۴) خلوت کی باتوں کو فاش کرنا جرم ہے

عن أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ ﷺ يقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْأَمَانَةِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلَ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ وَتُفْضِي إِلَيْهِ، ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا[1].

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بلاشبہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک امانت کے حوالہ سے سب سے سنگین اس آدمی کا معاملہ ہوگا جو بیوی سے خلوت اختیار کرے اور وہ شوہر سے، پھر شوہر بیوی کی راز کی باتیں پھیلائے"۔ (اور بیوی شوہر کی راز کی باتیں بیان کرے)۔

فائدہ: میاں بیوی کو اپنے پوشیدہ اعمال، آپسی معاملات اور گفتگو کو، کسی کے سامنے ظاہر کرنا اور بتانا کسی بھی قوم و مذہب میں صحیح نہیں ہے۔ اسلام میں تو میاں بیوی کے پوشیدہ اعمال کو راز میں رکھنے کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ اس راز کو افشاء کرنے والے میاں بیوی کے لیے سخت وعید آئی ہے اور اس راز کی حفاظت کرنے والے کی فضیلت آئی ہے؛ اس لیے میاں بیوی کو چاہیے کہ آپسی بات چیت اور آپسی میل ملاپ کو راز ہی رہنے دیں اور دوسروں کو نہ بتائیں۔ اگر دوسرے کو بتاتے ہیں؛ تو یہ امانت میں خیانت۔ دوسروں کے سامنے اس کا ظاہر کرنا آوارگی اور بے حیائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب کوئی آدمی تم سے کوئی بات بولے، اور مڑ کر دیکھے بھی (کہ کوئی سن تو نہیں رہا ہے، یا کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے)؛ تو ایسی بات تمہارے پاس امانت ہے"[2]۔

موجودہ دور میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ نئی نسل کے نوجوان جوڑے دوستوں میں بیٹھ کر، میاں بیوی کے آپسی تعلقات کی باتیں بڑی دل چسپی سے بیان کرتے اور سنتے ہیں۔ استغفر اللہ! انسان کس قدر بے شرم ہو چکا ہے کہ وہ دوستوں میں اس طرح کی باتیں کرنے میں کوئی عار اور شرم محسوس نہیں

---

(۱) مسلم: ۱۴۳۷، النكاح، باب تحريم إفشاء سر المرأة.

(۲) الترمذي: ۱۹۵۹، أبواب البر والصلة.

کرتا؛ بل کہ نعوذ باللہ اس کو فخر سمجھ کر بیان کرتا اور کراتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے!

اسلام نے حیا کو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے۔ جس کے پاس حیا ہوگی، وہ ایسی حرکت کر ہی نہیں سکتا۔ اس میاں بیوی سے زیادہ خبیث کون ہوگا، جو آپسی راز کو ظاہر کرے۔ اس کا اندازہ حدیث رسول ﷺ سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے بدترین وہ شخص ہوگا کہ وہ اپنی بیوی سے صحبت کرتا ہے، اس کی بیوی اس سے خلوت کرتی ہے اور پھر وہ دونوں ایک دوسرے کا راز فاش کر دیتے ہے[1]۔

ملا علی قاریؒ نے بعض ادباء کا قول نقل کیا ہے کہ اس نے اپنے دوستوں سے کہا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں، انھوں نے پوچھا کیوں؟ بولے کہ میں اپنی بیوی کا عیب کیوں بیان کروں، جب انھوں نے بیوی کو طلاق دے دی؛ تو دوستوں نے کہا کہ اب تو وہ تمھاری بیوی نہیں رہی؛ لہذا اب بتاؤ کہ تم نے اس کو طلاق کیوں دی؟ اس پر انھوں نے کہا کہ ایک اجنبیہ عورت کا عیب کیسے بتاؤں[2]۔

خلاصہ یہ ہوا کہ شوہر بیوی کے آپسی تعلقات کو دوسروں کے سامنے بیان کرنا حرام ہے۔

(۲۹۵) پودا لگانے کی فضیلت

عَنْ أَنَسٍ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا، أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا، فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ، إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ»[3].

ترجمہ: حضرت انسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: مسلمان جو بھی درخت لگاتا ہے یا کھیتی کرتا ہے، پھر اس میں سے کوئی پرندہ، یا انسان یا چوپایہ کچھ کھاتا ہے؛ تو یہ اس کے لیے صدقہ ہے۔

فائدہ: حدیث شریف میں دو باتوں کا ذکر ہے۔ ایک یہ کہ جاندار کی نفع رسانی کے لیے درخت لگانا، یا کھیتی کرنا، ثواب کا کام ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس درخت اور کھیت میں سے جتنا بھی

(۱) صحیح مسلم: ۱۴۳۷ کتاب النكاح.
(۲) مرقاة المفاتيح: ۳۱۹/۶.
(۳) البخاري: ۲۳۲۰، المزارعة، فضل ... والحرث.

جاندار کھائے گا اور جو بھی کمی ہوگی اس پر صدقہ کا ثواب ملے گا۔

یہ حدیث شریف احادیث کی مختلف کتابوں میں مذکور ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلم اگر کھیتی کرتا ہے، یا درخت لگاتا ہے، خواہ پھل دار یا بغیر پھل والا اور اس درخت یا کھیت سے پرندہ یا انسان یا کوئی بھی جاندار فائدہ اٹھاتا ہے، کھاتا ہے یا اپنی دوسری ضروریات پوری کرتا ہے؛ تو اس میں اس شخص کو صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء جیسے نووی وغیرہ فرماتے ہیں کہ کھیتی باڑی کرنا افضل ہے اور بعض علماء صنعت و حرفت کو افضل کہتے ہیں، جب کہ بعض علماء نے تجارت کو افضل کہا ہے۔ ان تینوں کاموں کی تائید حدیث شریف اور انبیاء و صحابہ کے عمل سے ہوتی ہے۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ حالات اور لوگوں کی ضرورتوں کے اعتبار سے، تینوں اپنی جگہ پر افضل ہیں۔ اگر لوگ کھانے پینے کی اشیاء کے زیادہ محتاج اور ضرورت مند ہیں، تو کھیتی باڑی کرنا افضل ہے۔ اگر راستہ کی دشواریوں کی وجہ سے لوگ تاجروں کے محتاج ہیں، تو تجارت افضل ہے۔ اگر مصنوعات کی زیادہ سخت ضرورت ہے، تو پھر صنعت و حرفت، ہاتھ سے کام کرنا یہ افضل ہے (۱)۔

معلوم یہ ہوا کہ اگر کھیتی باڑی میں اس طور پر نقصان ہو کہ کوئی جانور آکر کھا گیا، یا چور چوری کر کے لے گیا، تو اس پر ثواب ملتا ہے۔

(۲۹۶) سلب نعمت پر صبر کا بدلہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «يَقُولُ اللهُ تَعَالَى: مَا لِعَبْدِي الْمُؤْمِنِ عِنْدِي جَزَاءٌ إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهُ إِلَّا الْجَنَّةُ»(۲).

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی فرماتا ہے: میں اپنے مؤمن بندہ کی کوئی دنیا کی پیاری چیز لے لوں اور وہ ثواب کی نیت سے صبر کرے؛ تو اس کا بدلہ میرے یہاں صرف جنت ہے۔

---

(۱) عمدة القاري: ۲۲۹/۱۲.

(۲) البخاري: ٦٤٢٤، الرقاق، العمل ... لله تعالى.

فائدہ: یہ پوری کائنات رب ذوالجلال کی ملکیت ہے۔ انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے، وہ اس کا نہیں، حتی کہ انسان خود اپنا نہیں، وہ بھی اللہ پاک ہی کی ملکیت ہے، لیکن اللہ پاک نے اسے حضرت انسان کے لیے ہی بنایا ہے۔ اس میں طرح طرح کے فائدے رکھ دیے اور انسان کے سپرد کر دیا۔ اولاد، مال، اعضاء وجوارح، زمین وجائداد سب کا سب اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اللہ کی طرف سے بندوں پر نعمت ہے۔ وہ اپنی ملکیت میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے؛ لیکن اس کے باوجود بھی اللہ پاک جو تصرف کرتا ہے، جو چیز لیتا ہے، اس پر ثواب عطا فرماتا ہے۔ گویا کہ اس حدیث قدسی میں ایک ایسی نعمت کا ذکر ہے کہ اگر وہ نعمت اللہ پاک لے لے، تو اللہ پاک کا لے لینا بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

حدیث قدسی کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ پاک فرماتا ہے: کہ میری عطا کی ہوئی نعمتوں میں سے اگر کوئی نعمت میرے مؤمن بندہ کو پسند آگئی اور پھر میں نے وہ نعمت واپس لے لی اور بندے نے ثواب کی امید سے اس نعمت کے چلے جانے پر صبر کیا؛ تو اس نعمت کے بدلے میں اس کو نہ ختم ہونے والی دائمی نعمت سے نوازوں گا[1]۔ اس سلسلہ میں کتابوں میں مختلف احادیث مذکور ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جس کا تین بچہ یا دو یا ایک بچہ بھی فوت ہو گیا، یعنی اللہ نے لے لیا اور اس نے صبر کیا؛ تو اس کے لیے جنت ہے۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ پاک فرماتا ہے: ''جب میں اپنے بندوں کو اس کی دو محبوب چیزوں یعنی دونوں آنکھوں میں مبتلا کر دیتا ہوں، پھر وہ اخلاص کے ساتھ صبر کرتا ہے؛ تو ان دونوں محبوب چیز یعنی آنکھ کے بدلہ میں اس کو جنت عطا کرتا ہوں''[2]۔ علامہ عینیؒ نے ایک روایت ذکر کی ہے جس کی آنکھ کی روشنی ختم ہو گئی پھر اس نے اس پر صبر کیا یہاں تک کہ دنیا سے چلا گیا، تو قیامت کے دن اللہ پاک سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے اوپر کوئی حساب نہیں ہوگا[3]۔

---

(۱) مرقاة المفاتيح: ۱۸۸/۶.

(۲) صحيح البخاري: ۵۶۵۳، كتاب المرضى.

(۳) عمدة القاري: ۳۳۱/۲۱.

(۲۹۷)ساٹھ سال کے بعد عذر مقبول نہیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «أَعْذَرَ اللهُ إِلَى امْرِئٍ أَخَّرَ أَجَلَهُ حَتَّى بَلَّغَهُ سِتِّينَ سَنَةً»(۱).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ پاک نے اُس شخص کے لیے عذر کا کوئی موقع نہیں رکھا، جس کی موت کو مؤخر کر دیا، یہاں تک کہ وہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ گیا۔

فائدہ: حدیث شریف میں انسانوں کو خبر دار کیا گیا ہے کہ کل قیامت کے دن کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔ حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ جس کی عمر ساٹھ سال کی ہوگئی اور اس نے گناہوں سے توبہ نہیں کیا، اپنے عیوب کی اصلاح نہیں کی، اس کی نیکیاں برائیوں پر غالب نہیں ہوئیں؛ تو پھر اطاعت خداوندی کے ترک کرنے اور اپنی عمر عزیز کو ضائع کرنے کے سلسلہ میں اللہ پاک اس کے عذر کو قبول نہیں فرمائے گا(۲)۔

اللہ پاک نے اپنے جس بندے کو ساٹھ سال کی عمر دی، مگر اس نے کچھ نہیں کیا؛ تو اللہ پاک اس کے عذر کو رد فرمادیں گے۔ قرآن میں اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ﴾ ترجمہ: اور وہ لوگ اس (دوزخ) میں چلاویں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو (یہاں سے) نکال لیجیے، (اب خوب) اچھے (اچھے) کام کریں گے، بر خلاف ان کاموں کے جو کیا کرتے تھے۔ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دیتی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا۔ سو (اس نہ ماننے کا) مزہ چکھو کہ ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے(۳)۔

حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ آیت کریمہ میں جو عمر مذکور ہے، اس سے مراد عمر بلوغ

---

(۱) البخاري: ۶۴۱۹، الرقاق، من بلغ ستين ... في العمر.
(۲) مرقاة المفاتيح: ۹/۴۵۵.
(۳) الفاطر: ۳۷، بيان القرآن.

ہے کہ بقدر ضرورت اس میں کمال فہم حاصل ہو جاتا ہے؛ اور آدمی اس عمر میں مکلف ہو جاتا ہے۔ قتادہ سے در منثور میں یہی تفسیر منقول ہے۔ اور بعض حدیثوں میں جو اس کی تفسیر میں ساٹھ برس آئے ہیں، مراد اس سے تخصیص نہیں ہے؛ بل کہ مقصود اس سے یہ ہے کہ اس سے زیادہ احتجاج (استدلال) ہوگا یعنی سوال وجواب ہوگا[1]۔

(۲۹۸) رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں ہی کامیابی ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى». قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَنْ يَأْبَى؟ قَالَ: «مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى»[2].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میرے سارے امتی جنت میں داخل ہوں گے، سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! کون انکار کرے گا؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: جس نے میری اطاعت کی، وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے انکار کیا۔

فائدہ: حدیث شریف میں اقوال وافعال اور عبادات میں نبی کریم ﷺ کی اقتدا کرنے والوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ قرآن وحدیث میں بار بار نبی کریم ﷺ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور اسی کو کامیابی وکامرانی کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔

حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ پیارے نبی ﷺ کا ہر امتی جنت میں جائے گا، سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے ان چیزوں کے ماننے سے انکار کر دیا، جس کو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے۔ اس پر صحابۂ کرامؓ نے پوچھا کہ جو جنت میں جائیں گے، ان کا تو معلوم ہو گیا؛ لیکن انکار کرنے والے کون ہیں؟ ہم کو معلوم نہیں ہے۔ اس سوال پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کتاب وسنت پر عمل کر کے میری اطاعت کی، وہ جنت میں جائے گا اور جس نے اپنی خواہشات کی پیروی کی اور راہ راست سے

---

(۱) بیان القرآن: ۳/ ۲۲۵۔

(۲) البخاري: ۷۲۸۰، الاعتصام بالكتاب والسنة.

بھٹک گیا، تو وہ منکر ہے اور جہنم میں جائے گا[1]۔

اِسی مضمون کو اللہ پاک نے قرآن کریم میں بھی متعدد جگہ ذکر فرمایا ہے: ﴿ فَآمِنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴾: بس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی امی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے، اور پیروی اختیار کرو اس کی، امید ہے کہ تم راہ راست پالوگے[2]۔ اِس آیت کریمہ میں اللہ پاک نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے کا حکم دیا ہے، اور علت یہ بیان کی "تاکہ تم راہ پر آجاؤ" یعنی: اتباع نبی میں کامیابی ہے۔

جو شخص آپ ﷺ کی اتباع نہیں کرتا اور عدم اتباع کے ذریعہ نبی کریم ﷺ کی مخالفت کرتا ہے، اللہ پاک اس کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ. ترجمہ: سو جو لوگ اللہ تعالی کے حکم کی (جو کہ بواسطہ رسول کے پہنچا ہے) مخالفت کرتے ہیں، ان کو اس سے ڈرنا چاہیے کہ ان پر (دنیا میں) کوئی آفت (نہ) آن پڑے، یا ان پر (آخرت میں) کوئی دردناک عذاب نازل (نہ) ہو جائے[3]۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ و رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان کے دلوں میں کفر و نفاق وغیرہ کا فتنہ ہمیشہ کے لیے جڑ نہ پکڑ جائے۔ اور اِس طرح دنیا کی کسی سخت آفت یا آخرت کے دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ العیاذ باللہ! خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے میں سو فیصد کامیابی ہے اور عدم اطاعت میں سو فیصد ناکامی۔

(۲۹۹) شب و روز کی بارہ رکعتوں کا بدلہ جنت کا گھر

عن أم حبيبة تقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: «مَنْ صَلَّى اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً فِي

(۱) مرقاة المفاتيح: ۱/۳۳۹.
(۲) الأعراف: ۱۵۸، تفهيم القرآن.
(۳) النور: ۶۳، بيان القرآن.

يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ بُنِيَ لَهُ بِهِنَّ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ»[1].

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے ہیں: جس نے دن ورات میں بارہ رکعتیں پڑھی، اس کے لیے ان بارہ رکعتوں کی وجہ سے جنت میں گھر بنے گا۔

فائدہ: حدیث شریف میں فرض نمازوں سے پہلے کی سنتیں اور بعد کی سنتیں ادا کرنے والے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ جس نے فرض نمازوں کے علاوہ سنت مؤکدہ ادا کی، اس کے لیے یہ درجہ ہے۔ چناں چہ امام مسلمؒ نے باب باندھا ہے۔ "فرائض سے پہلے اور فرائض کے بعد سنن مؤکدہ کے فضائل، اوراس کی تعداد کے بیان میں" اور پھر اس باب میں چند احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ چناں چہ ایک حدیث میں ہے کہ جو مسلمان بندہ فرض کے علاوہ ہر دن بارہ رکعت نفل پڑھتا ہے، تو اللہ پاک اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے۔

اِن احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بارہ رکعتیں سنن مؤکدہ ہیں، جس کی تفصیل دوسری روایت میں ہے جس کو امام ترمذیؒ نے ذکر فرمایا ہے۔ اس میں بارہ رکعت اِس طرح ہے۔ چار رکعت ظہر سے پہلے، دو رکعت ظہر کے بعد، دو رکعت مغرب کے بعد، دو رکعت عشاء کے بعد، اور دو رکعت فجر کی نماز سے پہلے۔[2] یہ کل بارہ رکعتیں ہوئیں؛ اس کو پابندی سے ادا کرنے والے کے لیے جنت میں محل بنایا جائے گا۔

اِن سنن ونوافل کا اہتمام اس لیے بھی ضروری ہے کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن بندے سے پہلا سوال نماز کا ہوگا۔ اگر نماز صحیح اور درست نکلی، تو بندہ کامیاب ہوگا اور اگر نماز میں کمی وکوتاہی پائی گئی، تو وہ ناکام ہوگا۔ اس وقت اللہ پاک فرشتوں سے فرمائے گا کہ دیکھو تو میرے بندے

---

(۱) مسلم: ۷۲۸، المساجد، فضل ... الفرائض.

(۲) جامع الترمذي ٤١٥ ابواب الصلاة.

کے پاس کچھ نفلیں وغیرہ ہیں۔ اگر ہیں تو فرائض کی کمی کو پورا کردو، پھر ہر واجب اور فرض عمل کے ساتھ ہی معاملہ ہوگا۔ نوویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف سے یہ معلوم ہوا کہ اگر فرائض میں کمی کوتاہی ہوئی؛ تو نوافل کو قبول کرکے اس کی کمی کو پورا کردیا جائے گا۔ نوافل رد نہیں کیے جائیں گے۔[1]

(۳۰۰) سونے چاندی کی انگوٹھی کا حکم

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ، وَجَعَلَ فَصَّهُ مِمَّا يَلِي كَفَّهُ، وَنَقَشَ فِيهِ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ، فَاتَّخَذَ النَّاسُ مِثْلَهُ، فَلَمَّا رَآهُمْ قَدِ اتَّخَذُوهَا، رَمَى بِهِ وَقَالَ: «لَا أَلْبَسُهُ أَبَدًا». ثُمَّ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ، فَاتَّخَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَ الْفِضَّةِ، قَالَ ابْنُ عُمَرَ: فَلَبِسَ الْخَاتَمَ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرُ، ثُمَّ عُثْمَانُ، حَتَّى وَقَعَ مِنْ عُثْمَانَ فِي بِئْرِ أَرِيسَ[2].

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ نے سونے یا چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس کا نگینہ ہتھیلی کی طرف رکھا اور اس پر «محمد رسول اللہ» کے الفاظ کھدوائے۔ پھر دوسرے لوگوں نے بھی اسی طرح کی انگوٹھیاں بنوالیں۔ جب نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ کچھ دوسرے لوگوں نے بھی اس طرح کی انگوٹھیاں بنوالی؛ تو آپ نے اسے اتار دیا اور فرمایا کہ اب میں اسے کبھی نہیں پہنوں گا۔ پھر آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور دوسرے لوگوں نے بھی چاندی کی انگوٹھیاں بنوالیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد اس انگوٹھی کو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پہنا، پھر عمر رضی اللہ عنہ اور پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے پہنا۔ آخر عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں، وہ انگوٹھی اریس کے کنویں میں گرگئی۔

فائدہ: حدیث شریف میں بتایا گیا ہے کہ سونے کا استعمال مردوں کے لیے حرام ہے، گرچہ انگوٹھی کی ہی صورت میں کیوں نہ ہو۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۲۱۵/۳.

(۲) البخاري: ۵۸۶۶، الخاتم، ما جاء في اتخاذ الخاتم.

حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ کے سونے کی انگوٹھی پہننے کا ذکر ہے۔ آپ ﷺ نے سونے کی انگوٹھی اس وقت پہنی تھی جب مردوں کے لیے سونے کا استعمال جائز تھا۔ پھر سونے کا استعمال مردوں کے لیے حرام ہوگیا؛ تو آپ ﷺ نے خود بھی استعمال نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ نے امت کو بھی سونا استعمال کرنے سے منع فرمایا؛ البتہ عورتیں سونا استعمال کرسکتی ہیں۔ یہی حکم لوہے اور پیتل وغیرہ کی انگوٹھی کا بھی ہے؛ چناں چہ ایک روایت میں ہے کہ ایک آدمی پیتل کی انگوٹھی پہن کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا؛ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے اندر سے بتوں کی بو پارہا ہوں؛ چناں چہ انھوں نے اس کو پھینک دیا۔ پھر دوسری بار لوہے کی انگوٹھی پہن کر آئے؛ تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے اوپر جہنمیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں [1]۔

امام محمدؒ اپنی موطا میں فرماتے ہیں کہ مرد کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ سونے، لوہے اور پیتل کی انگوٹھی پہنے۔ مرد کے لیے صرف چاندی کی ہی انگوٹھی ہے اور عورتوں کے لیے سونے کی انگوٹھی پہننا جائز ہے۔

عورتوں کے لیے سونے کی انگوٹھی جائز ہے اور مردوں کے لیے حرام ہے۔ چاندی کی انگوٹھی بھی مرد کے لیے جائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بغیر ضرورت کے نہ پہنے، یعنی نہ پہننا ہی افضل ہے، جیسا کہ قاضی عیاض نے صراحت کی ہے۔ اور اگر پہنے تو نگینہ کو ہتھیلی کے اندر کی طرف رکھے؛ کیوں کہ اس میں عجب اور تکبر کا شائبہ نہیں ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو اسے نکال کر پھینک دیا اور فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ آگ کا شعلہ اپنے ہاتھ میں رکھے؟ اس سے سونے کے استعمال کے سلسلہ میں شدید وعید اور حرمت کا پتہ چلتا ہے [2]۔ یہ بات بھی اچھی طرح ذہن میں رہے کہ عالم گیری کی صراحت کے مطابق عورتوں کے لیے

---

(۱) سنن أبي داود: ۴۲۲۳، اول كتاب الخاتم.

(۲) مرقاة المفاتيح: ۲۴۲/۸.

بھی انگوٹھیاں صرف دو ہی دھات کی جائز ہیں؛ سونا اور چاندی۔ دیگر دھات مثلا المونیم، پیتل، رانگا وغیرہ کی انگوٹھیاں عورتوں کے لیے بھی مکروہ ہیں[1]۔

ذی قعدہ

(۳۰۱) جانوروں کو بھی نہ ستاؤ

عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ أَنَسٍ عَلَى الْحَكَمِ بْنِ أَيُّوبَ فَرَأَى غِلْمَانًا أَوْ فِتْيَانًا نَصَبُوا دَجَاجَةً يَرْمُونَهَا، فَقَالَ أَنَسٌ: نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُصْبَرَ الْبَهَائِمُ[2].

ترجمہ: حضرت ہشام بن زید نے کہا کہ میں انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ حکم بن ایوب کے یہاں گیا۔ انھوں نے وہاں چند لڑکوں کو یا نوجوانوں کو دیکھا کہ ایک مرغی کو باندھ کر، اس پر تیر کا نشانہ لگا رہے ہیں؛ تو انھوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے زندہ جانور کو باندھ کر مارنے سے منع فرمایا ہے۔

فائدہ: دین اسلام میں ایک خصوصی صفت، صفت احسان ہے۔ یہ ایسی صفت ہے جو مذہب اسلام کو دیگر مذاہب سے ممتاز کر دیتی ہے۔ اسلام نے ہر چیز میں احسان و نرمی کا حکم دیا ہے۔ ظلم کرنے اور کسی کو تکلیف دینے سے روکا ہے۔ انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں احسان پایا جاتا ہے اور یہی شریعت کو مطلوب بھی ہے؛ چناں چہ جانوروں کے سلسلہ میں بھی احادیث میں احسان و نرمی کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح کی ایک روایت میں، حضرت سعید ابن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کے ساتھ چند لڑکوں کے پاس سے گزرا جو مرغی کو باندھ کر مار رہے تھے۔ جب انھوں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا تو وہاں سے بھاگ گئے۔ حضرت ابن عمرؓ نے پوچھا کہ ایسا کس نے کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے ایسا کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے[3]۔

---

(۱) العالمگیریۃ: ۳۳۵/۵، الکراھیۃ، الباب العاشر.

(۲) البخاري: ۵۵۱۳، الصید، ما یکرہ ... والمصبرۃ.

(۳) صحیح البخاري: ۵۵۱۵، الذبائح والصید.

حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے کسی بھی جانور کو باندھ کر، اس پر ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ باندھنے سے مراد یہ ہے کہ جانور کو باندھ کر، محبوس اور مجبور کر دینا، پھر پتھر، لاٹھی، ڈنڈے وغیرہ سے مارنا کہ جانور مر جائے۔ یہ ممانعت اس لیے ہے کہ اس میں ضیاع مال اور حیوان پر ظلم اور اس کو عذاب دینا ہے۔ اگر کوئی شخص گوشت کھانے کے لیے جانور کو اس طرح مارتا ہے؛ تو ایسا گوشت کھانا حرام ہے؛ کیوں کہ وہ شرعی طور پر ذبح کرنے پر قادر تھا؛ لیکن اس نے ذبح نہیں کیا[۱]۔

اسلام تو جانور ذبح کرتے وقت بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ایک روایت میں ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "کہ اللہ پاک نے ہر چیز میں احسان کا حکم فرمایا ہے؛ اس لیے جب تم جانور ذبح کرو؛ تو اچھے طریقہ سے ذبح کرو۔ ہر شخص کو چاہیے کہ اپنی چھری تیز کر لے اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے[۲]۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت مطہرہ نے ہمیں جانوروں کو ذبح کرنے کے طریقے اور آداب بھی سکھائے ہے۔ چند آداب کا ذکر یہاں کیا جا رہا ہے۔

(۱) بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنا[۳]۔ (۲) تیز چھری سے ذبح کرنا۔ (۳) دوسرے جانوروں سے چھپا کر ذبح کرنا۔ (۴) ذبح کرنے میں جلدی کرنا[۴]۔ (۵) بڑے جانور ذبح کرتے وقت اس کے پہلو پر قدم، یا گھٹنا رکھنا۔ (۶) ذبح کرتے وقت تکبیر کہنا[۵]۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے بسم اللہ اللہ اکبر کہا[۶]۔ (۷) ذبح کرتے ہوئے نرمی کا معاملہ کرنا، اس کی صورت یہ ہے کہ چھری تیز کیا جائے؛ تاکہ ذبیحہ کو راحت ملے[۷]۔ (۸) ذبح کرتے وقت جانور کو قبلہ رخ لٹانا[۸]۔

ان آداب میں سے پہلا ادب فرض ہے۔ اگر کوئی مسلمان ذبح کرتے وقت جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ دیتا ہے؛ تو اس گوشت کا کھانا حرام ہے۔ اسی طرح ایسے جانور کا گوشت بھی حرام ہے کہ اس کو

---

(۱) عمدة القاري: ۲۱/۱۹۱.
(۲) مسلم: ۱۹۵۵، الصيد، باب الامر بإحسان الذبح.
(۳) صحيح البخاري: ۹۸۵.
(۴) سنن ابن ماجة: ۳۱۷۲ كتاب الذبائح.
(۵) صحيح البخاري: ۵۵۵۸، كتاب الاضاحي.
(۶) ابو داؤد: ۲۷۹۵.
(۷) مسلم: ۱۹۵۵.
(۸) موطأ مالك: ۱۱۱۲، كتاب الحج.

ذبح کرتے وقت انسان بسم اللہ نہ پڑھے؛ بل کہ ٹیپ ریکارڈ سے بسم اللہ پڑھوایا جائے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ﴾[1]: (اور اس میں سے نہ کھاؤ جس پر نام نہیں لیا گیا اللہ کا اور یہ کھانا گناہ ہے)۔

(۳۰۲) ذاکر اور غیر ذاکر کی مثال

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ، مَثَلُ الحَيِّ وَالْمَيِّتِ»[2]۔

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے رب کا ذکر کرنے والے اور ذکر نہ کرنے والے کی مثال، زندہ اور مردہ کی طرح ہے۔

فائدہ: حدیث شریف میں ذکر کی اہمیت وفضیلت کا بیان ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کرنے والا زندہ کی طرح ہے اور جو اللہ کا ذکر نہیں کرتا، وہ مردے کی طرح ہے۔

قرآن وحدیث میں ذکر اللہ کی بہت ساری فضیلتیں آئی ہیں۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللهِ أَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾[3] مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے۔

ایک طویل حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ پاک کے کچھ فرشتے، ایسے ہیں جو راستوں میں پھرتے رہتے ہیں اور اللہ کا ذکر کرنے والوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں۔ پھر جہاں وہ کچھ ایسے لوگوں کو پالیتے ہیں، جو اللہ کا ذکر کرتے ہوتے ہیں؛ تو ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں کہ آؤ ہمارے مطلب کی چیزیں مل گئیں۔ پھر وہ پہلے آسمان تک اپنے پروں سے ان کو ڈھانپے رہتے ہیں۔ پھر

---

(۱) الأنعام: ۱۲۱.	(۳) الرعد: ۲۸.

(۲) البخاري: ۶۴۰۷، الدعوات، باب فضل ذکر الله.

ان کا رب ان سے پوچھتا ہے؛ حالاں کہ وہ اپنے بندوں کے متعلق خوب جانتا ہے کہ میرے بندے کیا کہ رہے تھے؟ فرشتے کہتے ہیں: کہ وہ آپ کی تسبیح پڑھ رہے تھے، آپ کی کبریائی بیان کرتے تھے، آپ کی حمد کرتے تھے اور آپ کی بڑائی کرتے تھے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کی مغفرت کی [1]۔

ذکر اللہ کی تین شکلیں ہیں: ایک ذکر باللسان، یعنی زبان سے وہ الفاظ پڑھنا جس کے معنی میں حمد و تسبیح و تمجید ہو، جیسے: سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر وغیرہ۔ دوسری شکل: ذکر بالقلب ہے یعنی اللہ پاک کی ذات وصفات کے جو دلائل ہیں، اس میں غور و فکر کرنا۔ تیسری شکل: ذکر بالجوارح ہے، یعنی عبادات وطاعات میں لگے رہنا[2]۔

(۳۰۳) عبادت کی کثرت شکر گزاری ہے

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي حَتَّى تَرِمَ - أَوْ تَنْتَفِخَ - قَدَمَاهُ. فَيُقَالُ لَهُ، فَيَقُولُ: «أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا»[3].

ترجمہ: حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نماز اتنی لمبی پڑھتے تھے، کہ آپ ﷺ کے دونوں قدم مبارک پھول جاتے تھے۔ جب آپ ﷺ سے کہا جاتا کہ آپ بخشے ہوئے ہیں، تو آپ ﷺ جواب دیتے: "کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟"

فائدہ: حدیث شریف میں نبی کریم کے نماز کی کیفیت کا ذکر ہے۔ آپ ﷺ کو نماز سے کس قدر شغف تھا اور آپ عبادتوں میں کس قدر مشقت برداشت کرتے تھے، وہ بیان کیا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ معصوم و مغفور ہیں۔ اس کے باوجود بھی نفل کی اتنی کثرت کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک پھول جاتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: «حتى تتفطر قدماه».

---

(۱) صحيح البخاري: ۶۴۰۸، كتاب الدعوات.

(۲) عمدة القاري: ۴۱/۲۳.

(۳) البخاري: ۶۴۷۱، الرقاق، باب الصبر عن محارم الله.

مطلب یہ کہ آپ ﷺ قدم مبارک پھٹ جاتے تھے[1]۔ انفطار کے معنی پھٹنے کے ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کے دونوں قدم مبارک پھٹ جاتے تھے اور جب آپ ﷺ سے کہا جاتا تھا کہ یارسول اللہ! آپ اتنی مشقت برداشت کرتے ہیں؛ حالاں کہ آپ کے بارے میں اللہ پاک کا حکم آچکا ہے کہ آپ ﷺ مغفور ہیں۔ گزشتہ اور آئندہ کی ساری لغزشوں سے آپ ﷺ کو پاک کردیا گیا ہے؛ تو آپ ﷺ کا یہ جواب ہوتا کہ کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

اِس حدیث شریف سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ شکر جس طرح زبان سے ادا کیا جاتا ہے، اعمال سے بھی شکر ادا ہوتا ہے۔ قرآن میں بھی اس کی مثال موجود ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿اعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ﴾: اے داؤد کے خاندان والو! تم سب شکریہ میں نیک کام کیا کرو اور میرے بندوں میں شکر گزار کم ہی ہوتے ہیں[2]۔ ہم یاد رکھیں کہ جب بھی اللہ پاک ایک عمل صالح کی توفیق دے، تو اس کے شکر میں، ہم دوسرا عمل صالح کریں، پھر اس دوسرے عمل کی شکر گزاری میں، ہم تیسرا عمل کریں۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلنا چاہیے[3]۔

(۳۰۴) ہوا کے ذریعہ نبی ﷺ کی نصرت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «نُصِرْتُ بِالصَّبَا، وَأُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُورِ»[4].

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: مجھ کو پروا ہوا کے ذریعہ مدد دی گئی اور قوم عاد پچھوا ہوا کے ذریعہ ہلاک کی گئی۔

فائدہ: اللہ پاک نے کسی بھی چیز کو بیکار پیدا نہیں فرمایا، نفع و نقصان، دونوں پہلو ہر چیز میں موجود ہے۔ ہوا اللہ پاک کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اگر ہوا نہ ہو؛ تو انسان کا ایک منٹ بھی زندہ رہنا مشکل

(۱) صحيح البخاري: ٤٨٣٧، كتاب التفسير.
(۲) السبا: ۱۳، بيان القرآن.
(۳) عمدة القاري: ۲٦۸/۷.
(٤) البخاري: ٤١٠٥، المغازي، غزوة الخندق.

ہو جائے گا۔ یہ ہوا کسی کے لیے رحمت ہے، تو کسی کے لیے زحمت ہے۔ آپ ﷺ نے دونوں کا ذکر، اس حدیث شریف میں کیا ہے۔ آپ ﷺ کی مدد پُروا ہوا کے ذریعہ کی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر، جب کفار مکہ نے مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی تھی؛ تو نبی کریم ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے خندق کھودنے کا حکم دیا تھا۔ تقریباً ساڑھے تین میل لمبی خندق کھودی گئی تھی۔ اِسی وجہ سے اِس غزوہ میں، کوئی بڑا مقابلہ و معرکہ نہیں ہوا۔ مگر کفار تقریباً ایک ماہ تک، مدینہ طیبہ کا محاصرہ کیے رہے۔ بالآخر ایک سرد رات میں، پُروا ہوا کا ایک ایسا سخت طوفان آیا کہ دشمنوں کے خیمے، ڈیرے سب اکھڑ گئے۔ ان کے چولھے بجھ گئے، مٹیوں نے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا، کنکر پتھر نے ان کے سر اور جسم کو زخمی کیا اور اللہ پاک نے اس کی وجہ سے ان کے دلوں میں ایسا رعب اور خوف ڈالا کہ وہ پریشان ہو کر، بھاگ گئے اور شکست و ہزیمت سے دوچار ہوئے۔

اور قوم عاد کو اللہ نے پچھوا ہوا کے ذریعہ ہلاک کیا۔ مطلب یہ ہے کہ قوم عاد کی طرف اللہ نے حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا؛ تو انھوں نے ہدایت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور نبی کو جھٹلایا۔ پھر اللہ نے اس کفر و انکار کی وجہ سے پچھوا ہوا کی صورت میں، ان پر اپنا عذاب نازل فرمایا۔ پچھوا ہوا طوفان کی صورت میں ان پر مسلسل آٹھ دن و رات چلتی رہی۔ پھر مؤمنین کے سوا ساری قوم تباہ ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آندھی کے وقت دعا پڑھنے کی تعلیم دی ہے: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ خَيْرَهَا، وَخَيْرَ مَا فِيهَا، وَخَيْرَ ما أُرْسِلَتْ بِه، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا، وَشَرِّ مَا فِيهَا، وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِه»[1]. یعنی: اے اللہ! میں تجھ سے اس —ہوا— کی خیر اور بھلائی کا، اور جو اس میں ہے اس کی اور جو کچھ اس کے ذریعہ بھیجا گیا ہے اس کے خیر کا سوال کرتا ہوں، اور اس کی شر سے اور کو کچھ اس میں ہے اور جو اس میں بھیجا گیا ہے اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

---

(۱) صحيح مسلم: ۸۹۹، كتاب صلاة الاستسقاء.

(۳۰۵) غیر مسلموں کی عیادت کرنے کا حکم

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ غُلَامٌ يَهُودِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمَرِضَ فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُهُ، فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَقَالَ لَهُ: «أَسْلِمْ». فَنَظَرَ إِلَى أَبِيهِ وَهُوَ عِنْدَهُ، فَقَالَ لَهُ: أَطِعْ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! فَأَسْلَمَ. فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُولُ: «الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ»[1].

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک یہودی لڑکا نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، ایک دن وہ بیمار ہو گیا۔ آپ ﷺ اس کا مزاج معلوم کرنے کے لیے تشریف لائے اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے پھر فرمایا کہ مسلمان ہو جا۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، باپ وہیں موجود تھا۔ اس نے کہا کہ (کیا مضائقہ ہے) ابوالقاسم ﷺ جو کچھ کہتے ہیں مان لے! پھر وہ بچہ اسلام لے آیا۔ جب نبی کریم ﷺ باہر نکلے: تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ شکر ہے اللہ پاک کا جس نے اس بچے کو جہنم سے بچا لیا۔

فائدہ: حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ کی ایک بہت اہم اور خصوصی صفت کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپ کی سیرت کے ایک اہم پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے، جس کا تعلق معاشرے سے ہے۔ نبی پاک ﷺ کی ذات بابرکت تمام عالم کے لیے رحمت ہے۔ خود قرآن نے اس کی شہادت دی ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ ﴾: اے محمد! ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو یہ دراصل یہ دنیا والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے[2]۔

نبی کریم ﷺ نے اپنے عملی نمونہ سے یہ ثابت کر دیا کہ آپ ﷺ رحمت للعالمین ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے رحم و کرم کا معاملہ صرف اپنوں کے ساتھ نہیں ہوتا تھا؛ بل کہ غیر پر بھی آپ ﷺ کی شفقت و رحمت اسی طرح ہوتی تھی، جس طرح مسلمانوں پر ہوتی تھی؛ بل کہ آپ ﷺ کو غیر مسلموں کی اتنی فکر تھی کہ آپ کی فکر اور غم کو دیکھ کر اللہ پاک نے یہ فرمایا: ﴿

(۱) البخاري: ۱۳۵٦، الجنائز، إذا أسلم ... يصلى عليه.

(۲) الأنبياء: ۱۰۷. تفهيم القرآن.

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا، علامہ شبیر احمد عثمانی اس آیت کے تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: یعنی اگر یہ کافر قرآن کی باتوں کو نہ مانیں، تو آپ ان کے غم میں اپنے کو بالکل گھلائیے نہیں۔ آپ تبلیغ ودعوت کا فرض ادا کر چکے اور کر رہے ہیں، کوئی نہ مانے تو آپ کو اس قدر دل میں گھٹنے اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ نہ پچھتانے کی ضرورت ہے کہ ہم نے ایسی کوشش کیوں کی جو کامیاب نہ ہو سکی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بہر حال کامیاب ہیں۔ دعوت وتبلیغ اور شفقت و ہمدردیِ خلائق کے جو کام کرتے ہیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفعِ مراتب اور ترقیِ مدارج کا ذریعہ ہیں۔ اشقیاء اگر قبول نہ کریں؛ تو انہیں کا نقصان ہے[۱]۔

معلوم یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اس فکر میں رہتے کہ لوگ اسلام میں داخل ہو کر، ہیشگی کے عذاب سے بچ جائیں۔ اس کا ایک نمونہ حدیث پاک میں بیان کیا گیا ہے۔

حدیث شریف سے دو باتوں کا علم ہوا۔ ایک تو یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایک فرد کی فکر دامن گیر تھی اور ہر وقت دعوت و تبلیغ میں ہی لگے رہتے تھے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اتنے اعلیٰ تھے کہ غیر مسلموں کی بھی عیادت کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تعلیم دی کہ کافروں کی عیادت بھی مشروع ہے اور عیادت کے وقت مریض کے سرہانے بیٹھ کر عیادت کی جائے اور اچھی بات کی جائے[۲]۔

(۳۰۶) نااہل حاکم قیامت کی علامت ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ». قَالَ: كَيْفَ إِضَاعَتُهَا يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «إِذَا أُسْنِدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ»[۳].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب امانت ضائع کی

(۱) الكهف: ٦، بيان القرآن، تفسير عثماني.
(۲) مرقاة المفاتيح: ٤/٤٣.
(۳) البخاري: ٦٤٩٦، الرقاق، باب رفع الأمانة.

جائے؛تو قیامت کاانتظار کرو۔ کسی نے پوچھا: یارسول اللہ! امانت کس طرح ضائع کی جائے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب کام نااہل لوگوں کے سپرد کردیئے جائیں؛تو قیامت کاانتظار کرو"۔

فائدہ: حدیث شریف میں قیامت کی ایک علامت کا ذکر ہے۔ جس طرح موت ایک اٹل حقیقت ہے اسی طرح قیام قیامت بھی برحق ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ موت کا انکار کسی نے نہیں کیا، البتہ قیامت کا انکار کرنے والی بہت سی قوموں کا وجود ہے اور بہت سی ہلاک کردی گئیں۔ ادیان سماویہ کے حقیقی پیروکار قیامت کو ایک اٹل حقیقت جانتے ہیں۔ قیامت ایک حادثہ عظیمہ ہے؛اس لیے اس کے وقوع سے پہلے اللہ پاک چند علامتیں ظاہر فرمائے گا۔ جس سے یہ معلوم ہوجائے گا کہ قیامت قریب ہے۔ انھیں علامتوں میں سے ایک علامت، امانت کا ضائع ہوجانا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب امانت ضائع ہونے لگے؛ تو قیامت کا انتظار کرو! صحابۂ کرامؓ نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! امانت کس طرح ضائع ہوگی؟ جواب دیا کہ جب امارت اور حکومتی معاملات نااہل لوگوں کے سپرد کردئے جائیں یعنی نااہل لوگ حاکم و قاضی بن جائیں، جہلا مدارس و مساجد کے ذمے دار بن جائیں اور علماء وائمہ پر حکومت کرنے لگیں تو قیامت کا انتظار کرو۔

قیامت سے پہلے لوگوں کے درمیان سے امانت اٹھالی جائے گی۔ یعنی امین اور امانت باقی نہیں رہے گی؛ بل کہ خائن اور خیانت ہی باقی رہ جائے گی۔ حدیث شریف میں "الأمر" سے مراد، وہ تمام امور ہیں، جو دین و شریعت سے متعلق ہیں جیسے: خلافت و امارت اور افتاء و قضاء وغیرہ۔ علامہ کرمانیؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب غیر مستحق کو کوئی منصب دے دیا جائے جیسے: ہمارے زمانے میں، جاہلوں کو، غیر عالموں کو قضاء و افتاء کا منصب سپرد کیا جاتا ہے [1]۔

ایک روایت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے

---

(۱) عمدة القاري: ۱۲۶/۲۳.

دو حدیثیں ارشاد فرمائیں۔ ایک کا ظہور تو میں دیکھ چکا ہوں اور دوسری کا منتظر ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ امانت لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں میں اترتی ہے۔ پھر قرآن شریف سے، پھر حدیث شریف سے وہ مضبوط ہو جاتی ہے اور نبی کریم ﷺ نے ہم سے اس کے اُٹھ جانے کے متعلق ارشاد فرمایا کہ آدمی ایک نیند سوئے گا اور (اسی میں) امانت اس کے دل سے ختم ہو گی اور اس بے ایمانی کا ہلکا نشان پڑ جائے گا۔ پھر ایک اور نیند لے گا اب اس کا نشان چھالے کی طرح ہو جائے گا جیسے تو پاؤں پر ایک چنگاری لڑھکائے تو ظاہر میں ایک چھالا نکل آتا ہے تو اس کو پھولا دیکھتا ہے، پر اندر کچھ نہیں ہوتا۔ پھر حال یہ ہو جائے گا کہ صبح اٹھ کر لوگ خرید و فروخت کریں گے اور کوئی شخص امانت دار نہیں ہو گا۔ کہا جائے گا کہ فلاں قبیلے میں ایک امانت دار شخص ہے۔ کسی شخص کے متعلق کہا جائے گا کہ کتنا عقلمند ہے، کتنا بلند حوصلہ ہے اور کتنا بہادر ہے۔ حالانکہ اس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان (امانت) نہیں ہو گا۔ (حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں نے ایک ایسا وقت بھی گزارا ہے کہ میں اس کی پروا نہیں کرتا تھا کہ کس سے خرید و فروخت کرتا ہوں۔ اگر وہ مسلمان ہوتا؛ تو اس کو اسلام (بے ایمانی سے) روکتا تھا۔ اگر وہ نصرانی ہوتا؛ تو اس کا مددگار اسے روکتا تھا؛ لیکن اب میں فلاں اور فلاں کے سوا کسی سے خرید و فروخت نہیں کرتا[1]۔

(۳۰۷) مسجد جنت کے باغات ہیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الجَنَّةِ فَارْتَعُوا». قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا رِيَاضُ الجَنَّةِ؟ قَالَ: «المَسَاجِدُ»، قُلْتُ: وَمَا الرَّتْعُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «سُبْحَانَ اللهِ، وَالحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ»[2].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تم جنت کے باغوں میں سے گزرو، تو چرو۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! جنت کا باغ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) البخاري: ٦٤٩٧، كتاب الرقاق، باب رفع الأمانة.

(۲) الترمذي: ٣٥٠٩، الدعوات، في أسماء الله الحسنى.

"مسجدیں ہیں"۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! چرنا کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہنا۔

فائدہ: پہلے حدیث گزری ہے کہ مسجد اللہ کے نزدیک محبوب ترین جگہوں میں سے ہے[1]۔ اِس حدیث شریف میں مسجدوں کو ریاض الجنہ یعنی جنت کا باغ کہا گیا ہے، اس باغ میں خوب زیادہ دیر تک اللہ کا ذکر کرو۔ باغ کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہرا بھرا ہوتا ہے اور ایسے باغوں میں لوگ خوب سیر و تفریح کرتے ہیں۔ اِسی طرح جب جانور ہری گھاس دیکھتا ہے؛ تو وہ چرنے میں ایسا مشغول ہوتا ہے کہ کسی کے ہٹانے سے بھی جلدی نہیں ہٹتا۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ذکر کی مجلس جو مسجدوں میں لگتی ہیں، اگر خوش قسمتی سے ایسی مجلس مل جائے؛ تو مجلس میں شریک ہو جاؤ۔ اگر مسجد میں بیٹھنے کا موقع میسر آجائے، تو خوب ذکر کرو، اِسی کو حدیث پاک میں "فارتعوا" چرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ صحابہؓ نے پوچھا کہ ریاض الجنہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ذکر کے حلقے ریاض الجنہ ہیں[2]۔

مسجد جنت کے باغوں کی طرح ہے، جس طرح جنت میں کسی بھی طرح کی مشکلات اور پریشانیاں نہیں ہیں، اسی طرح ذکر کی مجلس بھی تمام پریشانیوں اور آفات سے محفوظ رہتی ہے۔ ذکر سے دل پوری طرح مطمئن اور پر سکون رہتا ہے جیسا کہ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللهِ أَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾: (مراد اس سے) وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے[3]۔

صحابہ کرامؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ! ریاض الجنہ میں جو کہ مسجد ہے، کس طرح چرا جائے، چرنا

---

(۱) مسلم: ۶۷۱، المساجد ومواضع الصلاة.
(۲) الترمذي: ۳۵۱۰، أبواب الدعوات.
(۳) الرعد: ۲۸، بیان القرآن.

کیسے ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سبحان اللہ، والحمد للہ، ولا الہ الا اللہ، واللہ اکبر پڑھا کرو یہی چرنا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جب ریاض الجنہ یعنی مسجد میں سے گزر ہو؛ تو خاموش نہ رہو، یوں ہی مت گزر جاؤ؛ بل کہ زبان اور دل سے اللہ کا ذکر کرتے رہو اور اس وقت کو غنیمت جانو۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر مجھ کو مسجد یا جنت میں سے کسی ایک کا اختیار دیا جائے؛ تو میں مسجد کو پسند کروں گا[1]۔

(۴۰۸) صلح حدیبیہ

عن جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ ﷺ قَالَ: قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ: «أَنْتُمْ خَيْرُ أَهْلِ الْأَرْضِ». وَكُنَّا أَلْفًا وَأَرْبَعَ مِائَةٍ، وَلَوْ كُنْتُ أُبْصِرُ الْيَوْمَ لَأَرَيْتُكُمْ مَكَانَ الشَّجَرَةِ[2]۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہؓ نے بیان کیا کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے دن فرمایا تھا کہ تم لوگ تمام زمین والوں میں سب سے بہتر ہو۔ ہماری تعداد اس موقع پر چودہ سو تھی۔ اگر آج میری آنکھوں میں بینائی ہوتی؛ تو میں تمہیں وہ درخت کی جگہ دکھاتا۔

فائدہ: حدیث شریف عمرۃ الحدیبیہ سے متعلق ہے جس کو غزوۂ حدیبیہ بھی کہا جاتا ہے۔ غزوۂ حدیبیہ ذوالقعدہ/۶ ہجری میں پیش آیا۔ اور اسی سفر میں فتح مکہ کی خوش خبری اللہ پاک نے نبی کریم ﷺ کو دی۔ غزوۂ حدیبیہ کا ذکر اللہ پاک نے قرآن عظیم الشان میں اِن الفاظ میں فرمایا ہے: ﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴾: بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا، جب کہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا، اللہ کو وہ بھی معلوم تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان میں اطمینان پیدا کر دیا اور ان کو ایک لگے ہاتھ فتح دیدی[3]۔

"سورۃ الفتح" پوری کی پوری صلح حدیبیہ سے واپسی کے موقع پر نازل ہوئی، جن کی متعدد

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۲/۴۰۶۔

(۲) البخاری: ۴۱۵۴، کتاب المغازي، باب غزوۃ الحدیبیۃ۔

(۳) الفتح: ۱۸، بیان القرآن۔

آیتوں میں مختلف واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت تھانویؒ نے مختصر طور پر اس کا احاطہ کیا ہے، ان میں سے تھوڑا یہاں ذکر کیا جارہا ہے۔

آپ ﷺ بقصد عمرہ تقریباڈیڑھ ہزار آدمیوں کے ہمراہ مکہ کو چلے اور اپنے ساتھ ہدی یعنی قربانی کے جانور بھی لیے۔ یہ خبر جب مکۃ المکرمہ پہنچی تو قریش نے جمع ہو کر، مشورہ کیا اور اتفاق رائے سے یہ بات طے ہوئی کہ آپ ﷺ کو مکہ میں نہیں آنے دیں گے۔ آپ ﷺ نے مکہ سے قریب حدیبیہ میں قیام فرمایااور ایک قاصد مکہ مکرمہ بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں، ہم کو آنے دو اور ہم عمرہ کر کے چلے جائیں گے۔ مگر قاصد کو کچھ جواب نہیں ملا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اِس کام کے لیے حضرت عثمان غنیؓ کو بھیجااور ان کی زبانی بھی قریش کو یہی پیغام بھیجااور بعض مسلمان مرد وعورت جو مکہ میں مغلوب ومظلوم تھے، ان کو بشارت کہلا بھیجی کہ اب عنقریب مکہ میں اسلام غالب ہو جائے گا۔ حضرت عثمانؓ کو قریش نے روک لیا، ان کی واپسی میں جب دیر ہوئی؛ تو یہاں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دیے گئے۔

اس وقت آپ ﷺ نے اس خیال سے کہ شاید لڑائی کا موقع ہو جائے، سب صحابہ سے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر جہاد کی بیعت لی۔ جب قریش نے بیعت کی خبر سنی تو ڈر گئے اور حضرت عثمان کو واپس بھیج دیا۔ پھر مکہ کے چند رؤسا بغرض صلح آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلح نامہ لکھنا قرار پایااور صلح ہو گئی۔ بعد میں کفار نے نقض عہد کیااور اس کی پاداش میں آپ ﷺ نے رمضان المبارک، سن ۸ ہجری، میں مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی اور مکہ مکرمہ فتح ہو گیا[1]۔

(۳۰۹) عمرۃ القضاء

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ قَالَ: تَزَوَّجَ النَّبِيُّ ﷺ مَيْمُونَةَ فِي عُمْرَةِ الْقَضَاءِ[2].

---

(۱) بیان القرآن: ۳/ ۴۲۰.

(۲) البخاري: ۴۲۵۹، المغازي، باب عمرة القضاء.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے عمرہ قضاء (کے سفر) میں نکاح کیا تھا۔

فائدہ: اس سے قبل گزر چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ ذوالقعدہ/۶ ہجری میں عمرہ کے لیے تقریباً ڈیڑھ ہزار اصحابؓ کے ساتھ گئے تھے؛ لیکن کفار نے حدیبیہ کے مقام پر ہی آپ کو روک دیا تھا، جس کے نتیجہ میں معاہدہ ہوا۔ اسی معاہدے میں یہ بھی تھا کہ اس سال بغیر عمرہ کیے واپس ہو جائیں اور آئندہ سال عمرہ کی نیت سے آئیں، وہ بھی چند شرائط کے ساتھ مکہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ جس کو صلح حدیبیہ کہتے ہیں۔ بہر حال اس سفر میں عمرہ نہیں کرنے دیا گیا۔ اس لیے آپ ﷺ ذوالقعدہ/۷ ہجری میں عمرۃ القضاء کے لیے نکلے۔ آپ ﷺ نے صحابۂ کرام کو یہ حکم دیا کہ جو سال گزشتہ حدیبیہ میں شریک تھے، ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے۔ چناں چہ وہ سب صحابہ کرام آپ ﷺ کے ساتھ نکلے اور ان کے علاوہ بھی شامل ہوئے۔ اس سفر میں عورتوں اور بچوں کے علاوہ دو ہزار افراد شریک تھے[1]۔

اسی سفر میں نبی کریم ﷺ نے حضرت ام المؤمنین میمونہؓ سے شادی کی۔

آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں مختلف وجوہات کی بنا پر، چار سے زیادہ شادیاں کیں ہیں۔ شریعت میں یہ خصوصیت صرف نبی کریم ﷺ کے لیے ہی خاص تھی۔ آپ ﷺ کے علاوہ کسی کو بھی بیک وقت چار سے زیادہ شادی کی اجازت نہیں ہے؛ بل کہ حرام اور ممنوع ہے۔

مولانا صفی الرحمان مبارک پوریؒ نے ان منکوحہ ازواج مطہرات کی تعداد تیرہ بتائی ہے، جن میں سے گیارہ کے نام ذکر فرمائے ہیں: اور دو ایسی بیویاں تھیں کہ صرف نکاح کیا، ان سے خلوت نہیں کی۔ آپ ﷺ کی زوجات مطہرات یعنی امہات المؤمنین کے نام اس طرح ہیں: ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ، سودہ بنت زمعہؓ، عائشہ بنت ابو بکر صدیقؓ، حفصہ بنت عمر ابن الخطاب، زینب بنت خزیمہؓ،

(۱) عمدۃ القاری: ۱۷/۳۷٤

ام سلمہؓ ہند بنت ابی امیہ ، زینب بنت جحشؓ، جویریہ بنت الحارثؓ، ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیانؓ، صفیہ بنت حیی ابن اخطب اور میمونہ بنت الحارثؓ۔ ان کے علاوہ دو کا نام ذکر نہیں کیا؛ کیوں کہ ان سے خلوت ہی نہیں ہوئی، پہلے ہی جدائیگی ہو گئی۔ ان گیارہ میں سے دو زوجات، حضرت خدیجہ اور ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہؓ، آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی انتقال فرما گئیں۔ بقیہ امہات المؤمنین کا انتقال آپ ﷺ کے بعد ہوا[1]۔

بہر حال نبی کریم ﷺ نے عمرہ ادا فرمایا اور تین دن تک مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا۔ پھر چوتھے دن صبح کے وقت مشرکین مکہ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا کہ اپنے ساتھی کو بولو کہ تین دن کی مدت ختم ہو گئی ہے؛ لہذا اب وہ یہاں سے نکل جائیں۔ پھر آپ ﷺ مکہ سے نکل کر مقام سرف میں مقیم ہوئے اور یہیں حضرت میمونہؓ سے خلوت کی۔ اِس عمرہ کو عمرۃ الفضیلہ، عمرۃ القصاص اور عمرۃ الصلح بھی کہتے ہیں[2]۔

(۳۱۰) گرے پڑے مال کا حکم

عن أُبَيِّ بنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللهُ عَنهُ قَالَ: أَخَذْتُ صُرَّةً مِائَةَ دِينَارٍ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «عَرِّفْهَا حَوْلًا». فَعَرَّفْتُهَا حَوْلَهَا، فَلَمْ أَجِدْ مَنْ يَعْرِفُهَا، ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَقَالَ: «عَرِّفْهَا حَوْلًا». فَعَرَّفْتُهَا فَلَمْ أَجِدْ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ ثَلَاثًا، فَقَالَ: «احْفَظْ وِعَاءَهَا، وَعَدَدَهَا، وَوِكَاءَهَا، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا، وَإِلَّا فَاسْتَمْتِعْ بِهَا»[3].

ترجمہ: حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا کہ میں نے سو دینار کی ایک تھیلی (کہیں راستے میں پڑی ہوئی) پائی۔ میں اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا؛ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک سال تک اس کا اعلان کرو۔ میں نے ایک سال تک اس کا اعلان کیا؛ لیکن مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو اسے پہچان سکے۔ اس

(۱) الرحيق المختوم: ۶۰۴.
(۲) حوالہ سابق: ۳۳۳.
(۳) البخاري: ۲۴۲۶، اللقطة، إذا أخبر ... دفع إليه.

لیے میں پھر آپ ﷺ کی خدمت میں آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک سال تک اس کا اعلان کرو۔ میں نے پھر (سال بھر) اعلان کیا۔ لیکن ان کا مالک مجھے نہیں ملا۔ تیسری مرتبہ حاضر ہوا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس تھیلی کی بناوٹ، دینار کی تعداد اور تھیلی کے بندھن کو محفوظ رکھ لو اگر اس کا مالک آجائے تو (علامت پوچھ کر) اسے واپس کر دینا، ورنہ اپنے خرچ میں اسے استعمال کر لے۔

فائدہ: حدیث شریف میں بتایا گیا کہ اگر کوئی مال پڑا ہوا مل جائے؛ تو اس کا اعلان کرنا چاہیے۔ اعلان کرنے کی جگہ بازار، چوک چوراہا اور مسجد کے پاس اور وہ جگہیں ہیں جہاں سامان گرا ہوا ملا ہو ؛کیوں کہ وہاں پر لوگوں کی آمد و رفت کثرت سے ہوتی ہے۔ اور اعلان اِس طرح کرے کہ جس کی کوئی چیز گم ہو گئی ہو، وہ مجھ سے آکر طلب کر لے۔ اس طرح تین سال تک کرتا رہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اُس وقت تک اعلان کرے کہ غالب گمان ہو کہ اب اس نے اس چیز کی تلاش ختم کر دی ہو گی اور اس کا غم ختم ہو گیا ہو گا۔ اور مصلحت کی بنا پر تھیلی کی بناوٹ اور اس کے بند کو اور مال کی مقدار و تعداد کو یاد رکھے؛ تاکہ اگر صاحب مال آئے تو علامت پوچھ کر اس کو دیدے۔ اعلان کرنے کے بعد، اگر صاحب مال نہ آئے؛ تو اس کو استعمال کر سکتا ہے۔ البتہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر مال پانے والا غنی اور مال دار ہے؛ تو وہ اس کو استعمال نہیں کر سکتا۔ اگر محتاج اور فقیر ہے؛ تو استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ اِسی طرح اس مال کو مال داروں کو صدقہ بھی نہیں کر سکتے [1]۔

(۳۱۱) قرض کے آداب

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَطْلُ الغَنِيِّ ظُلْمٌ، فَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُم عَلَى مَلِيٍّ فَلْيَتْبَعْ»[2].

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: " —قرض ادا کرنے میں— مال دار کی طرف سے ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ اور اگر تم میں سے کسی کا

---

(۱) عمدة القاري: ۱۲/۳۹۲.

(۲) البخاري: ۲۲۸۷، الحوالات، باب: في الحوالة.

قرض کسی مال دار کے حوالہ کیا جائے تو اسے قبول کرے"۔

فائدہ: شریعت نے بغیر ضرورت کے قرض لینے کی مذمت بیان کی ہے۔ جب تک بغیر قرض کے کام چل سکتا ہے، قرض نہیں لینا چاہیے۔ اگر قرض کے بغیر چارہ ہی نہیں ہے، تو قرض لینے کی اجازت ہے۔ لیکن چند شرائط کے ساتھ۔ سورۃ البقرہ میں، اللہ پاک نے قرض لین دین کے اصول بیان فرمائے ہیں۔ اللہ پاک فرماتا ہے: ــ جس کا ترجمہ یہ ہے ــ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب کسی مقرر مدت کے لیے تم آپس میں لین دین کرو، تو اسے لکھ لیا کرو۔ فریقین کے درمیان انصاف کے ساتھ ایک شخص دستاویز تحریر کرے، جسے اللہ نے لکھنے پڑھنے کی قابلیت بخشی ہو، اسے لکھنے سے انکار نہ کرنا چاہیے، وہ لکھے اور املاوہ شخص کرائے جس پر حق آتا ہے ــ یعنی قرض لینے والا ــ اور اسے اللہ، اپنے رب سے ڈرنا چاہیے کہ جو معاملہ طے ہوا ہو اس میں کمی بیشی نہ کرے۔ لیکن اگر قرض لینے والا خود نادان یا ضعیف ہو، یا املا نہ کراسکتا ہو تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ املا کرائے۔ پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی اس پر گواہی کرالو، اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تا کہ ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلائے، یہ گواہ ایسے لوگوں میں سے ہونے چاہییں جن کی گواہی تمہارے درمیان مقبول ہو، گواہوں کو جب گواہ بننے کے لیے کہا جائے تو انہیں انکار نہ کرنا چاہیے، معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا میعاد کی تعیین کے ساتھ اس کی دستاویز لکھوا لینے میں تساہل نہ کرو۔ اللہ کے نزدیک یہ طریقہ تمہارے لیے زیادہ مبنی بر انصاف ہے، اس سے شہادت قائم ہونے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے، اور تمہارے شکوک وشبہات میں مبتلا ہونے کا امکان کم رہ جاتا ہے۔ ہاں جو تجارتی لین دین دست بدست تم لوگ آپس میں کرتے ہو، اس کو نہ لکھا جائے تو کوئی حرج نہیں، مگر تجارتی معاملے طے کرتے وقت گواہ کر لیا کرو۔ کاتب اور گواہ کو ستایا نہ جائے، ایسا کرو گے تو گناہ کا ارتکاب کرو گے؛ اللہ کے غضب سے بچو! وہ تم کو صحیح طریق عمل کی

تعلیم دیتا ہے، اور اسے ہر چیز کا علم ہے [۱]۔

قرض لینے والے کو چاہیے کہ جو وقت متعین ہوا ہے، اس وقت میں قرض ادا کر دے۔ اور اگر تنگ دستی کی وجہ سے ادا نہ کر سکا؛ تو قرض دینے والے کو چاہیے کہ اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے۔ اگر کچھ کم کر دے یا بالکل معاف کر دے؛ تو اس سے اچھا عمل کوئی ہے ہی نہیں۔ چناں چہ اللہ پاک قرآن عظیم الشان میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿ وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾: اگر تنگ دست ہے تو مہلت دینے کا حکم ہے آسودگی تک اور یہ کہ معاف ہی کر دو، تو زیادہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم کو خبر ہو۔ یعنی مفلس کو مہلت دینا واجب ہے۔ جب اس کو گنجائش ہو پھر مطالبہ کی اجازت ہے [۲]۔

(۳۱۲) آل نبی ﷺ کی فاقہ کشی

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِينَةَ مِنْ طَعَامِ الْبُرِّ ثَلَاثَ لَيَالٍ تِبَاعًا، حَتَّى قُبِضَ [۳].

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ مدینہ ہجرت کرنے کے بعد، آل محمد ﷺ نے لگاتار کبھی تین دن تک گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی، یہاں تک کہ آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے۔

فائدہ: حدیث شریف میں آپ ﷺ کے گھر والوں کے کھانے پینے کے سلسلہ میں واضح طور پر یہ بتایا گیا کہ انہوں نے لگاتار تین دن تک، گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر کبھی نہیں کھائی، لیکن آپ ﷺ کا یہ عمل اختیاری تھا، ورنہ آپ کے رب اور پوری کائنات کو کھلانے والی ذات، رب کریم کے پاس کمی نہیں تھی کہ وہ اپنے محبوب کو نہ دیتا۔ جبریل امین نے تو آکر کہا تھا کہ اگر آپ کہیں تو

(۱) البقرة: ۲۸۲، تفهيم القرآن.
(۲) البقرة: ۲۸۰، بيان القرآن.
(۳) البخاري: ۵٤۱٦، الأطعمة، ما كان النبي... يأكلون.

پہاڑوں کو آپ کے لیے سونا بنادیا جائے۔ آپ ﷺ کے جانثار صحابہ کرامؓ، جو ایک اشارہ پر جان تک قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے، ان کے پاس بھی بہت تھا۔ پھر فتوحات کا دروازہ کھلنے کے بعد، خاص کر فتح خیبر کے بعد، آپ ﷺ کے پاس بھی مال کی فراوانی تھی، لیکن آپ ﷺ ازواج مطہرات نے کبھی اس مال کو جمع کیا نہ کبھی اِسراف کیا۔ بل کہ مال جیسے ہی حاصل ہوتا، فوراً غرباء ومساکین میں تقسیم فرمادیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ ہمیشہ یہ دعاء فرماتے تھے: **اللهم أحيني مسكينا وأمتني مسكينا، واحشرني في زمرة المساكين يوم القيامة**[1]. اے اللہ مجھ کو مسکین بناکر زندہ رکھ، مسکینی کی حالت میں موت دے اور قیامت کے دن مسکینوں کی جماعت کے ساتھ میرا حشر فرما۔

ایک حدیث میں ہے، حضرت قتادہؒ کہتے ہیں کہ ہم حضرت انسؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے؛ تو ان کی روٹی پکانے والا ان کے پاس ہی کھڑا تھا، انھوں نے کہا کہ کھاؤ۔ میں نہیں جانتا کہ نبی کریم ﷺ نے کبھی پتلی روٹی یعنی چپاتی دیکھی ہو، یہاں تک کہ آپ ﷺ اللہ سے جاملے اور نہ آپ ﷺ نے کبھی پوری بھنی ہوئی بکری دیکھی[2]۔

اِس کے علاوہ پیٹ بھر نہ کھانے کے بہت سارے فوائد اطباء اور صوفیاء نے لکھے ہیں جو دینی اور دنیاوی ہر دو اعتبار سے فائدہ مند ہے۔ دوسری بات جو سراپا مسلم ہے، وہ یہ کہ آپ ﷺ کی اتباع میں کامیابی ہے۔ حتی المقدور یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہر بات میں آپ ﷺ کی اتباع کی جائے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ لوکی (کدّو، دودھی) سالن میں سے تلاش کرکے کھاتے تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں بھی لوکی کو پسند کرنے لگا[3]۔ حضرت انس نے لوکی کو اس لیے پسند فرمایا کہ آپ ﷺ کو پسند تھا۔ آج ہم مسلمان ہیں کہ ہمیں ہر وہ کام پسند ہے، جو رسول اللہ ﷺ کو پسند نہیں تھا اور جو غیروں کا پسندیدہ ہے وہ کام ہم شوق سے کرتے ہیں۔ اللہ ہمیں صحیح سمجھ دے۔ آمین!

---

(۱) الترمذي: ۲۳۵۲، أبواب الزهد.
(۲) صحيح البخاري: ۵۴۲۱، كتاب الأطعمة.
(۳) صحيح البخاري: ۵۴۲۰، كتاب الأطعمة.

(۳۱۴) چار چیزوں سے اللہ کی پناہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدْعُو: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ»[1].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح دعا کرتے تھے: اللهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ: (اے اللہ! میں قبر کے عذاب سے، دوزخ کے عذاب سے، زندگی اور موت کی آزمائشوں سے اور کانے دجال کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں)۔

فائدہ: حدیث شریف میں چار چیزوں سے نبی کریم ﷺ نے اللہ کی پناہ مانگی ہے: پہلی چیز: عذاب قبر ہے، جو برحق ہے۔ اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن و حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴾: وہ لوگ صبح و شام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں، اور جس روز قیامت قائم ہوگی، (حکم ہوگا) فرعون والوں کو سخت عذاب میں داخل کرو[2]۔ اس آیت میں صبح و شام قبر میں آگ سے عذاب دینے کا ذکر ہے۔

دوسری چیز: جہنم کے عذاب سے اللہ کی پناہ ہے۔ اس کا انکار بھی کفر ہے۔ اللہ نے برے لوگوں کے لیے جہنم پیدا فرمایا ہے۔ انسانوں میں دو طرح کے لوگ پیدا فرمائے ہیں۔ ایک جماعت جنت میں جائے گی، دوسری جہنم میں جائے گی۔ اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿ وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيهِ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ: (اور ہاں اسی طرح اے نبی، یہ قرآن عربی ہم نے تمہاری طرف وحی کیا ہے تاکہ تم بستیوں کے مرکز (مکہ) اور اس کے گرد و پیش رہنے والوں کو خبردار کردو، اور جمع ہونے کے دن سے ڈرا دو جن کے آنے میں

(۱) البخاري: ۱۳۷۷، الجنائز، التعوذ من عذاب القبر.

(۲) المؤمن: ٤٦، بيان القرآن.

کوئی شک نہیں؛ایک گروہ کو جنت میں جانا ہے اور دوسرے گروہ کو دوزخ میں) [۱]۔

تیسری چیز: زندگی اور موت کی آزمائش ہے۔ اس سے بھی رسول اللہ ﷺ نے پناہ مانگی ہے۔ یہ امتحان تو بہت ہی سخت ہے اور موت وحیات کے بیچ کا مختصر عرصہ امتحان کے ایام ہیں۔ اسی میں ہمیں کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: ﴿ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ ﴾ [۲]: جس نے موت وحیات کو پیدا کیا، تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے اور وہ زبردست بخشنے والا ہے۔ اور زندگی کے فتنہ سے مراد راہ حق سے راہ ضلالت کی طرف جانا، اور موت کی آزمائش سے مراد حالت نزع میں شیطانی وسوسہ ہے۔

چوتھی چیز: دجال کے فتنوں سے حفاظت ہے۔ یہ فتنہ علامت قیامت میں سے ہے، بالکل قرب قیامت یہ فتنہ نمودار ہوگا۔ صرف پکے سچے مؤمن ہی اس دجالی فتنے سے محفوظ رہ پائیں گے۔ دجال کا خروج ہوگا اور وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ نبی ﷺ نے اس کے فتنہ سے بھی اللہ کی پناہ مانگی ہے۔ یا اللہ پاک نبی آخر الزماں ﷺ کی اس دعا میں ہم سیہ کار کو بھی شامل فرمالے۔ آمین!

(۳۱۴) بے وضو قرآن پڑھنا پڑھانا

عَنْ عَلِيٍّ رضي الله عنه قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَخْرُجُ مِنَ الْخَلَاءِ فَيُقْرِئُنَا الْقُرْآنَ، وَيَأْكُلُ مَعَنَا اللَّحْمَ، وَلَمْ يَكُنْ يَحْجُبُهُ عَنِ الْقُرْآنِ شَيْءٌ لَيْسَ الْجَنَابَةَ [۳].

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بیت الخلاء سے نکلتے تھے، پھر ہمیں قرآن پڑھاتے تھے اور اسی وقت ہمارے ساتھ گوشت کھالیتے تھے۔ آپ ﷺ کو قرآن پڑھنے سے سوائے جنابت کے کوئی چیز نہیں روکتی تھی۔

---

(۱) الشوریٰ: ۷، تفہیم القرآن.
(۲) الملك: ۲.
(۳) أبو داؤد، ۲۲۹، الطهارة، في الجنب يقرأ القرآن.

فائدہ: حدیث شریف میں دو مسئلے ایک ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ بغیر وضو کے قرآن کریم پڑھنا اور پڑھانا دونوں جائز ہے؛ مگر اس کے لیے یہ شرط ہے کہ قرآن کریم کو ہاتھ نہ لگایا جائے؛ کیوں کہ قرآن کریم کو حدث کی حالت میں ہاتھ لگانا اور چھونا جائز نہیں ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ کہ حالت جنابت میں، یعنی ایسی حالت میں جس میں غسل واجب ہوتا ہے، قرآن کریم پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اور اس درمیان گوشت کھانے کا ذکر بھی کر دیا یہ بتانے کے لیے کہ تعلیم و تعلم اور کھانا ایک ساتھ ہو سکتا ہے[1]۔

قرآن کریم کی تلاوت، زبانی، یاد یکھ کر، اس کو چھو کر یا بغیر چھوئے ہوئے تلاوت کرنے کے سلسلے میں تفصیل ہے جو اس طرح ہے۔

حائضہ اور جنبی مرد و عورت کے بارے میں تو حدیث میں صراحت موجود ہے کہ وہ قرآن کریم نہیں پڑھ سکتے اور جب قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں، تو چھونا تو لامحالہ منع ہو گیا۔ رسول ﷺ نے فرمایا: حائضہ اور جنبی قرآن کی تلاوت نہ کرے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم کا عمل اس حدیث پر ہے کہ قرآن نہ پڑھے۔ البتہ تسبیح و تہلیل کرنے کی اجازت ہے[2]۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی مطلق تلاوت کی اجازت نہیں ہے۔ نہ تھوڑا نہ زیادہ، البتہ ذکر کی نیت سے بسم اللہ یا الحمد للہ کہنے کی اجازت ہے۔ شرح السنۃ میں ہے کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جنبی کے لیے قرآن کا پڑھنا جائز نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ حالت جنابت میں اور حالت حیض میں، جمہور علماء قرأت قرآن کی حرمت پر متفق ہیں کہ یہ لوگ قرآن نہیں پڑھ سکتے اور یہ حکم قرآن کریم کی تعظیم کی وجہ سے ہے[3]۔

دوسری صورت حدث اصغر کی ہے کہ اس حالت میں قرآن پڑھنا جائز تو ہے؛ لیکن ادب کے

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۱۴۷/۲
(۲) الترمذي: ۱۳۱، الطهارة، الجنب ... القرآن.
(۳) مرقاۃ المفاتیح: ۱۴۸/۲.

خلاف ہے۔ البتہ قرآن چھونا جائز نہیں۔ خاص کر قرآن کے حروف کو تو چھونا کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے۔ قرآن کریم نے اس سلسلہ میں ایک اصول بیان کر دیا ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے: ﴿ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴾: اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں۔ یعنی بدون وضو کے ہاتھ لگانا جائز نہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے[1]۔ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں: المراد بالمطهرون: المطهرون عن الحدث الأصغر والحدث الأكبر[2]. آیت کریمہ میں المطہرون سے حدث اصغر جس سے وضو لازم آتا ہے، اور حدث اکبر جس سے غسل واجب ہوتا ہے، دونوں مراد ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ بغیر طہارۃ کے قرآن کریم کو چھونا منع ہے۔

(۳۱۵) کتے کے جھوٹے کا حکم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا»[3].

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کہ جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں سے کتا (کچھ) پی لے؛ تو اس کو سات مرتبہ دھولو"۔ (تو پاک ہو جائے گا)

فائدہ: حدیث شریف میں کتے کے جھوٹے کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ وہ ناپاک ہے۔ وہ ناپاکی بھی ایسی کہ اس کی وجہ سے سات بار دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اگر کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے اور زبان سے پانی پی لے؛ تو اس برتن کو سات مرتبہ دھویا جائے گا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ پہلی بار مٹی سے دھویا جائے گا۔ بعض دوسری روایتوں میں ہے کہ پہلی اور آخری بار مٹی سے دھویا جائے گا۔ ایک اور روایت ہے کہ آٹھویں بار مٹی سے صاف کیا جائے گا۔ ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ مٹی اور پانی دونوں کا

---

(۱) الواقعة: ۷۹، تفسير عثماني.
(۲) روح المعاني: ۲۳۵/۱۰.
(۳) البخاري: ۱۷۲، الوضوء، إذا شرب ... إناء أحدكم.

استعمال کرنا واجب ہے؛ کیوں کہ کتے کی نجاست غلیظ ترین نجاستوں میں ہے۔ اِن روایات کی بنا پر اکثر علماء فرماتے ہیں کہ برتن کو سات مرتبہ دھویا جائے گا، اور ایک بار مٹی کا استعمال بھی کیا جائے گا۔

علامہ ابن ہمامؒ نے دار قطنی کی ایک روایت ذکر کی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کتے کے بارے میں فرمایا کہ جب وہ برتن میں منہ ڈال دے؛ تو تین بار، پانچ یا سات مرتبہ دھویا جائے گا[۱] ۔ اسی حدیث کی بنا پر حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ سات بار دھونا ضروری نہیں ہے۔ اس کا حکم بھی دوسری نجاستوں کی طرح ہے کہ تین بار دھونے سے پاک ہو جائے گا۔ البتہ افضل یہ ہے کہ سات بار دھوئے اور مٹی کا بھی استعمال کرے[۲]۔

البتہ بلی کا جھوٹا پاک ہے۔ چناں چہ روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت ابو قتادہؓ، اپنی بہو حضرت کبشہ بنت کعب ابن مالک کے یہاں تشریف لائے، تو حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا نے اُن کے وضو کے لیے پانی رکھا، ایک بلی آکر، اس میں سے پانی پینے لگی۔ حضرت ابو قتادہ نے برتن کو اس کی طرف جھکا دیا، بلی نے پانی پی لیا۔ حضرت کبشہؓ فرماتی ہیں کہ جب حضرت ابو قتادہؓ نے دیکھا کہ میں تعجب سے ان کی طرف دیکھ رہی ہوں۔ تو فرمایا کہ میری بھتیجی کیا تم کو اس پر تعجب ہو رہا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: کہ بلی نجس نہیں ہوتی ہیں؛ کیوں کہ یہ بار بار تمہارے پاس آتی جاتی ہیں[۳]۔

معلوم یہ ہوا کہ کتا کا جھوٹا ناپاک ہے، اس سے پاکی کے لیے کم از کم تین بار دھویا جائے گا۔ رہا بلی کا جھوٹا تو وہ پاک ہے۔ البتہ اگر اس نے گندگی کھا کر، فوراً پانی پی لیا— یا اس کے منہ میں نجاست متحقق ہے اور پانی پیا ہے—— تو اب وہ پانی ناپاک ہو جائے گا۔ یعنی بلی کا جھوٹا اس وقت ناپاک ہو جائے گا جب اس نے کوئی نجس چیز کھائی ہو اور وہ نجاست اسکے منہ میں لگی ہو[۴]۔

---

(۱) سنن الدار قطني، برقم:۱۹۳، ولوغ الكلب في الإناء.
(۲) مرقاة المفاتيح: ۱۷۲/۲.
(۳) أبو داؤود: ۷۵، الطهارة، سؤر الهرة.
(۴) المرقاة:۱۷۱/۲.

(۳۱۶)وضو کا بچا ہوا پانی

عن أَبِي مُوسَى رضي الله عنه، دَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَدَحٍ فِيهِ مَاءٌ فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ فِيهِ، وَمَجَّ فِيهِ، ثُمَّ قَالَ لَهُمَا: «اشْرَبَا مِنْهُ، وَأَفْرِغَا عَلَى وُجُوهِكُمَا وَنُحُورِكُمَا»(۱).

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک پیالہ منگوایا، جس میں پانی تھا۔اس سے آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ دھوئے اور اس پیالہ میں منہ دھویا اور اس میں کلی فرمائی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "تم لوگ اِس کو پی لو اور اپنے چہروں اور سینوں پر ڈال لو۔

فائدہ: یہ حدیث شریف ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے، جس کو امام بخاریؒ نے کتاب المغازی میں ذکر کیا ہے۔حدیث شریف سے کئی باتوں کا علم ہوا۔ایک تو یہ کہ اگر پاکی کی حالت میں پانی استعمال کیا گیا ہو؛ تو وہ مستعمل پانی پاک ہے۔دوسرا یہ کہ وضو کا بچا ہوا پانی برکت کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں جو آیا کہ آپ ﷺ نے اس پیالہ میں اپنا چہرہ دھویا اور اس میں کلی فرمائی۔ پھر صحابہ کو پینے کا حکم فرمایا۔یہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔یعنی پانی کے پاکی کا حکم تو قائم ہے؛ لیکن اس پانی کے پینے کا حکم آپ ﷺ کے استعمال کردہ پانی کے ساتھ خاص ہے۔کیوں کہ آپ ﷺ کے علاوہ کا تھوک یا کلی پانی کو گندا کر دے گا؛ اس لیے علماء نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کا لعاب مبارک مشک سے بھی زیادہ خوشبودار، اور پاکیزہ تھا اور آپ ﷺ کا مقام بہت اعلی وارفع ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آپ ﷺ کی ناک کی رینٹھ (نیٹا) کو بھی لینے کے لیے مسابقت کرتے تھے اور ہر وقت خوشبو حاصل کرنے کے لیے اپنے چہروں پر ملا کرتے تھے(۲)۔

وضو کرنے کے بعد وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے۔حضرت علیؓ نے لوگوں کو عمل کر کے دکھایا اور فرمایا کہ نبی کریم ﷺ ایسا کیا کرتے تھے۔روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ظہر کی

---

(۱) البخاري: ۱۸۸، الوضوء، استعمال فضل وضوء الناس.

(۲) عمدة القاري: ۱۱۴/۳.

نماز ادا کی، پھر کوفہ میں مسند خلافت پر لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے اور فیصلے کے لیے بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا۔ پھر آپ کے پاس پانی لایا گیا۔ آپ نے اس میں سے پیا، پھر اس سے اپنا چہرہ اور اپنے دونوں ہاتھ دھوئے۔ سر پر مسح اور پیر دھونے کا ذکر بھی ہے۔ پھر آپ کھڑے ہوئے اور وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا۔ آپ نے فرمایا کہ بعض لوگ کھڑے ہو کر پینے کو ناپسند کرتے ہیں۔ بے شک نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا ہے، جیسا میں نے کیا[1]۔

(۳۱۷) حصول نجات کے تین راستے

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ ﷺ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا النَّجَاةُ؟ قَالَ: «امْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ، وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ، وَابْكِ عَلَى خَطِيئَتِكَ»[2].

ترجمہ: حضرت عقبہ ابن عامرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! نجات کیسے مل سکتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی زبان کو قابو میں رکھو، اپنے گھر کو لازم پکڑو اور اپنے گناہوں پر رویا کرو۔

فائدہ: حدیث شریف میں دنیا کی پریشانیوں اور آخرت کی الجھنوں سے نجات کے طریقے بیان کیے گئے ہیں۔ ان تینوں اصول کو اپنا لینے سے، انسان دنیا و آخرت: دونوں جگہ کامیاب رہے گا۔

حدیث شریف میں حصول نجات کا ایک راستہ تو یہ بتایا کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ زبان کو قابو میں رکھنے کا مطلب زبان کی حفاظت ہے۔ مراد یہ ہے کہ بلاوجہ لعن طعن نہ کرے، ناحق کسی کو تکلیف نہ پہنچائے، جھوٹ، غیبت، بہتان اور الزام تراشی سے بچے لایعنی باتوں سے بالکلیہ احتراز کرے۔ ایک روایت میں ہے، حضرت سفیان ابن عبد اللہ ثقفیؓ فرماتے ہیں: کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! سب سے زیادہ خطرے والی چیز جو آپ میرے اندر محسوس کرتے ہیں، وہ کیا ہے؟ تو آپ

---

(۱) صحيح البخاري: ٥٦١٦، كتاب الاشربة.

(۲) الترمذي: ٢٤٠٦، الزهد، ما جاء في حفظ اللسان.

ﷺ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر فرمایا کہ یہ [1]۔

حدیث شریف میں حصول نجات کے لیے جو دوسری چیز بتائی گئی، وہ ہے اپنے گھر میں رہنا۔ مطلب یہ ہے کہ بلا ضرورت اپنے گھر سے باہر نہ نکلا جائے۔ آج کل شرور و فتن کا دور ہے، انسان کب فتنہ میں مبتلا ہو جائے، اس کا پتہ نہیں۔ انسان باہر نکلے گا، لوگوں سے اختلاط ہوگا، غلط لوگوں کی صحبت ملے گی تو اس صحبت کا اثر اس پر ظاہر ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں بتایا گیا ہے کہ برے دوست سے تنہائی بہتر ہے [2]۔ البتہ اگر احباب اچھے ہیں، تو پھر ان کی ہم نشینی اختیار کرنی چاہیے۔

حصول نجات کے لیے جو تیسری چیز حدیث میں مذکور ہے، وہ ہے اپنے گناہوں پر رونا۔ رونے سے مراد یہ ہے کہ اپنا محاسبہ کرے، گناہوں کو یاد کرکے توبہ واستغفار کرے، اپنے کیے ہوئے گناہوں پر نادم وشرمندہ ہو۔ آئندہ نہ کرنے کا عزم وارادہ کرے۔ اللہ پاک قرآن عظیم الشان میں فرماتا ہے: ﴿ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴾: اور ایسے لوگ کہ جب کوئی ایسا کام کر گزرتے ہیں، جس میں زیادتی ہو، یا اپنی ذات پر نقصان اٹھاتے ہیں؛ تو اللہ تعالی کو یاد کر لیتے ہیں۔ پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں۔ اور اللہ تعالی کے سوا اور ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو۔ اور وہ لوگ اپنے فعل پر اصرار نہیں کرتے اور وہ جانتے ہیں [3]۔

یہ تین کام ہیں جس کو نبی کریم ﷺ نے نجات کا ذریعہ قرار دیا ہے کہ ان پر عمل کرنے سے انسان دنیا کے فتنوں سے محفوظ رہے گا۔ اور آخرت کے عذاب سے بھی مامون رہے گا۔

(۳۱۸) زبان انسان کی سلامتی کا ضامن ہے

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَفَعَهُ قَالَ: إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَإِنَّ الْأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ،

(۱) الترمذي: ۲۴۱۰، أبواب الزهد عن رسول الله ﷺ.
(۲) شعب الايمان: ۴۹۹۳.
(۳) آل عمران: ۱۳۵، بيان القرآن.

فَتَقُولُ: اتَّقِ اللهَ فِينَا، فَإِنَّمَا نَحْنُ بِكَ، فَإِنِ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا، وَإِنِ اعْوَجَجْتَ اعْوَجَجْنَا(۱).

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ انسان جب صبح کرتا ہے، تو جسم کے تمام اعضاء زبان کو عاجزانہ طور پر کہتے ہیں کہ ہم تیرے ساتھ ہیں۔ ہمارے متعلق اللہ سے ڈرنا، اگر تو سیدھی رہی تو ہم سیدھے اور اگر تو ٹیڑھی ہو گئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔

فائدہ: حدیث پاک میں زبان کو عمارت کی بنیاد سے تشبیہ دی گئی ہے کہ اگر بنیاد سیدھی اور مظبوط ہے، تو پھر پوری دیوار سیدھی اور چھت بھی سیدھی اور مظبوط ہوتی ہے۔ اِسی طرح اعضاء جسمانی میں زبان کی حیثیت ہے کہ اگر وہ صحیح سالم ہے؛ تو پورا جسم صحیح سالم رہتا ہے اور اگر اس میں کجی آگئی؛ تو جسم کی خیر نہیں ہے۔ اسی لیے تمام اعضاء روزانہ صبح صبح زبان سے منت سماجت کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈرنا، کوئی ایسی حرکت نہ کرنا کہ ہم پر مصیبت آجائے، اگر تو ٹھیک ٹھاک رہے گی؛ تو ہم بھی ٹھیک رہیں گے اور اگر تو ٹھیک نہیں رہی؛ تو یاد رکھ ہم ٹھوکے جائیں گے۔

انسانی اعضاء میں دو چیزیں ایسی ہیں جو انسان کو جہنم میں لے جانے کا سبب بنتی ہیں۔ انسان اُن اعضاء کی وجہ سے جہنم میں جائے گا۔ اور وہ اعضاء: زبان اور شرم گاہ ہیں۔ چناں چہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے ان چیزوں کے بارے میں پوچھا گیا جو اکثر لوگوں کو جہنم میں پہنچائیں گی؟ تو جواب فرمایا: دو خالی چیزیں: منہ اور شرم گاہ[۲]۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے خاموشی اختیار کی وہ نجات پا گیا[۳]۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے اسلام کی خوبی یہ بتائی ہے کہ انسان بے کار فضول باتوں سے بھی بچے[۴]۔

پہلے بتایا جاچکا ہے کہ زبان کے صحیح رہنے سے مراد زبان کا تمام عیوب سے محفوظ رہنا ہے؛ تاکہ انسان اپنی زبان پر قابو رکھے۔ اور صرف زبان ہی نہیں بل کہ ہر حرکات و سکنات جو دوسروں کی

---

(۱) الترمذي: ۲٤۰۷، الزهد، ما جاء في حفظ اللسان.
(۲) ابن ماجة: ٤۲٤٦، كتاب الزهد.
(۳) الترمذي: ۲۵۰۱، أبواب صفة القيامة والرقائق.
(٤) الترمذي: ۲۳۱۷، أبواب الزهد.

تکلیف کا ذریعہ ہوں اس سے بچنا چاہیے، یہاں تک کہ ہم جو اعضاء یا زبان سے ایک دوسرے کی نقل اتارتے ہیں، یہ بھی منع ہے، حرام ہے، اور غیبت میں شامل ہے۔ اللہ پاک زبان اور شرم گاہ کے شر سے اور ایسی حرکتوں سے ہماری حفاظت فرمائے جو دوسروں کی تکلیف کا سبب بنے۔ آمین!

(۳۱۹) حج مقبول کی فضیلت

عن أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ»(۱).

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اللہ کے لیے اس شان کے ساتھ حج کیا کہ نہ کوئی فحش بات ہوئی اور نہ کوئی گناہ؛ تو وہ اس دن کی طرح واپس ہوگا جیسے اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔

فائدہ: حج کے معنی: قصد وارادہ کے ہیں۔ انسان چوں کہ ہر سال بیت اللہ کا قصد کرتا ہے؛ اس لیے اس کو حج کہتے ہیں۔ شریعت کی رو سے، تعظیم وتکریم کے طور پر مخصوص افعال واعمال کے ساتھ، بیت اللہ کی زیارت کا قصد کرنا حج کہلاتا ہے۔ حج، اسلام کے ارکان خمسہ میں سے چوتھا رکن ہے، جس پر اسلام کا مدار ہے۔ اس کا فرض ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہے۔ اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ حج زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے۔

جس شخص پر زکاۃ فرض ہے اُس پر چند شرائط کے ساتھ حج بھی فرض ہے۔ اللہ پاک قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴾: لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے

---

(۱) البخاري: ۱۵۲۱، الحج، باب فضل الحج المبرور.

بے نیاز ہے[1]۔

حدیث شریف میں حج مقبول کی اہمیت کا ذکر ہے کہ حج مقبول کے لیے کیا کرنا ہوگا اور مقبول ومبرور حج کا کیا فائدہ ہے۔ اگر انسان حالت احرام میں، اپنے بیوی کے ساتھ صحبت کرنے سے فسق وفجور سے بچا رہا، تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے گا، جیسا کہ اسی دن ماں نے اس کو جنا ہو۔

بیت اللہ شریف جو ہمارا قبلہ ہے اور جہاں حج ادا کرنے ہم جاتے ہیں، روئے زمین پر سب سے پہلا عبادت خانہ ہے۔ اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ* یقیناً وہ مکان جو سب سے پہلے لوگوں کے واسطے مقرر کیا گیا، وہ مکان ہے جو کہ مکہ میں ہے، جس کی حالت یہ ہے کہ وہ برکت والا ہے اور جہاں بھر کے لوگوں کا رہنما ہے[2]۔ بیت اللہ شریف کی تعمیر، بیت المعمور کے ٹھیک نیچے ہے۔ بیت المعمور آسمان کا وہ عبادت خانہ ہے جس کا فرشتے طواف کرتے ہیں۔ پھر زمین میں رہنے والے فرشتوں نے اللہ کے حکم سے، زمین پر بیت اللہ تعمیر کیا اور اللہ کے حکم سے اس کا طواف کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل اس کی تعمیر ہوئی اور فرشتوں نے اس کا طواف اور حج کیا، پھر آدم علیہ السلام نے حج کیا۔ مروی ہے کہ حضرت آدمؑ نے ہندوستان سے پیدل چل کر چالیس سال تک حج کیا[3]۔

معلوم یہ ہوا کہ بیت اللہ کا طواف اور حج کا سلسلہ تخلیق آدم کے قبل ہی سے جاری ہے۔ اللہ پاک ہم سب لوگوں کو بھی بار بار اپنے اس گھر کا دیدار کرائے۔ آمین!

(۳۲۰) حج کے وجوب کی شرطیں

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا يُوجِبُ الْحَجَّ؟ قَالَ: «الزَّادُ، وَالرَّاحِلَةُ». هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ[4].

(۱) آل عمران: ۹۷، تفهيم القرآن.
(۲) آل عمران: ۹۶، بيان القرآن.
(۳) مرقاة المفاتيح: ۵/۴۱۹.
(۴) الترمذي: ۸۱۳، الحج، إيجاب الحج بالزاد والراحلة.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! حج کو کون سی چیز واجب کرتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "توشہ اور سواری"۔

فائدہ: اِس حدیث پاک میں حج کے واجب ہونے کے شرائط بیان کیے گئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حج کے واجب ہونے کی شرط توشہ ہے، یعنی خرچ اتنا ہو کہ آنے جانے کے لیے اور اس درمیان اہل وعیال کے لیے کافی ہو جائے اور سواری کہ اس پر سوار ہو کر حج کے لیے جاسکے۔ اس کے علاوہ اور بھی شرائط ہیں؛ لیکن اس حدیث پاک میں صرف دو ہی کا ذکر ہے؛ کیوں کہ یہ دونوں اصل کی حیثیت رکھتے ہیں، اور بہت اہم ہیں [1]۔

شرائط حج:

حج کے واجب ہونے کی شرطیں سات ہیں: (۱) اسلام۔ (۲) حج کے وجوب کا علم ہونا۔ (۳) بالغ ہونا۔ (۴) عاقل ہونا۔ (۵) آزاد ہونا۔ (۶) استطاعت ہونا۔ (۷) حج کا وقت ہونا [۲]۔

لیکن اس سے قبل، پانچ باتوں کا خیال رکھنا ہوگا: اگر یہ پانچوں باتیں پائی گئیں، تو حج کے لیے نکلے ورنہ اس کے ذمہ ادا واجب نہیں ہے، بل کہ وہ حج بدل کرائے یا مرتے وقت حج کی وصیت کرے۔ وہ پانچ چیزیں یہ ہیں: (۱) بدن کا صحیح سالم ہونا۔ (۲) راستہ کا پر امن ہونا۔ (۳) قید وبند میں نہ ہونا۔ (۴) عورت کے لیے محرم یا شوہر کا ہونا۔ (۵) عورت کا عدت میں نہ ہونا [۳]۔ یعنی اگر مرض شدید ہے۔ راستہ پر خطر ہے، یا وہ قیدی ہے، یا عورت تنہا ہے، کوئی محرم یا شوہر نہیں ہے، اسی طرح عورت عدت میں ہے؛ تو اب اس کے ذمہ حج ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ جب تک کہ یہ موانع ختم نہ ہو جائیں۔ اس حدیث کو پڑھ کر دیکھیں کہ آپ میں وجوب کی ساری شرطیں اگر پائی جا رہی ہیں؛ تو بلا تاخیر حج ادا کریں۔ اور اس مبارک سفر میں مجھے اور میرے خاندان والوں کو بھی یاد رکھیں۔ اللہ پاک ہم سب لوگوں

(۱) مرقاة المفاتيح: ۴۳۸/۵.
(۲) رد المحتار: ۴۵۵/۳.
(۳) رد المحتار: ۴۵۵/۳.

کو اپنے گھر کی زیارت نصیب فرمائے۔ آمین!

(۳۲۱) حج ادا کرنے میں تاخیر نہ کرے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ»[۱].

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص حج کا ارادہ کرے تو چاہیے کہ وہ جلدی کرے"۔

فائدہ: اس حدیث شریف سے حج کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی حج کرنا چاہتا ہے، سارے اسباب مہیا ہیں؛ تو فرصت کو غنیمت جانتے ہوئے تاخیر نہ کرے؛ بل کہ فوراً حج کرلے۔ اگرچہ بعض ائمہ نے فوراً ادا کرنے کو واجب نہیں کہا ہے؛ لیکن ہمارے مذہب میں صحیح روایت کے مطابق فوراً ادا کرنا واجب ہے۔ دوسرے سال تک تاخیر نہ کرے۔ اگر بلا وجہ کئی سال تک ٹال مٹول کرتا رہا، تو ایسا شخص فاسق ہے، اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اگر اس درمیان اسباب ختم ہوگئے؛ تو فرض اس کے ذمہ باقی رہ جائے گا۔ اگر کوئی حج کرنے سے قبل ہی مرگیا، تو علماء کا اتفاق ہے کہ وہ گنہ گار ہوگا؛ کیوں کہ اس نے حج کے فرض ہونے کے بعد بلا وجہ تاخیر کرکے حج کو چھوڑا ہے[۲]۔

حدیث نمبر: ۳۲۰ میں شرائطِ حج کا ذکر تھا۔ اب ہم حج کے فرائض وواجبات ذکر رہے ہیں۔ حج کے اندر تین فرائض ہیں: (۱) احرام۔ یہ ابتداءً شرط ہے اور رکن بھی ہے۔ اور احرام کی تفصیل اگلی حدیث نمبر: (۳۲۲) میں آرہی ہے (۲) عرفہ کے دن وقوف کے وقت میں وقوف کرنا۔ اور اس کا وقت: ۹ ذوالحجہ کے دن زوال کے وقت سے طلوعِ فجر کے تھوڑا پہلے تک ہے۔ (۳) طوافِ زیارت کرنا۔ اس طواف میں چار چکر تو فرض ہیں اور باقی واجب۔ ان تینوں میں احرام شرط ہے۔ اور وقوف

(۱) أبو داود: ۱۷۳۲، کتاب المناسك. (۲) مرقاة المفاتيح: ٤٣٦/٥.

عرفہ و طوافِ زیارت رکن ہیں[1]۔

علامہ شامی نے حج کے واجبات شروع سے آخر تک، تقریباً بیس لکھے ہیں۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ حج کے واجبات بیس سے کچھ اوپر ہیں۔ اور وہ یہ ہیں: وقوفِ مزدلفہ، سعی بین الصفا والمروۃ، رمیِ جمار، طوافِ وداع، حلق یا قصر، میقات سے احرام باندھنا، غروب تک وقوف عرفہ کرنا، طواف حجرِ اسود سے شروع کرنا، طواف میں بیت اللہ کو بائیں طرف رکھنا، صحت مند کے لیے پیدل طواف کرنا، با وضو پاک وصاف ہو کر طواف کرنا، طواف کرتے ہوئے ستر چھپانا، سعی کرتے وقت صفا سے شروع کرنا، سعی پیدل کرنا، قارن اور متمتع کے لیے قربانی کرنا۔ (قارن اور متمتع کون ہیں؟ یہ آگے آئے گا ان شاءاللہ) طواف کے سات چکروں سے فارغ ہو کر، دو رکعات نماز پڑھنا، دس ذوالحجہ کو پہلے رمی پھر حلق یا قصر کرنا۔ اور اگر قارن یا متمتع ہے تو رمی پھر قربانی پھر حلق کرنا۔ یعنی ترتیب سے کرنا۔ طواف زیارت کرنا، طواف کرتے ہوئے حطیم کو اندر لے لینا، تمام ممنوعات کو چھوڑ دینا، جیسے بیوی سے صحبت، سلا ہوا کپڑا، چہرہ اور سر کا چھپانا وغیرہ۔ آگے تحریر فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس کے چھوڑنے سے دم لازم ہوتی ہے، وہ واجب ہے۔[2]

(۳۲۲) احرام باندھنے کی جگہ؟

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ ﷺ قَالَ: لَمَّا أَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَجَّ أَذَّنَ فِي النَّاسِ، فَاجْتَمَعُوا إِلَيْهِ، فَلَمَّا أَتَى الْبَيْدَاءَ أَحْرَمَ[3].

ترجمہ: حضرت جابر ابن عبداللہؓ نے فرمایا کہ جب نبی کریم ﷺ نے حج کا ارادہ فرمایا؛ تو لوگوں میں اعلان کیا۔ پھر لوگ آپ کے پاس جمع ہوگئے، پھر جب آپ ﷺ مقام بیداء میں آئے تو احرام باندھا۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے حج کا ارادہ فرمایا، تو لوگوں کے درمیان

---

(۱) رد المحتار: ۳/۴٦۸.

(۲) رد المحتار: ۳/۴٦۹–۴۷۳.

(۳) الترمذي: ۸۱۷، الحج، في اي موضع أحرم النبي ﷺ.

مدینہ میں اعلان کروایا؛ کیوں کہ اللہ پاک نے اعلان کرنے کا حکم دیا ہے۔ ﴿ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ﴾[1] :اور لوگوں میں حج کے فرض ہونے کا اعلان کر دو، لوگ تمہارے پاس چلے آویں گے، پیادہ اور دبلی اونٹنیوں پر بھی، جو دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی۔ اِس اعلان کے بعد مدینہ میں بہت سارے لوگ جمع ہو گئے۔ پھر جب آپ ﷺ ذو الحلیفہ کے پاس مقام بیداء میں آئے؛ تو احرام باندھا، یعنی تلبیہ پڑھ کر اپنے کو مُحرِم ظاہر کیا[2]۔

حج کی شروعات کے لیے پہلی شرط ہے، احرام باندھنا۔ احرام کے بغیر حج نہیں ہو سکتا، احرام دو کھلی اور بغیر سلی ہوئی چادر کو کہتے ہیں۔ اس میں سے ایک لنگی کی جگہ پر اور ایک کرتا کی جگہ پر لپیٹ لی جائے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لباس پہننے کے بعد، حج یا عمرہ کی نیت کرنے سے انسان پر حج یا عمرہ کے دوران وہ تمام چیزیں حرام ہو جاتی ہیں، جس کو کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

احرام باندھنے کے لیے شریعت نے حدود متعین کیے ہیں۔ حاجی یا مُعتمِر بغیر احرام کے اُس جگہ سے تجاوز کر کے احرام نہیں باندھ سکتا؛ لہذا وہ یا تو اُس جگہ سے احرام باندھے، یا اُس سے پہلے باندھ لے۔ چناں چہ نبی کریم ﷺ نے حاجیوں کے لیے میقات اس طرح متعین فرمائی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ والوں کے لیے ذوالحلیفہ کو میقات مقرر کیا۔ (مقام بیداء ذوالحلیفہ کے پاس ہی ہے، جس کا ذکر اوپر حدیث میں ہے) شام والوں کے لیے جُحفہ کو، نجد والوں کے لیے قَرن المنازل اور یمن والوں کے لیے یلملم کو میقات مقرر فرمایا ہے۔ یہ میقات ان ملک والوں کے ہیں اور ان لوگوں کے لیے بھی جو ان ملکوں سے گزر کر حرم میں داخل ہوں اور حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں۔ لیکن جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہیں وہ اپنے گھر سے جب کہ مکہ کے لوگ مکہ سے ہی احرام باندھیں[3]۔ ہند و پاک اور بنگلہ دیش والوں کا میقات یلملم ہے، اس سے پہلے ہی احرام باندھ لینا

(۱) الحج: ۲۷.
(۲) مرقاة المفاتيح: ۴۵۷/۵.
(۳) البخاري: ۱۵۲۹، الحج، مُهَلّ من كان دون المواقيت.

چاہیے۔ جہاز میں عام طور پر میقات آنے سے پہلے اعلان کر دیا جاتا ہے کہ اتنے منٹ بعد ہم میقات سے گزریں گے۔ اگر اس سے پہلے احرام نہ باندھا اور میقات گزر گیا، تو اب دم دینا ہوگا۔

(۳۲۳) منیٰ کا خطبہ

عن رَافِعِ بْنِ عَمْرٍو الْمُزَنِيِّ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَخْطُبُ النَّاسَ بِمِنًى حِينَ ارْتَفَعَ الضُّحَى عَلَى بَغْلَةٍ شَهْبَاءَ، وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُعَبِّرُ عَنْهُ، وَالنَّاسُ بَيْنَ قَاعِدٍ وَقَائِمٍ[1].

ترجمہ: حضرت رافع ابن عمرو المزنیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منیٰ میں، اپنے سرخ وسفید خچر پر سوار ہو کر، لوگوں کو چاشت کے وقت خطبہ دیتے ہوئے دیکھا، (جو دور تھے ان کو) حضرت علیؓ سمجھاتے تھے۔ (مجمع اتنا تھا کہ) کچھ لوگ کھڑے تھے اور کچھ بیٹھے تھے۔

فائدہ: حدیث میں بتایا گیا کہ دس ذی الحجہ یوم نحر میں نبی کریم ﷺ نے منی میں خطبہ دیا۔ مجمع بہت زیادہ تھا۔ آپ ﷺ اپنے خچر پر جس کا رنگ سرخ اور سفید تھا سوار تھے۔ مجمع زیادہ ہونے کی وجہ سے کچھ لوگ کھڑے تھے اور کچھ بیٹھے تھے۔ دور والوں کو آواز نہیں جا رہی تھی؛ اس لیے حضرت علیؓ آپ ﷺ کی بات ان لوگوں کو پہنچا رہے تھے۔ وہ خطبہ کیا تھا، وہ دوسری روایت میں مذکور ہے، جس کو یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔

خطبہ کا مضمون اس طرح ہے: حضرت ابو بکرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہم کو قربانی کے دن خطبہ دیا۔ فرمایا: لوگو! معلوم ہے آج کون سا دن ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ ہم نے سمجھا کہ آپ ﷺ اس دن کا کوئی اور نام رکھیں گے، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے؟ ہم بولے ہاں ضرور ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے پھر سکوت فرمایا، یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوا کہ آپ ﷺ اس مہینہ کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ پھر فرمایا:

---

(۱) أبو داود: ۱۹۵۶، المناسك، أي وقت ..... النحر.

کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟ ہم بولے: کیوں نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا یہ مہینہ کون سا ہے؟ ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، پھر سکوت فرمایا، یہاں تک کہ ہم کو خیال ہوا کہ آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ حرمت کا شہر نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں ضرور ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بس تمہارا خون اور تمہارا مال تم پر اسی طرح حرام ہیں، جیسے اِس دن کی حرمت، اس مہینہ اور اس شہر میں ہے، یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جاملو۔ بولو! کیا میں نے تم کو اللہ کا پیغام پہنچادیا؟ لوگوں نے جواب دیا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ تو گواہ رہنا۔ اور ہاں! یہاں موجود صحابہ ان لوگوں کو یہ بات پہنچادیں جو یہاں نہیں ہیں۔ کیوں کہ بہت سے لوگ جن تک یہ پیغام پہنچے گا، سننے والوں سے زیادہ اس بات کو یاد رکھنے والے ثابت ہوں گے۔ اور میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی ناحق گردن مارنے لگو[1]۔

(۳۲۴) حج کی قسمیں

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كُنْتُ رَدِيفَ أَبِي طَلْحَةَ، وَإِنَّهُمْ لَيَصْرُخُونَ بِهِمَا جَمِيعًا؛ الحَجِّ، وَالْعُمْرَةِ[2].

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں ابو طلحہؓ کی سواری کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اور صحابہ کرامؓ دونوں کے ساتھ بلند آواز سے تلبیہ کہتے تھے۔ یعنی حج اور عمرہ کے ساتھ۔

فائدہ: اس حدیث پاک سے دو باتوں کا علم ہوا۔ ایک یہ کہ تلبیہ زور سے پڑھا جائے گا، جیسا کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ صحابہ کرامؓ چلاتے تھے، یعنی زور سے تلبیہ پڑھتے تھے۔ دوسری بات یہ کہ صحابہ کرام میں سے اکثر نے حج قران کا احرام باندھا تھا، جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

حج کی تین قسمیں ہیں۔ تینوں میں سے جو بھی ادا کیا جائے، حج کامل و مکمل ہوگا۔ البتہ ان قسموں میں سے کون سی قسم افضل ہے، اس میں فقہا و علما کی مختلف رائے ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے

(۱) البخاري: ۱۷۴۱، الخطبة أيام منى كتاب الحج۔

(۲) البخاري: ۲۹۸۶، الجهاد، الارتداف في الغزو والحج۔

ہیں: کہ حج قِران افضل ہے؛ جب کہ بعض کے نزدیک حج تمتع اور بعض حج افراد کو افضل کہتے ہیں۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

حج افراد: افراد کہتے ہیں کہ حج کے مہینہ میں میقات سے صرف حج کا احرام باندھے، اس کے ساتھ عمرہ کو نہ ملائے۔ ہاں اگر حج سے فارغ ہو کر عمرہ کرنا چاہے؛ تو پھر احرام باندھ کر کر سکتا ہے۔

حج تمتع: کہ حج کے سفر میں حج و عمرہ کا ارادہ کرے۔ یعنی سفر ایک اور دو احرام سے دو اعمال حج و عمرہ اس طور پر کہ پہلے عمرہ کر لے اور حلال ہو جائے۔ پھر حج کا احرام باندھ کر حج ادا کرے۔

حج قران: حج قران یہ ہے کہ سفر بھی ایک ہو اور احرام بھی ایک ہو؛ لیکن اعمال دو ہوں۔ یعنی ایک ہی احرام میں عمرہ اور حج دونوں کی نیت کرے۔ عمرہ سے فارغ ہو کر احرام سے نہ نکلے، بلکہ احرام ہی میں رہے اور حج کے وقت پھر اسی احرام میں حج کرے۔ ہمارے مذہب میں یہ آخری صورت افضل ہے۔ جو اوپر حدیث میں مذکور ہے۔ حج کی تینوں قسموں میں صرف افضلیت کا ہی اختلاف ہے، ورنہ تینوں صورتیں صحیح ہیں۔ اور یہ اختلاف اِس وجہ سے ہے کہ صحابۂ کرام کی ایک جماعت کہتی ہے کہ آپ ﷺ نے حج افراد کیا؟ چناں چہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں ہم حجۃ الوداع میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکلے، تو ہم میں سے بعض وہ تھے، جنہوں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا (یعنی تمتع) اور بعض وہ تھے جنہوں نے حج و عمرہ کا احرام اکٹھا باندھا۔ (یعنی قران) اور بعض وہ تھے جنہوں نے صرف حج کا احرام باندھا۔ بس جس نے صرف حج کا احرام باندھا، یا حج اور عمرہ دونوں کو جمع کیا، تو وہ یوم نحر تک حلال نہیں ہوئے[1]۔ اس حدیث میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا حج حج افراد تھا۔

دوسری حدیث: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں تمتع کیا۔ یعنی عمرہ کیا، پھر حج کیا[2]۔ اور بخاری حدیث (۱۶۹۲) میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے

(۱) البخاري: ۱۵۶۲، الحج، التمتع ... والاقراد بالحج.

(۲) حوالہ سابق: ۱۶۹۱، الحج، بابٌ من ساق البدن معه.

تمتع کیا۔

تیسری حدیث: حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے کو فرمایا کہ میں وہی کروں گا جو رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا؛ کیوں کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔ پھر آپ نے عمرہ کا احرام باندھا، پھر جب مقام بیدا پہنچے؛ تو حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھ لیا۔ [1] نیز حضرت حفصہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہوا کہ لوگ تو عمرہ کرکے حلال ہو گئے اور آپ ﷺ نے عمرہ کر لیا؛ مگر حلال نہیں ہوئے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے سر کے بال جما لیے تھے اور قربانی کے جانور کو قلادہ پہنا کر لایا ہوں؛ اس لیے جب تک میں نحر نہ کرلوں گا، احرام نہ کھولوں گا[2]۔

بہر حال سب کی سب صحیح بخاری کی حدیثیں ہیں؛ اسی لیے کسی نے قرآن کو افضل کہا، کسی نے افراد اور کسی نے تمتع کو افضل قرار دیا۔

(۳۲۵) حج بدل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُولُ: لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ. قَالَ: «مَنْ شُبْرُمَةُ»؟. قَالَ: أَخٌ لِي، أَوْ قَرِيبٌ لِي. قَالَ: «حَجَجْتَ عَنْ نَفْسِكَ»؟ قَالَ: لَا. قَالَ: «حُجَّ عَنْ نَفْسِكَ ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ»[3].

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو کہتے ہوئے سنا کہ وہ شُبرمہ کی طرف سے لبیک کہہ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شبرمہ کون ہے؟ اس نے کہا میرا بھائی یا میرا قریبی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ تو اپنی طرف سے حج کر چکا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا: "پہلے تو اپنی طرف سے حج کر، پھر شبرمہ کی طرف سے کرنا"۔

---

(۱) حوالہ سابق: ۱۶۹۳۔

(۲) حوالہ سابق: ۱۷۲۵ باب من لبد راسہ.

(۳) أبو داود: ۱۸۱۱، المناسك، الرجل يحج عن غيره.

فائدہ: اس حدیث شریف میں یہ بتایا گیا کہ حج بدل کرنے والوں کے لیے اولی اور مستحب یہ ہے کہ پہلے اپنا حج ادا کرے۔ لیکن اگر کسی نے اپنا حج ادا نہیں کیا اور اس کو دوسرے نے حج بدل کے لیے بھیج دیا، تو حج بدل ادا ہو جائے گا(۱)۔

حج بدل کا ثبوت صحیح حدیث سے ہے۔ اگر کوئی معذور و مجبور ہے کہ بیت اللہ تک پہنچنے کی طاقت و قوت نہیں ہے؛ تو وہ اپنی زندگی میں دوسرے کو بھیج کر، حج کروائے یا وصیت کر جائے۔ چناں چہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فضل ابن عباس رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سواری کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت آئی۔ فضل ابن عباس اس کو دیکھنے لگے۔ وہ بھی انہیں دیکھ رہی تھی؛ لیکن نبی کریم ﷺ فضلؓ کا چہرہ دوسری طرف کر دیتے تھے۔ اس عورت نے کہا یا رسول اللہ! اللہ کا فریضہ "حج" میرے والد کے لیے ادا کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ لیکن وہ بہت بوڑھے ہیں، اونٹنی پر بیٹھ نہیں سکتے، کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں"(۲)۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حالت مجبوری میں، حج بدل کرایا جا سکتا ہے۔ جو شخص حج بدل کر رہا ہے، اس کے لیے مستحب ہے کہ پہلے اپنا حج کرے، پھر دوسرے سال حج بدل کرے۔

(۳۲۶) بچوں کا حج

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ قَالَ: رَفَعَتِ امْرَأَةٌ صَبِيًّا لَهَا، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَلِهَذَا حَجٌّ؟ قَالَ: «نَعَمْ، وَلَكِ أَجْرٌ»(۳).

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے اپنے بچہ کو اوپر اٹھایا اور پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کیا اس کے لیے حج ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اور تیرے واسطے ثواب ہے۔

---

(۱) مرقاة المفاتيح: ۵/ ۴۴۰.
(۲) صحيح البخاري: ۱۵۱۳.
(۳) صحيح مسلم: ۱۳۳۶، الحج، صحة حج الصبي.

فائدہ: حدیث شریف میں یہ بتایا گیا کہ اگر نابالغ حج کرتا ہے، تو اس کا حج صحیح ہے۔ حج کرانے والے کو بھی اس کا ثواب ہوگا۔ مقام روحاء مدینہ طیبہ سے تقریباً چھتیس یا چالیس میل کے فاصلہ پر ہے، جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا[1]۔ وہاں آپ ﷺ کی ملاقات ایک قافلہ سے ہوئی۔ اس قافلہ میں ایک عورت نے اپنے بچے کو اوپر اٹھا کر، رسول اللہ ﷺ کو دکھایا کہ یہ بچہ چھوٹا ہے اور پوچھا کہ اس کے واسطے حج کا ثواب ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں حج تو ہو جائے گا؛ مگر نفل ہوگا۔ اور تم چوں کہ اس کو حج کے ارکان سکھا رہی ہو، یا بہت چھوٹا ہے، تو حج کے افعال میں اس کی نیابت کر رہی ہو، اِس طور پر کہ اُس کی طرف سے رمی کرنا، اس کو لے کر وقوف عرفہ ومزدلفہ کرنا، طواف اور سعی میں اس کو اٹھا کر یہ افعال کرانا۔ یہ سب کام تم کر رہی ہو، اس لیے تم کو بھی اس کا اجر ملے گا[2]۔

یہاں پر ایک بات یہ ذہن میں رہے کہ بچہ چوں کہ ابھی مکلف نہیں ہے؛ اس لیے حج تو ہوگا، مگر نفل۔ یہی بچہ جب بالغ ہو کر مال دار ہو جائے گا، تو اس پر حج فرض ہو جائے گا۔ بچپن میں جو حج کیا تھا وہ کافی نہیں ہوگا کیوں کہ وہ نفل تھا؛ اس لیے دوبارہ حج کرے گا۔ اور اگر کوئی غریب و فقیر بالغ ہونے کے بعد حج کر چکا تھا۔ پھر مال دار ہو گیا، تو اب دوبارہ حج کرنا، اس کے اوپر فرض نہیں ہے۔ پہلے والا حج ہی کافی ہے۔

(۳۲۷) استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے پر وعید

عن عَلِيٍّ قالَ: قال رسول الله ﷺ: «مَنْ مَلَكَ زادًا وراحِلَةً تُبَلِّغُهُ إلى بَيتِ اللهِ ولَمْ يَحُجَّ فَلا عليهِ انْ يَمُوتَ يهودِيًا او نَصْرانِيًا»[3].

ترجمہ: حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کھانے اور سواری پر قادر ہو گیا، جو اس کو بیت اللہ تک پہنچا سکے، پھر بھی اس نے حج نہ کیا، تو عجب نہیں کہ وہ یہودی یا نصرانی

---

(۱) مسلم: ۱۳۳۶، الحج، حج الصبي واجر من حج به.
(۲) مرقاة المفاتيح: ۵/۴۲۰.
(۳) الترمذي: ۸۱۲، الحج، التغليظ في ترك الحج.

ہو کر مرے۔

فائدہ: حدیث شریف میں قدرت واستطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کے لیے شدید وعید ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ یہ حدیث نقل کر کے حج ادا نہ کرنے والے کو یہود ونصاریٰ سے تشبیہ دینے کی وجہ یوں تحریر فرماتے ہیں: " أَقُول: ترك ركن من أَرْكَان الْإِسْلَام يشبه بِالْخُرُوجِ عَن الْملَّة، وَإِنَّمَا شبه تَارِك الْحَج باليهودي وَالنَّصْرَانِيّ، وتارك الصَّلَاة بالمشرك، لِأَن الْيَهُود وَالنَّصَارَى يصلونَ، وَلَا يحجون، ومشركو الْعَرَب يحجون، وَلَا يصلونَ". ترجمہ: میں کہتا ہوں: اسلام کے ارکان میں سے کسی بھی رکن کا چھوڑ دینے کو دین حنیف سے خروج کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے، اور حج نہ کرنے والے کو یہودی اور عیسائی کے ساتھ، اور نماز نہ پڑھنے والے کو مشرک کے ساتھ؛ اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ یہود ونصاریٰ نماز پڑھتے ہیں، حج نہیں کرتے اور عرب کے مشرکین حج کرتے تھے، نماز نہیں پڑھتے تھے[1]۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ کے ساتھ تشبیہ دینے کی یہ وجہ ہے کہ وہ حج نہیں کرتے جب کہ کتاب اللہ میں مذکور ہے۔ (حضرت ابراہیم واسماعیل نے بھی حج کیا ہے) تو گویا کہ جس مسلمان نے حج نہ کیا، اس نے اللہ کی کتاب پر عمل نہیں کیا اور اس کو پس پشت ڈال دیا۔ اور اگر کسی نے ایسا کیا؛ تو اس نے اللہ کا کچھ نہیں بگاڑا؛ بل کہ اپنا ہی بگاڑا ہے۔ اللہ پاک تمام عالم سے بے پرواہ وبے نیاز ہے۔ تو اب معلوم یہ ہوا کہ حج نہ کرنے اور چھوڑنے کے سلسلہ میں اہل کتاب اور مسلمان دونوں برابر درجہ کے ہو گئے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد تہدید وتخویف کی قبیل سے ہے، یعنی اس کا اسلام وایمان تو باقی رہتا ہے؛ لیکن اس کا عمل اہل کتاب کی طرح ہے۔ اور کہیں ایمان بھی ایسا ہی ہو گیا کہ حج کا ہی انکار کر بیٹھا، تو اب وہ حقیقت میں کافر ہو جائے گا؛ کیوں کہ حج ایک اہم رکن ہے، اور شعائر اسلام میں سے ہے[2]۔

---

(۱) حجة الله البالغة: ۲/۱۰۳، من أبواب الحج.
(۲) مرقاة المفاتيح: ۵/۴۳۵.

(۳۲۸) افضل حج

عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ ﷺ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ: أَيُّ الْحَجِّ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «الْعَجُّ، وَالثَّجُّ»(۱).

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا حج افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بلند آواز سے تلبیہ کہنا اور قربانی کرنا۔

فائدہ: یہ حدیث ابن ماجہ میں اور تفصیل کے ساتھ آئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ حاجی کی صفت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ غبار آلود، پراگندہ بال، خوشبو سے عاری پسینے کی وجہ سے بو آتی ہو، یعنی زینت کو ترک کرنے والا ہو۔ پھر ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! حج میں کون سی چیزیں بہت ثواب رکھتی ہے؟ فرمایا: بلند آواز سے تلبیہ کہنا اور قربانی کرنا۔ (العج والثج، یہ الفاظ اوپر حدیث میں ہیں) پھر ایک شخص کھڑا ہوا، اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول سبیل سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: توشہ اور سواری مراد ہے(۲)۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: الحاجّ من شأنه أن يُذَلِّلَ نفسه لِلهِ، والمصلحةُ المرعيةُ فِي الحَج إعلاءُ كلمةِ الله، وموافقةُ سنةِ إبرَاهِيم ﷺ وتَذَكُّرُ نِعْمَةِ اللهِ عَلَيْهِ(۳).
مطلب یہ ہے کہ حاجی کی شان یہ ہونی چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کی بارگاہ میں ذلیل کرے، زیب وزینت کو چھوڑ کر احرام کے تقاضے کو پورا کرے، اگرچہ سر پراگندہ ہو جائے، بدن سے بدبو آنے لگے اور بلند آواز سے تلبیہ پڑھے کہ اس سے اعلاء کلمۃ اللہ مقصود ہوتا ہے۔ اور قربانی کرے کہ اس میں حضرت ابراہیم کی اتباع ہے، اوران پر جو انعامات اللہ نے کیے تھے اس کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

---

(۱) الترمذي: ۸۲۷، الحج، باب ما جاء في التلبية والنحر.
(۲) ابن ماجة، ۲۸۹۶، المناسك، باب: مايوجب الحج.
(۳) حجة الله البالغة: ۲/۱۰۳، من أبواب الحج.

(۳۲۹) قربانی کرنے والا بال و ناخن کب تراشے؟

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا رَأَيْتُمْ هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ، وَأَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يُضَحِّيَ فَلْيُمْسِكْ عَنْ شَعْرِهِ، وَأَظْفَارِهِ»[1].

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے کوئی قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے؛ تو وہ اپنے بالوں اور ناخنوں کو (نہ کاٹے بل کہ) اپنے حال پر رہنے دے۔

فائدہ: حدیث پاک میں قربانی کرنے والے کے لیے ایک استحبابی حکم دیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص بقر عید میں، قربانی کا اردہ رکھتا ہے؛ تو ذی الحجہ یعنی بقر عید کا چاند نظر آنے کے بعد بال اور ناخن وغیرہ نہ کاٹے۔ یہ ممانعت کراہت تنزیہی کے قبیل سے ہے، اگر کسی نے کاٹ لیا تو کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن بہتر اور افضل یہ ہے کہ نہ کاٹے۔ جب قربانی سے فارغ ہو جائے پھر کاٹنے کی اجازت ہے۔ رہی بات یہ کہ اس ممانعت میں حکمت کیا ہے؟ تو علماء نے لکھا ہے کہ حُجاج کرام سے مشابہت اختیار کرنے کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ جس طرح اُن دنوں میں حالت احرام میں حُجاج کرام دیار حرم میں ہوتے ہیں اور ان چیزوں کے کاٹنے سے بچتے ہیں، اسی طرح ہم بھی بچیں۔ حُجاج پر واجب ہے کہ وہ ان چیزوں کو کاٹنے سے بچیں؛ اس لیے وہ دس ذی الحجہ کو قربانی کے بعد ہی احرام سے نکل کر کاٹتے ہیں۔ اسی طرح غیر حاجی بھی مشابہت اختیار کریں تو اچھا ہے۔ حاجیوں سے مشابہت اختیار کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر چیز میں مشابہت اختیار کی جائے[2]۔

قربانی کا ثبوت:

قربانی کا ثبوت قرآن وحدیث اور اجماع امت سے ہے۔ اللہ پاک قرآن کریم میں ارشاد فرماتا

(۱) مسلم: ۱۹۷۷، الأضاحي، نهي من ... ذي الحجة.

(۲) مرقاة المفاتيح: ۳/۵۱۰.

ہے: فصل لربك والمحر ﴿﴾: سو (ان نعمتوں کے شکر میں) آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھیے۔ (کہ اعظم نعم کے شکر میں اعظم عبادات مناسب ہے) اور (تکمیل شکر کے لیے عبادت بدنیہ کے ساتھ عبادت مالیہ یعنی اس کے نام کی) قربانی کیجیے (1)۔ قربانی کے سلسلہ میں بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہی حدیث ہے، جو اوپر گزری اور کچھ آئندہ آرہی ہیں۔ ملا علی قاریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اپنے رب کی عید کی نماز پڑھو اور پھر قربانی کرو۔ احناف کے یہاں قربانی ہر اس شخص پر واجب ہے جو مقیم اور مال دار، یعنی نصاب کا مالک ہو۔ دیگر ائمہ کے یہاں قربانی سنت ہے۔ (مرقاۃ: ۵۰۴/۳) حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں دس سال رہے اور ہر سال قربانی کرتے تھے (۲)۔ یعنی آپ ﷺ نے قربانی کبھی ترک نہیں فرمائی، اس پر آپ مداومت کرتے تھے اور آپ ﷺ کا کسی چیز پر مواظبت کرنا وجوب کی دلیل ہے۔

(۳۳۰) حج مقبول کا بدلہ جنت ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «تَابِعُوا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ، وَالذُّنُوبَ، كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ، وَالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةِ، وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُورَةِ ثَوَابٌ إِلَّا الْجَنَّةُ»(۳).

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حج و عمرہ پے در پے کرو؛ کیوں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک فقر اور گناہوں کو ختم کرتے ہیں، جیسے بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کا زنگ دور کرتی ہے۔ اور حج مقبول کا ثواب تو جنت ہی ہے۔

فائدہ: بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث شریف حج قران سے متعلق ہے کہ آپ ﷺ نے قران کرنے کا حکم دیا ہے۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ حنفیہ کے یہاں حج قران ہی افضل ہے۔ یعنی

(۱) الكوثر: ۲ بيان القرآن.
(۲) الترمذي: ۱۵۰۷، أبواب الاضاحي.
(۳) الترمذي: ۸۱۰، أبواب الحج، ثواب الحج والعمرة.

حج اور عمرہ دونوں کو ایک ہی احرام میں ادا کرنا، مستحب ہے۔

بہر حال، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حج و عمرہ کو پے در پے، قریب قریب ادا کرو۔ خواہ قران کے ذریعہ یا الگ الگ؛ لیکن ایک کے بعد دوسرے کو جلدی ادا کرو۔ اِس طور پر کہ اگر عمرہ کیا ہے، تو پھر کچھ دنوں میں حج بھی کر لو، یا اگر حج کیا ہے؛ تو پھر عمرہ بھی کر لو؛ کیوں کہ حج اور عمرہ کرنا فقر و غربت کو ختم کرتا ہے۔ خواہ فقر ظاہری ہو یا فقر باطنی ہو کہ حج کرنے کی وجہ سے حاجی کے مال میں اضافہ ہو جاتا ہے، اس میں برکت ہوتی ہے، اس کا دل غنی ہو جاتا ہے۔ یعنی غناءِ قلب حاصل ہو جاتا ہے اور گناہوں کو بھی مٹا دیتا ہے جیسے لوہار کی بھٹی کہ جب اس میں آگ بھڑکتی ہے، تو وہ لوہا سونا اور چاندی کے زنگ اور گندگی کو بالکل ختم کر دیتی ہے اور اگر حج مقبول ہوا؛ تو پھر کیا کہنے، اب تو جنت ہی جنت ہے[1]۔

آقاءِ دو جہاں ﷺ کے حج کا مختصر قصہ:

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں تمتع کیا یعنی عمرہ کر کے، پھر حج کیا اور آپ ﷺ ذو الحلیفہ سے اپنے ساتھ قربانی لے گئے۔ نبی کریم ﷺ نے پہلے عمرہ کے لیے احرام باندھا، پھر حج کے لیے لبیک پکارا۔ لوگوں نے بھی نبی کریم ﷺ کے ساتھ تمتع کیا یعنی عمرہ کر کے حج کیا، لیکن بہت سے لوگ اپنے ساتھ قربانی کا جانور لے گئے تھے اور بہت سے نہیں لے گئے تھے۔ جب نبی کریم ﷺ مکہ تشریف لائے؛ تو لوگوں سے کہا کہ جو شخص قربانی ساتھ لایا ہو، اس کے لیے حج پورا ہونے تک کوئی بھی ایسی چیز حلال نہیں ہو سکتی جسے اس نے اپنے اوپر (احرام کی وجہ سے) حرام کر لیا ہے؛ لیکن جن کے ساتھ قربانی نہیں ہے، وہ بیت اللہ کا طواف کر لیں اور صفا اور مروہ کی سعی کر کے، بال ترشوا لیں اور حلال ہو جائیں۔ پھر حج کے لیے (از سرِ نو آٹھویں ذی الحجہ کو احرام باندھیں) ایسا شخص اگر قربانی نہ پائے تو تین دن کے روزے حج ہی کے دنوں میں اور سات دن کے

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۵/۱۳۷۔

روزے گھر واپس آکر رکھے۔ جب نبی کریم ﷺ مکہ پہنچے، تو سب سے پہلے آپ ﷺ نے طواف کیا۔ پھر حجر اسود کو بوسہ دیا، تین چکروں میں آپ ﷺ نے رمل کیا اور باقی چار میں معمولی رفتار سے چلے۔ پھر بیت اللہ کا طواف پورا کر کے، مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی۔ سلام پھیر کر، آپ ﷺ صفا پہاڑی کی طرف آئے اور صفا اور مروہ کی سعی بھی سات چکروں میں پوری کی۔ جن چیزوں کو (احرام کی وجہ سے) حرام کر لیا تھا، ان سے اس وقت تک آپ ﷺ حلال نہیں ہوئے، جب تک حج پورا نہ کر لیا اور یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) میں قربانی کا جانور بھی ذبح نہ کر لیا۔ پھر آپ ﷺ (مکہ واپس) آئے اور طواف افاضہ کیا؛ تو ہر وہ چیز آپ کے لیے حلال ہو گئی جو احرام کی وجہ سے حرام تھی۔ جو لوگ اپنے ساتھ ہدی لے کر گئے تھے، انھوں نے بھی اسی طرح کیا جیسے رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا[1]۔

ذوالحجہ

(۳۳۱) حجر اسود کا استلام

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ قَالَ: طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ عَلَى بَعِيرٍ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ[2].

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں اپنی اونٹنی پر طواف کیا تھا اور ایک چھڑی کے ذریعہ حجر اسود کا استلام کر رہے تھے۔

فائدہ: حدیث شریف میں طواف کے دوران آپ ﷺ کا ایک عمل ذکر کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بھیڑ کی وجہ سے یا کسی اور عذر کی وجہ اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا۔ یا یہ کہ یہ عمل آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے؛ کیوں کہ حدیث نمبر:۳۲۱ میں گزر چکا ہے کہ صحت مند کے

(۱) صحیح البخاري: ۱۶۹۱.
(۲) البخاري: ۱۶۰۷، الحج، استلام الركن بالمحجن.

لیے سعی اور طواف پیدل کرنا واجب ہے۔ خیر آپ ﷺ نے سواری پر طواف افاضہ کیا اور چوں کہ بھیڑ تھی؛ اس لیے چھڑی کے اشارہ سے حجر اسود کا استلام کیا[1]۔

اسلامی روایات کے مطابق جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے؛ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے یہ پتھر جنت سے لا کر دیا۔ حجر اسود وہ تاریخی پتھر ہے، جس کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ وہ جنت سے آیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: حجر اسود جنت سے اتارا گیا ہے، وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ انسانوں کے گناہوں نے اس کو کالا کر دیا[2]۔ ایک دوسری روایت کا مفہوم ہے کہ حجر اسود جنت کے یاقوت کا ایک پتھر ہے۔ اس کے نور کو اللہ پاک نے ختم کر کے دنیا میں اتارا ہے۔ اگر اس کے نور کو ختم نہ کیا جاتا؛ تو مشرق و مغرب اس کی روشنی سے منور ہو جاتے۔ جس وقت اس کو اتارا گیا؛ وہ دودھ کی طرح بالکل سفید تھا، مگر بنی آدم کی خطاؤں نے اس کو سیاہ کر دیا ہے[3]۔

بیت اللہ کے جنوب مشرقی کونے کی دیوار میں ایک قدیم اور مقدس ترین جنتی پتھر نصب ہے، جس کے گرد چاندی کی دائرہ نما باؤنڈری ہے، یہی پتھر حجر اسود کہلاتا ہے۔ طواف کے دوران حجر اسود کا بوسہ دینا مسنون ہے۔ اگر بھیڑ یا کسی مجبوری کی وجہ سے وہاں تک نہ پہنچ سکے؛ تو دور سے ہی حجر اسود کی طرف اشارہ کر دے۔

حجر اسود کو بوسہ دینا، نہ بت پرستی ہے اور نہ ہی اس کے مشابہ۔ عبادت کی غرض سے اس کو نہیں چوما جاتا، بل کہ شارع نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے، چناں چہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک بار حجر اسود کو مخاطب کر کے فرمایا تھا: میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نفع دے سکتا ہے، نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اگر میں رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے نہ دیکھتا تو کبھی نہ کرتا[4]

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۵/۴۹۰۔
(۲) الترمذی: ۸۷۷، الحج، فضل الحجر ... والمقام۔
(۳) حوالہ سابق: ۸۷۸۔
(۴) مصنف ابن ابی شیبۃ: ۱۴۹۷۵، المناسک۔

۔اور یہ بوسہ دینا ویسے ہی ہے جیسے کہ لوگ اپنی اولاد یا بیوی کو بوسہ دیتے ہیں۔ان کو عبادت کی غرض سے کوئی بوسہ نہیں دیتا، صرف اور صرف محبت میں ہوتا ہے۔ حجر اسود کا استلام یہ ہے کہ اسے منہ سے چوما جائے۔ اگر ممکن نہ ہو تو ہاتھ سے چھو کر، ہاتھ کو بوسہ دے لے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو کسی لکڑی وغیرہ سے اس کو چھوئے۔ اگر اس پر بھی قادر نہ ہو؛ تو دور سے ہاتھ سے ہی اس طرف اشارہ کردے، لیکن اس صورت میں ہاتھ کو نہ چومے۔

(۳۳۲) مکۃ المکرمہ حرم ہے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «لَا يَحِلُّ لِأَحَدِكُمْ أَنْ يَحْمِلَ بِمَكَّةَ السِّلَاحَ»(۱).

ترجمہ: حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا: آپ فرماتے ہیں: "تم میں سے کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے۔

فائدہ: حدیث شریف میں مکۂ مکرمہ — حرسها الله — کی فضیلت کا ذکر ہے۔مکۂ مکرمہ کی بے شمار فضیلتیں ہیں اور یہ ساری فضیلتیں بیت اللہ کی وجہ سے ہیں۔اب یہ شہر بڑا ہو گیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وقت میں، جب مکہ آباد ہوا تھا؛ تو چند مکانات تھے۔آپ ﷺ کے وقت میں بھی اس کا رقبہ زیادہ نہیں تھا۔ لیکن ابتداء سے ہی یہاں اللہ کی رحمت اور برکت کے انوار برس رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں کے باشندوں اور اس شہر کے لیے امن وامان اور خیر وبرکت کی دعاہ فرمائی تھی جسے اللہ نے قبول فرمائی۔

خانۂ کعبہ کی تعظیم کی وجہ سے اللہ نے اس کے ارد گرد جگہوں کو بھی حرم قرار دیا ہے۔ یہ حرمت تخلیق کائنات کے وقت سے ہے، اور قیامت تک رہے گی۔ بخاری ومسلم کی روایت ہے کہ

---

(۱) مسلم: ۱۳۵۶، الحج، النهي عن ... بمكة.

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے (جو خطبہ دیا اس میں) فرمایا کہ اللہ نے جس دن زمین و آسمان کو پیدا فرمایا، اُسی دن اِس شہر مکہ کو حرم قرار دیا اور یہ حرمت قیامت تک کے لیے ہے۔ مجھ سے پہلے کبھی کسی کے لیے اس شہر میں قتل و غارت گری حلال نہیں تھی اور میرے لیے بھی جائز نہیں ہوئی مگر دن کے تھوڑے حصہ میں (یعنی فتح مکہ کے دن کچھ دیر کے لیے)؛ چناں چہ اس کے بعد سے پھر قیامت تک کے لیے اس کی بے حرمتی کرنا حرام ہے۔ اس کے کانٹے والے درخت نہ کاٹے جائیں۔ اس کے شکار نہ بھگائے جائیں۔ وہاں کوئی گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے۔ اس کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے گی۔ سوائے ایک گھاس کے جس کا نام اذخر ہے [1]۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک لشکر خانہ کعبہ پر چڑھائی کرے گا اور جب وہ مقام بیدا میں پہنچے گا، تو ان سب کو شروع سے آخر تک زمین میں دھنسا دیا جائے گا [2]۔ یہ سزا ہوگی خانہ کعبہ کی طرف بُری نظر رکھنے کی۔ اللہ پاک حرمین شریفین کی خارجی و داخلی، ہر طرح کے فتنوں سے حفاظت فرمائے۔ آمین!

اِن احادیث کی بنا پر جمہور علماء و ائمہ کا مسلک وہی ہے جو اوپر حدیث میں ہے۔ البتہ ضرورت کی بنا پر جنگ کو جائز قرار دیا ہے [3]۔ مطلب یہ ہے کہ مکہ میں اگر کوئی دشمن کی فوج آکر فتنہ و فساد کرتی ہے، قتال کرتی ہے؛ تو اس کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ حرم سے نکل جائے؛ لیکن اگر نہ نکلی تو اس کو وہیں پر ختم کر دیا جائے گا۔ یہ استثنائی صورت ہے، جس کی اجازت بحالت مجبوری ہے۔

(۳۳۳) مکۃ المکرمہ کی فضیلت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَّةَ: «مَا أَطْيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ، وَأَحَبَّكِ إِلَيَّ، وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمِي أَخْرَجُونِي مِنْكِ مَا سَكَنْتُ غَيْرَكِ» [4].

(۱) صحيح البخاري: ۱۸۳٤، كتاب جزاء الصيد.
(۲) صحيح البخاري: ۲۱۱۸، كتاب البيوع.
(۳) مرقاة المفاتيح: ٥/٦٠٨.
(٤) جامع الترمذي: ۳۹۲٦، المناقب، فضل مكة.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے فرمایا: تو میرے نزدیک کیا ہی اچھا شہر ہے، تو مجھے بہت زیادہ پسند ہے۔ اگر میری قوم مجھ کو تجھ سے نہ نکالتی؛ تو میں تیرے علاوہ کہیں نہ رہتا۔

فائدہ: اِس حدیث شریف میں بھی مکۃ المکرمہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ آپ ﷺ نے مکۃ المکرمہ سے یہ خطاب ہجرت کے وقت کیا تھا؛ جب کہ آپ مدینہ طیبہ ہجرت فرمارہے تھے۔ مگر ملا علی قاریؒ کی رائے کے مطابق یہ بات آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع سے کہی تھی۔ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے وقت جب مکہ کو الوداع کہا، اس وقت آپ ﷺ مکۃ المکرمہ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ تو کیا ہی پاکیزہ سرزمین ہے، مجھے بہت محبوب ہے، لیکن تجھ کو چھوڑ کر میرے جانے کا سبب میری قوم ہے کہ اس نے مجھے یہاں سے نکال دیا ہے۔ اگر وہ مجھ کو یہاں سے نہ نکالتے؛ تو میں تم کو کبھی نہ چھوڑتا اور دوسری جگہ مسکن نہ بناتا[1]۔ ایک روایت میں ہے: اللہ کی قسم تو خدا کی زمین میں سب سے بہتر ہے اور اللہ کے نزدیک سب سے محبوب ہے[2]۔

اِن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مکۃ المکرمہ مدینہ طیبہ سے افضل ہے۔ جمہور علماء وفقہاء کا یہی قول ہے۔ سوائے اُس جگہ کے جہاں نبی کریم ﷺ مدفون ہیں۔ یعنی روضۂ اطہر کا وہ حصہ جس میں آپ ﷺ آرام فرمارہے ہیں، مکہ، بیت اللہ بل کہ عرش سے بھی افضل ہے۔

اسی فضیلت کی بنا پر علماء نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے لیے مناسب نہیں ہے کہ خود بخود مکہ سے نکلے، سوائے اس کے کہ اس کو نکالا جائے؛ خواہ دنیوی وجہ سے یا دینی وجہ سے ہو۔ اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ مکہ میں داخل ہونا خوش نصیبی ہے اور خود بخود نکلنا بدبختی کی علامت ہے۔ علماء نے مکہ کی افضلیت پر یہ بھی دلیل دی ہے کہ جب حج فرض ہو جائے؛ تو مکہ کا سفر کرنا واجب ہے؛ جب کہ مدینہ کا سفر کسی بھی حال میں سنت ہے۔ مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ثواب بھی مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے زیادہ

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۶۱۱/۵.

(۲) الترمذي: ۳۹۲۵، أبواب المناقب.

ہے[1]۔

معلوم یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے مشرکین مکہ کی تکلیف سے تنگ آکر ہی ہجرت کا ارادہ فرمایا تھا اور اللہ پاک نے ہجرت کا حکم دیا تھا؛ ورنہ آپ ﷺ کبھی بھی مکہ سے نہ نکلتے۔

(۳۳۴) عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: «مَا الْعَمَلُ فِي أَيَّامِ الْعَشْرِ أَفْضَلَ مِنَ الْعَمَلِ فِي هَذِهِ». قَالُوا: وَلَا الْجِهَادُ؟ قَالَ: «وَلَا الْجِهَادُ، إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ يُخَاطِرُ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ»[2].

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان دس دنوں کے عمل سے زیادہ کسی دن کے عمل میں فضیلت نہیں۔ لوگوں نے پوچھا اور جہاد میں بھی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں جہاد میں بھی نہیں سوائے اس شخص کے جو اپنی جان و مال خطرہ میں ڈال کر، نکلا اور واپس آیا تو ساتھ کچھ بھی نہ لایا۔ (سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کر دیا)۔

فائدہ: حدیث پاک میں ذوالحجہ کے پہلے عشرہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اِن ایام کے اعمال اللہ پاک کو بہت زیادہ محبوب ہیں۔ اس کی وجہ ابن الملکؒ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ ان دنوں میں بیت اللہ کی زیارت ہوتی ہے، اللہ کے گھر کے دیدار کا وقت ہوتا ہے؛ اس لیے یہ وقت بہت افضل ہے۔ جب یہ وقت افضل ہے؛ تو اس میں کیے جانے والے اعمال بھی افضل ہوں گے؛ اِسی لیے اِن دنوں کی عبادت اللہ کو بہت پسند ہے۔

اب فضیلت کے اعتبار سے رات اور دن کی الگ فضیلتیں ہو گئیں۔ تمام سال کے دنوں میں چوں کہ عرفہ کا دن افضل ہے؛ اس لیے ذی الحجہ کے پہلے دس دن افضل ہیں۔ سال کی راتوں میں شب قدر افضل ہے؛ اس لیے رمضان کے اخیر عشرہ کی راتیں افضل ہیں۔ اِن دس دنوں کی اتنی فضیلت ہے

(۱) حوالہ بالا: ۶۱۲.

(۲) البخاري، ۹۶۹، العيدين، العمل في أيام التشريق.

کہ ان میں کیے ہوئے اعمال جہاد فی سبیل اللہ سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ البتہ اگر کوئی مجاہد جہاد سے واپس ہی نہ آیا، بل کہ شہید ہو گیا؛ تو چوں کہ اس نے جان و مال: دونوں کی قربانی دی ہے؛ اس لیے اس کا عمل اللہ کے نزدیک ان یام میں عمل کرنے والوں سے بڑھا ہوا ہے[1]۔

امام ترمذیؒ نے ایک حدیث ذکر کی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ایسا کوئی دن نہیں کہ اس میں عبادت کرنا عشرۂ ذی الحجہ سے زیادہ افضل ہو۔ اس کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزے کے برابر ہے اور ایک رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے[2]"۔

(۳۳۵) بڑے جانور میں قربانی کے سات حصے

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَجَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَحَرْنَا الْبَعِيرَ عَنْ سَبْعَةٍ، وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ[3].

ترجمہ: حضرت جابر ابن عبد اللہؓ نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا۔ ہم نے ایک اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے قربانی کی اور گائے بھی سات آدمی کی طرف سے قربانی کی۔

فائدہ: حدیث شریف میں اونٹ، گائے، بیل اور وہ جانور جو اس قبیل سے ہوں؛ جیسے بھینس، بھینسا، ان میں قربانی کے حصے کا ذکر ہے کہ اُن بڑے جانوروں میں، سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ ایک جانور سات آدمی کی طرف سے کافی ہے۔ شرط یہ ہے کہ ساتوں آدمی کا ارادہ قربانی یا عقیقہ کا ہو۔ اُن سات آدمیوں میں سے اگر ایک آدمی بھی ایسا ہو کہ اس کا اردہ قربانی یا عقیقہ کا نہیں؛ بل کہ صرف گوشت کھانے کھلانے کے لیے اس میں شریک ہے؛ تو کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی۔ بکرا، بھیڑ، دنبہ وغیرہ کی قربانی صرف ایک ہی آدمی کی طرف سے جائز ہے۔ اگر اس میں ایک سے زائد آدمی شریک ہیں؛ تو درست نہیں۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۳/ ۵۱۲.

(۲) الترمذي: ۷۵۸، أبواب الصوم عن رسول الله ﷺ.

(۳) صحیح مسلم: ۱۳۱۸، الحج، الاشتراك في الهدي.

جانور کی عمر کیا ہو؟ قربانی کے جانور کا مسنہ ہونا ضروری ہے یعنی اونٹ پانچ برس کا، گائے وغیرہ دو برس کی اور بھیڑ بکری وغیرہ ایک برس کی ہونا ضروری ہے۔ اس سے کم عمر والے کی قربانی درست نہیں؛ کیوں کہ وہ مسنہ نہیں۔ البتہ دنبہ چھ ماہ کا اس قدر فربہ ہو کہ سال بھر کا دنبہ معلوم ہوتا ہو؛ تو اس کی قربانی درست ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مسنہ جانور کو ذبح کرو اور اگر مسنہ ملنا مشکل ہو؛ تو پھر جذعہ یعنی ایک سال، یا چھ ماہ کا جانور ذبح کرو[1]۔

حدیث شریف میں مسنہ کا لفظ آیا ہے جس کے دو معنی ہیں: (۱) سن رسیدہ جانور (۲) دانت والا جانور۔ فقہاء کرام نے عمر کا اعتبار کیا ہے اور دانت کو اس کی علامت قرار دیا ہے۔ قربانی کا جانور مسنہ یعنی سن رسیدہ ہو؛ تو اس کی قربانی درست ہے۔ دانت کی علامت ہو؛ تو بہتر ہے، دانت کی علامت پر مدار نہیں، دانت سن رسیدگی کی علامت ہے[2]۔

جب قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کے لیے قبلہ رخ کر کے لٹائے؛ تو دعا پڑھے جو آپ ﷺ نے پڑھی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے دو سینگ والے خصی چتکبرے مینڈھے ذبح کیے اور قبلہ رخ لٹا کر یہ دعا پڑھی: ﴿ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ عَلَى مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا، وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ، اللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهِ بِاسْمِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ ﴾[3]. جب قربانی کا وقت قریب آئے؛ تو مزید مسائل علماء کرام سے معلوم کر لیے جائیں اور جانور ذبح کرنے کے آداب حدیث نمبر: ۳۰۱ میں دیکھ لیا جائے۔

(۳۳۶) قربانی کی افضل جگہ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْحَرُ أَوْ يَذْبَحُ بِالْمُصَلَّى[4].

---

(۱) صحيح مسلم: ۱۹۶۳، الاضاحی، سن الأضحی.

(۲) فتاوی رحیمیہ: ۴۷/۱۰، کتاب الأضحی.

(۳) أبو داود: ۲۷۹۵، كتاب الضحايا.

(٤) البخاري: ۹۸۲، العيدين، النحر والذبح بالمصلى.

ترجمہ: ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ عید گاہ میں نحر یا ذبح کیا کرتے تھے۔

فائدہ: حدیث شریف میں یہ بتایا گیا کہ قربانی کرنے کی افضل جگہ کون سی ہے؟ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عید گاہ میں ہی قربانی کا جانور ذبح کرتے تھے۔ اس لیے عید گاہ میں قربانی کرنا افضل ہے؛ تاکہ قربانی جو شعائر اسلام میں سے ہے اس کا علانیہ اظہار ہو۔ اِس حدیث سے قربانی کرنے کے وقت کا بھی علم ہوا کہ عید گاہ میں عید کی نماز سے فراغت کے بعد ہی ذبح کیا جائے گا۔ جمہور علماء عید کی نماز سے پہلے ذبح کرنے کے عدم جواز کے قائل ہیں[۱]۔

اگر کسی نے عید کی نماز سے پہلے جانور ذبح کر لیا؛ تو اس کی قربانی نہیں ہو گی۔ حضرت جندب ابن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عید کے دن نماز پڑھی، پھر خطبہ دیا، پھر ذبح کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نماز پڑھنے سے پہلے ذبح کیا ہے، وہ اس کی جگہ پر دوسرا جانور ذبح کرے اور جس نے ذبح نہیں کیا ہے اب اللہ کا نام لے کر ذبح کر لے[۲]۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بقر عید کے دن نماز کے بعد خطبہ دیا اور فرمایا: جس نے ہماری طرح نماز پڑھی اور ہماری طرح قربانی کی اس کی قربانی درست ہوئی۔ لیکن جس نے نماز سے قبل قربانی کی تو وہ ذبیحہ صرف گوشت کھانے کے لیے ہو گا[۳]۔

اِن احادیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کا وقت عید الاضحی کی نماز کے بعد ہی ہے۔ اس کا وقت تین دن تک رہتا ہے؛ یعنی: (۱۰) سے (۱۲) ذی الحجہ تک اِن تین دنوں میں قربانی کر سکتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ عید الاضحیٰ کے بعد بھی قربانی کے دو دن ہیں[۴]۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ صرف تین دن ہی قربانی کے ہیں۔ البتہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قربانی تیرہ ذوالحجہ تک ہے۔

---

(۱) مرقاة المفاتيح: ۳/۵۰۹.
(۲) صحيح البخاري: ۹۸۵، كتاب العيدين.
(۳) حوالہ سابق: ۹۸۳.
(٤) موطأ الإمام مالك: ۱۳۹۹، كتاب الضحايا.

اِس حدیث کے تحت چند باتیں ذکر ہوئیں۔ پہلی یہ کہ عید گاہ میں ہی قربانی کرنا افضل ہے؛ تاکہ جن لوگوں نے قربانی نہیں کی ہے، ان کو شوق ورغبت ہو۔ غرباء کو گوشت لینے میں آسانی ہو اور گھر گھر نہ جانا پڑے۔ دوسری بات قربانی کا وقت عید کی نماز کے بعد ہے، اگر کسی نے پہلے کرلی؛ تو قربانی نہیں ہوگی، اور دیہات والوں کے لیے، جہاں نماز نہیں ہوتی ہے، چاشت کے وقت بھی کر سکتے ہیں۔ تیسری بات قربانی کے تین دن ہیں۔ ۱۰، ۱۱، ۱۲، ذی الحجہ۔

(۳۳۷) جانور ذبح کرنے کا طریقہ

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: ضَحَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ، فَرَأَيْتُهُ وَاضِعًا قَدَمَهُ عَلَى صِفَاحِهِمَا، يُسَمِّي وَيُكَبِّرُ، فَذَبَحَهُمَا بِيَدِهِ[1].

ترجمہ: حضرت انس ابن مالکؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے دو چتکبرے مینڈھوں کی قربانی کی۔ میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ اپنے پاؤں جانور کے اوپر رکھے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ رہے ہیں۔ اس طرح آپ ﷺ نے دونوں مینڈھوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔

فائدہ: حدیث شریف میں جانور ذبح کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قربانی کا جانور کس طرح ذبح فرمایا۔ جانور ذبح کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ جانور کو کم سے کم تکلیف ہو، ایک جانور کو دوسرے کے سامنے ذبح کرنے سے احتیاط کرنا چاہیے۔ چھری خوب دھار دار ہو؛ تاکہ ذبح کرتے وقت جانور کو تکلیف نہ ہو۔ اس کی رگیں جلد کٹ جائیں۔ چناں چہ مسلم شریف کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قربانی کرتے وقت حضرت عائشہؓ سے فرمایا: "اے عائشہ چھری لاؤ! پھر فرمایا: "اس کو پتھر پر رگڑ کر تیز کرو"[2]۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دو مینڈھے ذبح کیے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ دونوں نر تھے مادہ نہیں؛ کیوں کہ حدیث میں کبش کا لفظ ہے؛ اس لیے علماء نے لکھا ہے کہ نر کی

---

(۱) البخاري: ۵۵۵۸، الأضاحي، من ذبح الأضاحي بيده.

(۲) مسلم: ۱۹۶۷، الاضاحي، استحباب الضحى.

قربانی افضل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کا گوشت مادہ سے اچھا ہوتا ہے۔ وہ دونوں مینڈھے چتکبرے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ قربانی کے جانور کا خوبصورت ہونا بھی مستحب ہے۔ ان کے سینگ لمبے لمبے تھے۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا؛ اس لیے جو ذبح کے آداب سے واقف ہے اور ذبح کر سکتا ہے، اس کے لیے مستحب کہ وہ خود سے جانور ذبح کرے اور اگر نہیں کر سکتا ہے؛ تو اس وقت وہاں موجود رہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا: اپنی قربانی کے پاس کھڑی رہو اور دیکھو؛ کیوں کہ قربانی کے خون کا پہلا قطرہ تمہارے گزشتہ گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ خود سے ذبح کرنا ہی سنت ہے اور ذبح کرنا ایک عبادت بھی ہے۔ عبادت کی اصل یہ ہے کہ انسان اس عبادت کو خود کرے؛ لیکن اگر دوسرے سے ذبح کروایا تو بھی جائز ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ذبح کرتے ہوئے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا، بسم اللہ پڑھ کر جانور ذبح کرنا شرط ہے۔ اگر بسم اللہ کے بغیر جانور ذبح کیا گیا؛ تو اس کا کھانا جائز نہیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے قدم مبارک جانور کے پہلو پر رکھے ہوئے ہیں[1]۔ ذبح کرنے کے مزید آداب حدیث نمبر: ۳۰۱ میں دیکھ لیں!

(۳۳۸) قربانی کا گوشت ذخیرہ بھی کر سکتے ہیں

عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنْ أَكْلِ لُحُومِ الضَّحَايَا بَعْدَ ثَلَاثٍ، ثُمَّ قَالَ بَعْدُ: «كُلُوا، وَتَزَوَّدُوا، وَادَّخِرُوا»[2].

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانیوں کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے سے منع فرمایا تھا۔ پھر بعد میں آپ ﷺ فرمایا: "کھاؤ، زادِ راہ بناؤ اور رکھو"۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۳/۵۰۶.

(۲) مسلم: ۱۹۷۲، الأضاحي، النهي ... بعد ثلاث.

فائدہ: ابتداء اسلام میں قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھنے اور کھانے کی ممانعت تھی۔ ممانعت کی وجہ فقراء و مساکین تھے؛ چناں چہ ایک روایت میں ہے: میں نے تم کو ان محتاج، خانہ بدوشوں کی وجہ سے منع کیا تھا، جو اس وقت آگئے تھے۔ اب کھاؤ اور رکھو، اور صدقہ کرو[1]۔ بہر حال، ابتداء میں نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا تھا کہ تین دن سے زیادہ گوشت نہ رکھا جائے۔ پھر اس کے بعد دوسرے حکم میں آپ ﷺ نے اجازت دیدی کہ جمع کر سکتے ہیں۔ اِس لیے بقدر ضرورت رکھنا جائز ہے اور اس میں سے بھی صدقہ کرتے رہنا چاہیے۔

قربانی کے سلسلہ میں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ میت کی طرف سے قربانی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ علماء نے لکھا ہے کہ ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی ایصال ثواب کے لیے قربانی کرتا ہے؛ تو درست ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ آپؓ نے نبی کریم ﷺ کی طرف سے قربانی کی ہے۔ چناں چہ حضرت حَنَش ابن ربیعہ کوفیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ آپؓ دو مینڈھے ذبح کر رہے ہیں۔ میں نے ان سے کہا: یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت کی ہے کہ میں ان کی طرف سے قربانی کروں؛ اس لیے میں ان کی طرف سے قربانی کر رہا ہوں[2]۔ اگر قربانی کا وقت نہیں ہے تو صدقہ افضل ہے ورنہ قربانی ہی افضل ہے، کیوں کہ صدقہ و خیرات میں فقط مال ادا کرنا ہے اور قربانی میں مال ادا کرنے کے ساتھ فدیہ بھی ہے۔ یعنی دو مقصد پائے جاتے ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ ایام نحر میں جو ثواب اراقتِ دم یعنی ذبح کرنے سے حاصل ہوتا ہے، وہ صدقہ سے کہاں حاصل ہو سکتا ہے[3]۔

(۳۳۹) اللہ تعالیٰ کے تین مہمان

عن أبي هُرَيْرَةَ ﷺ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَفْدُ اللهِ ثَلَاثَةٌ: الْغَازِي،

---

(۱) صحيح مسلم: ۱۹۷۱، كتاب الاضاحى.
(۲) أبو داود: ۲۷۹۰، الترمذي: ۱۴۹۵.
(۳) فتاویٰ رحیمیہ: ۳۰/۱۰.

وَالْحَاجُّ، وَالْمُعْتَمِرُ(۱).

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: "اللہ پاک کے تین مہمان ہیں: جہاد کرنے والا، حج کرنے والا اور عمرہ کرنے والا"۔

فائدہ: حدیث شریف میں تین لوگوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ وہ لوگ اللہ کے مہمان ہیں۔ اللہ کے محبوبوں کی جماعت میں شامل ہیں۔ ان میں سے ایک غازی یعنی مجاہد ہے کہ دین کی سربلندی کے لیے جہاد کرتا ہے۔ دوسرا حاجی ہے اور تیسرا عمرہ کرنے والا ہے۔ یہ لوگ دیگر تمام مسلمانوں سے ممتاز ہیں۔ اللہ کے نزدیک ان کی بڑی اہمیت ہے، ان کا شمار مقربین میں ہے؛ کیوں کہ انہوں نے گھر والوں کو چھوڑا اور جان ومال کی پریشانیوں کو برداشت کیا ہے(۲)۔

حدیث شریف میں جن تین اشخاص کا ذکر ہے، ان میں حاجی اور معتمر دونوں ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں، حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہیں۔ اگر وہ اللہ سے دعاء مانگتے ہیں؛ تو اللہ ان کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ اگر وہ بخشش چاہتے ہیں؛ تو اللہ ان کو بخش دیتا ہے(۳)۔ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے امت کو تعلیم دی کہ حاجی جب حج کرکے واپس آئے؛ تو اس سے دعا کراؤ، اپنے لیے استغفار کراؤ، قبل اس کے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو؛ کیوں کہ وہ گناہوں سے پاک ہے(۴)۔

(۳۴۰) کن جانوروں کی قربانی درست نہیں؟

عَنِ الْبَرَاءِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ سُئِلَ مَاذَا يُتَّقَى مِنَ الضَّحَايَا؟ فَأَشَارَ بِيَدِهِ، وَقَالَ: «أَرْبَعًا - وَكَانَ الْبَرَاءُ يُشِيرُ بِيَدِهِ، وَيَقُولُ: يَدِي أَقْصَرُ مِنْ يَدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ - الْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ ظَلْعُهَا، وَالْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا، وَالْمَرِيضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا، وَالْعَجْفَاءُ الَّتِي لَا تُنْقِي»(۵).

---

(۱) سنن النسائي: ۲۶۲۵، المناسك، باب فضل الحج.
(۲) مرقاة المفاتيح: ۵/۴۴۴.
(۳) ابن ماجة: ۲۸۹۲، المناسك، فضل دعاء الحاج.
(۴) مسند أحمد: ۵۳۷۱.
(۵) موطأ الإمام مالك: ۱۳۸۷، الضحايا، ما ... الضحايا.

ترجمہ: حضرت براء ابن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کس جانور کی قربانی سے بچا جائے؟ تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا اور کہا: "چار"۔ حضرت براءؓ اپنے ہاتھ سے اشارہ کرتے اور کہتے کہ میرا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے چھوٹا ہے۔ (آپ ﷺ نے فرمایا) (۱) لنگڑا جس کا لنگڑاپن ظاہر ہو، (۲) کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو، (۳) بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو، (۴) ایسا دبلا کہ جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔

فائدہ: حدیث شریف میں قربانی کے جانور کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ عیب دار جانور نہ ہو۔ قربانی کا مسئلہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے اور دیگر ائمہ رحمہم اللہ کے یہاں قربانی سنت ہے۔ لیکن قربانی کے لیے ضروری ہے کہ صحت مند، عیب سے پاک جانور کی قربانی کی جائے۔ حدیث پاک میں چار عیبوں کا ذکر ہے۔ دیگر احادیث میں اور بھی عیوب کا ذکر کیا گیا ہے، جو قربانی کرتے وقت علاقہ کے معتبر علماء سے معلوم کر لیا جائے۔

قربانی اتنی اہم عبادت ہے کہ دس ذی الحجہ عید الاضحی کے دن قربانی سے بڑی کوئی عبادت ہی نہیں ہے۔ چناں چہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قربانی کے دن انسان کا کوئی عمل بھی اللہ کے نزدیک قربانی سے زیادہ مقبول نہیں۔ (یعنی قربانی کے دنوں میں قربانی سب سے زیادہ مقبول ہے) اور یقیناً وہ (جانور) قیامت کے دن اپنے سینگوں، کھروں، اور بالوں کے ساتھ آئے گا اور بیشک قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے قبل ہی، اللہ پاک کے یہاں قبولیت کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔ لہذا تم اس سے اپنے نفس کو خوش کرو[1]۔

معلوم یہ ہوا کہ ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کو اللہ کے نزدیک سب سے محبوب اور پسندیدہ عمل قربانی ہی ہے؛ اس لیے ان دنوں میں قربانی کرنی چاہیے۔ اور چوں کہ یہ عمل محبوب ترین عمل ہے؛ اس لیے بے عیب جانور کی ہی قربانی درست ہوگی۔ ایک روایت میں ہے: کہ کان اور آنکھ کو اچھی طرح چیک

(۱) الترمذي: ۱۴۹۳، أبواب الأضاحي.

کرلیا جائے، اور اس جانور کی قربانی نہ کریں جس کا کان اگلی یا پچھلی طرف سے کٹا ہوا ہو۔ اور نہ ہی وہ جانور جس کا کان لمبائی میں چیرے ہوئے ہوں۔ یا گولائی میں پھٹے ہوئے ہوں[۱]۔ اس لیے قربانی کا جانور خریدتے وقت ان باتوں کا خیال رکھا جائے کہ جانور بے عیب ہو۔

(۳۴۱) بیعت عقبہ اولیٰ

عَنْ عُبَادَةَ قَالَ: بَايَعْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ[۲].

ترجمہ: حضرت عبادہ ابن صامتؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے آسانی اور تنگی—ہر حال—میں سمع وطاعت کی بیعت کی ہے۔

فائدہ: حدیث شریف میں عقبہ اولیٰ کی بیعت کا ذکر ہے۔ مسند احمد میں یہی روایت اس طرح ہے کہ عبادہ بن صامتؓ ان بارہ لوگوں میں تھے، جنہوں نے تنگی و آسانی میں سمع وطاعت پر عقبہ اولیٰ میں بیعت کی تھی، کہ ہم اپنے گھر والوں سے نہیں جھگڑیں گے اور ہم ہر حال میں حق بات کہیں گے اور اللہ پاک کے بارے میں کسی بھی لعنت وملامت کا خوف نہیں کریں گے[۳]۔ اِس روایت میں بیعتِ عقبہ اولیٰ کا ذکر ہے۔ امام بخاریؒ نے یہ پوری روایت ذکر کی ہے۔

یہ واقعہ ہجرت سے سال یا ڈیڑھ سال قبل کا ہے، ۱۱ نبوی میں چھ حضرات (جن کے نام اس طرح ہیں اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث، رافع بن مالک، قُطبہ بن عامر، عقبہ بن عامر اور جابر بن عبد اللہ) نے مدینہ آکر موسم حج میں اسلام قبول کیا؛ اور جب واپس گئے تو ان کی محنت سے آئندہ سال کچھ لوگوں کا اضافہ ہوا۔ اور سنہ بارہ نبوی مطابق: جون ۶۲۱ عیسوی میں بارہ آدمیوں کے ایک وفد نے نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی؛ ان میں جابر بن عبد اللہ کے علاوہ پانچ وہ لوگ بھی تھے جو ایک سال قبل آکر اسلام لاچکے تھے، جن کا ذکر اوپر ہوا۔ پھر بیعت کی مجلس لگی جو تاریخ اسلام میں عقبہ اولیٰ کے نام سے

---

(۱) الترمذي: ۱٤۹۸، أبواب الأضاحي.

(۲) البخاري: ۷۱۹۹، الأحكام، كيف يبايع الإمام الناس.

(۳) مسند احمد: ۲۲۷۰.

مشہور ہوئی۔ بیعت ہونے کے بعد، جب حج کا موسم ختم ہوگیا؛ تو نبی کریم ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر کو اسلام کا پہلا سفیر اور معلم بنا کر، اُن حضرات کے ساتھ مدینہ طیبہ روانہ کیا؛ تاکہ وہاں مسلمانوں کو اسلام کے اعمال سکھائیں، ان کو دین سمجھائیں اور جو شرک میں مبتلا ہیں، ان کو اسلام کی دعوت دیں۔ انھوں نے اسعد ابن زرارہؓ کے مکان پر قیام کیا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے ان کے ساتھ مل کر، اِتنی محنت کی کہ ایک سال میں، مدینہ پاک کے ہر گھر میں اسلام داخل ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ کو خوش خبری سنائی، مدینہ کے قبائل کے حالت سے آپ ﷺ کو باخبر کیا، ان کے اندر جو خیر و بھلائی کی باتیں تھیں، اس سے آپ ﷺ کو مطلع فرمایا[1]۔

(۴۴۲) غزوۂ سَویق کا سبب؟

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ بَدْرٍ: «هَذَا جِبْرِيلُ آخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهِ، عَلَيْهِ أَدَاةُ الْحَرْبِ»[2].

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ غزوۂ بدر کے دن نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "یہ جبریل ہیں، اپنے گھوڑے کا سر پکڑے ہوئے اور ہتھیار لگائے ہوئے ہیں"۔

فائدہ: یہ حدیث شریف غزوۂ بدر سے متعلق ہے اور غزوۂ بدر کا قصہ حدیث نمبر: ۲۷۰ میں گزر چکا ہے، کہ کس طرح اللہ پاک نے مسلمانوں کی مدد فرمائی تھی۔ صحابۂ کرام کی تعداد کل تین سو تیرہ اور کفار مکہ کی تعداد ایک ہزار تھی۔ کفار پورے طور پر مسلح اور صحابۂ کرامؓ نہتے تھے؛ لیکن اللہ پاک نے حضرت جبریل علیہ السلام کو فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ آپ ﷺ کی نصرت و مدد کے لیے روانہ فرمایا، جس کا ذکر اس حدیث پاک میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبریلؑ گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے ہیں اور ہتھیار بھی لیے ہوئے ہیں۔

---

(۱) الرحیق المختوم: ۱۳۹۔

(۲) البخاري: ۳۹۹۵، المغازي، شهود الملائكة بدرًا.

دراصل غزوۂ سویق کا سبب غزوۂ بدر ہی ہے اس مناسبت سے یہ حدیث یہاں لکھی گئی ہے۔

بدر میں مشرکین عرب کی زبردست شکست ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے رؤساءِ قریش غصہ سے بھرے ہوئے تھے۔ ان رؤساء قریش اور خاص کر ابوسفیان ابن حرب نے قسم کھائی کہ جب تک محمد ﷺ سے جنگ کر کے بدر کا بدلہ نہ لے لوں گا، اس وقت تک سکون سے نہ بیٹھوں گا اور نہ غسل جنابت کروں گا۔ چناں چہ اپنی قسم پوری کرنے کے لیے ذوالحجہ کے پہلے عشرہ میں، دوسو سوراوں کو لیکر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے نکلا، اور ثیب نامی پہاڑ پر خیمہ زن ہوا۔ لیکن ابوسفیان کو مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اس لیے وہ رات کی تاریکی میں مدینہ کے اطراف میں عریض نامی ایک مقام میں گیا اور وہاں لوٹ کھسوٹ کی۔ کھجور کے کچھ درخت کاٹے اور کچھ جلائے اور دو آدمیوں کو قتل کر کے مکہ کی طرف واپس بھاگ آئے۔

اِس واقعہ کی خبر ملتے ہی رسول اللہ ﷺ نے تیز رفتاری سے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کا تعاقب کیا؛ لیکن وہ لوگ نہ ملے۔ ان لوگوں نے بھاگتے ہوئے بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ستو اور بہت سارا سامان پھینک دیا تھا، جو مسلمانوں کو ہاتھ لگا، اور اسی لیے اس کا نام غزوۂ سویق ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے قَرقَرَۃُ الکُدر نامی مقام تک اُن کا تعاقب کیا؛ پھر واپس ہوئے[1]۔

۹/ذوالحجہ کو نبی کریم ﷺ اس غزوہ سے واپس ہوئے اور ۱۰/ذی الحجۃ الحرام کو عید کی دوگانہ ادا کی اور دو مینڈھے قربانی کیے اور مسلمانوں کو قربانی کا حکم دیا۔ مسلمانوں کی یہ پہلی بقر عید یعنی قربانی تھی۔ اسی سال ذوالحجہ یا محرم یا صفر میں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی ہوئی[2]۔

(۳۴۳) سب سے پہلے جنت میں کون داخل ہوگا؟

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبَعًا

---

(۱) الرحيق المختوم: ۲۱۸. (۲) سيرة المصطفى: ۲/۱۷۱.

يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ»(۱).

ترجمہ: حضرت انس ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قیامت کے دن میرے پیروکار تمام انبیاء سے زیادہ ہوں گے اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا"۔

فائدہ: نبی کریم ﷺ کی فضیلت تمام انبیاء پر مسلم ہے۔ آپ ﷺ امام الانبیاء ہیں؛ اسی لیے معراج کے سفر میں آپ ﷺ نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی۔ قرب قیامت جب حضرت عیسیٰ کا نزول ہوگا؛ تو وہ نبی کریم ﷺ کے امتی کی حیثیت سے تشریف لائیں گے اور جتنے عیسائی ہیں سب مسلمان ہو جائیں گے۔ پھر قیامت آجائے گی۔ اس وقت تک نبی امی ﷺ کی امت کی تعداد سابقہ تمام امتوں سے بڑھی ہوئی ہوگی۔ اسی کو نبی کریم ﷺ نے اس حدیث شریف میں ذکر کیا ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین یعنی مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔ حدیث کا دوسرا ٹکڑا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس ہی سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھلوائے گی۔ چناں چہ دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن میں جنت کے دروازے پر آکر دروازہ کھلواؤں گا۔ جنت کا دربان پوچھے گا کون؟ میں جواب دوں گا: محمد۔ وہ کہے گا کہ مجھے آپ ہی کے بارے میں حکم ملا تھا کہ آپ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں(۲)۔

اِس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی ذات سب سے افضل سب سے اشرف ہے؛ اس لیے سب سے پہلے جنت میں آپ ہی داخل ہوں گے۔ آپ ﷺ کے بعد سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والی قوم نبی کریم ﷺ کی امت ہوگی۔ یعنی ہم مسلمان ہوں گے۔ چناں چہ ایک حدیث میں ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہم بعد میں آنے والے لوگ ہیں؛ لیکن قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے اور سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے(۳)۔

---

(۱) مسلم: ۱۹۶، الإيمان، أنا أول الناس يشفع في الجنة.
(۲) مسلم: ۱۹۷، كتاب الايمان.
(۳) مسلم: ۸۵۵، الجمعة، هداية الأمة ... ليوم الجمعة.

ایمان والے جنت میں کس طرح جائیں گے، اس کا نقشہ قرآن نے اس طرح کھینچا ہے:
وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ * وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴾: اور جو لوگ اپنے رب کی نافرمانی سے پرہیز کرتے تھے انہیں گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا؛ یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے، اور اس کے دروازے پہلے ہی کھولے جا چکے ہوں گے، تو اس کے منتظمین ان سے کہیں گے: کہ سلام ہو تم پر بہت اچھے رہے، داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ کے لیے؛ اور وہ کہیں گے: شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اور ہم کو زمین کا وارث بنا دیا؛ اب ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنی جگہ بنا سکتے ہیں۔ بس بہترین اجر ہے عمل کرنے والوں کے لیے[۱]۔

(۴۴۴) نیک عمل کرتے رہنا چاہیے

عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَمَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ». فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ، أَفَلَا نَتَّكِلُ؟ قَالَ: «لَا، اعْمَلُوا، فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ». ثُمَّ قَرَأَ: ﴿ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ * وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ * فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ﴾ إِلَىٰ قَوْلِهِ: ﴿ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ﴾[۲].

ترجمہ: حضرت علیؓ نے بیان کیا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کہ تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانہ جنت یا جہنم میں لکھا ہوا ہے۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پھر ہم اسی پر بھروسہ کیوں نہ کر لیں؟ فرمایا نہیں عمل کرتے رہو؛ کیوں کہ ہر شخص کو آسانی دی گئی ہے اور اس کے بعد آپ نے اس آیت کی تلاوت کی ﴿ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ * وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ * فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ﴾ سے ﴿ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ﴾ تو جس نے راہ خدا میں مال دیا اور خدا کی نافرمانی سے پرہیز کیا، اور بھلائی کو سچ

(۱) الزمر: ۷۳-۷۴، تفهيم القرآن.
(۲) البخاري: ۴۹۴۷، التفسير، قوله ... واستغنى.

مانا، اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔

فائدہ: حدیث شریف میں اعمال کی اہمیت وفضیلت کا ذکر ہے یعنی یہ کہ قضاء وقدر پر ایمان کے ساتھ ساتھ، اعمال حسنہ بھی ضروری ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ عمل کو نہ چھوڑو؛ بلکہ کرتے رہو۔ دوسری روایت میں اور تفصیل ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ ہم بقیع غرقد میں ایک جنازہ کے ساتھ تھے۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور بیٹھ گئے۔ ہم بھی آپ ﷺ کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ کے پاس ایک چھڑی تھی جس سے آپ ﷺ زمین کریدنے لگے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں یا کوئی جان ایسی نہیں جس کا ٹھکانا جنت اور دوزخ: دونوں جگہ نہ لکھا گیا ہو اور یہ بھی کہ وہ نیک بخت ہو گی یا بد بخت۔ اس پر ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ! پھر کیوں نہ ہم اپنی تقدیر پر بھروسہ کرلیں اور عمل چھوڑدیں؛ کیوں کہ جس کا نام نیک دفتر میں لکھا ہے، وہ ضرور نیک کام کی طرف رجوع ہو گا اور جس کا نام بد بختوں میں لکھا ہے، وہ ضرور بدی کی طرف جائے گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بات یہ ہے کہ جن کا نام نیک بختوں میں ہے، ان کو اچھے کام کرنے میں ہی آسانی معلوم ہوتی ہے اور بد بختوں کو برے کاموں میں آسانی نظر آتی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی «فأما من أعطى واتقى»[1]۔

عینیؒ نے لکھا ہے کہ اہل سنت والجماعت کے یہاں یہ حدیث اصول کی حیثیت رکھتی ہے کہ نیک بختی وبد بختی بھی اللہ کی پیدا کردہ ہے۔ نوویؒ نے فرمایا کہ اس حدیث میں قضاء وقدر کا ثبوت موجود ہے اور یہ کہ تمام واقعات فیصلۂ خداوندی سے وجود میں آتے ہیں۔ جو بھی اللہ فیصلہ کرے گا، اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے[2]۔

---

(۱) صحيح البخاري: ۱۳٦۲.

(۲) عمدة القاري: ۸/۲۷۸.

(۳۴۵) قبر میں جزاوسزا

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ وَجَبَتِ الشَّمْسُ، فَسَمِعَ صَوْتًا، فَقَالَ: «يَهُودُ تُعَذَّبُ فِي قُبُورِهَا»[1].

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ غروب آفتاب کے بعد نبی کریم ﷺ نکلے، تو ایک آواز سنی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "یہود کو اس کی قبر میں عذاب دیا جارہا ہے"۔

فائدہ: انسان جو کچھ عمل کرتا ہے، مرنے کے بعد اس کا اچھا یا برا بدلہ ملے گا۔ اکثر و بیشتر اس کے اعمال کے اثرات، دنیا میں ہی مرتب ہونے لگتے ہیں۔ لیکن دنیوی جزاء و سزا عارضی ہے اور آخرت سے متعلق جو جزاء و سزاء ہے، وہ دائمی ہے۔ اور اس دائمی جزا کا سلسلہ قبر سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ حدیث پاک میں اسی کو بیان کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک قبر سے چیخ و پکار کی آواز سنی، وہ قبر یہودی کی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہود کو عذاب ہو رہا ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ کا معمول تھا کہ عذاب قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

جس طرح کا عمل اس نے کیا ہوتا ہے، قبر میں جانے کے بعد نتیجے کے طور پر اس کا ٹھکانہ اس کو دکھایا جاتا ہے۔ چناں چہ روایت میں ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کہ جب آدمی قبر میں رکھا جاتا ہے اور دفن کر کے لوگ واپس ہو جاتے ہیں؛ تو وہ ان کے جوتے کی آواز سنتا ہے۔ پھر دو فرشتے آتے ہیں۔ اس کو بٹھاتے ہیں، اور پوچھتے ہیں کہ اس شخص کے متعلق تمہارا کیا اعتقاد ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے: اشهد انه عبد الله ورسوله یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس جواب پر اس کو کہا جاتا ہے: کہ یہ دیکھ جہنم کا اپنا ایک ٹھکانہ۔ لیکن اللہ پاک نے جنت میں تیرے لیے ایک مکان اس کے بدلہ میں بنا دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ پھر اس بندہ مؤمن کو جنت اور

---

(۱) البخاري: ۱۳۷۵، الجنائز، التعوذ من عذاب القبر.

جہنم دونوں دکھائی جاتی ہے"۔

اور رہا کافر یا منافق؛ تو اُس کا جواب یہ ہوتا ہے، کہ مجھے معلوم نہیں۔ میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے سنا تھا۔ وہی میں بھی کہتا رہا۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ نہ تم نے کچھ سمجھا اور نہ (اچھے لوگوں کی) پیروی کی۔ اس کے بعد اسے ایک لوہے کے ہتھوڑے سے بڑے زور سے مارا جاتا ہے اور وہ اتنے بھیانک طریقہ سے چیختا ہے کہ انسان اور جن کے سوا ارد گرد کی تمام مخلوق سنتی ہے[1]۔ قبر میں مدفون یہودی شخص چوں کہ کافر تھا اس لیے عذاب میں تھا۔ اللہ پاک ہم سب لوگوں کو قبر کے عذاب سے محفوظ فرمائے، آمین۔

(۴۴۶) مال کی حفاظت میں جان دینے والے کا حکم؟

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ»[2].

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوا قتل کر دیا گیا، وہ شہید ہے"۔

فائدہ: حدیث شریف میں یہ بتایا گیا کہ کوئی شخص مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے؛ مثلاً: چور، ڈاکو، یا راہزن سے مڈبھیڑ ہو گئی اور مارا گیا؛ تو ایسا آدمی شہید ہے۔ اس کے علاوہ بھی شہید کی قسمیں ہیں، مثلاً: ایک حدیث شریف میں ہے جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے اور جو اپنے گھر والوں کی حفاظت میں مارا جائے وہ بھی شہید ہے؛ یا جو اپنی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے، وہ بھی شہید ہے اور جو اپنے دین کی حفاظت میں مارا جائے وہ بھی شہید ہے[3]۔

---

(١) البخاري: ١٣٣٨، الجنائز، الميت يسمع خفق النعال.
(٢) البخاري: ٢٤٨٠، المظالم، باب من قاتل دون ماله.
(٣) أبو داود: ٤٧٧٢، كتاب السنة، في قتال اللصوص.

لیکن یہ یاد رہے کہ شہید کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا میں شہید جیسے احکام نافذ ہوں گے؛ بل کہ یہ حضرات شہید حکمی کے درجہ پر فائز ہوں گے اور اللہ کے یہاں شہید کا ثواب پائیں گے؛ ان کو غسل اور کفن کے بعد جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا جائے گا۔

(۳۴۷) خلفائے ثلاثہ کی فضیلت

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: صَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أُحُدٍ، وَمَعَهُ أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ، فَرَجَفَ بِهِمْ، فَضَرَبَهُ بِرِجْلِهِ، قَالَ: «اثْبُتْ أُحُدُ؛ فَمَا عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ، أَوْ صِدِّيقٌ، أَوْ شَهِيدَانِ»[1].

ترجمہ: حضرت انس ابن مالکؓ نے بیان فرمایا کہ نبی کریم ﷺ اُحد پہاڑ پر چڑھے اور آپ ﷺ کے ساتھ ابو بکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے، اُحد جھومنے لگا۔ آپ ﷺ نے اُحد پر ایک ٹھوکر لگائی اور فرمایا: "احد ٹھہر جا تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں"۔

فائدہ: اس حدیث میں خلفاء ثلاثہ حضرات ابو بکر و عمر اور عثمان غنیؓ کے فضائل ہیں۔ نبی کریم ﷺ ایک بار اُن تینوں حضرات کے ساتھ اُحد پہاڑ پر تھے۔ آپ ﷺ کی آمد سے، اُحد پہاڑ اتنا خوش ہوا کہ خوشی میں جھومنے لگا۔ جب اس کی حرکت تیز ہوئی؛ تو آپ ﷺ نے اپنے قدم مبارک سے پہاڑ کو ٹھوکر مارا اور فرمایا: ٹھہر جا، تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

حدیث پاک سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ تینوں صحابۂ کرام جنتی ہیں۔ دوسری یہ کہ حضرت عمر و عثمان غنیؓ کے بارے میں پیش گوئی ہے کہ ان دونوں کو شہادت کا مرتبہ ملے گا۔ تیسری بات یہ کہ صحابۂ کرامؓ کے نزدیک اِن تینوں حضرات کے درجات فضائل کے اعتبار سے اسی ترتیب سے مشہور تھے۔ دربار نبوت میں اِن تینوں صحابہ کرامؓ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس حدیث میں ان حضرات کی خلافت کی ترتیب کی طرف بھی اشارہ ہے۔

---

(۱) البخاري: ٣٦٨٦، الفضائل، مناقب عمر بن خطاب.

ایک حدیث میں ہے، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں کہتے تھے کہ آپ ﷺ کے بعد، آپ کے امتی میں سب سے افضل ابو بکر، پھر عمر، پھر عثمانؓ ہیں[1]۔ معلوم یہ ہوا کہ صحابۂ کرامؓ کے یہاں بھی افضلیت اسی اعتبار سے تھی۔ لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ معاذ اللہ ان حضرات کی وجہ سے حضرت علی ودیگر صحابۂ کرام کے فضائل ومناقب نہیں ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مناقب کے لیے بس یہی کافی ہے کہ قرآن نے ان کے لیے یہ اعلان کر دیا کہ "اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں"، اور اہل بیت رسول اللہ کے لئے تو سورۂ احزاب میں مستقل آیت (۳۳) نازل ہوئی، اور احادیث کا ذخیرہ موجود ہے۔

(۳۴۸) علامات قیامت

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ، وَحَتَّى يَعْبُدُوا الأَوْثَانَ، وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي»[2].

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قیامت اُسی وقت قائم ہوگی جب کہ میری امت کے کچھ لوگ مشرکین سے جا ملیں گے اور وہ بتوں کی پوجا کریں گے اور عنقریب میری امت میں تیس کذاب ہوں گے۔ جن میں سے ہر ایک یہ گمان کرے گا کہ وہ نبی ہے؛ حالاں کہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں"۔

فائدہ: حدیث شریف میں قیامت کی جو علامتیں بیان کی گئیں ہیں، ان میں سے کچھ کا وقوع حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں اور کچھ کا اس کے بعد ہو چکا ہے اور کچھ کا ظہور آئندہ ہوگا۔ نبی کریم ﷺ کے انتقال کے بعد، بعض قبائل مرتد ہو گئے تھے اور بتوں کی پوجا شروع کر دی تھی۔ کچھ قبائل نے نبوت کا دعویٰ بھی کیا تھا اور کچھ اس زمانہ میں بھی وقوع پذیر ہو رہے ہیں اور کچھ آئندہ بھی

---

(۱) أبو داود: ٤٦٢٨، اول كتاب السنة، في التفضيل.

(۲) الترمذي: ۲۲۱۹، الفتن، لا تقوم ... يخرج كذابون.

ہوں گے۔ «يَعْبُدُوا الْأَوْثَانَ» یعنی بتوں کی پوجا کریں گے، حدیث شریف میں یہ لفظ عام ہے۔ اس سے مراد غیر اللہ کی پوجا ہے خواہ قبروں پر سجدہ کرنا، یا تعزیہ و علم کی پوجا کرنا یہ سب اس میں داخل ہے۔ چناں چہ ہندوستان کے عظیم محدث حضرت مولانا خلیل احمد سہار نپوریؒ فرماتے ہیں: "حتی تلحق قبائل من امتی" میں شاید رِدَّت کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جو حضرت صدیقؓ کی خلافت میں وقوع پذیر ہوا یا مغربی ملک تونس میں واقع ہوا کہ وہاں عیسائی قابض ہوئے۔ پھر بعض مسلمان تو وہاں سے نکل گئے اور بعض نے عیسائیت اختیار کرلی۔ اور بتوں کی پوجا سے مراد یا تو اہل بدعت کی قبروں کی پوجا ہے یا اُس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو آخر زمانہ میں پیش آئے گا۔ اور تیس کذاب جھوٹے پیدا ہوں گے، جو نبوت کا دعویٰ کریں گے۔ چناں چہ ایک کذاب جس نے نبوت کا دعویٰ کیا وہ اس زمانہ میں بھی موجود تھا کہ پنجاب کے علاقۂ قادیان میں غلام احمد قادیانی نے پہلے دعویٰ کیا کہ وہ مہدی ہے، پھر مسیح ہونے کا دعویٰ کیا اور حضرت عیسیٰ کے نزول کا انکار کیا وغیرہ[1]۔

آپ ﷺ نے فرمایا: میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ جب کوئی نبی نہیں ہوگا، تو مرزا قادیانی یا دوسرے مدعی نبوت کو کذاب ہی کہا جائے گا۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد نبوت کے امکان ہی کو ختم کر دیا اور فرمایا کہ میرے بعد نبی بننے کی صلاحیت صرف ایک ہی شخص میں ہے اور وہ ہے عمر ابن خطاب؛ لیکن وہ بھی نبی نہیں ہوگا؛ کیوں کہ سلسلۂ نبوت یہیں موقوف ہو چکی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر ابن خطاب ہوتا[2]۔

(۴۴۹) قرآن میں مختلف قراءتوں کا حکم

عن ابنِ عبّاسٍ رضي الله عنهما حدّث انّ رسولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «أَقْرَأَنِي جِبْرِيلُ عَلَى حَرْفٍ، فَرَاجَعْتُهُ، فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيدُهُ، وَيَزِيدُنِي حَتَّى انْتَهَى إِلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ»[3].

---

(۱) بذل المجهود: ۲۸٦/۱۲.

(۲) الترمذي: ۳٦۸٦ ، أبواب المناقب.

(۳) البخاري: ٤۹۹۱، فضائل القرآن، أنزل ... أحرف.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جبریل علیہ السلام نے -پہلے- مجھ کو ایک ہی قراءت پر قرآن پڑھایا؛ تو میں نے ان سے رجوع کیا، میں برابر ان سے کہتا رہا اور وہ اضافہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ سات حرفوں تک پہنچ گئے"۔

فائدہ: قرآن کریم کا مختلف قراءتوں پر نازل ہونا اعجاز ہے۔ اس میں اختلاف کرنا قرآن کے اعجاز کا انکار ہے۔ دور حاضر میں چوں کہ مسلمان علمی انحطاط کے ساتھ ساتھ ایمان و عقائد کی کمزوری میں بھی مبتلا ہیں؛ لہذا اس موقع کا فائدہ اٹھا کر مغرب نے قرآن کی قراءتوں کے سلسلہ میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ پھر اُن کی اقتداء کرتے ہوئے، بعض نام نہاد اہل علم نے بھی آزادیِ تحقیق کے نام پر سنت وحدیث کا انکار کر دیا۔ قرآنی علوم کی وسعت اور گہرائی کی ناواقفیت کی بنا پر، اپنے علاقہ میں رائج قراءت کے علاوہ دوسری متواتر ومشہور قراءت کا انکار کر دیا۔ تاہم اُس سب کے باوجود چوں کہ اللہ پاک نے اس کتاب مقدس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے؛ اس لیے اُن فتنوں کے دور میں اللہ پاک اپنے بندوں سے قراءتِ قرآن کے سلسلہ میں عظیم خدمت لے رہا ہے۔ صرف برصغیر میں ہی تجوید وقراءت کے سینکڑوں مدرسے اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں یہ ارشاد فرمایا کہ ابتداءً تو جبریل علیہ السلام نے ایک ہی لغت پر مجھ کو قرآن پڑھایا تھا۔ ایک ہی قراءت میں قرآن نازل ہوا تھا۔ لیکن میں نے جبریل سے کہا، اور ان سے دوسری قراءت کا مطالبہ کیا؛ تو انھوں نے اس مطالبہ کو قبول کر لیا اور سات حرفوں تک یعنی سات قراءتوں تک کی اجازت مل گئی[1]۔

ایک روایت میں ہے کہ جبریل علیہ السلام سے نبی کریم ﷺ نے ملاقات کی؛ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے جبریل میں ایک ان پڑھ امت کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ اُن میں بوڑھی عورتیں، بوڑھے مرد اور لڑکے لڑکیاں ہیں؛ اور ان میں ایسا شخص بھی ہے، جس نے قرآن نہیں پڑھا۔

---

(۱) مرقاة المفاتيح: ۵/۹۵۔

جبریلؑ نے کہا: اے محمد قرآن سات لغتوں پر اتارا گیا ہے[1]۔ معلوم یہ ہوا کہ قرآن کا سات قراءتوں میں نازل ہونا یہ قرآن میں آسانی پیدا کرنے کے لیے ہے۔

(۳۵۰) قرآن کریم کو اچھی آواز سے پڑھیے

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «حَسِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ؛ فَإِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيدُ الْقُرْآنَ حُسْنًا»[2].

ترجمہ: حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے: قرآن کو اپنی اچھی آواز کے ساتھ پڑھو؛ کیوں کہ اچھی آواز قرآن میں حسن کو زیادہ کرتی ہے۔

فائدہ: قرآن کریم نبی آخر الزماں ﷺ پر نازل کردہ قیامت تک آنے والے انس وجن کے لیے آخری کتابِ ہدایت ہے۔ جس طرح نبی امی ﷺ کی بعثت نے نبوت پر مہر لگادی؛ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔ اِسی طرح اِس کتاب عظیم نے کتب سماویہ پر مہر لگادی۔ آئندہ آسمان سے کوئی کتاب نازل نہیں ہوسکتی اور آنے کی بات تو دور کی ہے۔ رہتی دنیا تک کے لوگوں کے لیے یہ چیلنج ہے کہ اس قرآن کریم جیسی ایک آیت کوئی نہ تو کہہ سکتا ہے نہ لکھ سکتا ہے نہ سوچ سکتا ہے۔

یہ کتاب پاک پروردگار نے پاک نبی ﷺ پر اتاری ہے۔ اِس کو چھونے اور پڑھنے کے آداب بھی بیان کیے گئے ہیں۔ اس کو چھونے اور دیکھنے میں بھی برکت ہے۔ چناں چہ کوئی ناپاک یا بے وضو شخص اِس کو چھو نہیں سکتا۔ حالت جنابت میں اس کو پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ پاک نے لوگوں کے لیے اِس میں شفاء رکھا ہے۔ جس طرح اس کو چھونے اور پڑھنے کے لیے پاکی اور صفائی ضروری ہے، اِسی طرح اس کو پڑھنے کی اور تلاوت کرنے کے لیے آواز میں بھی صفائی ستھرائی ضروری ہے۔ جس کا حدیث پاک میں ذکر ہے۔ آواز میں صفائی، یعنی اچھی آواز کا مطلب یہ ہے کہ تجوید کی

---

(۱) الترمذی: ۲۹۴۴، ابواب القراءات عن رسول اللہ۔

(۲) الدارمی: ۳۵۴۴، فضائل القرآن، التغنی بالقرآن۔

رعایت کرتے ہوئے، قرآن کریم کو ترتیل سے خوش الحانی کے ساتھ پڑھا جائے؛ کیوں کہ اچھی آواز سے قرآن پڑھنا حُسن میں اضافہ کر دیتا ہے[1]۔

حدیث پاک میں صرف اچھی آواز سے تجوید و ترتیل کی رعایت کرتے ہوئے پڑھنے کا حکم ہے نہ کہ گویوں کی طرح گا کر پڑھنے کا؛ بل کہ گویوں کی طرح پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کو عرب کے طریقوں اور آواز میں پڑھو، فاسقوں واہل کتاب کے طریقوں سے بچو اور میرے بعد ایک قوم آئے گی، جو قرآن کو بطور راگ اور نوحہ کے پڑھے گی۔ اُن کا حال یہ ہوگا کہ قرآن ان کے حلق سے تجاوز نہیں کرے گا۔ ان کے دل فتنوں میں پڑے ہوں گے اور ان کے دل بھی جو اس پڑھنے کو پسند کریں گے[2]۔

مطلب یہ ہے کہ عرب جس طرح بے تکلف، دل سے پڑھتے ہیں، اسی طرح ہمیں قرآن کریم پڑھنا چاہیے۔ فاسقوں اور یہود و نصاریٰ اور کفار کے لہجہ میں قرآن نہ پڑھا جائے، جس طرح کہ وہ اپنی کتاب پڑھتے ہیں۔ اگر اس طرح پڑھا جائے گا؛ تو ایسی آواز کی تلاوت قبول نہیں ہوگی۔ اس طرح قرآن پڑھنے اور سن کر اچھا کہنے والے فتنوں میں مبتلا ہوں گے[3]۔

(۳۵۱) قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الْجَاهِرُ بِالْقُرْآنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ، وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْآنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ»[4].

ترجمہ: حضرت عقبہ ابن عامرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "زور سے قرآن پڑھنے والا علانیہ طور پر صدقہ دینے والے کی طرح ہے اور قرآن کریم آہستہ پڑھنے والا، خاموشی سے صدقہ دینے والے کی طرح ہے"۔

---

(۱) مرقاة المفاتيح: ٥/٨٦.

(۲) شعب الإيمان للبيهقي: ٢٦٤٩، في تعظيم القرآن.

(۳) مرقاة المفاتيح: ٥/٨٦.

(۴) سنن أبي داود: ١٣٣٣، الصلاة، تفريع أبواب التطوع.

فائدہ: حدیث شریف میں قرآن کریم کو بلند آواز سے اور آہستہ پڑھنے والے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ صدقہ دینے کی یہ دونوں صورتیں حالات کے اعتبار سے افضل اور معتبر ہیں۔ اِسی طرح قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے کی مثال ہے کہ بعض حالات میں، بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت افضل ہے اور بعض حالات میں آہستہ قرآن پڑھنا افضل ہے۔

ملا علی قاریؒ نے طیبیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ قرآن کریم کو بلند آواز اور پست آواز سے پڑھنے کے سلسلہ میں کئی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اس میں تطبیق اس طور پر دی گئی ہے کہ جس کو ریاکاری کا خوف ہو اس کے لیے قرآن کی تلاوت خاموشی سے کرنا افضل ہے۔ جس کو ریاکاری کا اندیشہ نہ ہو، اس کے لیے افضل ہے کہ وہ آواز سے پڑھے۔ لیکن بلند آواز سے پڑھنے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ کسی شخص کی تکلیف کا سبب نہ بنے مثلاً: کوئی نماز پڑھ رہا ہے، یا سو رہا ہے، یا اس کے علاوہ کسی کام میں مشغول ہے؛ اور بلند آواز سے پڑھنے سے اس کو تکلیف ہو رہی ہو، تو زور سے پڑھنا اچھا نہیں ہے۔

اور بلند آواز سے پڑھنے کو کئی وجہ سے افضل کہا گیا ہے۔ قرآن کی تلاوت زور سے کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس کا نفع دوسروں کو پہنچتا ہے کہ لوگ اس کو سنتے ہیں اور سیکھتے ہیں۔ یا یہ کہ یہ شعار دین میں سے ہے، قاری کے دل کو بیدار کرتا ہے، اس کے ذہن کو بھٹکنے نہیں دیتا اور دوسروں کو عبادت کا شوق دلاتا ہے۔ اگر یہ سب وجہیں پائی جائیں؛ تو بلند آواز سے قرآن پڑھنا افضل ہے[1]۔

قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے ایک بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ قرآن کریم دل لگا کر پڑھا جائے؛ اسی لیے حدیث پاک میں دل جمعی نہ ہونے کی صورت میں تلاوتِ قرآن سے روکا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کریم اس وقت تک پڑھو جب تک اس میں دل لگے، جب جی اچاٹ ہونے لگے تو اٹھ جائے[2]۔

(۱) مرقاة المفاتيح: ٥/٨٢.
(۲) صحيح البخاري: ٥٠٦٠، كتاب فضائل القرآن.

بندہ کی ناقص رائے میں یہ ان حضرات کے لیے ہے، جو قرآنِ کریم کی تلاوت کے خوگر اور عادی ہوں؛ پر جو لوگ قرآن پڑھتے ہی نہیں، یا معاذ اللہ! قرآن و حدیث کی تلاوت کو عبث اور بے کار سمجھتے ہیں، ان کو تو اپنے دل پر جبر کر کے بھی پڑھنا چاہیے، یہاں تک ان کا دل بھی قرآن کریم کی تلاوت کی حلاوت اور چاشنی محسوس کرنے لگے۔ واللہ اعلم!

(۳۵۲) قرآن اٹک اٹک کر پڑھنے والے کی فضیلت

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ، وَهُوَ حَافِظٌ لَهُ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ، وَمَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ، وَهُوَ يَتَعَاهَدُهُ، وَهُوَ عَلَيْهِ شَدِيدٌ فَلَهُ أَجْرَانِ»[۱].

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اس شخص کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس کا حافظ بھی ہے، ان نیک فرشتوں کے ہمراہ ہوگا جو شخص قرآن مجید بار بار پڑھتا ہے، پھر بھی وہ اس کے لیے دشوار ہے؛ تو اسے دوگنا ثواب ملے گا"۔

فائدہ: قرآن کریم دنیا کی واحد ایسی کتاب ہے کہ جس نے بھی اس کے ساتھ ادنی سا بھی تعلق قائم کیا، وہ دینی اور دنیاوی ہر دو اعتبار سے بھرپور فائدہ میں رہا۔ اگر کسی نے قرآن سے ہدایت پانے کی غرض سے تعلق قائم کیا؛ تو اللہ نے اس کو ہدایت دی؛ کیوں کہ قرآن کریم لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ ہے[۲]۔ اگر کسی نے شفاء حاصل کرنے کے لیے قرآن سے تعلق استوار کیا؛ تو اللہ نے اسے شفا دی؛ کیوں کہ اس میں دلوں کے روگ کے لیے شفاء ہے[۳]۔ اگر کسی نے برکت حاصل کرنے کے لیے قرآن سے تعلق استوار کیا؛ تو اللہ پاک نے اس کو برکت سے نوازا[۴]۔ اگر کسی نے دلی سکون واطمینان حاصل کرنے کے لیے قرآن کو گلے لگایا؛ تو اللہ پاک نے اس کو قلبی سکون عطا فرمایا؛ کیوں کہ ذکر اللہ سے دل مطمئن ہوتے ہیں[۵]۔ غرض یہ کہ قرآن کو صدق نیت سے جس مقصد کے لیے بھی

(۱) صحيح البخاري: ۴۹۳۷، التفسير، سورة عبس.
(۲) البقرة: /۱۸۵.
(۳) يونس: ۵۷.
(٤) سنن الدارمي: ۳۴۳٤.
(٥) الرعد: ۲۸.

پڑھا جائے، اس میں کامیابی ملتی ہے۔ اور اس کا فائدہ اتنا عام ہے کہ قرآن پڑھنے اور سننے والے دونوں اجر میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اگر کوئی قرآن کریم کو دیکھ کر پڑھتا ہے؛ تو اس کو زیادہ اجر ملتا ہے بنسبت زبانی پڑھنے والوں کے؛ کیوں کہ اس صورت میں ہاتھ آنکھ وغیرہ بھی عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور حضور قلبی بھی زیادہ رہتی ہے۔

حدیث شریف میں ماہر قرآن جس کو قرآن کریم خوب اچھی طرح یاد ہے جو بلا اٹکے پڑھتا رہتا ہے، اور ناظرہ خواں کہ وہ اٹک اٹک کر پڑھتا ہے، دونوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ حافظ قرآن کی فضیلت تو مستقل طور پر انشاء اللہ اگلی حدیث نمبر: ۳۵۳ میں آرہی ہے۔ یہاں ناظرہ خواں کا ذکر ہے کہ قرآن پڑھنے میں مہارت نہ ہونے کی وجہ سے یا زبان میں لکنت ہونے کی بنا پر، ناظرہ خواں جو محنت کرتا ہے اور مشقت اٹھاتا ہے؛ تو اس کے لیے دو اجر ہیں۔ ایک اجر تو قرآن پڑھنے کا ہے اور دوسرا اجر مشقت اور پریشانی اٹھانے کا۔ وجہ یہ ہے کہ اس کی زبان نہیں چلتی، پھر بھی وہ کوشش کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی ماہر اور حافظ قرآن کا درجہ ناظرہ خواں سے بڑھا ہوا ہے[1]۔

(۳۵۳) قرآن کریم کا ایک خاص معجزہ

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «لَوْ جُعِلَ الْقُرْآنُ فِي إِهَابٍ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ مَا احْتَرَقَ»[2].

ترجمہ: حضرت عقبہ ابن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "اگر بالفرض قرآن کریم کو چمڑے میں رکھ کر، آگ میں ڈالا جائے؛ تو آگ اس کو نہیں جلائے گی"۔ (یعنی جہنم کی آگ اس پر حرام ہے)۔

فائدہ: حدیث شریف میں ایک معجزہ کا ذکر ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ معجزہ نبی کریم

---

(۱) مرقاة المفاتيح: ۹/۵.

(۲) سنن الدارمی: ۳۳۵۳، فضائل القرآن، فضل .. القرآن.

صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ خاص تھا اور بعض علماء نے فرمایا کہ قرآن کریم کا یہ معجزہ اُس شخص کے لیے ہے، جو حافظ قرآن اور عامل قرآن ہو گا کہ قیامت کے دن جہنم کی آگ اس کو نہیں جلائے گی۔ اس صورت میں حدیث پاک میں چمڑے سے مراد انسانی پوست اور قلب و جسم ہے۔ معنی یہ ہو گا کہ جب قرآن کریم کو چمڑے میں رکھ کر آگ میں ڈالا جائے اور قرآن کی برکت سے وہ نہ جلے؛ تو پھر وہ انسان جو اس کو اپنے سینے میں محفوظ کرتا ہے، اور رات و دن پڑھتا، اور اس پر عمل کرتا ہے، وہ جہنم میں کیسے جاسکتا ہے(۱)۔

جہنم کی آگ صرف حافظوں کے اوپر ہی حرام نہیں ہے؛ بل کہ قرآن کریم حفظ کرنے اور اس پر عمل کرنے کی وجہ سے وہ اپنے خاندان والوں کی سفارش کر کے، ان کو بھی جہنم کی آگ سے بچائے گا۔ اور خود قرآن اپنے پڑھنے والے کے لیے سفارش کرے گا۔ چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے قرآن پڑھا اور اس کو یاد کیا؛ تو اللہ پاک اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ اور اس کے گھر والوں میں سے دس لوگوں کے سلسلہ میں، جن پر جہنم واجب ہو چکی ہو گی، اس کی سفارش قبول فرمائے گا۔ (یعنی اس کی سفارش سے دوسرے دس جنت میں جائیں گے)(۲)۔

یہ فضیلت تو اس حافظ قرآن کی ہوئی کہ خود بھی جنت میں گیا اور دوسرے دس لوگوں کے جنت میں جانے کا سبب بنا۔ چوں کہ ان کے والدین نے بھی اپنے بچے کو حافظ بنانے کے لیے مدرسہ کا رخ کیا تھا، اپنے نور نظر کو خود سے دور کیا تھا؛ اس لیے قیامت کے دن، ان کے ساتھ بھی خاص معاملہ کیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن پڑھے (یعنی اس کو یاد کرے) اور جو کچھ قرآن میں ہے، اس پر عمل بھی کرے؛ تو قیامت کے دن اس کے والدین کو تاج پہنایا جائے گا کہ اس کی روشنی یعنی سورج کی روشنی بھی اس کے سامنے کچھ نہیں ہے(۳)۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۵/۱۰.
(۲) مسند احمد: ۱۲۷۸.
(۳) مسند أحمد: ۱۵٦٤٥، مرقاۃ: ۵/۳۹.

خلاصہ یہ ہوا کہ حافظ قرآن کے والدین اوران کے خاندان والے بہت خوش قسمت ہیں کہ وہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی جنت میں لے جائے گا۔ مزید یہ کہ ان کے والدین کو سرداری ملے گی۔

(۳۵۴) نماز کے بعد کی دعا قبول ہوتی ہے

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ: قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَيُّ الدُّعَاءِ أَسْمَعُ؟ قَالَ: «جَوْفَ اللَّيْلِ الآخِرَ، وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ»(۱).

ترجمہ: حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے روایت ہے، عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! کس وقت کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: رات کے آخری حصہ کی اور فرض نمازوں کے بعد کی۔

فائدہ: حدیث شریف میں قبولیت دعا کے وقت کا ذکر ہے۔ لیکن انھیں دو اقات میں دعا کی قبولیت منحصر نہیں؛ بل کہ احادیث میں اور اکابرین کے تجربہ میں اور بھی اوقات مذکور ہیں، جن میں دعاء قبول ہوتی ہے۔ یہاں حدیث شریف میں دو وقت کا ذکر ہے۔ ایک رات کا آخری حصہ جس کو تہجد کا وقت اور سحری کا وقت بھی کہتے ہیں اور دوسرے ہر فرض نماز کے بعد کا وقت ہے کہ اس وقت دعاء قبول ہوتی ہے۔

یوں تو پوری نماز ہی سراپا ذکر ودعاء ہے؛ لیکن نماز کے اندر مخصوص دعائیں ہوتی ہیں اور انسان نماز کے بعد اپنی ہر جائز خواہشات کی دعاء کرسکتا ہے؛ بل کہ بعض حضرات تو ناجائز دعاء بھی کرتے ہیں جو کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ ہم نماز کے بعد دعاء کا اہتمام کریں۔ نماز کے بعد دعا کے قبول ہونے کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور آپ ﷺ نے خود بھی دعائیں مانگی ہیں اور دعائیں مانگنے کا حکم دیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ ابن جبلؓ سے فرمایا: "اے معاذ!

---

(۱) سنن الترمذي: ۳۴۹۹، أبواب الدعوات.

میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ کسی بھی نماز کے بعد اس دعاء کو مت چھوڑنا: «اللهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ، وَشُكْرِكَ، وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ».[۱] تو آپ ﷺ کے قول و فعل دونوں سے ثابت ہے کہ نمازوں کے بعد دعائیں مانگنی چاہیے اور اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

(۳۵۵) تین برائیوں سے سخت عذاب کا خطرہ

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ خَسْفٌ وَمَسْخٌ وَقَذْفٌ». فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَتَى ذَاكَ؟ قَالَ: «إِذَا ظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُورُ»[۲].

ترجمہ: حضرت عمران ابن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: "اس امت میں زمین میں دھنسنا، شکلوں کا مسخ ہونا اور پتھروں کا برسنا واقع ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ کب ہوگا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب گانے والی عورتوں اور آلات موسیقی کا رواج ہو جائے اور شرابیں پی جائیں۔

فائدہ: حدیث شریف میں تین برائیوں کا ذکر ہے۔ یہ گناہ اتنے بڑے ہیں کہ اس کی نحوست سے اللہ پاک کے سخت ترین عذاب کا نزول دنیا میں ہوگا۔ ایک یہ کہ گانا گانے والی عورتوں کی کثرت ہوگی، اس سے مراد گانے کی کثرت ہے کہ ہر جگہ ہر وقت گانا سنا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ لوگ میوزک بجانا اور سننا خوب پسند کریں گے اور تیسرے یہ کہ شرابیں کثرت سے پی جانے لگیں گی۔ ان تین گناہوں کے عام ہونے کی وجہ سے جو اللہ پاک کا سخت عذاب نازل ہوگا، وہ بھی تین طرح کا ہوگا۔ پہلا عذاب یہ کہ زمین میں دھنسنے کا عذاب ہوگا۔ اللہ پاک نے یہ عذاب قارون کو دیا تھا، جس کا ذکر قرآن کریم سورۂ قصص، آیت نمبر (۸۱) میں ہے۔ دوسرا عذاب شکل و صورت کو مسخ کرنے کا ہوگا۔ یہ عذاب اللہ پاک نے موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی وجہ سے بنی اسرائیل کو دیا تھا، جس کا ذکر اللہ پاک

---

(۱) أبو داود: ۱۵۲۲.

(۲) جامع الترمذي: ۲۲۱۲، الفتن، علامة ... والخسف.

نے سورۂ بقرہ، آیت: ٦٥ میں کیا ہے۔ عذاب کی تیسری قسم یہ ہے کہ اللہ پاک پتھروں کی بارش برسائے گا۔ یہ عذاب اللہ پاک نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر نازل فرمایا تھا جس کو اللہ پاک نے سورۃ ہود، آیت نمبر: (٨٢) میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح یہ عذاب اللہ پاک نے اصحاب فیل پر نازل فرماکر، سب کو ہلاک کر دیا تھا، جس کا ذکر سورۃ الفیل میں ہے۔ اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین!

گانا اور میوزک قرآن وحدیث اور اجماع امت سے حرام ہے۔ حدیث تو اوپر ابھی گذری، جس سے اس کا قبیح اور حرام ہونا معلوم ہوا۔ اللہ پاک نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴾: اور بعض آدمی ایسا بھی ہے جو ان باتوں کا خریدار بنتا ہے، جو غافل کرنے والی ہیں، تا کہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے بوجھے گمراہ کرے، اور اس کی ہنسی اڑاوے، ایسے لوگوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے[1]۔ اکثر مفسرین نے فرمایا ہے: کہ "لہوالحدیث" سے مراد گانا اور موسیقی کے آلات ہیں۔ چناں چہ علامہ آلوسیؒ کے ذکر کردہ شان نزول سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اس سے مراد گانا بجانا ہی ہے۔ فرماتے ہیں: "لہو الحدیث" سے مراد حسنؒ کے نزدیک ہر وہ چیز ہے، جو اللہ کی یاد سے غافل کردے۔ اس میں ہنسنا ہنسانا، گپ شپ کرنا اور گانا بجانا سب داخل ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی؛ تو فرمایا: اللہ کی قسم وہ گانا بجانا ہے۔ آگے اس کا شان نزول لکھا ہے، کہ بیہقیؒ نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ مراد اس سے گانے والا یا گانے والی کو خریدنا اور اس کو سننا ہے، یا اس جیسی دوسری غلط چیزوں کا سننا ہے۔ بیہقی نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے ایک باندی خریدی جو رات ودن گاتی رہتی تھی؛ تو یہ آیت نازل ہوئی[2]۔

قرآن وحدیث کی تفسیر سے یہ معلوم ہوا کہ گانا سننا اور سنانا، موسیقی سننا یا آلات موسیقی

---

(١) لقمان: ٦ بیان القرآن۔

(٢) روح المعانی: ١٠٢/١٢۔

خرید ناحرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ ان گناہوں پر بہت سخت عذاب کی وعید اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دی ہے۔ اللہ پاک ہم سب کو عقل سلیم دے، موبائل کے صحیح استعمال کی سمجھ دے، اور اپنی ناراضگی سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

(۴۵۶) کفر اور ایمان کے درمیان نماز کا فرق ہے

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»[1].

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "آدمی اور شرک وکفر کے درمیان، نماز چھوڑنے کا فرق ہے"۔

فائدہ: قرآن وحدیث میں نماز کی بہت تاکید آئی ہے۔ قرآن کریم میں جتنی کثرت کے ساتھ نماز کا ذکر ہے، اتنی کثرت سے کسی اور عبادت کا ذکر نہیں ہے، اِسی طرح نماز چھوڑنے پر بھی بکثرت شدید وعیدوں کا ذکر ہے۔ حضرت علیؓ کے بارے میں منقول ہے کہ جب نماز کا وقت ہوتا تھا؛ تو چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا، لوگوں نے اُس کی وجہ دریافت کی؛ تو فرمایا کہ اللہ کی ایک امانت ادا کرنے کا وقت آگیا ہے، جس کی ادائیگی سے زمین وآسمان اور پہاڑ بھی ڈر گئے تھے اور اس امانت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

نماز پڑھنے کے بڑے بڑے فوائد ہیں۔ جن میں سے کچھ کا ذکر ماقبل میں ہو چکا ہے۔ نماز گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے۔ اللہ پاک اس کے ذریعہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے[2]۔ نماز پڑھنے پر جنت کی بشارت ہے۔ نماز کو سب سے افضل عمل قرار دیا گیا ہے۔ نماز نہ پڑھنے پر بے نمازیوں کے لیے سخت وعیدیں آئیں ہیں۔ تارک صلاۃ کل قیامت میں قارون، فرعون اور ہامان کے ساتھ ہوگا[3]۔

(۱) مسلم: ۸۲ کتاب الإيمان، باب: كفر من ترك الصلاة.
(۲) صحيح البخاري: ۵۲۸، كتاب مواقيت الصلاة.
(۳) سنن الدارمي: ۲۷۶۳، كتاب الرقاق.

یہ حدیث پاک بھی تارک صلاۃ پر وعید کے قبیل سے ہے۔ ایمان اور کفر وشرک کے درمیان ایک دیوار حائل ہے، وہ ہے نماز۔ جب تک انسان نماز پڑھتا ہے، دیوار موجود رہے گی اور بندہ کفر کے قریب بھی نہیں جاسکتا۔ جہاں نماز چھوڑی؛ تو وہ رکاوٹ جو نماز کی صورت میں ہے، زائل اور ختم ہوگئی؛ تواب بندہ کفر تک پہنچ جائے گا۔ اور جان بوجھ کر نماز چھوڑنا تو بہت ہی برا ہے۔ متعدد صحابۂ کرام اور علماء نے اِس حدیث کی روشنی میں کفر کے فتوے لگائے ہیں اور سزائیں متعین فرمائی ہیں۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: کہ جس نے نماز چھوڑی، اس کا اسلام میں کوئی حصہ ہی نہیں ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نماز چھوڑنا کفر ہے۔ عبد اللہ ابن شقیقؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نماز چھوڑنے والے کو کافر سمجھتے تھے۔ حماد ابن زید، امام مالک اور امام شافعیؒ کے یہاں تارک صلاۃ مرتد کی طرح ہے۔ گرچہ وہ کافر نہیں ہے؛ لیکن جان بوجھ کر نماز چھوڑنے کی پاداش میں قتل کیے جانے کا مستحق ہے۔ امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ اس کو قید کر دیا جائے گا، جب تک کہ وہ توبہ نہ کرلے[1]۔ اللہ پاک ہم سب لوگوں کو نماز باجماعت کا پابند بنائے اور اپنی رضا نصیب فرمائے۔ آمین!

(۴۵۷) غیر مسلم کے ہدیہ کا حکم؟

عَن أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أُهْدِيَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُبَّةُ سُنْدُسٍ، وَكَانَ يَنْهَى عَنِ الحَرِيرِ، فَعَجِبَ النَّاسُ مِنْهَا، فَقَالَ: «وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَمَنَادِيلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الجَنَّةِ أَحْسَنُ مِنْ هَذَا»[2].

ترجمہ: حضرت انسؓ نے بیان فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بہت عمدہ دبیز قسم کے ریشم کا ایک جبہ ہدیہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ اس کے استعمال سے منع فرماتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کو بڑی حیرت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جنت میں سعد ابن معاذ کے رومال، اِس سے بھی زیادہ خوبصورت ہیں"۔

(۱) مرقاۃ المفاتیح: ۲/۲۵۳۔

(۲) البخاري: ۲۶۱۵، الهبة، قبول الهدية من المشركين.

فـائدہ: حدیث شریف میں کفار و مشرکین کے ہدیہ کا حکم بیان کیا جارہا ہے۔ ہدیہ کا ایک مقصد آپسی بھائی چارگی اور موانست بھی ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ ایک جگہ رہنے پر ہر شخص ایک دوسرے کا محتاج رہتا ہے۔ ایک دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ آپس میں بھائی چارہ، موانست اور مواساۃ کا سلسلہ قائم رہے۔ اس کو قائم رکھنے کا ایک اچھا طریقہ تحفہ تحائف کا دینا لینا ہے، خواہ کوئی بھی ہو۔ ہمارے ملک میں برادران وطن کی اچھی خاصی تعداد ہے۔ یہ عجب بات ہے کہ ہمارے اور برادران وطن کے درمیان بڑی دوری ہے۔ اس دوری کو ختم کرنے کے لیے ہدایا وتحائف کو رواج دینا مستحب ہے؛ لہٰذا ان کو تحفہ تحائف دیا جائے اور اگر برادران وطن بھی آپ کو کوئی تحفہ پیش کریں؛ تو آپ اسے قبول کریں، بشرطیکہ چڑھاوے کا نہ ہو۔

حدیث پاک میں برادران وطن سے ہدیہ قبول کرنے کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ ان کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ اگر مال "حلال" ہو تو استعمال کرنا بھی جائز ہے؛ اور اگر مال حلال نہ ہو، مثلاً: اس تحفہ میں سود وغیرہ کی رقم شامل ہو؛ تو اسے وصول کرکے کسی دوسرے کو دیدے۔ حدیث پاک میں بیان کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کو ریشم کا ایک جبہ ہدیہ کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اس کو قبول فرمایا اور یہ ہدیہ دینے والا دُومۃ الجندل کا بادشاہ، اُکَیدِر تھا جو کہ مشرک تھا۔ وہ جبہ اتنا اچھا اور اتنا قیمتی تھا کہ صحابہ کرام کو تعجب ہوا کہ کتنا عمدہ کپڑا ہے؛ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں جو سعد ابن معاذ کا رومال ہے، وہ اس سے بھی زیادہ عمدہ ہے[1]۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی روایتیں حدیث کی مختلف کتابوں میں منقول ہیں۔ علامہ عینیؒ نے اس کو جائز قرار دے کر کئی روایتیں ذکر کی ہیں۔ آپ ﷺ نے مشرکین کا ہدیہ قبول فرمایا۔ مثلاً شاہِ مصر مُقَوقِس نے نبی کریم ﷺ کو ہدیہ بھیجا اور آپ ﷺ نے قبول فرمایا۔ اِسی طرح ایک بادشاہ نے

---

(۱) صحیح مسلم: ۲۴۶۹۔

دو باندی ہدیہ میں بھیجی، دونوں بہنیں تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت ماریہ کو اپنے پاس رکھ لیا، جس سے حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرات ابراہیم کی پیدائش ہوئی۔ دوسری بہن حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ اسی طرح دحیہ کلبی نے بھی آپ کو ہدیہ بھیجا، جسے آپ ﷺ نے قبول فرمایا۔ حضرت اسماءؓ کی والدہ، حضرت ابو بکرؓ کی دوسری اہلیہ، حضرت اسماء سے ملنے مدینہ آئیں؛ تو کچھ ہدیہ لائیں، حضرت اسماء نے پہلے نہ تو ان کا ہدیہ قبول کیا، نہ گھر میں گھسنے دیا۔ انھوں نے نبی ﷺ سے معلوم کیا، تو آپ ﷺ نے اجازت دی کہ ان کا ہدیہ قبول کرو اور گھر میں داخل ہونے دو، گھر میں ٹھہراؤ[1]۔

ان ساری روایات سے معلوم ہوا، کہ برادران وطن کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ اور جب ان سے لینا جائز ہے تو دینا بھی جائز ہے اور آج کے ماحول میں یہ بہت ضروری ہے۔

(۳۵۸) والدین کے متعلقین کے ساتھ حسن سلوک

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: أَبَرُّ الْبِرِّ أَنْ يَصِلَ الرَّجُلُ وُدَّ أَبِيهِ[2].

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بہترین نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے باپ کے دوستوں سے حسن سلوک کرے"۔

فائدہ: اسلام میں حسن سلوک کی بڑی اہمیت ہے؛ بلکہ یہ شعائر میں سے ہے۔ انسان کی بات تو اپنی جگہ، شریعت اسلامیہ تو جانوروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے کا حکم دیتی ہے۔ اپنا ہو یا پرایا سب کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ پیاسے کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے (جو کہ حسن سلوک کی ایک قسم ہے) اللہ نے ایک عورت کی مغفرت فرمادی۔

حدیث شریف میں باپ کے دوست واحباب کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کرنے کو

---

(۱) عمدة القاري: ۲۵۱/۱۳.

(۲) صحيح مسلم: ٦٥١٤ كتاب البر والصلة والآداب.

سب سے بہترین نیکی کہا گیا ہے۔ یہی حکم والدہ کے اقرباء و متعلقین کا ہے؛ بل کہ ماں کا درجہ چوں کہ بڑھا ہوا ہے، اس لیے ماں کے احباء واقرباء کے ساتھ صلہ رحمی کرنا زیادہ افضل ہے۔ ان لوگوں کی عدم موجودگی میں، یا وفات پا جانے کے بعد، ان کے احباء واقرباء سے حسن سلوک کا معاملہ کیا جائے۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے؛ تو گویا کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ ہی حسن سلوک کرتا ہے[۱]۔

یہ حکم تو ہوا والدین کے دوست واحباب کا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ بھی صلہ رحمی کا حکم دیا اور اس کو بہترین نیکی فرمایا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے یہاں والدین کا کتنا بڑا درجہ ہوگا۔ باپ کے بارے میں حدیث شریف میں اولاد کو تنبیہ کی گئی ہے کہ خبردار اگر اللہ کو راضی رکھنا ہے، تو باپ کو راضی رکھنا ہوگا۔ اگر باپ ناراض ہوا؛ تو اللہ پاک ناراض ہو جائے گا۔ اور جب اللہ راضی نہیں ہے، تو دنیا وآخرت بے کار ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ باپ کی ناراضگی دنیا وآخرت میں خسارہ کا سبب ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: والد کی رضا میں اللہ کی رضا ہے اور والد کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے[۲]۔ ایک روایت میں ہے کہ باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے، تمہاری مرضی ہے اسے ضائع کردو یا اس کی حفاظت کرو[۳]۔ والدہ کے بارے میں فرمایا کہ اس کے پاؤں کے نیچے جنت ہے[۴]۔ والدہ حسن سلوک کی سب سے زیادہ حق دار ہے۔ ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے ایک صحابیؓ کے پوچھنے پر فرمایا: ماں نیکی کی سب سے زیادہ حق دار ہے، پھر باپ پھر، اقربا جو قریبی ہیں[۵]۔

اِن تمام روایات سے معلوم ہوا کہ احادیث میں کثرت کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اتنی ہی کثرت سے قطع رحمی اور برے سلوک سے بھی روکا گیا ہے۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح:۹/۱۳۸۔
(۲) الترمذي: ۱۸۹۹، أبواب البر والصلاۃ۔
(۳) حوالہ سابق:۱۹۰۰۔
(۴) مسند احمد:۱۵۵۳۸۔
(۵) أبو داود: ۵۱۳۹، کتاب الادب۔

(۳۵۹) نفس کا محاسبہ

عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ المَوْتِ، وَالعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللهِ»[1].

ترجمہ: حضرت شداد بن اوس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کر لے، اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے، اور بے وقوف وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات پر لگادے اور رحمت الٰہی کی آرزو رکھے۔

فائدہ: انسان کی بعثت کا مقصد خالق کائنات کی بندگی ہے، اسی مقصد کے لیے انسانوں کو پیدا کیا گیا ہے، اس مقصد کے پیش نظر ہمیں چاہیے کہ ہم وقتاً فوقتاً اپنا محاسبہ کرتے رہیں کہ ہم اس میں کامیاب ہیں یا نہیں۔ یہ تو دنیاوی اصول ہے کہ ہم ہر کام کرنے سے پہلے پلاننگ بناتے ہیں اور کام کے اخیر میں اس کا محاسبہ کرتے ہیں کہ ہم اپنی پلاننگ میں کتنے کامیاب ہیں، اگر کامیاب نہیں ہیں تو پھر ناکامی کے اسباب کی تلافی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہجری سال کا اختتام ہو رہا ہے اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ ہم نے گزرے ہوئے ماہ وسال میں کیا پایا اور کیا کھویا اس کا محاسبہ کریں، شریعت کے مطابق زندگی گزاری یا نہیں، والدین بیوی بچوں اور پڑوسیوں کے حقوق ادا کیے یا نہیں؟ نامۂ اعمال میں کتنی نیکیاں اور کتنی برائیاں درج ہوئیں؟ یہ محاسبہ ہمیں کرنا ہے، اور پھر آگے کی پلاننگ بنانی ہے کہ آج کے بعد کی زندگی کو ہم کس طرح گزاریں کہ اللہ کی اطاعت میں زیادتی اور معصیت میں کمی آئے۔ اگر ہم نے اپنا محاسبہ اس انداز سے کیا تو ہم کامیاب ہماری اخروی تجارت کامیاب ہو جائے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: حَاسِبُوا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا، وَتَزَيَّنُوا لِلْعَرْضِ

---

(۱) الترمذي: ۲٤٥۹، صفة القيامة والرقائق والورع.

الأَكْبَرِ، وَإِنَّمَا يَخِفُّ الحِسَابُ يَوْمَ القِيَامَةِ عَلَى مَنْ حَاسَبَ نَفْسَهُ فِي الدُّنْيَا(۱). اپنے نفس کا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے، اور آخرت کی پیشی کے لیے تدبیر کرو، اور جو شخص دنیا ہی میں اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے، قیامت کے روز اس پر حساب و کتاب آسان ہوگا۔

تو آیئے آج ہم تھوڑا وقت نکال کر اپنی گزشتہ زندگی کا محاسبہ کریں، حساب و کتاب کریں کہ کتنا فائدہ اور کتنا نقصان ہوا، پھر اسی محاسبہ کو سامنے رکھ کر آگے کی زندگی گزارنے کی کوشش کریں۔

(۳۶۰) میزانِ عمل میں دو وزنی کلمات

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ، خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ، سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ»(۲).

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "دو کلمے ایسے ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ کو بہت ہی پسند ہیں، جو زبان پر ہلکے ہیں اور قیامت کے دن اعمال کے ترازو میں باوزن ہوں گے، (وہ کلمات) "سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ" ہیں۔

فائدہ: ذکر کی اہمیت مسلم ہے۔ ذکر سے زیادہ اہم اور بڑی کوئی چیز نہیں ہے۔ اللہ پاک فرماتا ہے: وَلَذِكْرُ اللهِ أَكْبَرُ (۳) اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ جس جگہ پر ذکر ہوتا ہے اور جو لوگ ذکر کرتے ہیں، فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، رحمت الٰہی ان کے اوپر سایہ فگن ہو جاتی ہے اور سکینہ کا نزول ہوتا ہے۔ ذکر کی خصوصیت جو قرآن میں اللہ پاک نے ذکر فرمائی ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتا ہے۔(۴) ذکر الٰہی کے اتنے فوائد ہیں کہ اس کا شمار کرنا بہت مشکل ہے۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ "سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم" یہ دونوں کلام زبان پر آسان ہیں کہ انسان ان کو آسانی سے پڑھ لیتا ہے، کوئی دشواری نہیں ہوتی ہے۔ جب کہ یہ دونوں کلمے

---

(۱) حوالہ سابق۔
(۲) البخاري: ۷۵۶۳، التوحيد، وتضع الموازين ....
(۳) العنكبوت: ۴۵.
(۴) الرعد: ۲۸.

اللہ کے نزدیک بہت ہی زیادہ محبوب ہیں۔ کلمے کی محبوبیت سے مراد اس کلمے کو پڑھنے والے ہیں کہ اللہ پاک ان کلمے کو پڑھنے والے سے محبت فرماتا ہے۔ یہ دونوں کلمے قیامت کے دن اعمال تولتے وقت، ترازو میں بہت وزنی ہوں گے۔ یعنی اتنا چھوٹا کلام اور اتنا آسان؛ لیکن رحمان کی رحمت دیکھیے کہ بے انتہا اجر دے رہا ہے کہ ترازو پر اس کا ثواب بھاری ہو جائے گا [1]۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ میزان پر ایمان لانا واجب ہے یعنی قیامت کے دن اللہ پاک انصاف کا ترازو قائم فرمائے گا۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿ ونضع الموازين القسط ليوم القيامة ﴾: اور قیامت کے روز ہم میزان عدل قائم کریں گے [2]۔ اس لیے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ بندوں کے اعمال قیامت کے دن وزن کیے جائیں گے۔ اُس ترازو کو زبان بھی ہو گی، اس کے دو پلڑے ہوں گے۔ یعنی اللہ پاک بندوں کے اعمال کو جسم کی صورت میں بدل دے گا۔ نیک لوگوں کے اعمال اچھی شکل وصورت میں بدل جائیں گے؛ جب کہ برے لوگوں کے اعمال بری شکل وصورت اختیار کریں گے۔ پھر اس کا وزن کیا جائے گا۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ اعمال کے رجسٹر کا وزن کیا جائے گا۔ اس حدیث میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ زبان سے نکلنے والے الفاظ بھی عمل ہی ہیں؛ اس لیے افعال اور اقوال دونوں وزن کیے جائیں گے [3]۔

اللہ پاک ہم سب لوگوں کا شمار ذاکرین میں فرمائے اور ہمارے اعمال صالحہ کے ترازو کو وزنی بنا کر ہمیں کامیابی سے ہم کنار فرمائے۔ آمین! تمت بالخیر

(۱) عمدة القاري: ۲۵/ ۴۰.

(۲) الأنبياء: ۴۷ بيان القرآن.

(۳) الابواب والتراجم: ۶/ ۸۳۴.

الأسماء الحسنى

هو الله الذي لا إله إلا هو الرحمن الرحيم الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار المتكبر الخالق البارئ المصور الغفار القهار الوهاب الرزاق الفتاح العليم القابض الباسط الخافض الرافع المعز المذل السميع البصير الحكم العدل اللطيف الخبير الحليم العظيم الغفور الشكور العلي الكبير الحفيظ المقيت الحسيب الجليل الكريم الرقيب المجيب الواسع الحكيم الودود المجيد الباعث الشهيد الحق الوكيل القوي المتين الولي الحميد المحصي المبدئ المعيد المحيي المميت الحي القيوم الواجد الماجد الواحد الأحد الصمد القادر المقتدر المقدم المؤخر الأول الآخر الظاهر الباطن الوالي المتعالي البر التواب المنتقم العفو الرؤوف مالك الملك ذو الجلال والإكرام المقسط الجامع الغني المغني المانع الضار النافع النور الهادي البديع الباقي الوارث الرشيد الصبور[1].

---

(۱) الترمذي برقم: ۳۵۰۷ ، أبواب الدعوات.

راویوں کے مختصر حالات

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ:

نام: خالد، والد کا نام: زید ابن کُلَیب ابن ثعلبہ ابن عمرو الخزرجی، کنیت: ابوایوب ہے؛ اور اپنی کنیت ابوایوب الانصاری سے مشہور ہیں۔ جب نبی کریم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ پہنچے؛ تو بنونجار میں ان کے ہی گھر کو آپ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا تھا۔ یہاں تک کہ ام المؤمنین حضرت سودہؓ کا مکان بن گیا۔ تو پھر آپ ﷺ اس میں منتقل ہو گئے۔

آپ کو حضرت علیؓ نے بصرہ کا والی بنایا تھا۔ ایک بار حضرت ابوایوب انصاریؓ حضرت علیؓ کے پاس گئے، تو حضرت علیؓ نے بہت اکرام کا معاملہ فرمایا۔ اور کہا کہ نبی کریم ﷺ کی جو مہمان نوازی آپ نے کی ہے، میں اس کا بدلہ دوں گا۔ چناں چہ جو کچھ گھر میں تھا سب دیدیا، جو چالیس ہزار کے قریب تھا۔ تمام غزوات میں نبی ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔ آپؓ کا انتقال، سن ۵۲ھ میں ہوا۔ یزید ابن معاویہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور قسطنطنیہ میں دفن ہوئے۔ مروی ہے کہ اہل روم کو جب کوئی پریشانی اور قحط پیش آتا تو ان کی قبر کو کھول دیتے تھے، تو بارش ہو جاتی تھی، اور پریشانیاں بھی ختم ہو جاتی تھیں[1]۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ:

نام: عبد اللہ اور عتیق، والد کا نام: ابوقحافہ عثمان بن عامر بن عمر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی التیمیؓ، لقب صدیق، کنیت: ابوبکر۔ آپ بہت خوبصورت تھے اس لیے عتیق سے مشہور تھے، لیکن اسلام کے بعد ابوبکر صدیق سے مشہور ہوئے۔ یہ پہلے مرد ہیں جنہوں نے ایمان قبول کر کے نبی کریم ﷺ کی تصدیق کی بڑے مال دار تھے، عروہ ابن زبیر کہتے ہیں کہ جس دن ابوبکر اسلام لائے اس دن ان کے پاس چالیس ہزار دینار تھے۔ حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مؤمن ابوبکر و عمر سے بغض نہیں رکھے گا، اور منافق ان دونوں سے محبت نہیں کرے گا۔ آپ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: اے ابوبکر تو حوض کوثر پر اور غار میں میرا ساتھی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے انتقال کے بعد، حضرت ابوبکر صدیقؓ مسلمانوں کے خلیفۂ اول منتخب ہوئے۔ اِن کی خلافت کی مدت دو سال ڈھائی ماہ کے قریب ہے۔ آپ کا

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۴۰۸/۲.

انتقال منگل کی شب میں، ۲۲ جمادی الاخری ۱۳ھ کو ہوا [1]۔

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ:

جندب بن جنادہ بن سفیان بن عبیدہ بن وقیعہ بن حرام بن غفار، کنیت ابوذر، لیکن ابوذر غفاری سے مشہور ہیں صحابہ وتابعین کی ایک بڑی جماعت نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔

آپ علم و عمل کے پیکر تھے، زہد آپ کی شان تھی، حق بات کہنے اور کرنے میں کسی کا خوف نہیں کرتے تھے، اپنے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح بیان کیا: کہ مجھے خبر ملی کہ مکہ میں کسی نے نبوت کا دعوی کیا ہے، تو میں نے اپنے بھائی کو تحقیق حال کے لیے بھیجا، ان کے بھائی نے آکر کہا: کہ بخدا میں نے ایک آدمی کو دیکھا ہے جو صرف خیر کا ہی حکم کرتا ہے، اور برائیوں سے روکتا ہے۔ پھر میں خود مکہ گیا لیکن ان کو میں پہچانتا نہیں تھا اور کسی سے پوچھنا بھی اچھا نہیں تھا۔ چنانچہ میں مسجد حرام میں رہتا اور زم زم پی کر اس سے پیٹ بھرتا۔ ایک دن حضرت علیؓ نے مسافر سمجھ کر کھانا کھلا دیا۔ دوسرے دن پھر حضرت علی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا، میں نے اپنی منشاء بتائی تو وہ مجھے لے کر آپ ﷺ کے پاس گئے اور میں مسلمان ہو گیا۔

پھر نبی ﷺ نے فرمایا اے ابوذر اپنے اسلام کو ابھی ظاہر مت کرنا، ابھی اپنی قوم کی طرف چلے جاؤ جب میرا غلبہ ہو جائے تو آجانا۔ میں نے کہا قسم اس ذات کی جس نے آپ کو برحق بنا کر مبعوث فرمایا ہے، میں تو ان کے درمیان بہانگ دہل اپنے اسلام کا اعلان کروں گا۔ چنانچہ وہ مسجد حرام میں آئے اور فرمایا: اے قوم قریش میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے بندہ اور اس کے رسول ہیں۔ لوگوں نے مجھے بہت مارا، حضرت عباسؓ وغیرہ نے بچایا اور ان سے کہا کہ قبیلہ غفار کے آدمی کو مارتے ہو، جبکہ تمہاری تجارت تمہارا راستہ ادھر ہی ہے۔ یہ سن کر انہوں نے مجھے چھوڑ دیا، میں نے دوسرے دن بھی ایسا ہی کیا۔ لوگوں نے بہت مارا اتنا مارا کہ میں مرنے کے قریب ہو گیا [2]۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کے بارے میں فرمایا تھا کہ اللہ ابوذر پر رحم فرمائے اکیلا چلتا ہے اکیلا ہی مرے گا، اور اکیلا ہی قیامت میں اٹھایا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، آپ نے آبادی سے دور رہائش اختیار کر لی تھی اور وہیں انتقال ہو گیا [3]۔

---

(۱) سير أعلام النبلاء: ۱/۳۰۵.

(۲) صحيح البخاري: (۳۵۲۲) المناقب، قصة زمزم.

(۳) سير أعلام النبلاء: ۲/۱۸۱.

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ:

آپ کا نام سعد، والد کا نام مالک بن سنان، خزرجی انصاری صحابی ہیں۔ اپنی کنیت ابو سعید خدری سے مشہور ہیں۔ ان کے والد غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ بڑے بڑے صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم نے آپ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ آپ کی مرویات کی تعداد تقریبا ایک ہزار ایک سو ستر (۱۱۷۰) ہے۔ کم و بیش ۱۲ غزوات میں آپ شریک رہے ہیں۔ ۸۴ سال کی عمر میں ۶۳/۶۴ھ میں، آپ کا انتقال ہوا، جنت البقیع میں مدفون ہیں [۱]۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ:

نام: عبد اللہ ابن قیس ابن سُلیمؔ ابن حضّار، کنیت ابو موسیٰ، اشعری تمیمی ہیں اور ابو موسیٰ اشعریؓ سے مشہور ہیں۔ صحابہ وتابعین کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ آپ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ نبی کریم ﷺ آپ سے قرآن کریم سنا کرتے تھے۔ حضرت بُریدہؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہیں اور ایک آدمی مسجد میں نماز پڑھ رہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: بریدہ! تو اس کو جانتا ہے؟ پھر فرمایا: وہ تائب مؤمن بندہ ہے۔ اس کو آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار دیا گیا ہے (یعنی ان کی آواز بہت اچھی ہے) چنانچہ میں نے دیکھا تو وہ ابو موسیٰ اشعریؓ ہیں۔[۲] آپ ذو ہجرتین ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کو فرمایا کہ تمہاری دو ہجرت ہوئی، ایک نجاشی کی طرف اور ایک میری طرف [۳]۔ فتح خیبر کے وقت حبشہ کی ہجرت سے واپس آئے۔ آپ نے خیبر میں سے ان کو بھی حصہ دیا۔ آپ نے ان کے لیے اس طرح دعا فرمائی، فرمایا: اے اللہ! عبد اللہ بن قیس کے گناہوں کو معاف فرما اور قیامت کے دن جوار رحمت میں داخل فرما [۴]۔ حضرت ابو موسی اشعری کا انتقال ۴۲ھ میں ہوا، رضی اللہ عنہ [۵]۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:

اسلام سے قبل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام "ابو الاسود عبد شمس" تھا۔ اسلام لانے کے بعد، آپ کا نام عبد اللہ رکھا گیا جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے، یا عبد الرحمان تھا۔ آپ اپنی کنیت ابو ہریرہ سے

---

(۱) سير أعلام النبلاء: ۱۸۱/۲.
(۲) صحيح البخاري: ۴۳۲۸ المغازي، غزوة الطائف.
(۳) البخاري: ۴۲۳۱، المغازي، باب غزوة خيبر.
(۴) البخاري: ۴۳۲۳، المغازي، باب غزوة أوطاس.
(۵) سير أعلام النبلاء: ۴۳۷/۲.

مشہور ہیں۔ نبی کریم نے ایک بار دیکھا کہ آستین میں بلی کا بچہ لیے پھر رہے ہیں؛ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "یا أبا ھُریرۃ" کہہ کر بلایا، پھر اسی لقب سے آپ مشہور ہو گئے۔ بہت بڑے امام و مجتہد اور حافظ حدیث تھے۔ روایت حدیث میں، آپ دوسرے تمام صحابی سے فائق ہیں۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد آٹھ سو تک ہے۔ آپ کی کل روایتوں کی تعداد تقریباً ۵۳۷۵ ۔ فتح خیبر کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ چار سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت وصحبت میں رہے۔ حدیث کی کتابوں میں آپ کے بے شمار فضائل موجود ہیں۔

۵۸ھ یا ۵۹ھ میں ۷۸ سال کی عمر پاکر، مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ ولید بن عتبہ نے عصر کی نماز کے بعد جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ رضی اللہ عنہ [1]۔

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ:

نام: اسامہ، والد کا نام: زید ابن حارثہ ابن شراحیل ابن عبد العزی ابن امرئ القیس ہے، کنیت: ابو محمد، اور لقب: حبُّ ابن الحبّ؛ یعنی: رسول ﷺ کے محبوب کے صاحب زادے ہیں۔ صحابۂ کرام وتابعین عظام — رضی اللہ عنہم — کی ایک بڑی جماعت نے ان سے روایت نقل کی ہے۔ اِن کی پرورش نبی کریم ﷺ نے فرمائی تھی، آپ ﷺ بہت محبوب تھے۔ ایک بار حضرت اسامہ کو اور حضرت حسنؓ کو اپنی گود میں لے کر فرمایا: اے اللہ میں اِن دونوں سے محبت کرتا ہوں؛ تو بھی ان سے محبت فرما۔ ایک بار فرمایا: جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے، وہ اسامہ سے محبت کرے۔

حضرت عمرؓ نے ان کا وظیفہ اپنے صاحب زادے سے زیادہ مقرر کیا تھا۔ صاحب زادے نے عرض کیا: آپ نے اس کو مجھ پر فوقیت کیوں دی؟ تو فرمایا کہ اللہ کے رسول کے یہاں اس کا باپ تیرے باپ سے زیادہ محبوب تھا اور اسامہ اللہ کے رسول ﷺ کے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کے زمانے میں، مقام جرف میں آپ کا انتقال ہوا اور بقیع میں مدفون ہوئے [2]۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ:

نام: ابو حمزہ انس بن مالک بن نضر، نجاری، مدنی، انصاری، مشہور صحابی رسول ہیں، رسول اللہ ﷺ کے خادم تھے۔ جب ہجرت کر کے آپ ﷺ مدینہ آئے اس وقت ان کی عمر دس برس تھی۔ ان کی والدہ نے

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۷۸/۳، للذھبي.

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۴۴/۳.

حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ آپ کا خادم ہے، اسے قبول فرمایئے اور اس کے لیے دعا فرمایئے؛ تو آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی: "اے اللہ اس کے مال میں، اس کی اولاد میں برکت عطا فرما، اس کی عمر دراز فرما، اس کے گناہوں کو معاف فرما"۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ان چار دعاؤں میں سے تین تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ وہ قبول ہو گئیں۔ میری اولاد میں خوب برکت ہوئی میرے سامنے میری ۹۸ اولاد کا انتقال ہوا، میں نے اپنے ہاتھوں سے ان کو دفن کیا۔ میرے مال میں بھی خوب برکت ہوئی، سال میں دو بار میرے باغ میں پھل آتے تھے، اور عمر میں بھی برکت ہوئی کہ میں زندگی سے تھک گیا ہوں اور مجھے امید ہے کہ چوتھی دعاء بھی قبول ہے، یعنی میری مغفرت ہو جائے گی، ان شاء اللہ۔ انہوں نے مدنی زندگی میں دس سال آپ ﷺ کی خدمت کی۔ ۱۰۰ سال سے زیادہ عمر پائی۔ ۹۳ھ میں بصرہ میں آپ کا انتقال ہوا[1]۔

اوس بن اوس رضی اللہ عنہ:

آپ کا نام: اوس، والد کا نام بھی اوس ہے، اوس ابن اوس الثقفی الدمشقی الشامی سے مشہور ہیں۔ امام ذہبی نے کاشف میں اور حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں آپ کو صحابی رسول لکھا ہے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے دو روایتیں نقل کی ہیں۔ دمشق میں سکونت اختیار کرلی تھی اور وہیں حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں انتقال ہوا[2]۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ:

نام: براء، والد کا نام: عازب ابن الحارث، کنیت: ابو عمارہ تھی۔ انصاری مدنی، بڑے درجے کے فقیہ اور عالم صحابی تھے، ان سے مروی احادیث کی تعداد: ۳۰۵ ہے۔

حضرت ابن عمر اور براء ابن عازب کم سنی کی وجہ سے غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوسکے۔ اس کے علاوہ تمام غزوات میں آپ شریک رہے۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ہمراہ، میں پندرہ غزوے میں شریک رہا ہوں۔ ان کی عمر اسی سال سے اوپر تھی۔ ۷۱/۷۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا[3]۔

بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ:

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳/۳۰۵، تحقیق محمود شاکر.
(۲) الکاشف للذهبي: ۱/۲۵۲.
(۳) سیر أعلام النبلاء: ۳/۲۰۱.

نام: بریدہ، والد کا نام: حصیب ابن عبد اللہ ابن حارث ابن الاعرج ابن سعد، کنیت: ابو عبد اللہ یا ابو سہل ہے۔ آپ کی روایت کردہ حدیثیں تقریباً ایک سو پچاس ہیں۔ ہجرت کے سال ایمان لائے؛ لیکن غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ خیبر و فتح مکہ میں شریک رہے۔ اس موقع پر ان کے قبیلہ کا جھنڈا ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو اپنی قوم کا عامل بنایا تھا؛ تاکہ صدقہ وصول کر کے پہنچائیں۔

نبی کریم ﷺ کے انتقال کے بعد، اسامہ ابن زیدؓ کے ساتھ جنگ بلقاء میں شریک ہوئے اور جھنڈا آپ کے ہی ہاتھ میں تھا۔ حضرت عمرؓ نے بھی آپ کو مقام سَرْغ کا امیر بنایا تھا۔ آپ کا انتقال ۶۲ یا ۶۳ھ میں ہوا۔ رضی اللہ عنہ (۱)۔

تمیم بن اوس رضی اللہ عنہ:

نام: تمیم بن اوس بن خارجہ، کنیت: ابو رقیہ ہے، آپؓ فلسطینی صحابی ہیں۔ ۹ ہجری میں مدینہ آکر اسلام قبول کیا، بڑے عابد اور کتاب اللہ کے قاری تھے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں قرآن کریم جمع کیا کرتے تھے، یعنی مختلف آیات و سُوَر جو مختلف اوراق اور پتھروں پر لکھے ہوتے اس کو جمع کرتے۔ آپ کے بہت سارے فضائل و خصوصیات ہیں: مثلاً ہر ساتویں دن ایک قرآن ختم کرنا، ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کرنا وغیرہ۔ ایک رات آپ تہجد میں نہیں اٹھ سکے، تو انہوں نے اپنے نفس کو اس طرح سزا دی کہ ایک سال تک سوئے نہیں۔ تمیم داریؓ پہلے صحابی ہیں جنہوں نے مسجد میں چراغ روشن کیا۔ حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت تک آپ مدینہ میں رہے۔ حضرت عثمان ذوالنورین کی شہادت کے بعد شام چلے گئے۔ آپ کا انتقال ۴۰ھ میں ہوا۔ رضی اللہ عنہ (۲)۔

ثوبان رضی اللہ عنہ:

نام: ثوبان، والد کا نام: جَحْدَر، کنیت: ابو عبد اللہ، یا ابو عبد الرحمن، اور ثوبان النبوی سے مشہور ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو خرید کر آزاد کیا تھا۔ پھر انہوں نے آپ ﷺ کی صحبت اختیار کی اور خوب علم حاصل کیا۔ بہت لمبی عمر پائی اور شہرت بھی خوب پائی۔

حِمص میں قیام پذیر ہو گئے تھے اور وہیں ان کا انتقال بھی ہوا۔ شریح بن عبید کہتے ہیں کہ حمص میں

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳/۳۰.

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۲/۱۸.

حضرت ثوبان مولی رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے؛ تو امیر حمص عبد اللہ بن قرطؓ عیادت کو نہیں آئے۔ ایک شخص سے انھوں نے ان کو خط لکھوایا کہ اگر حضرت موسی اور عیسی علیہ السلام کی مذہب کا کوئی ہوتا؛ تو آپ اس کی عیادت کرتے؛ لیکن میری عیادت کے لیے آپ نہیں آئے۔ یہ خط پڑھتے ہی مجلس سے فوراً اٹھے اور آکر آپ کی عیادت کی۔ جب عبد اللہ ابن قُرط آئے؛ تو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے حدیث سنائی۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کے ستر ہزار افراد بغیر حساب اور بغیر عذاب جنت میں جائیں گے اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار لوگ ہوں گے (۱)۔ اللہ سے دعاء ہے کہ اللہ پاک ہمیں بھی ان ستر ہزار افراد میں شامل فرمائے۔ آمین!

جابر بن عبد اللہؓ:

نام جابر، والد کا نام عبد اللہ، اور کنیت ابو عبد اللہ ہے، خزرجی انصاری صحابی ہیں۔ تابعین کی بڑی تعداد نے آپ سے علم حدیث حاصل کیا ہے۔ آپ مدینہ منورہ کے مفتی تھے۔ غزوہ احد میں آپ شریک نہ ہوسکے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ کے والد غزوہ میں گئے اور ان کو حکم دیا کہ وہ گھر پر رہ کر بہنوں کی دیکھ ریکھ کریں۔ ان کے والد کی شہادت اسی غزوہ میں ہوئی۔ پھر آپ غزوہ خندق میں شریک ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے اِن کے لیے پچیس مرتبہ استغفار فرمایا ہے۔ ۷۴ھ میں ۹۴ سال کی عمر میں مدینہ پاک میں انتقال فرمایا۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ مدینہ میں انتقال ہونے والے سب سے آخری صحابی ہیں (۲)۔

جبیر بن مُطْعِمؓ:

نام: جبیر بن مُطعِم بن عدی بن نوفَل بن عبد مناف بن قصی، القرشی النوفلی المدنی ہے۔ آپ ﷺ کے چچازاد بھائی تھے، نبی کریم ﷺ کے پر دادا ہاشم اور حضرت جبیرؓ کے پر دادا نوفل یہ دونوں بھائی ہیں۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے اسلام کی تعریف کی گئی ہے۔ جبیر ابن مطعم زمانہ جاہلیت میں بھی نبی کریم ﷺ سے محبت کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ جب طائف سے واپس آئے تھے؛ تو ان کے والد مُطعِم نے آپ ﷺ کو مکہ میں پناہ دی تھی اور جب شِعْب ابو طالب میں آپ ﷺ کو خاندان سمیت قریش نے محصور کر دیا تھا اور ایک عہد نامہ لکھ کر بیت اللہ میں لٹکا دیا گیا تھا، تب انھوں نے اس عہد نامہ کی مخالفت کی تھی اور نقض عہد کیا تھا۔

---

(۱) سير أعلام النبلاء: ۱۱٤/۳.

(۲) سير أعلام النبلاء: ۱۹۸/۳، تحقيق محمود شاكر.

انہیں سب وجہوں سے بدر کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر میرے چچا مطعم بن عدی زندہ ہوتے اور مجھ سے ان قیدیوں کو چھوڑنے کے سلسلہ میں بات کرتے؛ تو میں ان کی وجہ سے سب کو چھوڑ دیتا۔

حضرت جبیر ابن مطعم غزوۂ بدر کے بعد اپنی قوم کی طرف سے قیدیوں کا فدیہ لے کر ان کو رہا کرانے کے لیے مدینہ آئے تھے اور مسلمان ہو گئے۔ آپ کا انتقال ۵۸، ۵۹ھ میں ہوا[1]۔

جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ:

جریر بن عبد اللہ بن جابر، کنیت: ابو عمرو یا ابو عبد اللہ ہے، لقب: یوسف ہذہ الامۃ یعنی آپ (اپنی خوب صورتی کی وجہ سے) اس امت کے یوسف تھے۔ ان کا تعلق یمن سے ہے ۱۰ھ میں جو پچاس آدمی کا وفد یمن سے آیا تھا اس میں آپ شامل تھے، وفد کے آنے سے قبل ہی نبی کریم ﷺ نے ان کے بارے میں پیش گوئی فرمادی تھی۔ رمضان المبارک میں مشرف بہ اسلام ہوئے، جب آپ مدینہ شریف آئے تو نبی کریم ﷺ نے آپ کے لیے چادر مبارک بچھائی تھی۔

حضرت علی نے آپ کے بارے میں فرمایا کہ جریر ہمارے اہل بیت میں سے ہیں۔ آپ کا انتقال ۵۱ھ میں ہوا۔ آپ سے تقریباً سو احادیث مروی ہیں[2]۔

حارث بن رِبعی رضی اللہ عنہ:

نام حارث بن رِبعی، اور کنیت: ابو قتادہ ہے۔ غزوۂ اُحد اور حُدَیبیہ میں شریک رہے۔ ان کی بہادری کے قصے بکثرت منقول ہیں؛ مختلف غزوات میں دشمنوں کو خوب قتل کیا۔ ایک بار نبی کریم ﷺ کے حکم سے مسعد بن فضلہ کو قتل کرنے نکلے۔ اس کو قتل کر کے اپنی چادر اس پر ڈال دی۔ لوگوں نے جب مقتول پر ان کی چادر دیکھی تو کہا کہ ابو قتادہ قتل ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ابو قتادہ نہیں ان کا قتیل قتل ہوا ہے، آپ ﷺ نے مقتول کے سامان کا ان کے لیے حکم فرمایا تھا۔ اس دوران ایک تیر ان کے چہرہ پر لگ گیا، جب واپس آئے؛ تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا یہ کیا ہوا؟ جواب دیا کہ اس کا تیر لگ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے ان کے زخم پر اپنا لعاب مبارک لگایا؛ تو زخم بالکل اچھا ہو گیا۔ ۵۴ھ میں ستر سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ حضرت علیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ سن رسیدہ تھے مگر دیکھنے میں پندرہ سال کے نوجوان لگتے تھے[3]۔

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳/۱۵۱.

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۳/۶۲.

(۳) سیر أعلام النبلاء: ۳/۲۱.

حارثہ بن وہب:

نام: حارثہ بن وہب الخزاعی الکوفی، عبید اللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی ہیں، اور صحابیِ رسول ہیں۔

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ:

نام: حذیفہ، والد کا نام: یمان بن جابر العبسی الیمانی، کنیت: ابو عبداللہ اور لقب رازدار رسول اللہ ﷺ ہے۔ آپ کے والد حضرت یمان کا نام حِسْل یا حُسَیل ابن جابر تھا، کسی کو قتل کر کے مدینہ آ گئے تھے اور انصار کے قبیلہ بنو عبد الاشہل کے حلیف ہو گئے، تو ان کی قوم نے ان کا نام الیمان رکھ دیا۔ دونوں باپ بیٹا غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے، لیکن غلطی سے یمانؓ مسلمانوں کے ہی تلوار سے قتل ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت حذیفہ اور حضرت عمار کا مواخات کرایا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے تمام منافقوں کے بارے میں نام بنام آپ کو بتادیا تھا کہ کون کون منافق ہے۔ مزید ان کو ان تمام فتنوں کی خبر بھی تھی جو امت میں برپا ہوں گے۔ حضرت عمرؓ نے ایک بار ان سے پوچھا کہ کیا میں منافق ہوں؟ تو حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا نہیں۔

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ ہم دونوں باپ بیٹا بدر میں شریک ہوتے، مگر کفار نے ہمیں پکڑ کر ہم سے معاہدہ لے لیا تھا کہ ہمارے خلاف مت لڑنا، میں نے اس کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: عہد کو پورا کرو، ہم ان کے خلاف اللہ سے مدد طلب کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ آپ سے ہمیشہ خیر کا سوال کرتے تھے، لیکن میں ہمیشہ شر اور فتنے کے بارے میں ہی سوال کرتا تھا کہ کہیں فتنے آ جائیں اور میں گرفتار نہ ہو جاؤں اور جب معلوم رہے گا تو بچنے کی کوشش کروں گا۔

جب ان کی وفات کا وقت آیا، تو آپ نے صبح کے وقت دعا فرمائی کہ میں اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں ایسی صبح سے جو جہنم کی طرف لے جانے والی ہو۔ تین بار یہ دعا فرمائی اور فرمایا کہ میرے کفن کے لیے دو سفید کپڑے خرید لو، کیوں کہ میرے جسم پر جو کپڑے ہیں وہ بہت کم ہیں، کفن کے لائق نہیں ہیں۔ کفن کے لیے تین سو کی قیمت کا ایک جوڑا لایا گیا۔ آپ نے منع فرمادیا اور کہا کہ دو سفید کپڑے لاؤ۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد ۳۶ھ میں مدائن میں آپ کا انتقال ہوا[1]۔

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۲/۴۲۷.

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ:

نام: زید بن ارقم بن قیس بن النعمان بن مالک الاغرّ الخزرجی الانصاری، اور کنیت ابو عمرو ہے، بہت مشہور صحابی رسول ہیں۔ ان سے چند احادیث مروی ہیں۔

جن صحابہ کرامؓ کو کم عمری کی وجہ سے غزوۂ احد میں شامل نہیں کیا گیا تھا، ان میں حضرت زید ابن ارقم بھی تھے۔ ایک بار حضرت زید ابن ارقم کی آنکھ خراب ہوگئی؛ تو نبی کریم ﷺ نے ان کی عیادت کی اور پوچھا کہ اے زید اگر تیری دونوں آنکھیں ایسی ہی ہوں؛ تو کیا کروگے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ثواب کی امید سے صبر کروں گا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم نے ایسا کیا تو جنت میں چلے گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ تو اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ تجھ پر گناہ نہیں ہوں گے۔

حضرت زید فرماتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھا، تو سنا کہ منافقوں کا سردار عبد اللہ ابن ابی ابن سلول اپنے دوستوں سے کہہ رہا ہے کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو یہاں تک کہ یہ خود ہی منتشر ہو جائیں۔ یہ بات میں نے اپنے چچا کو بتائی، انہوں نے نبی کریم ﷺ کو اس کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے منافقوں کو بلایا اور ان سے پوچھا، تو انہوں نے جھوٹی قسم کھالی کہ ایسی کوئی بات ہی نہیں ہوئی ہے۔ زید بچہ ہے، اس نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کی بات مان لی اور میری تکذیب کر دی، جس کا مجھے بہت افسوس ہوا۔ میرے چچا نے بھی مجھ کو برا بھلا کہا۔ پھر اللہ پاک نے سورۃ المنافقون کی آیات نازل فرمائی۔ نبی کریم ﷺ نے ان منافقین کو بلا کر سنایا اور مجھ سے فرمایا: اے زید اللہ نے تیری تصدیق کر دی، واقعی منافقین نے ایسا کہا ہے۔ تم سچے ہو منافقین جھوٹے ہیں۔ آپ کا انتقال ۶۸/۶۶ھ میں کوفہ میں ہوا[1]۔

زید بن خالد رضی اللہ عنہ:

نام: زید بن خالد الجہنی، ان کی کنیت ابو عبد الرحمان یا ابو طلحہ ہے، قبیلہ جہینہ کی طرف آپ منسوب ہیں، یہ بہت بڑا قبیلہ تھا، صحابہ کرام کی کثیر تعداد اس قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی، آپؓ نے مدینہ میں سکونت اختیار کی۔ صلح حدیبیہ میں شریک رہے۔ فتح مکہ کے دن قبیلہ جہینہ کا جھنڈا آپ کے ہی پاس تھا۔ نبی کریم ﷺ

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱۸۶/۳۔

سے ان کی روایت کردہ حدیثوں کی کل تعداد تقریباً ۸۱ ہیں۔ پچاس سال کی عمر میں ۵۸ھ میں مدینہ پاک یا کوفہ یا مصر میں آپ کا انتقال ہوا۔ رضی اللہ عنہم (۱)۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ:

ان کا نام مالک بن اُہَیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی، ان کا سلسلۂ نسب بھی اوپر جا کر سرور کائنات ﷺ سے مل جاتا ہے۔ ان کی کنیت ابو اسحاق تھی، قریشی، مکی، مدنی صحابی ہیں۔ عشرہ مبشرہ یعنی ان دس صحابہ کرام میں سے ہیں جن کے جنتی ہونے کی بشارت دنیا میں ہی دیدی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ارکان شوریٰ کے چھ ممبران میں سے تھے۔ آپ کی مرویات کی تعداد تقریباً ۲۷۰ ہے۔

ان کے بہت سارے فضائل کتابوں میں موجود ہیں اور ان کی تمام فضیلتوں میں ایک یہ فضیلت ہی کافی ہے کہ غزوہ اُحد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد سے فرمایا: "اے سعد میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں دشمن کی طرف تیر پھینک۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کے مستجاب الدعوات ہونے کی دعا کی تھی۔ اس لیے آپ مستجاب الدعوات بھی تھے۔ ۸۲ سال کی عمر پا کر ۵۶/۵۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا (۲)۔

سلیمان بن صُرَد رضی اللہ عنہ:

نام: سلیمان بن صُرَد، کنیت: ابو مطّرِف ہے۔ قبیلۂ خزاعہ سے تعلق رکھنے والے کوفی صحابی ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جن لوگوں نے خط لکھ کر بیعت کے لیے بلایا تھا، ان میں آپ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مگر ظالموں کے غلبہ اور ظلم کی وجہ سے ان کی مدد نہ کر سکے۔ جس کا ان کو زندگی بھر افسوس رہا۔ پھر آپ اس قافلہ میں شامل ہوئے، جس کو جیش التوابین کہا جاتا ہے، یعنی توبہ کرنے والوں کا لشکر۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نصرت نہ کرنے پر اللہ سے توبہ واستغفار کیا، پھر خون بہا طلب کرنے والے لشکر میں شامل ہو گئے۔ ایک لشکر جرار لے کر عبید اللہ بن زیاد سے لڑائی کے لیے گئے، تین دن تک گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ بالآخر ۶۵ھ میں، آپ اسی لڑائی میں شہید ہو گئے (۳)۔

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ:

نام: سمرہ، والد کا نام: جندب ابن ہلال ابن جریج الفزاری البصری ہے۔ آپ کی کنیت: ابو سعید یا

---

(۱) دلیل الفالحین: ۳۳۹/۱.
(۲) سیر اعلام النبلاء: ۱۲/۲.
(۳) سیر اعلام النبلاء: ۳۰۵/۲.

ابو عبداللہ ہے۔ آپؓ کا شمار علماءِ صحابہ میں ہوتا ہے۔ آپ خوارج کے خلاف بہت سخت تھے، ان کے ساتھ شدت کا معاملہ کیا کرتے تھے، بہت سارے خارجیوں کو آپ نے جہنم رسید کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ ایک بار ہم دس اصحاب ایک گھر میں جمع تھے، ان میں حضرت سمرہ بن جندبؓ بھی تھے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے آخری آدمی کی موت آگ سے جلنے کی وجہ سے ہوگی۔ چناں چہ نبی کریم ﷺ کی پیش گوئی سچ ثابت ہوئی، ایک بار حضرت سمرہ نے دھونی جلائی، ان کا کپڑا آگ کی لپیٹ میں آگیا، ان کو پتہ نہیں چلا اور اس حادثہ میں ۵۸ھ میں انتقال ہوگیا[۱]۔

سہل بن سعد:

آپ کا نام: سہل ہے۔ والد کا نام: سعد ابن مالک ابن خالد ابن ثعلبہ، کنیت: ابوالعباس ہے۔ خزرجی انصاری، باپ اور بیٹا دونوں صحابی ہیں۔ حضرت سعد ابن مالک کا انتقال نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ہی ہوگیا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں آپ کا نام حزن (غم، پریشانی) تھا، لہذا نبی کریم ﷺ نے ان کا نام بدل کر سہل رکھا۔ فرماتے ہیں کہ جب آیت لعان نازل ہوئی، میں اس وقت نبی کریم ﷺ کے پاس موجود تھا، میری عمر پندرہ سال تھی۔ تقریباً سو سال کی عمر پائی۔ آپ نے سنہ (۹۱) میں انتقال فرمایا[۲]۔

شداد بن اوس رضی اللہ عنہ:

نام ابو یعلیٰ شداد بن اوس بن ثابت ہے خزرج کے خاندان نجار سے ہیں، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں، کم سنی کی وجہ سے غزوات میں زیادہ شریک نہیں ہوسکے، نبی کریم ﷺ کے انتقال کے بعد بیت المقدس چلے گئے اور وہیں مقیم ہوگئے، ۷۵ سال کی عمر پاکر ۵۸ھ میں بیت المقدس میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہیں[۳]۔

صُہَیب بن سنان رضی اللہ عنہ:

نام: صُہَیب ابن سنان ابن مالک، کنیت: ابویحیی، اور صہیب الخَیر الرومی سے مشہور ہیں، سابقین اولین میں سے ہیں، بدری صحابی ہیں۔ انہوں نے اسلام کی خاطر بہت تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ حضرت بلال اور حضرت صہیبؓ کے قصے بہت مشہور ہیں۔ ان حضرات کو لوہے کی ذرہ میں جکڑ دیا جاتا اور تپتی دھوپ میں رکھ کر،

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱۹۵/۳۔
(۲) سیر أعلام النبلاء: ۳۱۹/۳
(۳) سیر أعلام النبلاء: ۲۶/۳۔

دین اسلام سے پھیرنے کی کوشش کی جاتی۔ پورے دن ان کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا، مگر یہ حضرات اپنے ایمان پر جمے رہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: آیت: ﴿ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴾(۱) حضرت صہیبؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت صہیب جب ہجرت کرکے مدینہ جارہے تھے؛ تو مشرکین نے گھیر لیا۔ انہوں نے اپنا مال، گھر، بار سب مشرکین کو دے دیا اور کہا کہ مجھ کو ہجرت کرنے دو۔ چنانچہ مدینہ پہنچے۔ جب رسول اللہ ﷺ سے واقعہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو یحییٰ تجارت منافع بخش رہی۔ ایک روایت میں ہے کہ جبریل امین نے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دے دی تھی، جیسے ہی وہ قباء پہنچے، رسول اللہ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا: "یا أبا یحییٰ! رَبِحَ البیعُ"۔ تین بار فرمایا: اے ابو یحییٰ! بیع منافع بخش رہا۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ صہیبؓ سے ایسی محبت کرے جیسی محبت ماں اپنے بچے سے کرتی ہے۔ ۷۳ سال کی عمر پاکر، شوال ۳۸ھ میں مدینۃ النبی ﷺ میں آپ کا انتقال ہوا(۲)۔

طلحہ بن عبید اللہؓ:

آپ کا نام: طلحہ، والد کا نام: عبید اللہ ابن عثمان ابن عمرو، کنیت: ابو محمد، قرشی، تیمی، مکی ہیں۔ ان کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے، قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کی صحبت سے مسلمان ہوئے اور ہجرت کی۔ بہت بڑے تاجر تھے۔ اُحد کے دن بہت جاں بازی سے لڑے، اخیر میں جب مسلمانوں کو ہزیمت اور شکست ہوئی، سب لوگ منتشر ہوگئے؛ تو رسول اللہ ﷺ کے پاس صرف دو صحابی رہ گئے تھے، جنھوں نے آپ ﷺ کی حفاظت کی اور آپ ﷺ سے مشرکین کا دفاع اور ان سے قتال کیا۔ ان میں سے ایک یہ یعنی طلحہ ابن عبید اللہ بھی تھے۔ حضرت طلحہؓ کی صاحبزادی فرماتی ہیں کہ ہمارے والد کو اُحد کے دن چوبیس زخم لگے تھے۔ انگلیاں شل ہوگئیں تھیں، بے ہوشی طاری ہوجاتی تھی۔ اِدھر نبی کریم ﷺ کے رباعی دانت شہید ہوگئے تھے، چہرہ مبارک زخمی تھا، آپ پر غشی طاری تھی، ایسے میں حضرت طلحہؓ آپ کو سہارا دیے ہوئے تھے۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: "انت طلحة

---

(۱) البقرة: ۱۰۷.

(۲) سير أعلام النبلاء: ۲/۲٦۸.

الفیاض "تو طلحہ فیاض ہے۔ یہ غزوۂ عشیرہ کا موقع تھا۔ غزوۂ احد کے موقع پر آپ نے ان کا نام "طلحۃ الخیر" اور خیبر کے دن "طلحۃ الجود" نام رکھا۔

جمادی الاخری ۳۶ھ میں آپ شہید ہوئے۔ اس وقت آپؓ کی عمر باسٹھ سال تھی۔ بصرہ میں مدفون ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مروان ابن حکم نے ان کو قتل کروایا۔ رضی اللہ عنہ [1]۔

عبادہ بن صامتؓ:

نام: عبادہ، والد کا نام: الصامت ابن قیس ابن أصرم، کنیت: ابوالولید، انصاری خزرجی صحابی ہیں۔ بیت المقدس میں قیام پذیر ہوگئے تھے۔ بہت بڑے بہادر اور نڈر صحابی تھے۔ اللہ پاک کے سلسلہ میں، اور حق کہنے کے سلسلہ میں کسی لعن وطعن کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ جو کچھ کہنا ہوتا، منہ پر کھل کر کہہ دیتے تھے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ عقبہ اولی کی بیعت میں شریک تھے۔ بہتر سال (۷۲) کی عمر میں، ۳۴ھ میں کا انتقال ہوا، اور بیت المقدس میں مدفون ہوئے [2]۔

عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلبؓ:

نام: عبد اللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف، کنیت: ابوالعباس اور لقب حبر الامت ہے۔ ان کی پیدائش ہجرت سے ۳، ۴، سال پہلے ہوئی۔ نبی کریم ﷺ ان کے خالو اور چچازاد بھائی ہیں۔ آپ نے ان کی عقلمندی اور دانائی دیکھ کر تفقہ فی الدین اور حکمت ودانائی کی دعائیں دی تھیں جو ان کے حق میں قبول ہوئیں، بہت بڑے عالم اور مفسر قرآن تھے اور حبر الامت سے مشہور ہوئے۔ آپ کی سخاوت ضرب المثل تھی۔ کوئی ضرورت بیان کرتا، تو جتنی ضرورت ہوتی اس کا دوگنا اس کو دیتے تھے۔ اللہ کے خوف سے بہت روتے تھے۔ ابورجاء فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس کی آنکھوں کے نیچے آنسوؤں کے نشان دیکھے ہیں۔ بہت زیادہ رونے کی وجہ سے آخر عمر میں بینائی سے محروم ہوگئے تھے۔ عبداللہ بن زبیر کے زمانے میں ۶۸ھ میں طائف میں ان کا انتقال ہوا۔ رضی اللہ عنہ [3]۔

عبداللہ بن بسرؓ:

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱۳/۲.
(۲) سیر أعلام النبلاء: ۲۶۲/۲.
(۳) سیر أعلام النبلاء: تحقیق محمود شاکر.

آپ کا نام: عبد اللہ ابن بسر ابن ابو بسرؓ المازنی، کنیت ابو صفوان ہے۔ صحاح ستہ میں آپ کی حدیثیں موجود ہیں، آپ سے بہت کم ہی احادیث مروی ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ جنگ قبرص میں آپ شامل تھے۔ صفوان ابن عمرو کہتے ہیں کہ آپ کے چہرہ پر نماز کے آثار صاف نظر آتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے درازیِ عمر کی دعا فرمائی تھی اور یہ دعاء قبول ہوئی۔ سلیمان ابن عبدالملک کے زمانہ میں ۸۸ھ میں تقریباً ننانوے سال کی عمر پاکر، وضو کرتے ہوئے انتقال فرمایا۔ واقدیؒ فرماتے ہیں کہ ملک شام میں سب سے آخر میں انتقال کرنے والے صحابی آپ ہیں [1]۔

عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ:

آپ کا نام: عبد اللہ، والد کا نام سلام ابن الحارث الاسرائیلی اور کنیت ابو یوسف ہے۔ جاہلیت میں ان کا اصل نام حُصَین تھا۔ نبی کریم ﷺ نے آپ کا نام بدل کر عبد اللہ رکھا۔ آپ سے صحابہ وتابعین کی ایک کثیر تعداد نے حدیث نقل کی ہے، آپؓ تورات کے بہت بڑے عالم تھے اور یہود کے سب سے بڑے عالم کے بیٹے تھے۔ ایمان لانے کے بعد آپ ﷺ سے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہود کے پاس ان کی کتاب تورات میں آپ ﷺ کا ذکر موجود ہے۔

نبی کریم ﷺ جب ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے؛ تو آپ مسلمان ہوئے۔ فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے اور میں نے دیکھا تو سمجھ گیا کہ آپ ﷺ کا چہرہ جھوٹوں کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے جو سب سے پہلی بات آپ ﷺ سے سنی وہ یہی حدیث تھی: اے لوگو! سلام کو رواج دو۔ پھر انھوں نے آپ ﷺ سے تین سوالات کیے اور کہا کہ ان سوالوں کے جوابات نبی کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا۔

پہلا سوال: قیامت کی علامتیں کیا ہیں؟ دوسرا سوال: اہل جنت سب سے پہلے کیا کھائیں گے؟ تیسرا سوال: بچہ ماں یا باپ کے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے ان سوالوں کے جوابات دیے، یہ سن کر مسلمان ہوگئے۔ آپ حضرت یوسف کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کا انتقال ۴۳ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوا۔ رضی اللہ عنہ [2]۔

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳/۳۲۴.

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۳/۵:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

ان کا نام: عبداللہ بن عمر بن خطاب ہے۔ آپ کی کنیت ابو عبدالرحمان ہے اور ابن عمر سے مشہور ہیں۔ آپ قرشی مکی مدنی مشہور صحابی ہیں۔ نبوت سے ایک سال قبل، ان کی ولادت ہوئی، والد حضرت عمر بن خطاب کے فوراً بعد بلکہ ان کے ساتھ ہی صغر سنی میں مسلمان ہو گئے تھے اور بلوغ سے پہلے ہی ہجرت فرمائی۔ نبی کریم ﷺ کے برادر نسبتی ہیں، ام المؤمنین حضرت حفصہ کے بھائی اور حضرت عثمان غنی کے بھانجے ہیں۔ صغر سنی کی وجہ سے غزوۂ احد میں شریک نہ ہو سکے۔ بڑے عالم وفاضل، زاہد و متقی تھے۔ حضرت جابر فرماتے ہیں: دنیا نے ہر کسی کو اپنی طرف مائل کیا سوائے عمر اور ان کے صاحب زادے عبداللہ بن عمر کے۔

حجاج بن یوسف حضرت ابن عمر سے بہت خوف کھاتا تھا؛ اس لیے اس نے ایک آدمی آپ کے قتل کرنے کے لیے پیچھے لگا دیا تھا، ایک بار اس شخص سے آپ کی مزاحمت ہو گئی۔ اس نے تاک لگا کر آپ کے قدم کے پچھلے حصہ میں ایک نیزہ مارا اور یہی زخم آپ کی شہادت کا ذریعہ بن گیا۔ ذوالقعدہ ۷۳ ہجری میں شہادت ہوئی۔ آپ کی وصیت تھی کہ حِل میں دفن کیا جائے؛ لیکن حجاج بن یوسف کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو سکا اور مہاجرین کے قبرستان ذی طوی میں دفن کیے گئے۔ آپ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۲۶۳۰ ہیں[1]۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما:

نام: عبداللہ بن عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم، آپؓ کا سلسلۂ نسب، کعب بن لوی پر جا کر رسول اللہ ﷺ سے مل جاتا ہے۔ آپ کی کنیت ابو محمد یا ابو عبدالرحمان ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں آپ کا نام عاص تھا۔ نبی کریم ﷺ نے نام بدل دیا اور عبداللہ نام رکھا۔ یہ اپنے والد سے پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ نبی کریم ﷺ سے ان کی کل مرویات تقریباً ۷۰۰ ہیں۔

آپ کے بہت سارے فضائل و مناقب کتابوں میں موجود ہیں۔ آپ کا شمار راسخین فی العلم والعمل میں ہوتا ہے۔ آپؓ فرماتے تھے کہ میں نے قرآن جمع کیا پھر ہر رات ایک قرآن ختم کرتا تھا۔ آپ کا معمول تھا کہ دروازہ بند کر دیتے اور خوف خدا سے روتے رہتے، اسی وجہ سے آپ کی بینائی بھی ختم ہو گئی تھی۔ حضرت امام احمد بن حنبل کے مطابق آپ کا انتقال ۶۳ھ میں ہوا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق آپ کی وفات ۶۵ھ

(۱) سیر أعلام النبلاء، ۲۰۵، ۳/۶، تحقیق محمود شاکر.

میں مصر میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے[1]۔

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

ان کا نام: عبد اللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب، کنیت ابو عبد الرحمن، ہذلی، مکی اور مدنی ہیں۔ آپ کا لقب، فقیہ الامت اور امام الحبر ہے۔ آپ بڑے عالم وفاضل اور ماہر شریعت صحابی ہیں۔ سابقین اولین میں ہیں۔ اذکیاء العلماء میں شمار ہوتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود اپنے ایمان لانے کا واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرا رہا تھا، نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے غلام کچھ دودھ ہے؟ میں نے کہا: ہے، مگر امانت ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کوئی بکری ہے جو دودھ دینے کے قابل نہ ہو؟ میں نے جواب دیا کہ ہے۔ چناں چہ میں ایسی بکری لے کر آیا۔ آپ ﷺ نے اس کے تھن پر ہاتھ پھیرا؛ تو بکری دودھ سے بھر گئی۔ پھر ایک برتن میں دوہا، خود پیا اور ابو بکر کو پلایا اور کہا سوکھ جا، چنانچہ بکری کا دودھ تھن میں سوکھ گیا۔ پھر میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ اس میں سے کچھ مجھ کو سکھایئے، تو آپ ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دی۔

حضرت ابن مسعود ذوالہجرتین ہیں۔ آپ کو خادم رسول ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپؓ نبی کریم ﷺ کے خادم خاص تھے۔ آپ کو صاحب الوسادۃ والسواک والنعلین کہا جاتا ہے۔ یعنی نبی کریم ﷺ کا تکیہ، مسواک اور جوتا اٹھانا آپ کی ہی ذمہ داری تھی۔ مسلم شریف کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی چاہتا ہے کہ قرآن کو تازگی کے ساتھ جیسا کہ وہ نازل ہوا ہے پڑھے، تو اسے ابن ام عبد کی قراءت پڑھنی چاہیے۔ وفات: آپ نے ۶۳ سال تک ایک خلق کثیر کو علوم نبوت کی تعلیم سے آراستہ کیا اور ۳۲/۳۳ھ میں مدینہ پاک میں انتقال فرما کر جنت البقیع میں مدفون ہوئے[2]۔

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ:

آپ کا نام: ابو عبد اللہ، عثمان بن عفان بن ابو العاص بن امیہ قرشی اموی، لقب: ذوالنورین تھا۔ ابتداءِ اسلام میں ہی حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے، اور دو بار حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳/۱۴۴۔

(۲) سیر أعلام النبلاء، ۲/۲۱۴۔

نبی کریم ﷺ کے داماد تھے، یکے بعد دیگرے آپ ﷺ کی دو صاحبزادیاں اِن کے نکاح میں آئیں؛ اِسی لیے آپ کا لقب ذوالنورین پڑا۔ اِن کی پہلی اہلیہ حضرت رقیہؓ غزوہ بدر سے پہلے بیمار ہو گئیں اس لیے آپ بدر میں شریک نہیں ہو سکے۔ لیکن آپ ﷺ نے ان کو بدر کی غنیمت سے حصہ دیا۔ حضرت عمرؓ کے بعد شوریٰ کے اتفاق سے خلیفہ بنائے گئے۔

اِن کے بڑے فضائل کتب حدیث میں مذکور ہیں۔ آپ کی سب سے بڑی فضیلت تو یہ ہے کہ آپ عشرہ مبشرہ میں ہیں یعنی نبی کریم ﷺ نے جن دس صحابہ کو دنیا میں ہی جنتی ہونے کی بشارت دی تھی ان میں سے ایک یہ بھی ہیں، نبی کریم ﷺ کی دو صاحبزادیاں آپ کی نکاح میں آئیں۔

بہت بڑے تاجر تھے، اللہ کے راستے میں خوب لٹاتے تھے، نہ جانے کتنے باغ اور کنویں آپ نے خرید کر رفاہِ عام کے لیے وقف کر دیے تھے۔ آج بھی مدینہ پاک میں بئر عثمان نامی کنواں موجود ہے، جو حضرت عثمانؓ نے خرید کر وقف کیا تھا[1]۔ ۳۵ھ میں مدینہ منورہ میں شہید ہوئے۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ:

نام: عقبہ بن عامر الجہنی المصری، کنیت ابو عیسیٰ یا حماد ہے۔ پچپن احادیث مروی ہیں، بہت بڑے عالم، فقیہ، شاعر اور علم میراث کے ماہر تھے۔ اصحاب صفہ میں سے ہیں۔ قرآن کریم بہت اچھی آواز میں پڑھتے تھے۔ ایک بار حضرت عمرؓ کی خواہش پر آپؓ نے قرآن پڑھا؛ تو حضرت عمرؓ رو پڑے۔ فتح مصر میں شریک رہے[2]۔

عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ:

آپ کا نام: عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ الانصاری البخاری ہے۔ آپ کی کنیت: ابو مسعود ہے، اِن کا شمار علماءِ صحابہ میں ہوتا ہے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر آپ چھوٹے تھے؛ اس لیے شریک نہیں ہوئے، البتہ بیعت عقبہ میں آپ شریک رہے۔ آخری عمر میں آپ کوفہ چلے گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ کوفہ میں حضرت علیؓ کی شہادت کے سال، آپ کا انتقال ہوا[3]۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ:

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳۶۹/۱.
(۲) سیر أعلام النبلاء: ۲۹/۳.
(۳) سیر أعلام النبلاء: ۴۲/۳.

نام: علی، والد کا نام: ابو طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہے، لقب: ابو تراب اور کنیت ابو الحسن ہے۔ آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد ابن ہاشم ابن عبد مناف ہے۔ حضرت ابو طالب اور فاطمہ بنت اسد دونوں میاں بیوی چچازاد بھائی بہن ہیں۔ حضرت علی حضور ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں اور سب سے چھوٹے داماد بھی ہیں۔

آپؓ سابقین اولین میں ہیں، یعنی سب سے پہلے نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے والوں میں ایک آپ بھی ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، غزوۂ خیبر کے موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا تھا: کہ اب میں ایسے آدمی کو اسلام کا جھنڈا دیکر سپہ سالار بناؤنگا کہ اللہ ورسول ﷺ اس سے محبت کرتے ہیں اور وہ بھی اللہ ورسول سے محبت کرتا ہے۔ اللہ پاک اس شخص کے ہاتھ پر خیبر فتح کرے گا؛ چناں چہ حضرت علیؓ کو آپ ﷺ نے جھنڈا دیا اور ان کے ہاتھ پر خیبر فتح ہوا۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے علی کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی۔

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد، ذوالحجہ ۳۵ھ میں آپؓ کو خلیفہ بنایا گیا۔ یہ بہت پر آشوب اور پر خطر دور تھا۔ ۵ سال سے کچھ کم عرصہ تک آپ کی خلافت کا دور رہا۔ رمضان ۴۰ھ میں، ابن ملجم ملعون نے آپؓ کو شہید کر دیا۔ رضی اللہ عنہ[1]۔

عمر بن خطابؓ:

آپ کا نام عمر والد کا نام خطاب، کنیت ابو حفص، اور لقب فاروق ہے، اور فاروق اعظم سے مشہور ہیں۔ ام المؤمنین حضرت حفصہ کے والد ہیں؛ لہذا آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر محترم ہوئے۔ جاہلیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت ترین دشمن تھے، یہاں تک کہ آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے گھر سے نکلے؛ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور دین اسلام کے اسیر ہو گئے۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے، جتنی ان کو اسلام سے نفرت تھی، اسلام قبول کرنے کے بعد اتنی ہی شدید محبت ہو گئی۔

۶ نبوی میں ۴۰ مرد اور ۱۰ عورتوں کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے چار وزیر ہیں: دو آسمانی، اور دو زمینی، آسمانی وزیر جبریل ومیکائیل اور زمینی وزیر ابو بکر وعمر (رضی اللہ عنہما) ہیں۔ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو مخاطب کر کے فرمایا: اے ابن خطاب!

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱/۱۰۰.

جب شیطان راستے میں تم سے ملتا ہے؛ تو اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرلیتا ہے۔ایک موقع سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد کوئی نبی ہوتا؛ تو عمر ہوتا۔ حضرت عمر کی فضیلت میں کئی احادیث کتابوں میں موجود ہیں، جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

۱۳ھ میں حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد مسند خلافت سنبھالا۔آپ کے زمانے میں بڑی بڑی فتوحات ہوئیں، جن میں عراق، شام، بیت المقدس اور مصر وغیرہ شامل ہے۔آپ کی ایک امتیازی صفت تواضع تھی، کپڑوں پر چودہ چودہ پیوند لگے ہوتے تھے، آپ کا کھانا، لباس، بستر غرض یہ کہ ہر چیز سادہ تھی۔

شہادت: حضرت مغیرہ بن شعبہ کا ایک مجوسی غلام —ابو لولؤ— جس کا نام فیروز تھا، نے نماز کی امامت کے درمیان، آپ پر کئی وار کیے جس سے آپ زخمی ہوگئے۔ یہی قاتلانہ حملہ آپ کی شہادت کا سبب بنا۔ ۲۴ھ میں ۶۳/سال کی عمر میں آپ شہید ہوئے۔آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں مدفون ہیں۔ آپ کی مدت خلافت دس سال ہے۔رضی اللہ عنہ [1]۔

عمران بن حصینؓ:

نام: عمران، والد کا نام: حصین ابن عبید ابن خلف، کنیت: ابو نجید الخزاعی ہے۔سات ہجری میں اپنے والد اور حضرت ابو ہریرہ کے ساتھ ایمان لائے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ مختلف غزوات میں شریک ہوئے۔ فرماتے ہیں کہ جب سے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت ہوا ہوں، اس وقت سے لے کر آخر وقت تک، اپنے داہنے ہاتھ سے شرم گاہ کو ہاتھ نہیں لگایا ہے۔

اِن سے فرشتے سلام کیا کرتے تھے۔ایک بار بیمار پڑے تو لوگوں کے کہنے سے "کیّ" کروانا شروع کیا، —یہ ایک قسم کا علاج ہے، آگ سے بدن کو داغ کر علاج کیا جاتا ہے— تو فرشتے نے سلام کرنا بند کر دیا، جب آپ نے یہ علاج روک دیا، تو فرشتے دوبارہ آنے لگے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو بصرہ کا قاضی اور معلم بنا کر بھیجا تھا، حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ عمران بن حصینؓ سے اچھا آدمی بصرہ میں نہیں آیا۔آپ ﷺ کے ساتھ کئی غزوہ میں شریک رہے ان سے (۱۸۰) احادیث مروی ہیں۔آپ کا شمار فقہاءِ صحابہ میں ہوتا ہے [2]۔ مرنے سے قبل آپ نے فرمایا کہ میرے مرنے کے بعد جو مجھ پر زور سے روئے، اس کے لیے کوئی وصیت نہیں ہے۔

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱/۳۳۲ تحقیق محمود شاکر.

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۲/۵۰.

۵۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ رضی اللہ عنہ [۱]۔

معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہما:

نام: معاویہ والد کا نام: ابو سفیان صخر بن حرب ابن امیہ ابن عبد شمس ابن عبد مناف ہے، کنیت ابو عبد الرحمان ہے۔ حضرت معاویہؓ کا نسب عبد مناف پر جاکر نبی کریم ﷺ سے مل جاتا ہے۔ آپ نبی کریم ﷺ کے برادر نسبتی ہیں۔ اپنے والد سے پہلے ہی عمرۃ القضا کے موقع پر اسلام لے آئے تھے، مگر والد کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کیا تھا اور نہ آپ ﷺ سے ملے تھے۔ پھر فتح مکہ کے دن اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ آپ سے روایت کردہ احادیث کی تعداد ایک سو تریسٹھ (۱۶۳) ہیں۔

حضرت معاویہؓ نے جب فتح مکہ میں اپنے اسلام کا اعلان کیا، تو آپ ﷺ بہت خوش ہوئے، آپ غزوۂ حنین میں شریک تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو غنیمت میں سے سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی مرحمت فرمایا۔ ان کا شمار کاتبین وحی میں ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک بار ان کے لیے دعاء فرمائی تھی کہ اے اللہ معاویہ کو حساب و کتاب کا علم عطا فرما اور عذاب سے اس کی حفاظت فرما۔ نبی کریم ﷺ نے ایک بار صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: یکفیکم اللہ بھذا۔ یعنی ملک شام اور روم کے سلسلہ میں اللہ نے تمہارے لیے معاویہؓ کو کافی بنادیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت معاویہ شام کو فتح کریں گے۔

صحابہ کرام اور تابعین عظام کی ایک بڑی تعداد ان کے حلم و بردباری، جود و سخا اور بے انتہا نرمی کی وجہ سے ان سے غلو کی حد تک محبت کرتی ہے۔ خلفاء اربعہ کے بعد، آپؓ کی حکومت ہوئی اور کامیابی کے ساتھ بہت سارے علاقے فتح کیے۔ ماہ رجب، ۶۰ھ میں، ۷۷ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ رضی اللہ عنہ [۲]۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ:

نام: مغیرہ بن شعبہ بن ابو عامر بن مسعود بن مُعَتِّب، اور کنیت ابو عیسیٰ ہے۔ آپ کا شمار کبار صحابہ میں ہوتا ہے۔ بڑے بہادر اور مدبر صحابی ہیں۔ بیعت رضوان میں آپ شریک رہے۔

جنگ یرموک یا قادسیہ کے موقع پر آنکھ میں زخم لگنے کی وجہ سے بینائی چلی گئی تھی۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک بار سورج گرہن ہوا۔ حضرت مغیرہ نے اس کو دیکھا، اس وجہ

---

(۱) سير أعلام النبلاء: ۳/ ۵۰.

(۲) سير اعلام النبلاء: ۳/ ۱۶۴.

سے آنکھ کی روشنی ختم ہو گئی۔ غزوۂ حدیبیہ اور متعدد غزوات میں آپ شریک رہے۔ نبی کریم ﷺ کو دفن کرتے ہوئے انگوٹھی قبر میں گر گئی تھی؛ تو حضرت علیؓ نے ان سے کہا کہ اتر کر لے لو۔ وہ سب سے آخری صحابی ہیں، جس نے آپ ﷺ کے کفن کو ہاتھ لگایا تھا؛ جب انگوٹھی کے لیے قبر اطہر میں اترا۔ آپؓ کا انتقال ۷۰ سال کی عمر میں، شعبان ۵۰ھ میں ہوا [1]۔

مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ:

نام: مقداد بن عمرو ابن ثعلبہ ابن مالک ابن ربیعہ القضاعی الکندی ہے۔ مقداد ابن الاسود سے مشہور ہیں، کیوں کہ ان کی پرورش اسود ابن عبد یغوث نے کی اور پھر متبنی بنالیا تھا۔ سابقین اولین میں سے ہیں، یعنی شروع کے زمانے میں ہی ایمان لے آئے تھے۔ بدر میں شریک ہوئے یہ تنہا صحابی ہیں جو گھوڑے پر سوار تھے۔

امام ترمذی واحمدؒ نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بریدہ کو حکم دیا تھا کہ چار شخص سے محبت کرو۔ علی، ابوذر، مقداد اور سلمان رضی اللہ عنہم۔ (ترمذی، ۴۰۴۸)۔

حضرت مقداد کی صاحب زادی کریمہ فرماتی ہیں کہ مقدادؓ نے حضرات حسنینؓ کے لیے چھتیس ہزار دراہم اور تمام ازواج مطہرات کے لیے سات سات ہزار دراہم کی وصیت کی تھی۔ آپ کا انتقال ۳۳ھ میں تقریباً ستر سال کی عمر میں ہوا۔ حضرت عثمان بن عفانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ رضی اللہ عنہ [2]۔

نضلہ بن عبید:

نام: نضلہ، والد کا نام: عبید ابن عابد، اور ابو برزہ اسلمی سے مشہور ہیں، قدیم الاسلام صحابی ہیں، خیبر اور فتح مکہ میں شریک رہے۔ یہ وہی صحابی ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے دن آپ ﷺ کے حکم سے عبد العزی بن خطل کو بیت اللہ کے غلاف کے پیچھے قتل کیا تھا۔ عبد العزی کی معافی نبی کریم ﷺ نے رد فرمادی تھی۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ چھ یا سات غزوات میں شریک رہے۔

آپؓ صوفی صحابی تھے۔ اون کا کپڑا استعمال کرتے تھے۔ بیواؤں، یتیموں اور مسکینوں کا بہت خیال کرتے تھے۔ ایک بہت بڑے دیگ میں صبح وشام ان کے لیے ثرید بنواتے، تہجد کی پابندی کرتے تھے۔ وضو

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱۱۶/۳۔

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۱۷۸/۲۔

کرنے کے بعد اپنے گھر والے کو بھی تہجد کے لیے جگاتے۔ آپؓ تہجد میں ایک رکعت میں ساٹھ آیات سے سو آیات تک کی تلاوت فرماتے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ کے انتقال سے قبل، ۶۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا(۱)۔

نعمان بن بشیر:

نام: نعمان اور والد کا نام: بشیر ابن سعد ابن ثعلبہ ہے، کنیت ابو عبد اللہ یا ابو محمد ہے، دونوں باپ بیٹا صحابی ہیں۔ علماء کا اتفاق ہے کہ حضرت نعمان ابن بشیرؓ بچپن سے ہی نبی کریم ﷺ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے حدیث نقل کرتے تھے۔ آپؓ حضرت امیر معاویہؓ کے مقربین اور امراء میں تھے۔ چناں چہ امیر معاویہؓ نے آپ کو کوفہ کا امیر بنایا تھا، بہت دنوں تک کوفہ کے امیر رہے، پھر دمشق کے قضاء کی ذمہ داری سونپی گئی، پھر حمص کے امیر بنے۔

آپ کی شہادت کے سلسلہ میں دو رائے ہے۔ ایک یہ کہ نعمان ابن بشیرؓ نے لوگوں کو حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ کی بیعت کی دعوت دی؛ تو لوگوں نے ان کو قتل کر دیا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ ۶۴ھ کے آخر میں بیرین نامی گاؤں میں خالد ابن خلی نے آپ کو شہید کر دیا۔ واللہ اعلم (۲)۔

نفیع ابن الحارث رضی اللہ عنہ:

آپ کا نام: نفیع ابن الحارث ابن کلدہ یا نفیع ابن مسروح ہے۔ کنیت ابو بکرہ، اور ابو بکرہ الثقفی البصری اور نبی کریم ﷺ کے مولی یعنی آزاد کردہ سے مشہور ہیں۔ جب طائف کا محاصرہ ہوا تھا، تو یہ بھاگ کر نبی کریم ﷺ کے پاس آگئے اور آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضور ﷺ کو بتایا کہ وہ غلام ہیں، تو آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا۔

اِن کا شمار فقہاء صحابہ میں ہوتا ہے۔ جب آپ بیمار ہوئے؛ تو آپ کے لڑکے آپ کے پاس آئے اور کہا کہ طبیب کو بلاتا ہوں، انہوں نے منع فرمادیا۔ پھر جب وفات کا وقت قریب ہوا؛ تو بولے کہ تمہارے ڈاکٹر کہاں ہیں؟! اگر وہ سچے ہیں تو موت کا علاج کر دیں۔ آپ کا انتقال حضرت معاویہ کے زمانہ میں، بصرہ میں، ۵۱/۵۲ھ میں ہوا۔ ابو برزہ الاسلمی صحابیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی رضی اللہ عنہم۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ابو بکرہ اور عمران ابن حصین رضی اللہ عنہما سے اچھا آدمی بصرہ میں کوئی نہیں آیا(۳)۔

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱۲۶/۳.
(۲) سیر أعلام النبلاء: ۴۱۱/۳.
(۳) سیر أعلام النبلاء: ۱۱۰/۳.

واثلہ ابن الاسقع رضی اللہ عنہ:

نام: واثلہ ابن الاسقع بن کعب بن عامر۔ کنیت: ابوالاسقع یا ابو محمد ہے۔ اصحاب صفہ میں سے ہیں، غزوۂ تبوک سے پہلے اسلام لائے اور غزوہ میں شریک ہوئے، ان سے چند احادیث مروی ہیں، فقراء مسلمین میں سے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ہم اصحاب صفہ میں سے کسی کے پاس بھی ایسا کپڑا نہیں تھا، جو پورے بدن کو ڈھانپ سکے، گرد وغبار جسم پر پڑتے تھے اور پسینہ بہنے کی وجہ سے ہمارے جسم میں گرد کے راستے بن گئے تھے، نبی کریم ﷺ نے ہمیں دیکھا تو فرمایا: فقراءِ مہاجرین کو بشارت ہو۔ نبی کریم ﷺ نے ایک بار ان کو فرمایا کہ تم میرے گھر کے افراد میں سے ہو۔

۸۳ھ میں دمشق میں انتقال ہوا، دمشق میں انتقال پانے والے آخری صحابی ہیں [1]۔

اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہا:

نام: اسماء بنت ابو بکر، ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی بہن اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی والدہ ہیں۔ کنیت: ام عبد اللہ اور لقب: ذات النطاقین ہے۔ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ ان کے گھر سے ہجرت کا ارادہ کیا، تو زادِ راہ یعنی راستہ کا توشہ حضرت اسماءؓ نے ہی تیار کیا اور تھیلا کا منہ باندھنے کے لیے جب رسی نہیں ملی، تو اپنے دوپٹہ کو پھاڑ کر تھیلا باندھا۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے ان کا لقب ذات النطاقین رکھا۔ حضرت اسماءؓ کی روایتوں کی تعداد اٹھاون ہے۔ آپؓ تعبیر رؤیا کی بڑی عالمہ تھیں، حضرت سعید بن مسیبؒ نے خواب کی تعبیر کا علم ان سے ہی سیکھا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ اور اسماءؓ سے زیادہ سخی کسی عورت کو نہیں دیکھا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد حجاج بن یوسف ثقفی ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تیرے لڑکے عبد اللہ نے بیت اللہ میں لادینیت دکھایا اور اللہ نے اس کو عذاب دیا؛ تو انہوں نے فرمایا کہ تو جھوٹا ہے، وہ اپنی والدہ کا فرماں بردار تھا۔ وہ کثرت سے روزے رکھتا اور نوافل پڑھتا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ عنقریب ثقیف سے دو جھوٹے نکلیں گے، ان میں سے دوسرا پہلے سے زیادہ خبیث اور شریر ہو گا۔ عبد اللہ بن زبیر میرا بیٹا تو کامیاب ہے۔ ۷۳ھ میں ان کا انتقال ہوا [2]۔

(۱) سير أعلام النبلاء: ۳۰۰/۲۔

(۲) سير أعلام النبلاء: ۲۹۳/۲۔

امّ سلمہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا:

آپ کا نام: ہند ہے، والد کا نام: ابوامیہ حذیفہ ابن المغیرہ ابن عبد اللہ ابن عمر ابن مخزوم، کنیت امّ سلمہ، اور لقب ام المؤمنین ہے، قریش کے قبیلۂ مخزوم سے تھیں۔ نبی کریم علیہ السلام کی زوجیت سے قبل، ان کا نکاح ان کے چچازاد بھائی ابو سلمہ ابن عبد اللہ سے ہوا، وہ بہت نیک اور پاک باز صحابی رسول تھے۔ ام المؤمنین حسب ونسب کے اعتبار سے بہت اعلیٰ اور عزت دار تھیں، عرب کی خوب صورت عورتوں میں سے تھیں۔ حضرت ابو سلمہ سے جو بھی الاود ہیں سب صحابی ہیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شادی کا واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ ابو سلمہؓ سے انہوں نے مرض الوفات میں کہا کہ میں نے سنا ہے کہ اگر کسی کا شوہر مر جائے اور وہ جنتی ہو اور اس کے انتقال کے بعد، اس کی بیوی دوسری شادی نہ کرے؛ تو اللہ پاک میاں بیوی کو جنت میں جمع کر دیتے ہیں۔ تو آیئے ہم معاہدہ کرتے ہیں کہ میرے بعد آپ شادی نہ کریں گے اور آپ کے بعد میں شادی نہیں کروں گی۔ ابو سلمہؓ نے فرمایا: میری بات مانو گی؟ انھوں نے کہا: ہاں! ابو سلمہ نے کہا کہ جب میرا انتقال ہو جائے؛ تو تم شادی کر لینا۔ پھر دعا دی کہ اے اللہ میرے بعد، ام سلمہ کو ایسا شوہر عطا فرما، جو مجھ سے اچھا ہو، جو نہ تو اس کو غم پہنچائے، نہ تکلیف دے۔ ام سلمہ کہتی ہیں کہ جب ان کا انتقال ہو گیا؛ تو میں نے کہا ابو سلمہ سے اچھا کون ہو سکتا ہے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد جب عدت گزر گئی؛ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ پر آکر کھڑے ہوئے اور میرے لڑکے یا بھتیجے کے ذریعہ سے نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت ام سلمہ نے پیغام قبول کر لیا اور دوسرے دن شادی ہو گئی۔

امہات المؤمنین میں سب سے آخر میں، آپ کی وفات ہوئی۔ تقریباً ۹۰ سال کی عمر پائی اور ۵۹/۶۱ھ میں آپؓ کا انتقال ہوا[1]۔

ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا:

نام: ام کلثوم، والد کا نام: عقبہ ابن ابی مُعیط ابان ابن ابو عمرو ذکوان ابن امیہ ہے۔ حضرت عثمان ابن عفانؓ کی ماں شریک بہن ہیں۔ مکہ میں ہی ایمان لائیں اور بیعت ہوئیں؛ لیکن ہجرت نہ کر سکیں ۶ھ میں صلح حدیبیہ ہوا۔ آپؓ ۷ھ میں ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچی، جیسے ہی مدینہ پہنچی ان کے پیچھے ان کے بھائی ولید اور

(۱) سير أعلام النبلاء: ۲/۲۰۴.

عُمارہ بھی مدینہ پہنچ گئے اور معاہدہ صلح حدیبیہ کے مطابق نبی اکرم ﷺ سے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ یہ سن کر ام کلثومؓ نے کہا: یارسول اللہ آپ ﷺ مجھے کفار کی طرف واپس بھیجیں گے؛ جب کہ وہ مجھے میرے دین کی وجہ سے تکلیف دیتے ہیں اور میں صبر نہیں کر سکتی اور آپ ﷺ تو عورتوں کی کمزوری جانتے ہی ہیں۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ آیت نازل ہوئی۔ ترجمہ: اے ایمان والو! جب آئیں تمہارے پاس ایمان والی عورتیں وطن چھوڑ کر، توان کو جانچ لو؛ اللہ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو، پھر اگر جان لو کہ وہ ایمان پر ہیں؛ تو مت پھیرو ان کافروں کی طرف، نہ یہ عورتیں حلال ہیں ان کافروں کو اور نہ وہ کافر حلال ہیں ان عورتوں کو[1]۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ان کے بھائیوں کو منع کر دیا گیا۔ آپؓ سے دس احادیث مروی ہیں، حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت میں آپ کا انتقال ہوا[2]۔

ام حبیبہ رملہ بنت ابوسفیان ﷞:

نام: رملہ بنت ابوسفیان صخر ابن حرب ابن امیہ ابن عبد شمس ابن عبد مناف، کنیت: ام حبیبہ اور لقب ام المؤمنین ہے۔ نسبی اعتبار سے نبی کریم ﷺ کی سب سے قریبی زوجہ ہیں، ۶ھ میں آپ ﷺ سے شادی ہوئی۔ ۱۶۵ احادیث اِن سے مروی ہیں، حضرت ام حبیبہ کا انتقال ۴۴ سال کی عمر میں ہوا[3]۔

عائشہ ام المؤمنین ﷞:

آپ کا نام: عائشہ اور لقب ام المؤمنین اور حمیرا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی ہیں۔ آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ ہجرت سے تین سال قبل ۱۰ نبوی میں مکۃ المکرمہ میں آپ ﷺ سے نکاح ہوا، اور ۲ ہجری میں رخصت ہو کر، آپ کے گھر گئیں؛ جب کہ ان کی عمر ۹ سال تھی، جب ان کی عمر ۱۸ سال تھی؛ تو نبی کریم ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔

آپ بڑی فقیہہ، عالمہ اور فصیحہ وبلیغہ خاتون تھیں۔ شعراءِ عرب کے اشعار پر آپ کی بڑی گرفت تھی۔ صحابہ وتابعین کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے حدیث روایت کی ہے۔ آپ کے بہت سارے فضائل کتابوں میں موجود ہیں۔ آپ کی مرویات کی کل تعداد ۲۲۱۰ ہیں۔ ۱۷ رمضان المبارک ۵۷ ہجری منگل کے دن آپ کا انتقال ہوا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کی وصیت کے مطابق رات میں

---

(۱) سورة الممتحنة: ۱۰، ترجمہ شیخ الہند۔
(۲) سير أعلام النبلاء: ۲/۳۸۸.
(۳) سير أعلام النبلاء: ۲/۳٦۲.

آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ رضی اللہ عنہا[1]۔

نَسیبہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا:

نام: نَسیبہ بنت الحارث اور کنیت ام عطیہؓ ہے۔ آپ کا شمار فقہاء صحابیات میں ہوتا ہے۔ بڑی عالمہ اور فقیہہ تھیں۔ ان سے چند احادیث مروی ہیں۔ حضرت محمد ابن سیرین اور ان کی بہن حفصہ بنت سیرین، علی ابن اقمر، عبدالملک ابن عمر اور اسماعیل ابن عبدالرحمان وغیرہم نے روایت نقل کی ہیں۔ ۷۰ھ کے آس پاس آپ کا انتقال ہوا[2]۔

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۲/۳۲۳.

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۲/۴۰۷.
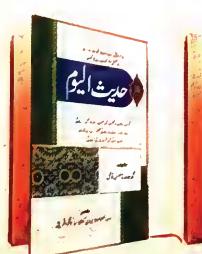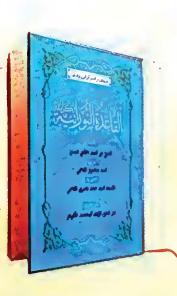
₹ 440.00

مكتبة الاتّحاد ديوبند (الهند)

MAKTABATUL ITTIHAD

DEOBAND, DISTT. SAHARANPUR, U.P.- 247554 (INDIA)

91- 989 729 6985

maktabatul_ittihad@yahoo.com

www.ittihad.in